سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر (۸۳)

خطبات گارساں دتاسی

یعنی

پروفیسر موصوف کے سالانہ افتتاحی لکچر ہندوستانی زبان پر

از ۱۸۵۰ع تا ۱۸۶۹ع



مترجمہ و شایع کردۂ

انجمن ترقیٔ اردو اورنگ آباد (دکن)

سنہ ۱۹۳۵ع

فہرستِ مضامین

صفحہ

تصانیف (۱۹ - ۲۲) - ۱۸۵۱ میں مطابع کی حالت (۲۲) - چند قابل ذکر مطبوعہ کتابیں (۲۲ - ۲۴) - صاحب خطبات کا طریقۂ تعلیم بر سبیل تذکرہ (۲۴) - تاریخ شیر شاہ (۲۴ - ۲۶) - پریم ساگر ' اس کا ماخذ ' ترجمہ ' اس میں سری کرشن کی سیرت و تعلیمات ' عیسیٰ کی سیرت و تعلیمات کی صداے باز گشت ' تبلیغ عیسائیت ' سینٹ تھامس دکھنی میں وعظ کرتا تھا (۲۷ - ۲۸) —

ھندوستانی بول چال سے گزر کر ادب کے حدود میں داخل ہو رہی ھے ؛ مطابع و اخبارات کی ترقی مختلف شہروں میں (۲۹ - ۳۵) - ھندوستانی تصانیف و تالیفات ' رومن کیتھلک اور پراتسٹنٹ فرقوں کی مطبوعات (۳۵ - ۳۶) - بعض ھندوستانی جو عیسائی ھو گئے ' رام چندر اور ایک سکھ شہزادہ (۳۶) - ھندوستانی مطبوعات کی تعداد ' ھندی ' اردو کتب ' شرح رامائن ' نجات المومنین ' حاتم طائی منظوم ' ھندی لغت مرتبۂ تعشق (۳۷ - ۳۸) - اردو مطبوعات ' قصۂ منصور ' مجموعہ مثنوی ' حکایت نصیحت آمیز ' نظم نادر ' گلستان مسرت ' ترجمۂ مقامات حریری ' قصۂ دھرم سنگھ ' شرح مثنوی بو علی قلندر ' بہارستان سخن ' میزان عقبیٰ ' " پنجاب میں ایک سال " کا ترجمہ (۳۸ - ۴۰) - مطبوعہ جغرافی نقشے (۴۰ - ۴۱) - ھندوستانی انتخابات مرتبہ شکسپیر جو مصنف پڑھاتا تھا ' اس کی بجاے طوطا کہانی اور باغ و بہار داخل نصاب ھوے ' ان کتابوں کا طرز تحریر (۴۱) - طوطا کہانی اور باغ و بہار کے ترجمے (۴۱ - ۴۲) - باغ و بہار کا ایک اقتباس ' خلاصہ ' اس کتاب کی خصوصیات (۴۲ - ۴۴) —

ھندوستانی زبان کی اصل و ماخذ ؛ سنسکرت پراکرت ' بھاشا (۴۴-۴۵) اسلامی فتوحات سے بھاکا میں تغیر (۴۶) - دوھری ھند اسلامی زبان یعنی اردو اور دکھنی (۴۷) - ھندوستانی کی تفریق (یعنی اردو اور ھندی) کی وجہ (۴۸) - اردو کے ھندو مصنفوں اور مولفوں نے اسلامی طرز اور

تخیلات کو اخذ و جذب کیا (۴۸) - ہندی نظمیں ، اردو دکھنی کے مقابلے میں پر زور ہیں - سنسکرت اور فارسی کو بے دخل کر کے مشہور ہندوستانی تصانیف نے ہندوستانی زبانوں کی ایک حالت قایم کر دی (۴۸ - ۴۹) - سر سید کا ایک اقتباس دربارۂ تاریخ زبان اردو (۴۹ - ۵۱) - ولی سے قبل کے شعرا کی زبان (۵۱) حاتم کا ایک اقتباس دربارۂ اختیار زبان (۵۱) - سر سید کے بیان پر تنقید اور اس کا موازنہ میر امن کے بیان سے (۵۲) - مسعود بن سلمان سعدی خسرو اور نوری کی ریختہ گوئی (۵۲ - ۵۳) - دکھن میں ریختہ کے اشعار بزبان دکھنی ؛ وہاں کے چند نامور شعرا کے نام (۵۳ - ۵۴) - شمالی ہند میں ولی کی تقلید سے شاعری کا آغاز (۵۴) - مصنف کو اردو زبان کی تاریخ کا شوق کیوں کر پیدا ہوا اور اس نے اپنی تاریخ کیوں کر لکھی (۵۴ - ۵۵) - تذکروں کی فراہمی (۵۵)- ایرانی اور ہندوستانی تذکرہ نگاری کی حالت (۵۵ - ۵۶) - ہندوستانی تذکروں کے دو نمونے ، ذکر حاتم و ذکر ابوالحسن تانا شاہ از گلشن ہند (۵۹-۶۵) - اردو اور دکھنی کا مقابلہ (۶۵) - ہندی شعرا کے تذکرے یعنی کب مالا (۶۶) - بھگت مالا (۶۶-۶۸) - بھگت چرتر؛ راگ کلپا درم (۶۸-۷۰) سجان چرتر ، کوی چرتر (۷۰)- اردو تذکرہ ؛ نکات الشعرا ؛ (۷۱ - ۷۵)- تذکرۂ قائم ، تذکرۂ گردیزی (۷۵ - ۷۶) - مخزن نکات (۷۶ - ۷۸) - مسرت افزا (۷۸) - تذکرۂ شورش (۷۹) - تذکرۂ گلزار ابراہیم (۸۰) - تذکرۂ مصحفی (۸۱ - ۸۲) - تذکرۂ لطف (۸۳) - مجموعۂ انتخاب (۸۴) - مجموعۂ نغز (۸۵) - عمدۂ منتخبہ (۸۶) - طبقات سخن (۸۸) - تذکرۂ جہاں (۸۹) - عیار الشعرا (۹۱) - گلشن بیخار (۹۲) - گلشن بے خزاں (۹۳)- گلدستۂ نازنیناں (۹۳)- تذکرۂ ناصر لکھنوی (۹۴)- گلستان سخن نام کے تین تذکرے مولفات صابر، جوش، مبتلا (۹۴) "انتخاب دواوین شعرائے مشہور زبان اردو کا" مولفہ صہبائی (۹۴) - صحف ابراہیم (۹۵) - سراپا سخن (۹۶) - طبقات الشعرا (تذکرۂ شعرائے ہند) (۹۶) - آغاز اردو منتخبات : - تین مجموعے اور ان کی حالت (۹۷) ؛ گلدستۂ نشاط (۹۸) - مجموعۂ واسوخت (۹۸) - ہندوستانی شعرا کے ان تذکروں کا ذکر جن کے نام تذکروں میں مصنف کو ملے ہیں : - کوی پرکاش : وارتا ؛

نظمہائے دلہارام (۹۹) - تذکرۂ حسن؛ تذکرۂ سودا (۱۰۰) - گلزار مضامین؛ گلدستۂ حیدری؛ تذکرہ میر محمد علی ترمذی؛ روضتہ الشعرا؛ تذکرۂ اختر (۱۰۱) - تذکرۂ آزردہ، تذکرۂ عاشق (۱۰۲) - سرو آزاد (۱۰۳) - تذکرۂ کاملین، تذکرۂ هندی (طبقات الشعرا شوق)، تذکرۂ خاکسار (۱۰۵) - تذکرۂ محمود، تذکرۂ مضمون (امام الدین خاں) (۱۰۶) - تذکرۂ ذوق، تذکرہ جهاندار (۱۰۷) - تذکرۂ امام بخش کشمیری، تذکرۃ النسا (۱۰۸) - مختصر احوال مصنفین هندی کے تذکروں کا، تذکرۃ الحکما، تذکرۃ المفسرین، تذکرۃ الشاهیر (۱۰۹) - وہ انتخابات جن کا علم تذکروں کے ذریعے هوا :- سبها ولاس، نورتن؛ کویا سنگرها، کبی بچن سدها (۱۱۰) - انتخاب مشتاق (تاج الدین)، انتخاب مشتاق (محمد قلی)، چمن بے نظیر (۱۱۱) - مجموعۂ دواوین، مجالس رنگین، گلستان مسرت (۱۱۲) - گلدستۂ هند معیار الشعرا، مجموعۂ انتخاب مقبول نبی خاں (۱۱۳) - دو فهرست کتب :- قلمی فهرست فارسی و هندوستانی مرتبہ علی احمد، فهرست ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال (۱۱۳) - وہ مصنفین جن کا ذکر اصل تذکروں میں هے -: ان کی تعداد و حیثیت (۱۱۴) - هندوستانی ادبیات میں - شاعری، شاعری سے مصنف کی مراد اور اس کی قسمیں (۱۱۵ - ۱۱۶) - بعض شعرا اردو و فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتے هیں (۱۱۶) - مصنفین کی گروہ بندی - : پہلی تقسیم بلحاظ مذهب مسلمانوں نے هندی میں بہت کم لکھا، هندوؤں نے نہ صرف اردو، دکھنی بلکہ فارسی میں بھی لکھا (۱۱۶ - ۱۱۷) - هندی کے شاعروں کے تذکرے دستیاب نہیں هوتے، اردو گو شعرا کے تذکرے موجود هیں - اس لیے هندی گو شعرا کی صحیح تعداد معلوم نہیں هو سکتی (۱۱۷) - هندی میں لکھنے والے کہاں کہاں هیں (۱۱۷) - تهیٹ دکھنی لکھنے والوں کی تعداد دو سو هے - (۱۱۷) دکھن کے شہر (۱۱۸) - اردو کے مرکز (۱۱۸) - هندو مسلمانوں کے ناموں کی تمیز :- هندوستانی مسلمان شعرا کے ناموں کی چھہ صورتیں (۱۱۸) - هندو مسلمانوں کے نام کن اصولوں پر رکھے جاتے هیں، اس کی تفصیل (۱۱۹ - ۱۲۰) - هندو فرقوں کے افراد کے ناموں کے ساتھہ اعزازی الفاظ (۱۲۰) - هندوستانی مسلمانوں کی تفریق ذات (۱۲۰) -

هندو القاب شری ؛ دیو' گال اور روسی قوموں میں ان القاب کی مماثلت (۱۲۱) - درباری شعرا کے خطابات (۱۲۱) - هندو فارسی تخلص استعمال کرتے هیں (۱۲۲) - بعض هندو شاعر جو مسلمان هو گئے هیں ؛ مسلمان هونا بمقابلہ هندو رهنے کے ترقی کرنا هے - (۱۲۲) هندو مسلمان جو عیسائی هو گئے هیں ' ان کی تبدیل اسما کی نوعیت (۱۲۳) - شعرا جو اپنا مذهب تبدیل کر کے مسلمان هو گئے (۱۲۴) یورپی عیسای جو اردو کے شاعر هیں (۱۲۴ - ۱۲۶) - ایک حبشی جو اردو کا شاعر تها (۱۲۶) - هندی کے شعرا مذهبی تفریقوں کے لحاظ سے؛ سنی ' شیعہ (۱۲۷) - وهابی (۱۲۸) - بادشاہ شاعر (۱۲۹) - شاعر عورتیں (۱۲۹ - ۱۳۱) - هندو مسلمان شاعروں کی تقسیم بلحاظ زمانہ ؛ گیارهویں صدی : مسعود سعد ۱۲ ویں صدی : چند اور پیپا - ۱۳ ویں صدی : سعدی ' بجو باورا ۱۴ ویں صدی : خسرو ' نوری(۱۳۲) ان کے سوا اور شعرا جن کی تصانیف موجود هیں (۱۳۲ - ۱۳۳) ۱۵ ویں صدی کبیر ' گوپال داس' دهرم داس ' نانک ' بهگو داس ' لالچ (۱۳۳) ۱۶ ویں صدی : سکهہ دیو ' نابها جی ' ولبها ' دادو ' بهاری (۱۳۳ تا ۱۳۴) ابوالفضل' افضل ' محمد قلی قطب شاہ ' عبداللہ قطب شاہ (۱۳۴)-۱۷ ویں صدی : سورداس ' تلسی داس' کیشو داس (۱۳۵) - حاتم ' آزاد ' جواں (۱۳۵)- ولی' احمد گجراتی' تانا شاہ ' شاهی' مرزا ابوالقاسم' ابن نشاطی ' غواصی ' محقق' رستمی (۱۳۵ - ۱۳۶) - ۱۸ ویں صدی کے هندو مصنفین گنپتی ' بیر بهان ' رام چرن ' شیو نراین (۱۳۶) - اردو شعرا : سودا' میر ' حسن (۱۳۶) - جرأت ' آرزو ' درد ' یقین' فغاں ' امجد دهلوی ' امین الدین بنارسی ' عاشق (۱۳۶) - دکهنی شعرا : حیدر ' ابجدی ' سراج- ۱۹ ویں‌صدی : هندی مصنفین :- بهگت ور' دلها رام ' چتر داس (۱۳۷) - اردو گو : - مومن ' نصیر ' آتش ' مول چند ' ممنون (۱۳۷ - ۱۳۸) - دکهنی : کمال ' عبدالحق (۱۳۸) - شاعروں کی تقسیم بلحاظ تذکرہ نگاری (۱۳۸) - تصنیفات جن کا ذکر تذکروں میں هے :- اصناف سخن : غزل ' مثنوی و دیگر اصناف - (۱۳۹ - ۱۴۰) - اردو اور هندی شاعری کے موضوعات عشق (۱۴۰ - ۱۴۱) - اردو کی بحریں (۱۴۱) - تدوین کلام (۱۴۱) - حسن ازلی اور حسن مخلوق میں گذمڈ (۱۴۲) - چند نظموں کا ذکر

چن کا ترجمہ مصنف نے کیا (۱۴۳) - ان نظموں پر رائے - غزلوں میں صنعت ایہام کا عیب (۱۴۳) - شہرت دیوان ولی ؛ مقبولیت سودا ' میر' درد ' جرأت ' یقین (۱۴۴) - آتش ' ذوق ' نظیر کے دیوان (۱۴۴) - فردیات (۱۴۴) - نوحہ ' عیدی ' معما ' مقطعات ' نعت ' سالگرہ ' واسوخت ' زٹلیات (۱۴۵) - نسبتیں (۱۴۶) چوپای ' دوھا ' گن (۱۴۶) - مکری (۱۴۷) - کوک شاستر (۱۴۷) مثنویاں ' خمسے ' ہفتے (۱۴۷)- فارسی قصوں کے اردو ترجموں کی نوعیت (۱۴۸)- آرائش محفل ؛ یوسف زلیخا ' لیلی مجنوں کے مختلف ترجمے (۱۴۹) - بہرام گور اور قصہ سکندر کے مختلف نسخے (۱۵۰) - قصۂ حاتم ' داستان امیر حمزہ ' قصۂ حنیف' تاریخ ھرمزد (۱۵۱)- شکنتلا کے ترجمے (۱۵۲)- پدماوت کے ترجمے (۱۵۳) - کرشن کی تاریخ ' راماین (۱۵۴) - کامروپ ' گل بکاولی (۱۵۵) - ھیر رانجھا ' سسی پنو ' پھول بن (۱۵۶) - گل و صنوبر' چہار درویش ' گرو برم ارتھم (۱۵۷)- بیتال پچیسی' سنگھا سن بتیسی' طوطا کہانی' خاور نامہ' قصۂ بلند اختر (۱۵۸) - اخوان شاہ ' چندر بدن مہیار ' دلارام و دلربا ' پری رخ و ماہ سیما ' فسانۂ عجائب اوراس قسم کےقصوں کے ترجمےاور خلاصے جو مصنف نےکیے (۱۵۹)- نظم کی بعض اور قسمیں ' بارہ ماسہ ' پھول چرتر (۱۶۰) - مسلمانوں میں نظم کی ایک خاص قسم مثلاً کشف الاسرار ' منطق الطیر ' اخوان الصفا (۱۶۱) - پنچ تنتر (۱۶۲) - ناٹک ' یوسف زلیخا ' محرم کے تعزیے ' ھولی' ھنومان کا ناٹک (۱۶۲ - ۱۶۳) - انشا ' فیض ' خالق ' نظام الدین (پونے والے) ' چرنجی لال ' یوسف دکھنی اور ھرکرن کی انشائیں (۱۶۳) - لسانیات کی کتابیں : مفتاح اللغت ' مصدر الفاضل ' لغت اردو ' مصدر فیوض اردو ترجمہ میزان فارسی ' مظہر نحو' ایک اور اردو لغت ' لغت السعید ' اردو لغت مطبوعہ آگرہ ' تالیفات صہبائی ' بھاشا پنگل (۱۶۴) - انگریزی صرف و نحو پر ھندوستانی کتابیں (۱۶۴) - تاریخ : چند ' چترا پرکاش ' تاریخ گوالیار ' ' راج ولاس ' ھمیر راسا ' ھری چندر لیلا ' سورج پرکاش منظوم حالات راجا مارواڑ (۱۶۵)- کرب چنتا منی ' تاریخ میواڑ ' رشابھا چرتر ' بنس کلی ' کلپا دُرم ' پوتھی محمد شاہ (۱۶۶) - اردو تاریخی کتابیں : آثار الصنادید ' تاریخ آگرہ - علی نامہ ' واقعات گورکھا ' نظم بر سومناتھ پٹن ' حکومت بنگال ' تاریخ خاندان سندھیا (۱۶۶ - ۱۶۷) - خود نوشت سوانح : تیمور ' بابر ' اکبر اور جہانگیر کے تزکوں کے ترجمے ؛ پتمبر داس ' موھن لال ' علی حسین وغیرہ کے

خود نوشت سوانح (۱۶۷) - سفرنامے : سفر نامہ یوسف خاں لکھنوی ' سفر نامہ لطف الدین کریم الدین خاں نیز اس کا ترجمہ از مصنف (۱۶۸) - مذہبی فلسفہ : مہا دیو چرتر ' شولیلا مرتم ' گورا منگل وغیرہ ' نیز مسلمانوں کے مذہبی فلسفہ کی کتابیں (۱۶۸) - مذہبی قانون (۱۶۹) - سائنس و دیگر علوم و فنون (۱۶۹) - سنگ تراشی اور طبی نباتات پر کتابیں ' فن شاہین و باز ' فن بیطاری ' موتیوں کا وزن و قیمت ' شطرنج بازی ' تعبیر خواب ' طباخی وغیرہ پر کتابیں (۱۶۹ - ۱۷۰) - مشرقی زبانوں کے ترجمے ہندوستانی میں : ویدوں' شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآن ' ایک اور ترجمۂ قرآن ' منظوم تفسیر از اشوت (۱۷۰ - ۱۷۱) - ترجمۂ مہمنا ستوترا ' ترجمۂ بھگوونس ' ترجمۂ راماین وغیرہ (۱۷۱) - تامل ' بنگالی اور مرہٹی کے ترجمے (۱۷۲)- عربی کتابوں کے ترجمے : ابوالفدا ' ابن خلکان' اخوان الصفا ' مشکوٰۃ شریف ' ادب القاضی کے ترجمے؛ مقامات حریری کا ترجمہ نیز اس کا ترجمہ از مصنف؛ الف لیلہ کے ترجمے از حسن علی خاں' شمس الدین احمد (مدراس) ' نسیم ' وغیرہ (۱۷۲ - ۱۷۳) - ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے تراجم جغرافیہ ابوالفدا ' تاریخ مغلاں رشید الدین ' تاریخ ابن خلدون وغیرہ - فارسی کے ترجمے : تراجم گلستاں ' ترجمۂ بوستان سعدی از مغل ' منظوم ترجمۂ خلاصۂ شاہنامہ از منشی ' شاہ نامے کے دو نثری ترجمے' ترجمۂ قصۂ سہراب' ترجمۂ مثنوی شریف' تراجم پندنامۂ عطار' پندنامۂ سعدی؛ منطق الطیر؛ حسن و عشق؛ بہار دانش؛ تاریخ کشمیر (۱۷۳)- ترجمۂ تاریخ طبری (۱۷۳) - تراجم کتب ہندی وغیرہ : سنسکرت ترجمۂ ست سئی ' ارمنی ترجمۂ باغ و بہار ' فارسی ترجمہ راگ درشن (۱۷۴)- تراجم کتب اردو : قصۂ دھرم سنگھ اور سراج پور کی کہانی کے فارسی ترجمے (۱۷۵) - کتب انگریزی و فرانسیسی کے اردو ترجمے : - ترجمۂ تاریخ فلوری ' ترجمۂ صرف و نحو عربی مولفہ دی ساسی (۱۷۵) ' مغربی زبانوں کے فوائد (۱۷۵ - ۱۷۶) - مذہبی کتب ؛ قرآن پاک کا الہ آبادی اڈیشن (۱۷۶) - ترجمۂ انگلیکن لٹرجی (۱۷۷) - سنگی مطابع کا فایدہ (۱۷۷ - ۱۷۸) - چند مطابع کی تاریخ اور ان کی مطبوعات (۱۷۸) - ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا کارنامۂ لیتھو گرافی (۱۷۹) - اخبارات و رسایل کا آغاز اور اُن کی ترقی (۱۷۹ - ۱۸۰) -

چھٹا خطبہ ۱۸۱ تا ۱۹۶

خطبہ کا موضوع :- ہندوستانی ادب کی تحریک ترقی (۱۸۱) - صوبجات مغربی و شمالی کے چھاپہ خانے اور اخبار (۱۸۲) - اخبار جو بند ہوگئے (۱۸۲ - ۱۸۳) - صوبجات شمالی و مغربی کے شہروں میں چھاپہ خانوں کی تعداد (۱۸۳) - نئے اخبار ' نورالاخبار ' بدھی پرکاش (۱۸۳) - آفتاب ہند ' فتح الاخبار (۱۸۴) - صادق الاخبار ' نور مشرقی ' نور مغربی ' سرکاری اخبار گوالیار (۱۸۵) - شعاع شمس ' چشمۂ فیض (۱۸۶) - صوبجات مغربی و شمالی کی ادبی ' تاریخی ' فلسفیانہ کتابیں :- چراغ حقیقت ' تذکرۃ التمکین ' عجائب روزگار ' مخزن قدرت ' خیالات الصانعی (۱۸۷) - ترجمہ قوانین منو ' ترجمۂ قدوری ' بہوت نہنگ مصنفۂ رام چندر (۱۸۷) - اخلاقی ناول : سندھی کبدھی ' بنجارا (۱۸۸) - ترجمۂ تاریخ کشمیر ' تاریخ فقہاے اسلام ' سفرنامۂ یورپ ' سیاحت نرماں رواے اندور (۱۸۸) - تصانیف صہبائی : حدیقۃ البلاغت ' قواعد اردو (۱۸۸) - ۱۸۵۳ - ۵۲ ع کی چند مطبوعات : ترجمۂ کرشن بالپن ' ترجمہ لیلی مجنوں ' سفینۂ ظرافت ' شرح قصائد سودا ' دیوان درد ' رامائن ' خلاصۂ انوار سہیلی (۱۸۹) - ایک انگریز حاکم کی حقارت آمیز راے دربارۂ باغ و بہار ' گل بکاؤلی ' اخلاق جلالی ' زبدۃ الخیال پریم ساگر ' سبھا سنگھ ' راج نیتی (۱۸۹ - ۱۹۰) - انگریزی کتابوں کے ہندوستانی ترجمے اور ان کی حیثیت ' مترجمین ' مذہبی کتابوں کے ہندو مترجمین ' حکومت کا مقصد ان تراجم سے وغیرہ (۱۹۱ - ۱۹۶) —

ساتواں خطبہ ۱۹۷ تا ۲۱۳

تمہید : معزولی واجد علی شاہ (۱۹۷ - ۱۹۸) - موضوع خطبہ : ہندوستان کی ادبی تحریک بذریعہ ہندوستانی (۱۹۸) - ہندوستانی کی اصل اور اس سے مراد اور اس کے مرکز (۱۹۹) - ہندوستانی کا رسم خط (۱۹۹ - ۲۰۱) ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب میں مطابع و رسایل کی تعداد (۲۰۱) - اخبار کوہ نور (۲۰۱) اخبار و رسایل کی اشاعت (۲۰۲) مطابع کی مطبوعات کی تعداد (۲۰۲) - دہلی میں شایع شدہ کتابیں ' ان کی اشاعت کا مقصد (۲۰۳ - ۲۰۴) - تذکرۂ گلستان سخن (۲۰۴) - گیان چالیسی '

آٹھواں خطبہ ۲۱۴ تا ۲۴۱

نواں خطبہ ۲۴۲ تا ۲۷۰

دسواں خطبہ ٢٧١ تا ٣٠٣

ترجمے اور اڈیشن (۳۸۶ - ۳۸۷) - نئی مطبوعات ' مطبوعات منشی کریم الدین و دیگر چند کتب (۳۸۷ - ۳۸۹) - تقویم ۱۸۶۳ ع (۳۸۹) - قانون کتب کے ترجمے اور چند اور کتب کے ترجمے وغیرہ (۳۹۰ - ۳۹۱) - عبدالواسع ہانسوی اور دیوی پرشاد کی تصانیف (۳۹۱) - دو ہندی کتابیں (۳۹۲) - جدید مطبوعات حکومت پنجاب (۳۹۲ - ۳۹۳) - اہل ہند کی تعلیمی ترقی ' ان کا یورپ بغرض تعلیم جانا (۳۹۳ - ۳۹۴) - ہندوستانی یونیورسٹیاں اور کالج اور ان میں طلبہ کی تعداد وغیرہ (۳۹۴ - ۳۹۶) - پنجاب کی تعلیمی کیفیت (۳۹۶ - ۳۹۷) - صوبہ بمبئی کی تعلیمی حالت (۳۹۸ - ۳۹۹) - فوٹو گرافی کا شوق (۳۹۹) - تبلیغ مسیحیت کی کامیابی ' مذہبی گیت (۴۰۰ - ۴۰۱) - انگریزی مشن کی کامیابی (۴۰۲ - ۴۰۳) - بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمانوں پر تبلیغ عیسائیت کا اثر کم پڑتا ہے ' اس میں بعض مشہور عیسائیوں کے ترک دین کو بھی دخل ہے (۴۰۳ - ۴۰۶) - انسداد ستی اور ترویج عقد بیوگان کی مساعی (۴۰۶ - ۴۰۷) مشاہیر جو دنیا سے چل بسے : بہادر شاہ ظفر ' مہارانی چند کنور ' میر جعفر علی خاں والی سورت ' جان ویتلی (۴۰۷ - ۴۰۹) - ہندوستانی علوم سے دلچسپی رکھنے والوں کی ہمدردی اہل ہند کے ساتھ (۴۱۰ - ۴۱۱) —

چودھواں خطبہ ۴۱۲ تا ۴۵۰

تمہید : ہندوستانی زبان کا فروغ (۴۱۲) - سر چارلس ٹریولین کی لائق شکر مساعی ' عربی فارسی کے مغلق الفاظ کے اخراج کی کوشش ' انگریزی الفاظ کے استعمال کا رجحان (۴۱۲ - ۴۱۳) - اس رجحان کے خلاف صدائے احتجاج (۴۱۴) - فوجی اغراض اور خط و کتابت کے لیے ہندوستانی کا لزوم ' ہندوستانی کی ترویج و مقبولیت اس کا ثبوت وغیرہ (۴۱۵ - ۴۱۸) - اعلی انگریزی حکام کے لیے ہندوستانی کا لزوم ' حکومت کے مختلف شعبوں کی ملازمتوں کے لیے نصابی کتابیں وغیرہ (۴۱۸ - ۴۲۰) - اخبارات کی ترقی ' مسٹر پامر کی اردو دانی کی تعریف (۴۲۰ - ۴۲۳) - جدید ہندوستانی اخبار (۴۲۳ - ۴۲۴) ادارت کا معیار بلند ہو رہا ہے ' رائے عامہ کی نشو و نما (۴۲۵) - ہندوستانی کی ترقی کا حال ' بعض جدید

چماروں کی تحریک "ست نامی" (۶۴۶) - بنگالیوں کا چیت میلا (۶۴۷) - رام سنگھ پنجابی کی اصلاحی تحریک (۶۴۷) - اہل ہند کی ترقی کا حال (۶۴۸) - والیان ملک اور امرا کا حال تعلیمی معاملات میں (۶۴۹ - ۶۵۰) - برطانوی حکومت کا دیسی زبانوں کی ہمت افزائی کرنا (۶۵۰ - ۶۵۱) - بے شمار ہندوستانی ایسے ہیں جو انگریزی پر کامل قدرت رکھتے ہیں (۶۵۱) - ولی عہد جونا گڑھ کی تقریب بسم اللہ (۶۵۱ - ۶۵۵) - مسیحی مذہب کی تبلیغ کا اثر اہل ہند کی اصلاحی تحریکوں پر ، مختلف تبلیغی اداروں اور مبلغوں وغیرہ کا ذکر (۶۵۵ - ۶۶۱) - بعض ممتاز مسلمانوں اور اہل علم ہندوؤں کا مسیحیت قبول کرنا (۶۶۱ - ۶۶۲) - مسلمانوں اور عیسائیوں کا ایک مناظرہ (۶۶۲ - ۶۶۳) - عیسائیوں کے توڑ پر مسلمانوں کی مجالس وعظ (۶۶۳) - مذہبی مناظروں کی سرکاری ممانعت (۶۶۴) - عماد الدین کے مسیحیت قبول کرنے اور ان کی تصنیف تحقیق الایمان کا تذکرہ (۶۶۵ - ۶۶۸) - سر سید کی قائم کردہ انجمن علی گڑھ اور اس کے کارنامے (۶۶۸ - ۶۷۰) انجمن لاہور جس کا رکن مصنف بھی ہے (۶۷۰ - ۶۷۲) - انجمن اسلام کا جلسہ منعقدۂ کلکتہ اور اس کی کارروائی (۶۷۳) - جلسۂ انجمن علم عمرانی (۶۷۴) - مجلس مباحثہ زیر سرپرستی مہاراجگان بنارس و وزیا نگرم (۶۷۵ - ۶۷۷) - انجمن دہلی (۶۷۷) - انجمن نلکیات میرٹھ (۶۷۸) - لاہور کی انجمنیں (۶۷۸) - باشندگان صوبۂ شمال مغربی کی عرضداشت دربارۂ جامعۂ علوم مشرقیہ (۶۷۹ - ۶۸۰) - لفٹننٹ گورنر پنجاب کا دیسی زبانوں کی تعلیم پر زور دینا (۶۸۰ - ۶۸۱) - وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی مشرقی علوم کی جامعہ کا جواز تسلیم کرنا (۶۸۱) - مشرقی جامعہ لاہور کی تجویز (۶۸۲ - ۶۸۴) - عجائب خانۂ لاہور (۶۸۵) - کپتان ہالرائڈ کا تعلیمی دربار دہلی (۶۸۵) - جامعہ مشرقی دہلی کی بناء کا خیال (۶۸۶) - صوبجاتی سرکاری یونیورسٹیاں اور ان کی تعلیمی حالت وغیرہ (۶۸۶ - ۶۸۸) - لارڈ میو کی تجویز ہندوستانی طلبہ کو

یورپ بھیجنے کے باب میں (۶۸۸ - ۶۸۹) - مختلف صوبوں کی تعلیمی حالت (۶۸۹ - ۶۹۱) - تعلیم نسواں (۶۹۱ - ۶۹۷) - سرکاری نصاب تعلیم پر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا اعتراض (۶۹۷ - ۶۹۸) - ہندوستانی زبان (بحیثیت ذریعہ اشاعت خیالات مسیحی و تہذیب مغربی) ترقی پذیر ہے ' اس کی ترقی اور حیثیت پر مختلف آرا و خیالات (۶۹۸ - ۷۰۶) - ہندو اور اسلامی ناموں کو لاطینی میں باقاعدگی کے ساتھ لکھنے کی تحریک (۷۰۶) - ہندوستانی زبان کے امتحانات کی پابندی (۷۰۶ - ۷۰۷) - کرنل کیٹنگ کی اردو تقریریں ان کا ایک انجمن اور مطبع قایم کرنا (۷۰۷ - ۷۰۸) - سر ولیم میور کی مساعی دربارہ ترقی اردو و ہندی (۷۰۸) - نواب رام پور کا مدارس قایم کرنا (۷۰۸ - ۷۰۹) - سید عبداللہ کا حکومت کو زندہ زبانوں کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا (۷۰۹) - حکومت کا طرز عمل ان زبانوں کے ساتھ (۷۱۰ - ۷۱۱) - چند جدید مطبوعات اور زیر تالیف و ترجمہ یا زیر غور کتب (۷۱۱ - ۷۲۱) - قانون رجسٹری کتب و اخبارات (۷۲۱) - مسیحی مذہب کی کتابیں (۷۲۲) نیم مسیحی کتابیں (۷۲۲ - ۷۲۶) - نئے ہندوستانی اخبارات (۷۲۶ - ۷۳۶) - بابو ہری چند بنارسی کی اشاعت ادب ہندی کی مساعی (۷۳۷ - ۷۴۰) - اہل علم جنہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا (۷۴۰ - ۷۵۱) -

انیسواں خطبہ ۷۵۲ تا ۸۱۳

تمہید : ہندوستانی ادبیات کی ترقی کے متعلق نئی باتیں (۷۵۲) - اردو ہندی کا جھگڑا بدستور باقی ہے ' اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث (۷۵۲ - ۷۷۵) - اردو اور ہندی کے جدید اخبارات و رسائل (۷۷۵ - ۷۸۳) - کتب متعلق ادب اردو (۷۸۳) - مطبوعات صوبۂ پنجاب (۷۸۳) - مطبوعات رجسٹری شدہ صوبۂ شمال مغربی (۷۸۴) - مذہبی کتب (۷۸۴) - نصابی ' افسانوی وغیرہ کتابیں (۷۸۴ - ۷۸۵) - انعامی مضامین (۷۸۵) - اردو لغت مرتبہ سید احمد خاں (۷۸۵ - ۷۸۷) - سنسکرت کی تعلیم کا رواج (۷۸۷ - ۷۸۸) - اصلاحی انجمنیں (۷۸۸) - انجمن " معراج

پنتھہ " بمبئی (۷۸۹) - بنارس میں بین اقوامی عبادت خانے کی تجویز (۷۹۰) - انجمن اصلاح رسومات قبیح ہنود کلکتہ (۷۹۰) - انجمن تہذیب لکھنو - راجپوتانہ سوشل کانگریس جے پور (۷۹۱) - انجمن رفاہ خلایق آگرہ ؛ انجمن مباحثہ میرٹھ ' انجمن چنار (۷۹۲) - ایسٹ انڈیا ایسوسیشن علی گڑھ (۷۹۲ - ۷۹۳) - اہل ہند کا بغرض تعلیم ولایت جانا ' اس بارے میں حکومت کی ہمت افزائی (۷۹۳) - نواب بنگال کا سفر یورپ (۷۹۳ - ۷۹۶) - سید احمد خاں کا سفر یورپ (۷۹۶ - ۷۹۷) - انجمن شاہ جہان پور (۷۹۷ - ۷۹۹) - اس انجمن کے اثر سے دوسرے شہروں میں مختلف انجمنوں کا قیام (۷۹۹) - علی گڑھ انسٹیٹیوٹ (۷۹۹ - ۸۰۰) - انجمن پنجاب (۸۰۰ - ۸۰۱) - سائنٹفک سوسائٹی مظفرپور (۸۰۱) - دھلی انسٹیٹیوٹ (۸۰۱) - نینی تال انسٹیٹیوٹ (۸۰۲) - مشاعرے (۸۰۲) - تعلیمی ترقی جدید مغربی اصول پر ' مختلف تعلیمی اداروں وغیرہ کی کارگزاریاں (۸۰۲ - ۸۰۳) - مشن اسکول وغیرہ (۸۰۳ - ۸۰۷) - سراج الدین پانی پتی کا مسیحیت قبول کرنا (۸۰۷) - اعداد و شمار کی اھمیت ' اس کے ذریعے مختلف مذاھب کے پیرووں کا حال (۸۰۸ - ۸۰۹) - ھندوؤں اور عیسائیوں کا زمرۂ اسلام میں شامل ھونا (۸۰۹ - ۸۱۰) - ان ھمدردوں کا حال جنھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا (۸۱۰ - ۸۱۳) -

———:o:———

مقدمہ

عرصہ ہوا جب سر سید راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر) انگلستان تشریف لے گئے اور انڈیا آفس لائبریری میں کام کر رہے تھے تو حسن اتفاق سے فرانس کے مشہور مستشرق موسیو گارساں دتاسی کی یہ کتاب جس کا اصلی نام "ہندستانی ادب از ۱۸۵۰ تا ۱۸۷۷" ہے اور جواب اردو میں "خطبات گارساں دتاسی" کے نام سے شایع کی جا رہی ہے، اُن کی نظر پڑی۔ نواب صاحب موصوف دتاسی کے نام سے بہت پہلے سے واقف تھے کیونکہ وہ اُن کے والد مرحوم سید محمود کے دوست تھے، نیز انہوں نے سر سید مرحوم کی مشہور کتاب آثار الصنادید کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ "جب میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میرے دل کی عجیب کیفیت تھی اور اس خیال سے میری مسرت اور فخر کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ایک نامور عالم جو غیر ملک کا رہنے والا ہے، سال ہا سال تک میری مادری زبان کے مطالعے اور عالمانہ تحقیق میں مصروف رہا؛ اس لیے نہیں کہ وہ ہندستان کے کسی بڑے سرکاری عہدے

پر مامور تھا بلکہ اس لیے کہ وہ بغیر کسی دنیاوی غرض کے محض علم کی خاطر اس زبان سے محبت کرتا تھا " - اسی وقت سے انھوں نے یہ ٹھان لی کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو میں ضرور ہونا چاہیے —

جب وہ انگلستان سے حیدرآباد واپس آے تو انھوں نے یہ کتاب مجھے دکھائی اور خود ترجمہ کرنے کا وعدہ کیا - ابتدائی چھ خطبے ترجمہ کرکے بھی دیے لیکن بعض مصروفیتوں کی وجہ سے وہ اس کام کے لیے وقت نہ نکال سکے - اب مجھے کسی دوسرے مترجم کی تلاش ہوی - تین خطبوں (ساتویں، آٹھویں، نویں) کا ترجمہ میں نے بمجبر عبدالباسط صاحب بی - اے سے کرایا جو بمبئی کے روزانہ اخبار بمبئی کرانیکل میں کام کرتے ہیں - ایک ایسے شخص سے جس کے ذمے روزانہ اخبار کی ترتیب ہو کسی دوسرے کام کی توقع رکھنا عبث ہے - آخر ان سے بھی دست بردار ہونا پڑا - مصنف نے اپنی کتاب کے پانچویں خطبے میں کچھ اضافہ کر کے اسے " ہندستانی مصنفین اور ان کی تصانیف " کے نام سے الگ کتابی صورت میں شایع کیا تھا - میں نے پانچویں خطبے کے بجاے اس اضافہ شدہ مقالہ کو اس کتاب میں درج کردیا ہے - اس کا ترجمہ مسز پکتھال نے کیا - باقی تمام خطبوں کے ترجمے ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ڈی - لٹ (پیرس) ریڈر عثمانیہ یونیورسٹی

نے کیا جس کے لیے میں ان کا بہت شکر گزار ہوں —

یوں تو ایسے مستشرقین کی اچھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے اردو زبان کی قابل قدر خدمت کی ہے لیکن ان میں خاص کر دو ایسے گزرے ہیں جن کا اردو پر بڑا احسان ہے - ایک جان گلکرسٹ ' دوسرا گارساں دتاسی -

گارساں دتاسی فرانس کے بندرگاہ مارسیل میں سنہ ۱۷۹۴ع میں پیدا ہوا - جیسا کہ خود اس نے ایک جگہہ لکھا ہے وہ عام تعلیم حاصل کرنے کے بعد پیرس پہنچا اور السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر سل وستر دی ساسی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوا اور عربی اور ترکی زبان کا مطالعہ شروع کیا - جس طرح پروفیسر براؤن نے ترکی پڑھتے پڑھتے فارسی کی طرف توجہ کی ' کیونکہ بغیر فارسی کے علم کے ترکی کا مطالعہ کامل نہیں ہوسکتا ' اسی طرح گارساں دتاسی نے عربی اور ترکی کے ساتھہ فارسی کی تحصیل شروع کردی - مشرقی السنہ کے شوق ہی نے اُسے اردو کی طرف متوجہ کیا - آخر اس میں اس نے ایسا کمال حاصل کیا کہ پیرس کے السنۂ مشرقیہ کے کالج میں ہندستانی زبان کی پروفیسری کی ایک جدید خدمت قائم کی گئی اور اس پر گارساں دتاسی کا تقرر کیا گیا -

پروفیسر اردو کی حیثیت سے انھوں نے بہت قابل قدر کام کیا اور اردو کی تبلیغ و اشاعت اور حمایت کی جو خدمت

انجام دی ہے وہ اردو زبان کی تاریخ میں ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی - اس نے متعدد کتابوں کا اردو سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ؛ کئی کتابیں اردو صرف و نحو اور اردو ادب و تاریخ پر تالیف کیں ؛ بعض اردو کتابوں کو صحت اور محنت کے ساتھ مرتب کر کے شایع کیا - ان سب کی تفصیل یہ ہے —

ترجمے

میر کی مثنوی اژدرنامہ ؛ تحسین الدین کی مثنوی کامروپ ؛ گل بکاولی کا خلاصہ ؛ مرثیۂ مسکین ؛ سرسید کی آثارالصنادید ؛ اقتباسات اخوان الصفا ؛ نہال چند کی تاج الملوک و بکاولی (نثر) باغ و بہار (میر امن) -

تالیفات

اردو زبان کے قواعد ؛ ہندستانی ادب کی تاریخ ؛ خطبات سالانہ ؛ ہندستانی شاعر عورتیں ؛ ہندستانی مصنفین اور ان کی تصانیف ؛ ہندستانی فرانسیسی و فرانسیسی ہندستانی لغات کی نگرانی و امداد —

ترتیب

کلیات ولی ؛ مثنوی کامروپ -

یوں تو ان کی تمام ادبی خدمات لائق قدر ہیں لیکن ان کے تین کام ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ بڑی اہمیت

رکھتے ہیں - ایک تو کلیات ولی کی ترتیب و اشاعت، دوسرا تاریخ ادب ہندستانی اور تیسرا سالانہ خطبات -

کلیات ولی کے متعدد قلمی نسخے مختلف مقامات سے حاصل کر کے جمع کیے اور ان کا مقابلہ کر کے بڑی محنت سے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا جو سنہ ۱۸۳۴ ع میں شایع ہوا - تاریخ ادب ہندستانی اس کا بڑا کارنامہ ہے - اس کے لیے گارساں دتاسی نے بہت بڑا سامان جمع کیا - اس زمانے میں اور پھر پیرس میں بیٹھ کر اس قدر مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور تذکروں کا فراہم کرنا اور معلومات کا بہم پہنچانا فی‌الواقع حیرت انگیز ہے - اس کتاب کا پہلا اڈیشن رائل ایشیاٹک سوسائٹی برطانیہ عظمی و آئرستان کی مجلس تراجم کے سلسلۂ مطبوعات میں شریک ہے - اسے مصنف نے ملکۂ معظمۂ برطانیہ کے نام پر ان کی اجازت سے معنون کیا تھا - اس اڈیشن کی پہلی جلد سنہ ۱۸۳۹ ع میں اور دوسری سنہ ۱۸۴۶ ع میں شایع ہوئی - اس درمیانی وقفے میں بہت سا نیا مسالا جمع ہوگیا جو بطور ضمیمہ شایع کیا گیا - مرور زمانہ سے جدید معلومات کا اور اضافہ ہوتا گیا اور آخر سنہ ۱۸۷۰ ع میں اس کا دوسرا اڈیشن شایع ہوا جو تین جلدوں میں ہے - اس کتاب کی ترتیب قدیم تذکروں کے طرز پر ہے - یعنے بہ ترتیب حروف ابجد اردو اور ہندی مصنفین اور شعرا کا ذکر ہے -

لیکن فرق یہ ہے کہ اس میں زیادہ تحقیق اور تنقید سے کام لیا گیا ہے اور مصنف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قدیم تذکروں اور کتابوں سے ہر مصنف کے متعلق معلومات جمع کیے جائیں - اس کے علاوہ ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ہر مصنف یا شاعر کے کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کیے ہیں جن سے اس کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے - اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں جابجا غلطیاں پائی جاتی ہیں- اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی معلومات ظہور میں نہیں آئی تھیں جو اس وقت ہماری دسترس میں ہیں - دوسرے آخر وہ غیر ملک کا شخص تھا اور کبھی ہندستان آنے کا اسے اتفاق نہیں ہوا تھا' اس سے ہمارے ادب اور ہمارے معاملات کے سمجھنے میں کہیں کہیں غلطی کا سرزد ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں - تعجب اس بات پر ہے کہ اس اجنبی شخص نے ہندستان سے ہزارہا میل کے فاصلے پر پیرس میں بیٹھ کر ہمارے ادبیات پر ایسی بے مثل اور عجیب کتاب لکھ ڈالی —

آخر میں میں ان خطبات کے متعلق چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں جو اردو زبان کے قالب میں پہلی بار آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں - انہیں بھی اردو ادب کی تاریخ کا ایک جز سمجھنا

چاهیے- بحیثیت پروفیسر کے گارساں دتاسی کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ ہر سال کے آخر میں ایک لکچر دیتا تھا جس میں وہ اُس سال کے ادبی ارتقا پر تبصرہ کرتا تھا یعنے اس سال هندستانی اور هندی میں کونسی کونسی کتابیں شائع هوئیں؛ کون کون سے نئے اخبار یا رسالے جاری هوے؛ کتنے جدید مطبع قائم هوے؛ کن کن مصنفین نے ادب میں اضافہ کیا - یہ تمام معلومات وہ مختلف ذرائع سے اور خصوصاً هندستان کے عہدہ داروں کے توسط سے بذریعۂ خط و کتابت برابر حاصل کرتا رهتا تھا - وہ صرف نام گنوانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ تبصرہ ایک طرح کی تنقیدی حیثیت بھی رکھتا ھے - وہ ساتھہ ساتھہ هر کتاب اور اخبار اور رسالے کی حقیقت اور قدر و قیمت بھی بیان کرتا جاتا ھے اور مصنفین کے حالات اور مساعی کا بھی ذکر کرتا ھے - مختلف ادبی مباحث کے ضمن میں وہ بعض اوقات ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا تذکرہ بھی خاص انداز سے کر جاتا ھے - ان میں همیں بعض باتیں ایسی نظر آئیں گی جن سے اُس وقت کی دوسری کتابیں اور تاریخیں خالی هیں - ان خطبات میں بھی کہیں کہیں ایسی غلطیاں پائی جاتی هیں جنھیں پڑہ کر تعجب هوتا ھے - لیکن اِن خفیف اسقام سے کتاب کی عظمت اور اهمیت پر کوئی حرف نہیں آتا -

ان خطبوں کے پڑھنے سے صاف معلوم هوتا ھے کہ اُسے اردو

زبان سے دلی لگاؤ ھے - وہ اسے ہندستان کی ترقی پذیر اور عام زبان خیال کرتا ھے اور ھر موقع پر ہندی کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتا ھے اور اس کے فروغ اور ترقی کا دل سے خواہاں ھے ایک دوسری بات یہ مترشح ہوتی ھے کہ وہ پکا عیسائی ھے اور عیسائی مبلغین کی کوششوں کو بڑے شوق سے بیان کرتا ھے اور عیسائی مذہب کی اشاعت کا متمنی ھے - تیسری بات جو وہ صاف صاف کہتا ھے یہ کہ ہندستان میں انگریزی حکومت باعث برکت و خیر ھے —

یہ خطبے ۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۰ع سے شروع ہوے اور ۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ع تک باستثنا سنہ ۵۸ کے جسے سنہ ۵۷ کی شورش کا نتیجہ سمجھنا چاھیے، برابر جاری رھے - یہ اُنیس سال کی مسلسل کاوش کا نتیجہ ہیں - بقول نواب مسعود جنگ بہادر کے " تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اس کتاب کا مطالعہ بہت دلچسپ ھے - اس سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ سنہ ۱۸۵۰ سے لے کو سنہ ۱۸۶۹ تک یعنے ۱۹ سال کے عرصے میں ہمارے ادب و زبان میں کن اصول پر کام انجام پایا - نیرنگئی تقدیر دیکھیے کہ آج ہمیں اپنی زبان کی تدریجی ترقی کے حالات کے لیے ایک فرانسیسی سے رجوع کرنا پڑتا ھے جس نے ۸۵ سال قبل اس طرف توجہ کی تھی - ہماری ادبی تاریخ میں جو کمی نظر آتی ھے وہ اس ترجمے سے بہت کچھ پوری ہو جاے گی " -

گارساں دتاسی بلا شبہ بڑا آدمی تھا - اس نے عمر بھی بڑی پائی ۰ چوراسی برس کی عمر میں سنہ ۱۸۷۸ع میں انتقال کیا - وہ عمر بھر علمی مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہا - ہندوستانی زبان سے اس کا شغف عشق کے درجے تک پہنچ گیا تھا - اس کا کارنامہ اس قدر وقیع ہے کہ وہ ہماری زبان کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا - ایک لمحہ کے لیے سوچیے ' اور دیکھیے کہ یہ منظر کس قدر عجیب اور دلچسپ ہے کہ ایک بڈھا فرانسیسی عالم ہندستان سے کالے کوسوں دور پیرس کی یونیورسٹی میں اپنے یورپین شاگردوں کو (جن میں فرانسیسیوں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ بھی شریک ہیں) ہندستانی زبان پر بڑے جوش اور شوق سے لکچر دے رہا ہے اور ان کے دلوں میں اس غریب زبان کا شوق پیدا کر رہا ہے - اپنی فرصت کا تمام وقت اسی زبان کی تحقیق میں صرف کرتا ہے - اہل زبان اور غیر اہل زبان دونوں سے خط و کتابت کرتا ہے ' ایک ایک کتاب ایک، ایک اخبار اور رسالے کا حال پوچھتا ہے - قلمی نسخوں کی نقلیں منگواتا ہے ' ان کی تصحیح کرتا ہے ' مرتب کر کے چھپواتا ہے - خود اس زبان کی تصانیف کا ذخیرہ جمع کرتا ہے اور ہندستانی ادب کے مختلف شعبوں پر بحث کرتا اور اس کی مفصل اور مبسوط تاریخ لکھتا ہے - اس سے بڑھ کر انسان کے بڑے ہونے کی کیا علامت ہو سکتی ہے -

اردو زبان والے اس کا جس قدر احسان مانیں کم ہے —

ان خطبات میں جہاں جہاں فاضل مصنف سے کوئی لغزش یا فروگزاشت ہوگئی تھی اس کی تصحیح و تکمیل میں نے حاشیے میں کردی ہے - میں آخر میں اپنے قابل شاگرد شیخ چاند صاحب ایم - اے ' ال ال - بی ' ری سرچ اسکالر (عثمانیہ) کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے طبع کے وقت پروف پڑھنے اور ان کی تصحیح کا کام بڑی محنت سے انجام دیا - اس کے علاوہ متن کے بعض مقامات پر جو میری نظر سے رہ گئے تھے ' انھوں نے مفید حاشیوں کا بھی اضافہ کیا ہے —

عبدالحق

۲۸ - اگست سنہ ۱۹۳۵ ع

سیف آباد - حیدر آباد دکن

—— ✲ ——

خطبات گارساں دتاسی

پہلا خطبہ (بتاریخ ۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۰ ع)

حضرات ! قبل اس کے کہ میں نصاب کی اُس کتاب پر جو ہمارے سامنے ھے کچھہ بیان کروں ' میں ہندوستانی زبان کے عملی فائدے اور اس وقت ادبی حیثیت سے اس کی اہمیت کے متعلق چند لفظ کہنا چاھتا ہوں —

عام طور پر لوگ پوری طرح یہ نہیں جانتے کہ ہندوستانی ہندوستان کے تمام صوبوں میں بولی جاتی ھے - بعض جگہ اس کے ساتھہ صوبہ کی دوسری بولیاں بھی شریک ہیں؛ جیسے بنگال میں اور احاطۂ مدراس اور احاطۂ بمبئی میں اور بعض مقامات پر تنہا وہی بولی جاتی ھے جیسے ہندوستان کے صوبۂ ممالک مغربی و شمالی' بہار' الہ آباد ' مالوہ ' اودہ' اجمیر ' آگرہ دہلی میں اور ان مقامات کے ساتھہ لاہور اور نیپال کے نام بھی شریک کرلے چاہئیں - پیرس میں رہ کر مجھے جو معلومات حاصل ہوسکیں ان کی بنا پر میں نے اپنی یہ رائے قائم کی ھے —

اگر کوئی شخص ان صوبجات میں بود و باش کرنا یا سیاحت کرنا چاهے، جو وہ نہایت آسانی کے ساتھہ بغیر کسی پروانۂ راهداری کے کرسکتا هے، تو اس کے لئے هندوستانی زبان کا جاننا ضروری هے - یہی وجہ هے کہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی ملازمت میں (ملکی هو یا فوجی) صرف انہیں اشخاص کو داخل کرتی هے جو هندوستانی زبان جانتے هیں یا جو هندوستانی زبان کے امتحان میں شریک هوکر کامیاب هو چکے هیں —

لیکن یہ خیال نہیں کرنا چاهئے کہ هندوستان میں صرف انگریز هی کاروبار کرسکتے هیں- بہت سے دوسرے یوروپین بھی وهاں معزز خدمات انجام دے رهے هیں - اور اگر کوئی هندوستانی جانتا هو تو وہ آسانی سے آزادی کے ساتھہ اپنی روزی کما سکتا هے - قطع نظر تجارت کے جو اکثر یوروپینوں کا ذریعۂ تسول هے اگر کوئی چاهے تو طبابت کرسکتا هے، مصوری کا پیشہ اختیار کرسکتا هے، یا اگر اُسے هندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کے قانون کا علم هے اور ساتھہ هی هندوستانی پر عبور هے تو وہ وکالت کرسکتا هے —

مبلغین مسیحیت بیگم شمرو کے خوبصورت گرجا میں جو سردهنہ میں هے یا آگرہ کے کیتھلک چرچ یا دوسرے مقامات میں اردو میں وعظ و تلقین کرتے هیں - خود کلکتہ میں ایک

گرجا ہے جسے ہندوستانی گرجا کہتے ہیں اور جو اُن ہندوستانیوں کے لئے تعمیر کیا گیا ہے جو انگلی کن کلیسا کے توسط سے عیسائی ہوے وہاں عبادت ہندوستانی زبان میں ہوتی ہے - عام طور پر اس کا علم نہیں ہے کہ ہندوستان کے بڑے شہروں میں لیتھو کے مطبع کا رواج ہے، جہاں روزانہ ہندوستانی زبان کی کتابیں چھپتی ہیں، ان میں ترجمے بھی ہوتے ہیں اور تصنیفات بھی - میں صرف ممالک مغربی شمالی کا ذکر کرتا ہوں جس کا نام میں نے ابھی لیا تھا - یہاں اس سال کی پہلی جنوری کو ۲۳ مطبع تھے جن میں صرف گزشتہ سال (سنہ ۱۸۴۹ ع میں) ۱۴۱ مختلف قسم کی کتابیں طبع ہوئی تھیں - علاوہ ان کے ۲۶ اخبار اور رسالے بھی انہیں مطبعوں میں چھپتے تھے جن میں سے ۲۳ ہندوستانی زبان کے تھے دو فارسی کے اور ایک بنگالی کا - اب اگر ان میں وہ اخبار اور رسالے بھی شامل کر لئے جائیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں شائع ہوتے ہیں تو ہندوستانی اخبارات کی کل تعداد جو اس وقت موجود ہے آسانی سے پچاس تک پہنچ جاے گی —

ہندوستانی زبان بلا شبہ ترقی پذیر ہے - اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ بجاے لوگوں کی معمولی اور روز مرہ کی زبان کے یا عوام پسند گیتوں کی زبان کے وہ گورنمنٹ کی سرکاری زبان ہوگئی ہے جیسے پہلے فارسی تھی - یعنی اب وہ سیاسی مراسلت،

عدالتوں اور انتظامی محکموں کی زبان ہوگئی ہے - یہاں تک کہ ہندوستانی میں اب سائنس پر رسالے اور کتابیں لکھی جانے لگی ہیں جو اب تک صرف فارسی میں لکھی جاتی تھیں —

اردو کی موجودہ ادبیات کو خاص اہمیت حاصل ہے - مشرقی ممالک کی دوسری زبانوں کے ادب کی طرح اردو ادب بھی ہمارے لئے باعث دلچسپی ہے - اگر کسی صاحب کو اردو ادب کا شوق ہو تو وہ شملہ کا اردو اخبار اپنے نام جاری کرا سکتے ہیں جو انہیں پابندی کے ساتھہ ڈاک کے ذریعہ پیرس پہنچتا رہے گا- دھلی کی مجلس ادبی اردو زبان کی مختلف مطبوعات پر ماھانہ رسالہ کی شکل میں تنقیدیں شائع کرتی ہے - یہ تنقیدیں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں- ان سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت میں اردو کی کون کون سی کتابیں طبع ہوئیں —

ہندوستانی زبان کی ان کتابوں میں سے جو حال میں شائع ہوئی ہیں اکثر سائنس ' جغرافیہ ' قانون اور دوسرے فنون پر ہیں' کچھہ تو جدید تصنیفات ہیں اور کچھہ انگریزی کے ترجمے ہیں - کچھہ دینی اور مذہبی مختلف فیہ مسائل کی کتابیں بھی ہیں جن میں ہم کیتھلک مذہب کی بھی بعض کتابیں شامل کرتے ہیں جو آگرہ میں چھپی ہیں ان میں قدیم

و جدید زمانہ کی چند تاریخیں اور اخلاقی اور مذہبی کتابوں کے ترجمے بھی ہیں - مثلاً بنین کی " پل گرمس پراگرس " اور میسن کی " سیلف نالج " کے ترجمے- قصے کہانیوں کے ترجمے بھی ہوے ہیں - مثلاً ریسے لاس اور قزلباش - بعض نظموں کے ترجمے بھی کئے گئے ہیں - مثلاً گے کی حکایتوں کا ترجمہ -

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ سنسکرت سے بھی بہت سے ترجمے ہندوستانی میں ہوے ہیں، لیکن یہ حال میں طبع اور شائع نہیں ہوے - مگر عربی فارسی سے بہت سے ترجمے شائع ہو رہے ہیں - ان میں قرآن شریف کے کئی ترجمے ہیں جو تفسیر کے ساتھ چھپے ہیں ' ایک عربی لغات بھی ہے جس میں الفاظ کے معنی ہندوستانی میں دیے ہیں - کئی عربی فارسی کی صرف ونحو کی کتابیں ' گلستاں کے متعدد ترجمے ' الف لیلہ کے دو ترجمے' اخلاق جلالی' اخلاق محسنی کے ترجمے' شاہ نامہ کا ایک خلاصہ ' ابن خلکان ' تاریخ ابوالفدا اور قصیدۂ بردہ کے ترجمے ہیں —

اصل تصانیف میں میں صرف چند دلکش نظموں کا نام لوں گا - یعنی شکنتلا ' لیلیٰ مجنوں' ابراهیم ادهم اور حسن و عشق کے مشہور قصوں کو منظوم کیا گیا ہے - علاوہ ان کے چند سیاحت نامے اور چند تاریخیں بھی شائع ہوئی ہیں جن میں سے ایک ٹیپو سلطان کے باپ حیدر علی کی تاریخ ہے جو شاہ

میسور کے ایک بیٹے نے لکھی ہے - نثر میں بہت سے ناول اور قصے کہانیاں، لغت پر بعض مفید کتابیں اور ایک انگریزی کی صرف و نحو پر بھی لکھی گئی ہے - آخر میں میں حال کے زندہ ہر دلعزیز شعرا یعنی مومن، نصیر، ذوق، ناسخ اور آتش کے کلام کا ذکر کرتا ہوں - یہ شاعر اس وقت زمانۂ حال کی ہندوستانی زبان پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں —



دوسرا خطبہ (بتاریخ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ع)

حضرات! مجھے دلی مسرت ہے کہ اِس تعلیمی سال کے افتتاح پر میں اپنے لکچروں میں اپنے نئے اور پرانے شاگردوں کو دیکھتا ہوں - آپ نے ہندوستانی زبان کے مطالعہ کا جو شوق کیا ہے وہ میری راے میں بہت مستحسن ہے - یہ دنیا کی نہایت وسیع الاشاعت زبانوں میں سے ہے - کیوں کہ آٹھ کروڑ سے زیادہ اشخاص اسے بولتے ہیں اور سیاسی اور تجارتی لحاظ سے خاص طور پر قابل لحاظ اور لایق وقعت ہے- اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے حقیقی ادبی حیثیت حاصل ہے اور اسی نقطۂ نظر سے بر اعظم یورپ میں اس کا مطالعہ مفید ہوگا - اس زبان کی ہندو شاخ سنسکرت کی ایک سادہ اور سلیس صورت ہے اور اس کا ہندوستانی زبان سے تقریباً

وهی تعلق هے جو جدید یونانی زبان کا قدیم یونانی زبان سے اور اطالوی کا لاطینی سے هے - لهذا اس کا علم السنه هندوستان کے محقق کے لیے نهایت کار آمد هے - وه جدید صورتوں میں کهیں تو قدیم شکلوں کا اختصار اور کهیں ان کی توسیع دیکھے گا - اس کی اسلامی شاخ ان لوگوں کے لیے بهت مفید هے جو فارسی زبان کا مطالعه کر رهے هیں —

فارسی اور هندوستانی کی اصل ایک هی هے ' لیکن هندوستانی کی ساخت اور طرز ادا زیاده سلیس اور ساده هے - اگر فارسی کے طویل جملے هندوستانی کی ساخت کے مطابق ادا کئے جائیں تو مطلب آسانی سے سمجھه میں آجاتا هے - آپ صاحب جوان شیریں اور دلپذیر زبانوں کا مطالعه کر رهے هیں ' میرے اس بیان کی تصدیق خود فرما لیں گے - ان میں سے ایک سنسکرت هے جو همارے تمام یوروپی زبانوں کی اصل هے اور اس کا تعلق اب تو سامی زبانوں سے بهی بیان کیا جاتا هے کیوں که خیال یه هے که عربی کا سه حرفی ماده مصنوعی هے اور ان میں کے بهت سے مادے ایک بول کے هیں - اس سے بعض لوگوں نے یه نتیجه نکالا هے که وه بهی سنسکرت کے اصول پر بنے هیں اور بهت سے سنسکرت اور عربی کے مادوں کی اصل مشترک هے - دوسرے فارسی زبان هے جو تاریخی تصانیف سے مالا مال هے اور اس کا ادب خاص

امتیاز اور خصوصیت رکھتا ہے جس میں اسلامی تصوف نے نئی جان ڈال دی ہے —

ہندوستانی زبان کی ہندوی اور اسلامی شاخوں کا علم ادب صرف کثیر ہی نہیں بلکہ مختلف نوعیت کا بھی ہے - ہندی میں سنسکرت کی اعلیٰ تصانیف کے ترجمے موجود ہیں یا کم سے کم ان کا تتبع کیا گیا ہے اور اُردو اور دکھنی میں ہم فارسی کی اعلیٰ تصانیف کے ترجمے یا ان کے نمونے دیکھتے ہیں-

اس سال کے دوران میں میں آپ سے ان مختلف زبانوں کی بعض ادبی تالیفات کا ذکر کروں گا - سنسکرت کے فریق سے (جن کی زبان ہندوستانی ہے) ہمیں شکنتلا کا دلچسپ قصہ ملے گا جو یورپ میں بہت مشہور اور ہر دلعزیز ہے - علاوہ اس کے ہم اُسچا (Uscha) کا قصہ بھی پڑھیں گے جو اگرچہ اس قدر معروف نہیں مگر بہت دلکش ہے -

فارسی کا فریق (جن کی زبان اسلامی ہندوستانی ہے) ولی کا دیوان پیش کرے گا- ولی ہندوستان کا حافظ ہے - اگرچہ اس کی غزلوں میں کسی قدر تکلف پایا جاتا ہے لیکن ان میں حقیقی خوبیاں بھی موجود ہیں- اور اس کی غزلیں خوبی میں کسی طرح فارسی غزلوں سے کم نہیں- نثر میں ہم شیر شاہ کی تاریخ کا ایک حصہ پڑھیں گے ' جس میں ہم علاوہ دوسری باتوں کے ہندوستان کی اسلامی حکومت

کے انتظامات کے متعلق عجیب واقعات دیکھیں گے —

اب رہا خالص ہندوستانی فریق ' میں اُس سے ایک کتاب مہر و ماہ لے کر آپ کو سناؤں گا - یہ ایک فسانہ ہے جس میں آپ مختلف نسلوں کے متعلق مفید اور پر از معلومات تفصیل پائیں گے جو جدید اور انوکھے استعاروں سے اور پر لطف ہو گئی ہے —

آخر میں میں آپ کو کلجگ کا شاعرانہ بیان سناؤں گا - کلجگ وہی ہے جسے یونانی دیو مالا میں لوہ جگ کہتے ہیں - یہ نظم ہو بہو انگریزی شاعر ڈرای ڈن کی نظم سے ملتی ہے - اُس نے بھی اسی مضمون پر طبع آزمائی کی ہے * —

ان میں سے اکثر تالیفات نظم میں ہیں - لیکن آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ چوں کہ یہ کتابیں نظم میں ہیں تو نثر سے مشکل ہوں گی - یہ بات نہیں ہے - اگرچہ نظم میں زبان کی ساخت اور ترکیب کے معمولی قواعد کی پابندی نہیں کی جاتی اور بعض اوقات ایسی ترکیبیں آ جاتی ہیں جو مصنوعی اور خلاف روز مرہ معلوم ہوتی ہیں یا نثر کے مقابلہ

---

* انسان اخلاقی بندھنوں سے چھوٹ کر آزاد ہوگیا ہے - مہمان نوازی کے حقوق اب مطلق باقی نہیں رہے - مہمان میزبان کے ہاتھوں سے قتل ہوتا ہے - داماد خسر کی جان کے در پے ہے - بیوی خاوند کی تاک ہے اور خاوند بیوی کی جان کا لاگو ہے -

میں اس کی تشبیہات و استعارات زیادہ مبالغہ آمیز ہوتے ہیں، تاہم نظم میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں صاف طور سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مطلب یہاں ختم ہوتا ہے۔ کیوں کہ نظم میں مطلب گڈ مڈ نہیں ہونے پاتا اور ایک جگہ سے پھاند کر دوسری جگہ نہیں پہنچ جاتا۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ مطلب ایک ہی شعر میں ختم ہوجاتا ہے اور کسی حالت میں ایسا نہیں ہوتا کہ دو یا تین شعروں سے آگے نکل جائے۔

جس طرح ہندوستانی کے لکھنے کے دو طریقے ہیں، ایک فارسی حروف میں اسلامی ہندوستانی کے لئے اور دوسرا دیوناگری میں ہندوی ہندوستانی کے لئے۔ اسی طرح عروض بھی دو ہیں، یعنی شعر کی تقطیع کے بھی دو طریقے ہیں۔ ہندوستانی کی اردو اور دکھنی شاخ کے لئے عربی عروض استعمال کیاجاتا ہے (البتہ زبانوں کے فرق کی وجہ سے اس میں مناسب تغیر و تبدل کر لیا گیا ہے) اور ہندی کے لئے سنسکرت عروض کا ایک سادہ طریقہ مستعمل ہے۔

جیساکہ آپ کو معلوم ہے، عرب شعر کو خیمہ کے مثل سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اِس کا نام عربی میں "بیت" ہے جس کے معنی خیمے کے ہیں اور بعد ازاں گھر کے ہو گئے۔ خیمے میں دو دروازے ہوتے ہیں۔ ان دروازوں کو "مصرع" کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شعر کے دو ٹکڑے "مصرعے" کہلاتے ہیں۔ خیمہ

تھموں (ارکان) پر کھڑا ہوتا ہے - شعر کے مختلف اوزان ہوتے ہیں، جن میں دس اصل ہیں اور بہتر فروع - خیمہ کا اندرونی حصہ اوت (فاصلہ) سے الگ کر لیا جاتا ہے اور خیمہ میخوں (وتد) اور رسیوں (سبب) سے باندھا جاتا ہے - یہ وہ نام ہیں جو بحر طویل اور بحر قصیر کی چھ تقسیموں کو دیا جاتا ہے —

اصول اور فروع کے ملنے سے بے شمار بحریں پیدا ہوگئی ہیں - لیکن اُردو اور دکھنی میں صرف بیس استعمال کی جاتی ہیں۔ اشعار ہمیشہ مقفیٰ ہوتے ہیں۔ اگر قافیہ ہر مصرع میں پایا جائے تو قافیہ ہر بیت میں بدل جاتا ہے اور اگر قافیہ صرف آخر میں آئے تو تمام میں وہی رہے گا -

ہندو طریقہ زیادہ سادہ ہے - اِس میں صرف بول (Syllable) کا خیال رکھا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا - جیسا انگریزی میں ہے - اور بعض اوقات جیسا انگریزی میں ہوتا ہے ضرورت شعری کے لئے بولوں کو مختصر کر کے ایک کر دیتے ہیں یا کبھی اِس کے بر عکس کرنا پڑتا ہے - اسے "ماترا" کہتے ہیں۔ سنسکرت میں بھی اس کا یہی نام ہے -

ہندی اور اردو دونوں شاخوں میں نظم مقفیٰ ہوتی ہے اور اکثر دونوں مصرعوں میں قافیہ پایا جاتا ہے - ہندی میں چوپائی کا بہت رواج ہے جو سنسکرت کے اشلوک سے بہت ملتی

جلتی ہے اور اِس کے ہر مصرع میں آٹھ بول ہوتے ہیں۔ "دھرہ" فرد کے مقابل میں ہے۔ "فرد" عرب کا "بیت" ہے جو دوسروں سے الگ تھلگ ہے۔ اِس کے ہر مصرع میں بارہ سے چودہ بول تک ہوتے ہیں —

حضرات! میں مطالعہ کے دوران میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو اوزان بتاتا جاؤں اور جن اصول کا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے اُن کے مطابق تقطیع کرتا جاؤں —

جس زبان کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ واقعی طور پر زندہ زبان ہے۔ کیوں کہ جس وقت ہم پیریس میں وہ کتابیں پڑھ رہے ہوں گے جن کا نام میں نے لیا ہے۔ اُس وقت ہندوستان میں سینکڑوں مطبوعات شائع ہو رہی ہوں گی۔ یورپ میں بیٹھکر انسان ہندی اور ہندوستانی کتابوں' پمفلٹوں' اور وقتی رسالوں اور اخباروں کی تعداد کا جو ہندوستان میں شائع ہوتے ہیں صحیح اندازہ نہیں کر سکتا —

گزشتہ سال میں نے آپ سے بیان کیا تھا کہ ممالک مغربی و شمالی میں جسے سرکار انگریزی ایک بڑا صوبہ بنانے والی ہے اور جس کا دارالحکومت لاہور ہوگا اور جہاں کی زبان صرف ہندوستانی ہے' جنوری سنہ ۱۸۵۰ع میں ۲۳ سنگی مطبع تھے جن میں ہندوستانی کتابیں چھپتی تھیں۔ گزشتہ سال ہی لاہور میں ایک اور مطبع قایم ہوا۔ گویا اس سال

یکم جنوری کو مطبعوں کی تعداد چوبیس ہوگئی - یعنی سات آگرہ میں، پانچ دہلی میں دو میرٹھ میں، دو لاہور میں، چار بنارس میں، ایک بریلی میں، ایک کانپور میں، ایک شملہ میں، اور ایک اندور میں - لیکن ہندوستان کا یہی ایک حصہ ایسا نہیں ہے جہاں ہندوستانی کتابیں اور اخبار چھپتے اور شائع ہوتے ہیں - اس قسم کے مطبعے تین احاطوں کے دارالحکومتوں میں نیز بہت سے دوسرے شہروں میں بھی پائے جاتے ہیں - صرف ایک لکھنؤ ہی میں تیرہ ہیں جو مصروف بکار ہیں —

چند ہی روز ہوئے میرے پاس ہندوستانی کتابوں کی ایک مفصل فہرست پہنچی ہے - اِس میں بہت سی کتابیں ہیں اور ہر قسم کی ہیں - کچھ جدید تصنیفات ہیں اور کچھ ترجمے — یہ سب کتابیں سنہ ۱۸۵۰ ع میں ممالک مغربی و شمالی میں شائع ہوئی ہیں —

حضرات! میں ان میں سے چند کتابوں کے نام پیش کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کا ذکر ادبی یا فلسفیانہ دلچسپی کی وجہ سے شوق سے سنیں گے - علاوہ دوسری کتابوں کے قرآن شریف کے متعدد اڈیشن عربی اور اردو میں شائع ہوئے ہیں، ایک نعت جس میں محمد رسول اللہ (صلعم) کے معجزات کا ذکر ہے - رد فرقۂ وہابی ہندی میں، کئی رسالے جین مت پر، نظیر اکبر آبادی کی نظموں کا مجموعہ

جن کا حال ہی میں انتقال ہوا اور ہندوستان میں بہ حیثیت شاعر کے اِن کی بڑی شہرت اور عزت تھی - مشہور صوفی علی حزیں کی سوانح عمری ' جو علاوہ اور باتوں کے بعض بہت دلچسپ کتابوں کے مصنف بھی تھے جن کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے - تاریخ پنجاب مصنفہ دیبی پرشاد ساکن بنارس - تاریخ خاندان سندھیا مصنفۂ دھرم نارا ین ساکن اندور ' ایک قصہ نظم میں جس کا نام لخت جگر ہے بال مکند سکندرآباد کے رہنے والے نے لکھا ہے - اگرچہ یہ شخص ہندو ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مگر اِس نے یہ تصنیف اُردو میں کی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اُردو شمال میں " مسلمانوں کی ہندوستانی " ہے —

ہندوستانی ادب کے شعبوں میں سب سے مقدم شاعری ہے اور اسے بڑی کامیابی اور ذوق و شوق کے ساتھ ترقی دینے کی کوشش کی جاتی ہے - اور اس مقدس آگ کو خاص ادبی جلسوں کے ذریعہ سے جن کا نام مشاعرہ ہے زندہ رکھا جاتا ہے - ہندوستانیوں میں اس قسم کے ادبی جلسوں کا خاص ذوق ہے - یہاں تک کہ اور لوگ بھی (شاعری جن کا پیشہ یا فن نہیں ہے) شرتیہ طور پر معینہ ایام میں عموماً پندرہ روز میں ایک بار اپنے گھروں پر شام کے وقت ایسے جلسے کرتے ہیں - جس

شخص کے مکان پر یہ جلسہ ہوتا ہے وہی میر مشاعرہ بھی ہوتا ہے۔ وہ شہر کے اُن تمام اصحاب کو جو شعر سے شوق رکھتے ہیں دعوت دیتا ہے اور ان سے درخواست کرتا ہے کہ اس موقع کے لئے فلاں بحر میں (مصرع طرح پر) شعر کہنے کی زحمت فرمائیں —

اس وقت کے نہایت مشہور زندہ شاعروں میں دو بادشاہ بھی ہیں - ایک شہنشاہ دہلی دوسرے بادشاہ اودھ - کچھ زمانہ قبل ہندوستان کے مسلمان بادشاہ اور فرمانروا فارسی بولتے تھے اور فارسی ہی لکھتے تھے اور معمولی (بول چال کی) زبان کو حقیر سمجھتے تھے لیکن آج وہ اپنی رعایا کی تقلید میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے خواہ تحریر میں ہوں یا تقریر میں، ہندوستانی زبان استعمال کرتے ہیں -

حضرات! ان دو بادشاہ شاعروں میں سے پہلے بہادر شاہ ثانی ہیں جو شاہ عالم کے پوتے ہیں جن کا ہندوستانی شعرا میں شمار ہوتا ہے - بادشاہ کے بیٹے شاہزادۂ دارا بھی بہت اچھے شاعر ہیں - بادشاہ کا تخلص ظفر ہے اور جب ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے تو اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں - دوسرے واجد علی شاہ ہیں - ان کا تخلص اختر ہے - وہ صرف شاعر ہی نہیں، موسیقی میں بھی ماہر ہیں - جو غزلیں وہ

لکھتے ھیں ان کے راگ راگنیاں بھی وہ خود ھی تجویز کرتے ھیں- ان دونوں بادشاہ شاعروں کا کلام ھندوستان میں بہت مقبول ھے - اور جو کلام میں نے اُن کا پڑھا ھے ' اگر انصاف سے دیکھا جاے تو وہ اس کے مستحق ھیں- اُن کے حق میں بلا کسی مبالغہ کے عربی کی یہ مثل بالکل صادق آتی ھے "کلام الملوک ملوک الکلام" —



تیسرا خطبہ

بتاریخ ۵ دسمبر سنہ ۱۸۵۲ ء

حضرات لفظ ' ہندوستانی ''اُس زبان کے حق میں جس کے لئے یہ استعمال کیا جاتا ہے ناموزوں ہے اور اُسے اس نام سے یاد کرنا ہماری بد مذاقی ہے - البتہ اس کو ہندوستانیں (Hindustanien) کہا جاسکتا ہے - مگر انگریزوں کی تقلید میں ہم نے بھی اس کی ابتدائی شکل قائم رکھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے - ہندوستانی اہل ہندوستان کی زبان ہے مگر یہ زبان اپنی حقیقی حدود سے باہر بھی بولی جاتی ہے خصوصاً مسلمان اور سپاہی اس کو تمام جزیرہ نما ہندوستان نیز ایران تبت اور آسام میں بھی بولتے ہیں - پس اس زبان کے لئے لفظ ' ہندی ' یا '' انڈین '' جو ابتدا میں اس کو دیا گیا تھا اور جس نام سے کہ اکثر باشندے اس ملک کے اب تک اس کو موسوم کرتے ہیں اُس نام سے زیادہ موزوں ہے جو اہل یورپ نے اختیار کیا ہے - اہل یورپ لفظ ہندی سے ہندؤں کی بولی مراد لیتے ہیں جس کے لئے '' ہندوی '' بہتر ہے اور

مسلمانوں کی بولی کے واسطے " هندوستانی " کا نام قرار دے لیا هے - خیر یہ جو کچھہ بھی ہوا ' هندوستان کی اس جدید زبان کی دو بڑی اور خاص شاخیں برتش انڈیا کے بڑے حصے میں بولی جاتی هیں اور شمال کے مسلمانوں کی زبان یعنی هندوستانی اُردو ممالک مغربی و شمالی کی سرکاری زبان قرار دی گئی هے - اگرچہ هندی بھی اردو کے ساتھہ ساتھہ اسی طرح قائم هے جیسے کہ وہ فارسی کے ساتھہ تھی - واقعہ یہ هے کہ مسلمان بادشاہ همیشہ ایک هندی سکرتری جو هندی نویس کہلاتا تھا اور ایک فارسی سکرتری جس کو وہ فارسی نویس کہتے تھے رکھا کرتے تھے تاکہ اُن کے احکام ان دونوں زبانوں میں لکھے جائیں - اسی طرح برتش گورنمنت ممالک مغربی و شمالی میں هندو آبادی کے مفاد کے لئے اکثر اوقات سرکاری قوانین کا اردو کتابوں کے ساتھہ هندی ترجمہ بھی دیوناگری حروف میں دیتی هے —

حضرات ! میں نے اس سے قبل آپ کے سامنے کئی مرتبہ هندوستانی علم و ادب اور اس کی مختلف شاخوں کی نسبت تقریر کی هے - آپ کو معلوم هے کہ اس زبان کی تاریخ کی پہلی جلد میں میں نے ۷۵۰ مصنفوں اور آٹھہ سو سے زیادہ کتابوں کا ذکر کیا هے - اس کی تیسری جلد میں جس کے طبع هونے میں بعض وجوہ سے تاخیر هوگئی هے' میں اس سے دو چند

جدید مصنفوں کا اور اسی قدر کتابوں کا احوال لکھوں گا - دیسی سوانح نویس عموماً صرف ان لوگوں کے چند اشعار لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں جن کی سوانح عمری وہ لکھ رہے ہیں اور اُن کی خاص خاص تصانیف اور تالیفات کا ذکر نہیں کرتے -

اس وقت میں ان بے شمار مصنفین میں سے صرف تین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جن کے متعلق میں نے اطلاع بہم پہنچائی ہے - یہ تینوں صاحب دہلی کالج کے پروفیسر ہیں جہاں کا صدر یعنی پرنسپل بارہ سال سے ایک مشہور فرانسیسی فیلیکس بوترو (M. Felix boutros) ہے - صدر مذکور "ورنیکولرترانسلیشن سوسائٹی" (یعنی انجمن ترجمہ) کے بانیوں میں سے ہیں - اور اسی انجمن نے سنسکرت فارسی عربی اور انگریزی زبانوں سے ترجمے کر کے ہندوستانی زبان کی بڑی خدمت کی ہے —

مذکورۂ بالا اصحاب میں سے پہلے شخص رام چندر ہیں جن کے عیسائی مذہب قبول کر لینے پر (اور کہا جاتا ہے کہ دہلی کے یہ پہلے ہندو ہیں جنہوں نے یہ مذہب اختیار کیا) اس سال کے ماہ جولائی میں خاصی ہلچل مچ گئی تھی - اس پنڈت کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی ہے - یہ شخص دہلی کالج کا طالب علم تھا - اور اس کالج میں اس نے انگریزی، ہندوستانی اور فارسی زبانوں کو حاصل کیا تھا - لیکن علم

ریاضی کی طرف اس کا خاص رجحان تھا - وہ متعدد مفید کتابوں کا مصنف اور مترجم ہے جن میں سے ایک الجبرا ہے جو (Bridge and Cube) کی تقلید میں لکھا گیا ہے - ایک کتاب علم مثلث پر ہے جس میں مخروطات بھی شامل ہیں (Analytical Trignometry with conic sections) اور ایک کتاب علم ہندسہ پر ہے جو Huttan& Bouchorlat کے طریقہ پر مرتب کی گئی ہے - ایک کتاب علم الحساب پر لکھی ہے اور ان کے علاوہ کئی کتابیں ادب پر ہیں - یہ پروفیسر دو رسالوں کے اڈیٹر بھی ہیں - ان میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کا نام " محبوب ہند " ہے یہ ایک ماہانہ پرچہ ہے جس میں اہم مسائل و معاملات وقت پر اہل ہند کی تعلیمی حالت پر اور عام ادب یعنی ہندوستانی زبان کی ترقی پر مضامین لکھے جاتے ہیں —

دوسرے صاحب جن کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں رام کرشن ہیں - نہایت ذہین اور انگریزی ادب میں ایسے ہی قابل ہیں جیسے رام چندر - یہ کشمیری النسل اور دہلی کے رہنے والے ہیں - ان کی عمر قریب چالیس سال ہے - انہوں نے بہت سے مضامین انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیے ہیں جن کی عبارت نہایت فصیح اور شستہ ہے - چند ان میں سے یہ ہیں - دی پرنسپاس آف ہندو لا (اصول ہندو

شاستر) مصنفۂ سر ولیم میکناٹن کا ترجمہ - یہی وہ صاحب ہیں جو عربی الف لیلہ کے اڈیٹر ہیں اور افغانوں اور انگریزوں کی گذشتہ لڑائی میں بہ مقام کابل مقتول ہوئے - ترجمہ "اصول حکومت" (دی پرنسپلس آف گورنمنٹ) کے علاوہ بھی قانون پر ان کی کئی تالیف ہیں - نیز دوسرے فنون میں بھی چند کتابیں لکھی ہیں مثلاً فن زراعت پر طب پر اور ایک انگریزی گرامر ہندوستانی زبان میں جس کے لکھنے میں انھیں ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے بھی مدد دی ہے - ڈاکٹر اسپرنگر اس وقت دہلی کالج کے پرنسپل تھے ، آج کل فورٹ ولیم کالج میں ممتحن اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سکرٹری ہیں - ان میں سے تیسرے صاحب کریم الدین ہیں - یہ پانی پت کے رہنے والے اور جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مسلمان ہیں - تقریباً سنہ ۱۸۱۲ ع میں دہلی کالج میں شریک ہوئے - اس وقت ان کی عمر ۵۹ سال کی ہے - ان کی تمام تالیفات نثر میں ہیں - ان کو اس بات پر فخر ہے کہ انھوں نے کبھی کوئی نظم نہیں لکھی - انھوں نے بہت برا بھلا کہا ہے کہ لوگوں نے ہندوستان میں شاعری کو پیشہ بنا لیا ہے - ان کی کتابوں میں بعض جدید تصانیف ہیں بعض ترجمے اور بعض تالیفات - پہلی صنف میں حسب ذیل کتابیں ہیں : ایک کتاب عورتوں کی تعلیم پر جس کے متعلق

ھندوستان میں بہت غفلت کی جاتی ہے۔ ایک سوانح عمری ایشیا اور افریقہ کی مشہور عورتوں کی۔ اور ایک کتاب عروض پر جو بہت مشہور ہوئی۔ دوسری صنف میں یہ کتابیں ہیں: ابوالفدا کی تاریخ کا ترجمہ۔ ھندوستانی شاعروں کا تذکرہ اور عرب کے شاعروں کی تاریخ۔ تیسری صنف میں یہ کتابیں: ھندوستانی (اردو) کے اساتذہ کے کلام کا انتخاب۔ ایک کتاب وراثت پر جو اسلامی شریعت میں نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ علوم صحیحہ پر ایک مختصر رسالہ اور دلچسپ مقولوں اور لطیفوں کی ایک کتاب جس کا نام "گلستان ھند" ہے —

سنہ ۱۸۵۰ کی طرح سنہ ۱۸۵۱ میں بھی ھندوستانی مطابع ممالک مغربی و شمالی میں برابر کام کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ھندی اور اردو رسالے اور بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس سال پھر میرے پاس بعض دوستوں کی عنایت سے نئے مطبوعات کی فہرست پہنچ گئی ہے —

حضرات! میں آپ کے سامنے ابتدائی رسالوں یا جو قدیم اساتذہ کی تصانیف یا مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کا جو دوبارہ یا بار بار چھپتی رہتی ہیں، ذکر نہ کروں گا۔ اگرچہ اسلامی مذہبی کتب میں سے قرآن شریف معہ اردو ترجمہ کے ایک دھلی کا اور دوسرا آگرہ کا قابل لحاظ ہے۔ لیکن مذکورہ

ذیل کتابیں خاص طور پر قابل بیان ہیں " تاریخ آگرہ " جو محمد سدیدالدین نے اردو میں لکھی ہے - " بہار عشق " مؤلفۂ نور علی ، یہ کتاب نل دمن کے قصے پر مبنی ہے - " قصہ گرو چیلا " یہ قصہ کلیلہ دمنہ کے قصہ کے طرز پر لکھا گیا ہے - " قصہ سپاہی زادہ " دیوان نوید " ایک مشہور ہمعصر شاعر کا دیوان ۔ " دیوان نظیر " جو اب تک کامل نہیں چھپا تھا - گلستاں کا ہندوستانی ترجمہ جو پہلی مرتبہ فارسی متن کے ساتھ طبع ہوا ہے - ایک تاریخی نظم فاتحان ہندوستان پر معہ انگریزی ترجمہ کے - یہ کتاب شہنشاہ دہلی کے حکم سے شاہی شاعر مہاراجہ اپرواکرشن بہادر نے لکھی تھی - یہ شاعر اگرچہ ہندو تھا مگر بجائے ہندی میں لکھنے کے جو عام طور پر ہندؤں کی زبان ہے ، اُس نے اردو میں لکھی - آخر میں ایک قصہ قابل بیان ہے جو علم النسل کے نقطۂ نظر سے موجب دلچسپی ہے اور تھیٹ ہندوستانی میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کے بغیر لکھا گیا ہے - اس کے لکھنے والے انشاءالله خاں تھے جو اسی صدی کے ابتدا میں ایک مشہور شاعر گذرے ہیں یہ قصہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ایک رسالہ میں طبع ہوا ہے —

ہندی کی صرف ان کتابوں کے بیان کرنے پر اکتفا کروں گا- اخلاقی مقولے موسوم بہ " نتی نبود " ہندو مہاجنوں کے لیے

میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ بعض عہدہ دار جو میرے ماتحت کام کے لئے تجویز کئے گئے ہیں ظلم اور سختی کو جائز رکھتے ہیں - میں سب سے اول اُن کو نرمی سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ میرے کہنے پر عمل کریں گے تو مجھے سختی نہیں کرنی پڑے گی لیکن اگر کچھ ایسے ہوں گے جن میں یہ خرابی اس درجے سرایت کئے ہوے ہے کہ وہ اُن سے نہیں چھوٹ سکتی تو میں سختی میں کوتاہی نہ کروں گا اور اُن کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو گی - جب بد نظمی پھیلانے والے بد طینت لوگ سلطنت کی آگ کو شعلہ زن دیکھتے ہیں تو چھپے رہتے ہیں - برخلاف اس کے جب انہیں ذرا سی بھی بد نظمی انتظام مملکت میں نظر آتی ہے تو ہر جگہ فساد پیدا کرتے ہیں اور حکومت کی عمارت بہت جلد شکستہ ہو جاتی ہے - حکیموں نے کہا ہے کہ مملکت مانند ایک درخت کے ہے جس کی جڑوں کی آبیاری ہمیشہ اچھے نظم و نسق سے کرنی چاہئے تاکہ وہ امن و امان اور اطمینان کے ثمر سے بارآور ہو ...."

حضرات ! میں اس سال پریم ساگر کی بھی تشریح کروں گا

پریم ساگر ایک کہانی ہے جو مسجع اور مقفیٰ عبارت میں لکھی گئی ہے اور جگہ جگہ اس میں نظم بھی آتی ہے - یہ کہانی کرشن جی کے حالات سے متعلق ہے اور بھاگوت کے دسویں باب

سے ماخوذ ھے - اسی "پران" کے ترجمہ کے طبع کا کام ایک مشہور هندی کے عالم نے اپنے ھاتھہ میں لیا تھا - وہ اسی دسویں باب تک پہنچا تھا کہ موت نے علم و ادب کے اس سرمایۂ ناز کو ھم سے چھین لیا - لیکن ایک اور کتاب جو ھندی نظم میں ھے اور اسی دسویں باب کے تتبع میں لکھی گئی ھے اور پریم ساگر سے بھی قدیم ھے فرانسیسی زبان سے حال میں (M. H. Pavie) موسیو تھامس پاوی نے طبع کرائی ھے - مجھے اس بات کا فخر ھے کہ موسیو موصوف میرے شاگردوں میں ھیں - اس کا نام "کرشن جی اور اُن کی تعلیم " ھے - اسے یوجین بورنوف کی کتاب کا تتمہ سمجھنا چاھئے —

پریم ساگر ایک نہایت دلچسپ افسانہ ھے جو معلوم ھوتا ھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس تاریخ سے لیا گیا ھے - اس کے ھر صفحہ میں عیسائی مذھب کے واقعات کا مبہم سا اعادہ نظر آتا ھے لیکن اتنا فرق ھے کہ وہ سچ ھے اور یہ غلط - اسی لئے باوجود دونوں کی مشابہت کے وہ ایک دوسرے سے مختلف ھیں - کرشن جی کی تاریخ اگرچہ مشرقی تخیل کے عجائبات سے پر ھے اور غیر مسیحی اخلاقی خرابیوں نے اسے خراب کردیا ھے تاھم عیسیٰ مسیح کی تاریخ سے بہت مشابہت رکھتی ھے - یہ وہ بات ھے جسے میں نے اپنی ایک تصنیف میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ھے اور اگرچہ میرا یہ خیال

عیسائی ہونے کی بنا پر تھا مگر میں نے دیکھا کہ یہ مقابلہ مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچانے کے بجائے کتاب کی وقعت کو اور بڑھا دے گا - مجھے یہ بات بہت دلچسپ معلوم ہوئی کہ کرشن جی کی زندگی کے حالات عیسیٰ مسیح کے حالات کی صدائے بازگشت ہیں اور ان کی تعلیم عیسائی مذہب کے اصول کا ایک عکس ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی مذہب ہندوستان میں بہت پہلے پھیل چکا تھا جیسا کہ ہماری مذہبی روایتوں سے بھی ظاہر ہے - سینٹ فرانسیس زیویر جو پیرس یونیورسٹی کا مشہور طالب علم تھا اور "انڈیز کے مبشر" کے لقب سے مشہور ہے ' جب کوچین اور ترا ونکور کے ساحلی قصبوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لئے پہنچا تو اُس نے وہاں کے اصلی باشندوں کو عیسائی مذہب کا پیرو پایا - جن کو اس زمانہ کے وقائع نویسوں نے "پروا" کے نام سے موسوم کیا ہے - اُسی نے مقام میلاپور میں سینٹ تھامس کی قبر بھی دیکھی - یہاں میں اس بات کا اشارہ بھی کرنا چاہتا ہوں کہ صوبہ بیجاپور میں جس کے بڑے شہروں میں 'گوا' بھی ہے سینٹ مذکور کو ہندوستانی کی دکنی بولی میں وعظ کرنا پڑا ہوگا - یہ بولی بیجاپور میں اسی طرح مروج ہے جس طرح مرہٹی —



چوتھا خطبہ

بتاریخ ۲۹ - نومبر سنہ ۱۸۵۳ ع

حضرات! ہندوستانی زبان، جیسا کہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے، صرف بول چال ہی میں استعمال نہیں ہوتی بلکہ اس ملک میں روز بروز تحریر کے کام میں بھی ترقی کرتی جاتی ہے جسے ہم انڈیا (ہندوستان) کہتے ہیں جو وسعت میں اسی قدر بڑا ہے جس قدر براعظم یورپ - اسی طرح اس کا علم ادب ترقی کر رہا ہے اور اچھی اچھی تالیفات و تصنیفات سے مالا مال ہو رہا ہے --

سنہ ۱۸۵۱ ع سے نئے سنگی مطبع قائم ہوے ہیں جہاں سے عمدہ کتابیں شائع ہوتی ہیں - نئے رسالے اور اخبار بھی جاری ہوے ہیں اور پرانے تقریباً سب کے سب زندہ ہیں —

اس اطلاع کی بنا پر جو میرے دوستوں اور ایک انگریزی اخبار (فرینڈ آف انڈیا) نے اپنی عنایت سے مجھے بہم پہنچائی ہے میں ممالک مغربی و شمالی کے ان مطابع کے متعلق صحیح تفصیل آپ کے سامنے بیان کر سکتا ہوں جو سنہ ۱۸۵۲ ع کے آغاز میں وہاں جاری تھے - ممالک مغربی و شمالی رقبے میں فرانس سے دو چند ہیں اور وہاں کی زبان ہندوستانی ہے، خواہ اُردو ہو یا ہندی۔ افسوس ہے

کہ میں آپ کو راجپوتانہ، دکن، اودھ اور انگریزی احاطوں کے تینوں دارالحکومتوں کے متعلق کوئی نئی بات نہیں بتا سکتا - تاہم جو جزوی تفصیل میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اس سے آپ اس ادبی تحریک کا اندازہ کر سکیں گے جو اس زبان کے ذریعہ سے جس کے حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں آئے ہیں، ہندوستان میں حقیقی طور پر ظاہر ہو رہی ہے نیز آپ پر ظاہر ہوجائے گا کہ زمانۂ دراز سے ہندوستانی نے خاصی حیثیت اور اہمیت حاصل کرلی ہے —

سنہ ۱۸۵۲ ع کے آغاز میں ممالک مغربی و شمالی کے پندرہ شہروں میں ۳۴ سنگی مطابع تھے جن میں ہندوستانی مطبوعات شائع ہوتی تھیں اور ۳۱ ہندوستانی رسالے اور اخبار تھے - مطبعوں کی تفصیل یہ ہے - سات آگرہ میں - چھہ دھلی میں - دو میرٹھہ میں - دو لاھور میں - سات بنارس میں اور ایک ایک سردھنے، بریلی، کانپور، مرزاپور، اندور، لدھیانہ، بھرت پور، امرتسر اور ملتان میں —

اِن مطبعوں سے مفصلۂ ذیل ہندوستانی اخبار شائع ہوتے ہیں: - آگرہ سے "مطبع الاخبار" جو شہر آگرہ میں خوب بکتا ہے "اخبار الحقائق" جو ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے اور "اسد الاخبار" جو ہفتہ میں ایک بار نکلتا ہے - ایک اور اخبار اسی شہر سے نکلتا ہے جس کا نام "قطب الاخبار"

ہے جس میں مذہب اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے اس میں اخبار (احادیث) اسلام انبیاء، شہدا اور اولیاے اسلام کے حالات شایع ہوتے ہیں اور قدیم مصنفین کی کتابوں میں سے اقتباسات بھی درج کئے جاتے ہیں - "معیار الشعرا" ایک ادبی رسالہ ہے جس میں قدیم و جدید شعرا کا کلام درج ہوتا ہے —

"اخبار النواح" پہلے ایک علمی پرچہ تھا - مگر اب معمولی خبروں کا اخبار ہے - "آگرہ گورنمنٹ گزٹ" کا ذکر بھی مناسب خیال کرتا ہوں - یہ سرکاری اخبار ہے اور ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے ۔ اب اگر ہم دلی کی طرف رجوع کریں تو وہاں "سراج الاخبار ہے" جو اس شہر کا سب سے پرانا اخبار ہے - "دہلی اردو اخبار" اردو میں چھپتا ہے - "مظہر الحق" کے اڈیٹر ایک صاحب محمد علی ہیں جن کی اسی نام کی ایک تالیف ہے جس میں مذہب اسلام کی مختلف رسموں کا ذکر ہے - "قران السعدین" ایک با تصویر اخبار ہے جس میں سائنس، ادب اور سیاست سے بحث ہوتی ہے اس کے چند نمبر جو میرے پاس آئے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ با تصویر رسالہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے ہم وطنوں میں مغربی معلومات کو شایع کرے - اس میں خبریں بھی چھپتی

هیں - هفته میں ایک بار پیر کے روز شائع هوتا هے اور ایک ماهانه رساله بهی جس کا نام "فوائد الناظرین" هے - اس میں علاوہ خبروں کے مضامین بهی چهپتے هیں جو انگریزی ذرائع سے ماخوذ هوتے هیں - "دقیق الاخبار" هندؤں کا هے —

میرٹهہ میں دو هندوستانی اخبار هیں - ایک "مفتاح الاخبار" جس کے اڈیٹر محبوب علی هیں - اُنهوں نے هندوستانی لغت اللغات کا خلاصه بهی لکها هے جو لکهنؤ میں سنه ۱۸۴۷ ع میں طبع هوا دوسرا "جام جهاں نما" هے یه جمشید کے اُس پیالے کی طرف اشارہ هے جس کی ته میں وہ دنیا کے تمام واقعات جوگزرتے تهے معلوم کر لیتا تها - اس اخبار میں علاوہ معمولی خبروں کے سرکاری گزٹ اور ممالک مغربی و شمالی کی عدالت عالیه (سوپریم کورٹ) کے فیصلوں کے اقتباسات بهی درج هوتے هیں- اس کے ساتهہ ایک ورق بطور ضمیمه کے شایع هوتا هے جس میں فیضی کی مهابهارت کا فارسی ترجمه شایع هوتا هے یه ضمیمه اخبار کے خریداروں کو مفت نذر کیا جاتا هے —

بنارس میں چهہ هندوستانی اخبار هیں - ان میں سے دو اخباروں کا ایک هی اڈیٹر هے - ایک هندی یعنی دیوناگری حروف میں دوسرا اردو یعنی فارسی حروف میں شایع هوتا - پہلے کا نام "بنارس اخبار" هے - سنا هے که راجه نیپال

سے امداد ملتی ہے جن کی رانی بنارس میں رہتی ہیں - بہر حال اڈیٹر جو ایک پر جوش ہندو ہے ان دونوں اخباروں میں عیسائی مشنریوں کے خلاف ہندو مذہب کی پر زور حمایت کرتا ہے - بنارس کا تیسرا ہندوستانی اخبار "سدھا کر اخبار" ہے-یہ اخبار جو انگریزی حکومت کو اچھا سمجھتا ہے پہلے ہندی اردو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا مگر اب صرف ہندی میں شایع ہوتا ہے- اس کی ہندی دقیق اور سنسکرت کے الفاظ سے بھری ہوتی ہے - اس کی اشاعت صرف تعلیم یافتہ ہندؤں تک محدود ہے - چوتھا اخبار "باغ و بہار" ہے جس کا نام اسی نام کی مشہور کتاب پر رکھا گیا ہے - یہ مہاراجہ بنارس کی سر پرستی میں نکلتا ہے - مہاراجہ جدید ادب کے بڑے مربی ہیں اور بہت سی کتابیں انہوں نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہیں اور خود بھی ہندوستانی اور فارسی کے شاعر ہیں - پانچواں اخبار "سائرین ہند" (؟) ہے- یہ دو ہفتے میں ایک بار چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحوں پر چھپتا ہے اور ہر صفحہ میں دو کالم ہوتےہیں - علاوہ معمولی خبروں کے جو کسی قدر تفصیل سے لکھی جاتی ہیں اس میں مختلف قسم کے مضامین ہوتے ہیں - چھٹا اخبار "بنارس ہرکارا" ہے جو سنہ ۱۸۵۱ع سے اب تک نکل رہا ہے —

بریلی سے "عمدۃ الاخبار" شایع ہوتا ہے- اس کے اڈیٹر

لکشمن پرشاد ھیں ، اُنھوں نے چھوٹی سی علمی اور اخلاقی سائکلو پیڈ یا بھی لکھی ہے اور اس کا نام مشرقی طرز پر " دماغی زینت " رکھا ہے —

مرزا پور سے " خیر خواہ ھند " نکلتا ھے - یہ امریکی پروتستنت مشنریوں کا اخبار ھے اور اس کا مقصد تبلیغ مذھب ھے —

" شملہ اخبار " شملہ سے شائع ھوتا ھے یہ بہت اچھا اخبار ھے جسے آج کل شیخ عبداللہ مرتب کرتے ھیں یہ انگریزی ھندوستانی دونوں سے واقف ھیں - ھندوستانی ان کی مادری زبان ھے —

اندور کا اخبار - جو مالوہ کا دارالحکومت ھے " مالوہ اخبار " ھے - یہ آٹھ صفحوں کا ھفتہ واری ھے - اس کے ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ھندی ھوتی ھے اس کے اڈیٹر دھرم نراین ھیں جن کی عمر صرف چھبیس ستائیس سال کی ھوگی - یہ بہت اچھے شاعر ھیں اور انھوں نے مل کی پولیٹکل اکانمی (معاشیات) اور انگلستان کی ایک تاریخ کا ترجمہ بھی کیا ھے —

بھرت پور صوبہ آگرہ میں ھے - وھاں کا اخبار " مظہر السرور " ھے جو راجہ بھرت پور کی سرپرستی میں شایع ھوتا ھے - " مالوہ اخبار " کی طرح اس کے ایک کالم میں اردو اور

دوسرے میں ہندی ہوتی ہے —

اب ہم پنجاب کے اخباروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں - ان کے ناموں کے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ روشنی علم کی اشاعت میں زیادہ کوشاں ہیں - کیونکہ وہاں کے اخبارات کے ناموں کے ساتھ اکثر نور کا لفظ لگا رہتا ہے مثلاً " دریاے نور " جو لاہور کا اخبار ہے - ایک دوسرا جو ہفتے میں دوبار شائع ہوتا ہے " کوہ نور " ہے - اُس مشہور ہیرے کا نام ہے جو آج کل ملکۂ انگلستان کے قبضہ میں ہے —

لدھیانہ کا اخبار " نورٌ علیٰ نور" ہے جسے محمد حسین نے سنہ ۱۸۵۱ ع میں جاری کیا تھا - یہ اپنی ایک نظم کی وجہ سے مشہور ہیں جس میں اُنھوں نے فطرت کی اُن پیداواروں کو منظوم کیا ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے- امرتسر سے " باغ نور" اور ملتان سے جو اسی نام کے صوبہ کا دارالحکومت ہے " ریاض نور " نکلتا ہے —

حضرات ! اب میں ہندوستانی تالیف و تصنیف کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ممالک مغربی و شمالی میں سنہ ۱۸۵۱ ع میں شایع ہوئیں - میں اس معلومات میں جو میں نے گزشتہ سال آپ کے سامنے پیش کی کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں-

رومن کیتھلک نقطۂ نظر سے سردھنہ ان صوبجات میں ایسا ہے جیسے صحرا میں نخلستان - یہاں رومن کیتھلک

مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے جس میں حال میں علاوہ اور چیزوں کے مذہبی عقاید کی سوال و جواب کی کتاب بھی چھپی ہے - یہ آگرہ والی کتاب سے زیادہ تفصیلی ہے - کئی کتابیں دعاؤں کی اور فلیوری کے تاریخی سوال و جواب کا ترجمہ، عیسائی اولیا کے تذکرے اور کئی اور مذہبی کتابیں فارسی اور دیو ناگری حروف میں چھپی ہیں —

پراتستنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور اُن کی اشاعت سے اہل ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے اور اُسی کے ساتھ ابتدائی کتابیں جو انگریزی سے ترجمہ کی جاتی ہیں مغربی علوم کے پھیلانے میں مدد دیتی ہیں —

گزشتہ سال میں نے آپ سے رام چندر کے عیسائی ہونے کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنے خطبہ میں اس اخبار کا بھی ذکر کیا تھا جس کے وہ اڈیٹر ہیں - اس سال ایک ہندوستانی شاہزادہ کا ذکر کرتا ہوں اور صرف یہی ایک ہندوستانی شاہزادہ ہے جو ہمارے زمانہ میں عیسائی ہوا ہے - یہ مہاراجہ دلیپ سنگھہ لاہور کے شاہی خاندان کا سکھہ شاہزادہ ہے - اس نے فتح گرہ میں گزشتہ مارچ کی آٹھویں تاریخ کو عیسائی مذہب قبول کیا - اس وقت وہ فتح گرہ ہی میں مقیم ہے -

لیکن ہمیں ہندوستان کے مطابع کی طرف اپنی توجہ

مبذول رکھنی چاہئے کیونکہ یہی سب سے بڑی چیز ہے جو یورپ کی توجہ کی مستحق ہے سنہ ۱۸۵۱ ع کے دوران میں تیس دیسی مطابع میں جس قدر کتابیں چھپی ہیں ان کا ایک گوشوارہ تیار کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ۱۲۹ ہے جن میں سے ۸۴ ہندوستانی ہیں - افسوس ہے کہ ان میں سے متعدد کتابوں کے صرف نام لکھے ہیں دوسری کسی قسم کی کیفیت درج نہیں ہے اور محض نام سے کتاب کے متعلق صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا کیونکہ مشرقی کتب کے نام بعض اوقات اصل مضمون سے کچھہ تعلق نہیں رکھتے - اس لئے حضرات ! میں بعض کتابوں کا تذکرہ کرنے سے معذور ہوں - ممکن ہے کہ ان کا جاننا بہت دلچسپ ہوتا —

ہندی کتب میں سے لایق ذکر مفصلۂ ذیل کتابیں ہیں جو آپ کی محتاج توجہ ہیں —

" راماین کی شرح " جو مہاراجہ بنارس کی فرمایش سے طبع ہورہی تھی ' جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں تکمیل کو پہنچ گئی - سجن چوتر یہ کتاب راجہ بھرت پور کے حکم سے طبع ہوئی اس میں اس لڑائی کا منظوم تذکرہ ہے جو سورج مل (جو راجہ بھرت پور کے بزرگوں میں سے تھے) اور صلابت خاں اور دوسرے افغان سرداروں میں ہوئی تھی —

نجات المومنین- باوجود عربی نام کے یہ کتاب پنجاب کی

هندی بولی میں جسے پنجابی کہتے ہیں لکھی گئی ہے اور ادھیانہ میں چھپی ہے -

حاتم طائی هندی منظوم بنارس میں چھپی- ایک هندی لغت مرتبہ تعشق دهلی میں چھپی ہے - یہ صاحب کئی کتابوں کے مولف ہیں - جو اس سے قبل شایع ہو چکی ہیں - اگر میں سرکاری مطبوعات جنتریوں اور چھوتی چھوتی مذهبی کتابوں نیز ایسی کتابوں کو جو دوبارہ چھپی ہیں اپنے تبصرہ میں شریک کرلوں تو یہ فہرست بہت طویل ہوسکتی ہے -

یہی کیفیت اردو مطبوعات کی ہے جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے - کیونکہ هندی مصنفین بھی زبان کی اسی شاخ میں لکھنا پسند کرتے ہیں جسے مسلمان مصنفین نے قابل تعریف کمال تک پہنچا دیا ہے ——

حضرات ! اس سال میں اردو مطبوعات میں سے چند ایسی کتابوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو حقیقی طور پر قابل قدر ہیں -

کانپور کا مطبع هندوستانی مطابع میں بہت هی معروف و مقبول ہے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں اس مطبع میں علاوہ دوسری کتابوں کے ایک نظم " قصۂ منصور " کے نام سے چھپی ہے - منصور ایک مشہور حکیم (صوفی) گزرا ہے - جو زیادہ تر " حلاج "

کے نام سے معروف ہے - اس مشہور شخص پر جو صوفی ہے سنہ ۹۲۲ ع میں کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اس جرم پر کہ وہ اپنے تئیں "الحق" کہتا تھا جو خدا کا نام ہے قتل کیا گیا - صوفیا اُسے شہید سمجھتے ہیں اور ان کی تصانیف میں اس کا ذکر بہت عزت و حرمت سے کیا گیا ہے - بعض لوگ اسے عیسائی خیال کرتے ہیں - چنانچہ دھربیلے نے اپنی کتاب "اورنتیل ببلیوتیک" میں اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں جن سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ آخری اشعار تھے جو شہادت سے پہلے اس کی زبان سے نکلے تھے —

"حمد ہو ہمیشہ اس کے لیے جس نے اپنی الوہیت کو چھپا کر جو تمام دنیا میں ساری ہے، اپنی انسانیت (انسانی شکل) کو ہم پر ظاہر کیا - یہاں تک کہ اُس نے خواہش کی کہ وہ ہم کو کھاتا پیتا نظر آے - وہ جو مجھے اپنے دسترخوان پر بلاتا ہے تو برا نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے وہی پیالا پینے کو دیتا ہے جو وہ خود پیتا ہے - وہ درحقیقت مجھ سے ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے جیسا ایک میزبان اپنے مہمان کے ساتھ کیا کرتا ہے" -

علاوہ اس کے اس مطبع سے مفصلۂ ذیل کتابیں شایع ہوئی ہیں

مجموعۂ مثنوی - یہ اردو منظوم حکایتوں کا مجموعہ ہے - حکایت نصیحت آمیز - ناز و نیاز یہ خدا اور رسول خدا

(صلعم) کی حمد و ثنا میں ہے - یہ اسی قسم کی کتاب ہے جو آگرہ میں "نظم نادر" کے نام سے شایع ہوئی ہے - گلستان مسرت * یہ شعرا کے کلام کا مجموعہ ہے جو اس مطبع کے روشن خیال مالک نے انتخاب کیا ہے —

اب ان اردو کتب کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرتا ہوں جو دوسرے مطبعوں سے شایع ہوئی ہیں - ان میں سے ایک عربی کی مشہور کتاب "مقامات حریری" کا اردو ترجمہ ہے - دھرم سنگھہ کا قصہ جو ایک دلچسپ قصہ ہے - بو علی قلندر (رح) کی فارسی مثنوی کی شرح- بہارستان سخن جو ناسخ ' آتش ' آباد کے کلام کا مجموعہ ہے - میزان عقبیٰ ' یہ فارسی کتاب کا ترجمہ ہے تاکہ لوگ کثرت سے مستفید ہوسکیں-

اس سال کے شروع میں پنجاب کے ایک اخبار نے ایک جدید کتاب کی اطلاع شائع کی ہے یہ میجر ایڈورڈ کی کتاب "پنجاب میں ایک سال" کا ترجمہ ہے - اس کے مترجم نواب امام الدین ہیں جو پہلے کشمیر کے گورنر تھے اور جنھوں نے کابل کے محاصرے اور دوسری لڑائیوں میں نمایاں کام کیے ہیں —

میں ان جغرافی نقشوں کا ذکر نہیں کروں گا جو مختلف

* یہ فارسی شعرا کے کلام کا انتخاب مضامین کی ترتیب سے ہے - پروفیسر موصوف غلطی سے اسے اردو خیال کرتے ہیں - عبدالحق —

مطبعوں میں چھپے ھیں - ھر کلا ٹس اور تیسن کے نقشوں کے بعد سے ممالک مغربی و شمالی کے مطابع میں نہ صرف دنیا کے نقشے بلکہ ھندوستان اور ھر ضلع کے نقشے چھپ کر شایع ہوئے ھیں —

میں اپنے درسوں کے دوران میں کئی سال تک "ھندوستانی انتخابات " پڑھاتا رھا ھوں - یہ عمدہ انتخاب فاضل مسٹر شکسپیر کا کیا ھوا ھے اور اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالجوں کے نصاب میں داخل تھا - اب اس کی جگہ ' طوطا کہانی " اور " باغ و بہار " رکھی گئی ھیں - اس سال میں ان کتابوں کی تعلیم دوں گا - نہ صرف ان انگریزوں کے فائدہ کے خیال سے جو میرے لکچروں میں حاضر ھوتے ھیں بلکہ اس خیال سے کہ اردو میں ان کتابوں کا طرز تحریر نہایت پاکیزہ اور لطیف ھے - یعنی یہ ھندوستان کی اس خوبصورت زبان میں لکھی گئی ھیں جس میں فارسی اور اس کی معین عربی اعتدال کے ساتھہ شریک ھے ان کتابوں میں استعارات اور دیگر صنائع و بدائع اور لفظی مناسبت کا صرف ایک حد تک استعمال کیا گیا ھے - یہ وہ چیزیں ھیں جن کے اھل مشرق بہت شایق ھیں —

ان میں سے پہلی کتاب سے آپ واقف ھیں کیونکہ اس کا ترجمہ "طوطا کہانی" (Tales of a Parrot) کے نام سے ھو چکا ھے - لہذا

اس کے متعلق مجھے کچھہ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے- دوسرا ایک مشہور قصہ ہے جسے هندوستان میں مختلف ناموں سے کئی صاحبوں نے لکھا ہے - ان میں " باغ و بہار " نام کا بہت مقبول ہوا - اور اس نام سے بار بار چھپا ہے - اس کا ایک ترجمہ جوارمنی زبان میں بھی ہوا ہے- علاوہ اور باتوں کے اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اردو هندی کی بہت سی ضرب المثلیں اور اشعار بھی جگہ جگہ آتے هیں - اس کا نام باغ و بہار کسی قدر عجیب ہے - خود مصنف نے اپنے دیباچے میں اس کی وجہ تسمیہ ان الفاظ میں بیان کی ہے :

هم نام و هم تاریخ اس میں نکلتی ہے - تب میں نے یہی نام رکھا جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا جیسا کہ اکثر مشرقی کتابوں میں پایا جاتا ہے - اس قصے میں کئی اور قصے شامل هیں اور (Orlando furioso) کی طرح قصے کا انجام عام ہے جس میں قصے کے تمام خاص اشخاص شریک هیں - یہ کتاب کئی شخصوں کی عجیب و غریب آپ بیتیوں کا مجموعہ ہے - جن میں عجائب نگاری کی شان هر جگہ پائی جاتی ہے اور باوجود بار بار اعادہ کے اهل مشرق اسے بہت پسند کرتے هیں مگر اس سے در حقیقت اکثر اوقات قصوں کا لطف کم هو جاتا ہے - لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ قصہ اسلامی روایات پر مبنی ہے جو دل و دماغ کے لیے زیادہ

قابل قبول اور لطف آمیز ہیں —

حضرات! میں اب آپ سے باغ و بہار کا خلاصہ بیان کرتا ہوں تاکہ آپ کے خیال میں کتاب کا ایک تصور پیدا ہو جائے اور اصل کتاب کے پڑھنے میں آسانی ہو (اس کے بعد کتاب کا خلاصہ ہے جو غیر ضروری سمجھ کر ترجمہ میں چھوڑ دیا گیا) —

میں نے مختصر طور سے باغ و بہار کا خاکہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے - لیکن اس کتاب کے پڑھتے وقت آپ بہت مفید اور کار آمد بات یہ پائیں گے کہ ان قصوں میں ہر صفحہ پر آپ کو قومی خصوصیات کے متعلق ایسی باتیں ملیں گی جو ہمیں اصلی ہندوستان اور خاص کر اسلامی ہندوستان کے سمجھنے میں بہت کار آمد ہوں گی - اس قسم کی باتیں قصے کے ہر صفحے میں پائی جاتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بعض جگہ مذہبی جوش اور ظلم کی کارستانیاں اس ناگوار طریقہ سے بیان کی گئی ہیں کہ وہ حصے کسی قدر خلاف قیاس معلوم ہوتے ہیں ، لیکن بہت سے حصے ایسے ہیں کہ ان کا جوڑ بڑی خوبصورتی سے بٹھایا گیا ہے اور درحقیقت بہت دلچسپ ہیں —

حضرات! اس کتاب میں آپ اس زبان کا مطالعہ کریں گے جو ہندوستانی کہلاتی ہے اور اس میں آپ ان الفاظ کو نہیں

پڑھیں گے جن کا کوئی مفہوم نہیں، بلکہ ایسے الفاظ دیکھیں گے جو ان اشیا کا مفہوم بتاتے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے آپ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی پائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ خیالات کی نیابت کرتے ہیں - کیونکہ ان کا تجزیہ کرنے سے ہم ان مادوں تک پہنچتے ہیں جو انڈو یورپین زبانوں کے ایک بہت بڑے مجموعہ کی کنجی ہیں اور خود ہماری زبان بھی انہیں میں شامل ہے اور در حقیقت ہندوستانی کی ایک بہن ہے —



پانچواں خطبہ

(بتاریخ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۴ ع)

سنسکرت جو قدیم آریاؤں کی زبان تھی ، ہندوستان کی (جسے ویدوں میں سپت سندھو یعنی سات دریاؤں * والے ملک سے موسوم کیا گیا ہے) کبھی عام زبان نہیں ہوئی تھی - سنسکرت کے ڈراموں میں یہ خاص اور بڑے اشخاص کی زبان ہے - عورتیں اور عوام ایک دوسرے قسم کی بولی ' پراکت ' استعمال کرتے تھے - پراکرت کے معنی غیر شایستہ اور سنسکرت کے معنی شائستہ کے ہیں † جیسا کہ بعض ہندوستانی مصنفین نے ہم کو باور کرایا ہے ‡ ' پراکرت ہمیشہ دہلی میں بولی جاتی تھی اور ' بھاشا ' یا ' بھاکا ' یعنی دیسی زبان کہلاتی تھی - سنسکرت سی قوی اور غالب زبان نے اِس کو جلا دی اور " ہندوستانی زبان " (ہندی) کے نام سے موسوم ہوئی - یہ

---

* یعنی پانچ دریا پنجاب کے اور سندھ اور سرسوتی —

† ڈراما نویسی سے قبل بدھ مت کی تصانیف اور اشوک کے کتبے ایک قسم کی پراکرت ہی میں لکھے گئے تھے جو اس وقت مقبول زبان تھی —

‡ " باغ و بہار ' اور " آثارالصنادید " کے دیباچے ملاحظہ ہوں —

نام سنسکرت کو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا تھا * -

سنہ ۸۰۰ ع کے آغاز ھی میں مسلمان ھندوستان میں فاتح کی حیثیت سے پہنچے! محمود غزنوی نے سنہ ۱۰۰۰ ع کے لگ بھگ سب سے بڑہ کر شاندار فتوحات حاصل کیں اور اُسی وقت سے شہروں میں ھندوستانی 'بھاکا' میں تغیر واقع ہوا - چار سو سال بعد تیمور لنگ جو قوم کا مغل تھا †' ھندوستان میں داخل ہوا' دھلی کو فتح کیا اور زبردست سلطنت کی بنیادیں ڈال دیں جس کو آخر کار بابر نے سنہ ۱۵۰۵ ع میں مستحکم کیا - اُس وقت ھندوستانی زبان (ھندی) فارسی زبان میں بالکل گھل مل گئی جس میں عرب فاتحوں کے تسلط اور مذھب کی بدولت بے شمار عربی الفاظ داخل ھوگئے تھے اور اس عجیب و غریب آمیزش سے ھندوستانی آریائی اور سامی لہروں کا سنگم بن گئی جو ایک قسم کی نہایت غیر معمولی

---

* البتہ بعض عرب مصنفین نے بول چال کی زبان اور تحریری زبان میں امتیاز نہیں کیا اور دونوں کو گڈ مڈ کر دیا ھے - میں نے کسی جگہہ لکھا ھے کہ لاطینی زبان میں بھی ایسا ھی ہوا ھے جیسے رومن زبان سے کبھی موسوم نہیں کیا گیا تھا - یہ نام صرف اولڈ فرنچ (قدیم فرانسیسی) کے لئے مخصوص کر دیا گیا ھے' جو کہ عہد وسطی میں سہل کر کے بنا لی گئی تھی اور گالز (Gauls) کی قدیم زبان کے بچے کھچے لفظوں سے اسے سنوارا گیا تھا —

† یہی وجہ ھے کہ ھندوستانی ' دھلی کی مسلمان سلطنت کو مغل سلطنت کہتے ھیں اور بادشاہ کو مغل اعظم کہا کرتے تھے - ما سوا ھندوستان میں مغل کا خطاب ان تمام مسلمانوں کو دیا جاتا ھے جو شمال سے آے خواہ وہ نسلاً ایرانی تھے یا تاتاری —

لسانی ترکیب ہے * -

اِس طرح دوھری ھند اسلامی زبان وجود میں آ گئی یعنی شمالی زبان اور جنوبی زبان - شمال کی ھندوستانی کو اُردو † کا نام ملا کیونکہ اسی نے شاھی اُردو (لشکر) میں جنم لیا تھا اور جنوب یا دکھن کی دکھنی کہلائی - لیکن ھندی فنا نہیں ھوئی - وہ فارسی یا عربی الفاظ کی آمیزش بغیر "دیوناگری" تحریر میں ایسے ھندوؤں میں جاری رھی ' جنھیں مسلمانوں سے ملنے کا (خاص کر دیہات میں) شاذ و نادر ھی اتفاق ھوتا تھا - غرض اِس طرح دو ھندوستانی زبانیں ھو گئی تھیں ایک ' لیکن پیرایہ مختلف تھا ؛ گویا وحدت میں دوئی کا رنگ تھا ‡ -

ھندوستانی زبان یا ھندوستانی (یعنی ھندوستان کی زبان)

---

* میرا مقصد عربی سے ھے کیونکہ اصلی فارسی الفاظ ھندی زبان کے خاندان میں شامل ھیں —

† زبان اردو "لشکر کی زبان" ھے' جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ھوگا —

‡ ایم - جے - بیمس ' مصنف ھندی لسانیات ' مجھے مطلع فرماتے ھیں کہ حال کی مردم شماری کی رو سے سات کروڑ ھندوستانیوں سے زاید ایسے ھیں جن کی مادری زبان ھندوستانی ھے ' اس کے علاوہ یہ تمام ھندوستان اور قرب و جوار کے ممالک میں سمجھی جاتی ھے - آنریبل مسٹر ارسکن پیری پریذیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی نے اُس سوسائٹی کے جنوری نمبر سنہ ۱۸۵۳ ع میں ایک دلچسپ مضمون "جغرافیہ کے رو سے ھندوستان کی خاص زبانوں کی تقسیم" کے عنوان سے لکھا ھے اور اس کے ساتھ ھی ایک نقشہ بھی دیا ھے جس سے ایک نظر میں یہ بیان صاف سمجھ میں آ جاتا ھے —

کی یہ تفریق (یعنے ہندی اور اُردو) مذہب نے پیدا کی ہے اور اِس لئے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندی ' ہندؤں کی اور اُردو مسلمانوں کی زبان ہے —

یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن ہندؤں نے اُردو زبان میں تالیف و تصنیف کی ہے ' مسلمانوں کے طرز کی نقل کی ہے بلکہ مسلمانوں کے تخیلات کو بھی جذب کیا ہے اور ان کی نظموں کو پڑھ کر یہ پہچاننا کہ یہ کسی ہندو کی ہیں' بہت مشکل ہے۔

عموماً ہندی نظمیں اردو اور دکھنی نظموں کی نسبت زیادہ پر زور ہوتی ہیں۔ وہ قدیم عربی نظموں سے مشابہ ہیں' جن میں یہی صفات پائی جاتی ہیں۔ تامسن کا وہ شعر جو حسن پر ہے ' دونوں پر صادق آتا ہے :-

'' اسے بیرونی آرایش سے مرصع ہونے کی حاجت
نہیں ہے بلکہ بغیر آرایش کے ہی وہ نہایت
آراستہ معلوم ہوتی ہے'' *

ایک عرصۂ دراز تک ہندو ادبی مضامین سنسکرت میں اور مسلمان فارسی میں لکھتے رہے اور عام زبان عام پسند گیتوں میں استعمال کرتے رہے ' لیکن شدہ شدہ مستند اور

---

* (از موسم' خزاں)- باغ و بہار میں ایک شعر ہے جو اسی مضمون کو اس سے زیادہ خوبی سے ادا کرتا ہے :-

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

مشہور تصانیف نے ہندوستانی زبانوں کو ایک حالت میں قایم کردیا ' جن میں بقول ایک عالم ہندیات (ولسن) کے ایک وافر اور نہایت دلچسپ ادب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے* -

حال کے ایک مصنف سید احمد نے اپنی کتاب " آثارالصنادید " میں " اردو زبان کے بیان " کے عنوان سے اس بارے میں یہ لکھا ہے † -

" ہندؤں کے راج میں تو یہاں ہندی بھاشا بولنے چالنے ' لکھنے پڑھنے میں آتی تھی - سنہ ۵۸۷ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ عیسوی موافق سمت ۱۲۴۸ بکرماجیت کے جب مسلمانوں کی سلطنت نے یہاں قیام پکڑا تو بادشاہی دفتر فارسی ہو گیا - مگر زبان رعایا کی وہی بھاشا رہی - سنہ ۸۹۴ ھ مطابق سنہ ۱۴۸۸ ع تک بجز بادشاہی دفتر کے رعایا میں فارسی کا رواج نہیں ہوا - اس کے چند روز بعد سلطان سکندر لودھی کے عہد میں سب سے پہلے ہندؤں میں سے کائستوں‡ نے جو ہمیشہ سے امورات ملکی اور ترتیب دفتر میں مداخلت رکھتے تھے فارسی لکھنا پڑھنا شروع کیا ؛ پھر رفتہ رفتہ اور قوموں نے بھی شروع کر دیا اور فارسی لکھنے پڑھنے کا ہندؤں میں بھی رواج ہو گیا -

---

* میں نے یہ الفاظ اپنی کتاب " تاریخ ہندوستانی ادبیات " میں تمہید کے طور پر استعمال کئے ہیں —

† صفحہ ۱۰۴ - باب سوم —

‡ اِس لفظ کی تشریح آگے کی جائے گی —

اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھہ تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا، مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے - پر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاهوں کے زمانے سے یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کر دیے تھے اور کچھہ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں * ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے - غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جاے - جب کہ شاهجہاں بادشاہ نے سنہ ۱۰۵۸ ھ مطابق سنہ ۱۶۴۸ ع کے شہر شاهجہان آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا، اُس زمانے میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بہ سبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدل ہو گیا - غرض کہ لشکر بادشاہی اور اُردوئے معلیٰ † میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی - اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا - پھر کثرت استعمال سے زبان کا لفظ محذوف ہوگیا اور اس

---

* اس لفظ کی تشریح آگے کی جاے گی —

† اُردوے معلیٰ کے لفظی معنی بڑے لشکر کے ہیں - لیکن یہ لفظ بڑے بازار کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا - پرانے مصنفین کا یہ بیان ہے کہ اس بازار میں مسلماں اور ہندو سپاهیوں کے میل جول سے یہ لسانی اختلاط پیدا ہوا —

زبان کو اُردو کہنے لگے - رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی' یہاں تک کہ تخمیناً سنہ ۱۱۰۰ ھ مطابق ۱۶۸۸ ع کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنے کا رواج ہوا —

اگرچہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اس زبان میں ولی نے شعر کہا مگر خود ولی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے پہلے بھی کسی نے اس زبان میں شعر کہا ہے کیونکہ اُس کے شعروں میں اور شاعروں کی زبان پر طنز نکلتی ہے - مگر اُس زمانے کے شعر بہت پھیکے اور نہایت سست بندش کے تھے؛ پھر دن بدن اس کو ترقی ہوتی گئی' یہاں تک کہ میر * اور سودا نے اُس کو کمال پر پہنچا دیا —

بہر کیف اس آخری دور سے قبل حاتم اپنے دیوان زادہ کے دیباچے میں جو انہوں نے سنہ ۱۷۵۰ ع میں مرتب کیا' لکھتے ہیں :- " میں نے تحریر کے لئے وہ زبان اختیار کی ہے جو هندوستان کے تمام صوبوں میں مستعمل ہے یعنی هندی' جس کو بھاکا † بھی کہتے ہیں کیونکہ عوام اس کو سمجھتے

---

* میر نے نکات الشعرا کے دیباچے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے یعنے وہ کہتے ہیں " ریختہ از دکن است " —

† یہ لفظ هندی کے مرادف استعمال کیا جاتا ہے' جس کے معنی عام "هندوستانی زبان" ہیں - اگر صحیح صحیح کہا جاے تو هندی قدیم هندوستانی بھاکا ہے جس میں عربی یا فارسی کا کوئی میل نہیں ہے اور دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے - هندی' حال کی جدید هندو زبان ہے —

ھیں اور ساتھہ ھی ساتھہ خواص میں بھی مقبول ھے" -

بہر حال جو کچھہ سید احمد کہتے ھیں وہ پورے طور پر صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا - بات یہ ھے کہ اھل مشرق میں تخیل اس قدر زیادہ ہوتا ھے کہ وہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں پر صحت کے ساتھہ غور نہیں کر سکتے - سید احمد کہتے ھیں کہ مسلمانوں کی فتوحات سنہ ۱۱۹۱ ع سے سنہ ۱۹۴۸ ع تک زبان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پیدا ھوا - لیکن میرا مّن * اس کے برعکس کہتے ھیں - "جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سنکر حضور میں آکر جمع ھوی - لیکن ھر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی، اکٹھے ھونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ھوی —

اور مزید یہ کہ گیارھویں صدی کے اختتام سے قبل غالباً سنہ ۱۰۸۰ ع میں مسعود بن سلمان نے اشعار ریختہ میں ایک دیوان لکھا جس کا مفہوم وھی معلوم ھوتا ھے جو سید احمد نے بیان کیا ھے - ھندی الفاظ فارسی میں مل جل گئے، جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں اردو زبان ھے - علاوہ بریں بہت

---

* دیباچۂ باغ و بہار —

سے تذکرے نویس اشعار ریختہ کو سعدی * سے منسوب کرتے ہیں جو اس نے سنہ ۱۱۵۰ ع سے ۱۱۸۰ ع تک دکن میں لکھے - کمال تو اپنے دیوان میں اُس کو موجد زبان ریختہ لکھتا ہے - لیکن " دکن یا جنوب " میں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کیوں‌کہ مسعود نے اس سے ایک سو سال قبل ریختہ میں اشعار کہے ہیں - بہر حال اس سے ایک سو سال بعد ہی خسرو اور نوری نے ریختے میں غزلیں کہیں —

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد پھر جنوب ہی میں اُس بولی میں جسے دکنی کہتے ہیں ریختہ اشعار لکھے گئے ' یہی طرز آخر کار شمالی (ہندوستان) کے شاعروں نے اپنی نظموں کے لئے اختیار کیا ' وہاں اس سے قبل تک عام طور سے فارسی مستعمل تھی - پس سولھویں صدی میں ہم بہت سے نامور شعرا کے نام پاتے ہیں- مثلاً شاہانِ گولکنڈہ میں قلی قطب شاہ' عبد اللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ - ان کے علاوہ افضل '

---

* اصل تذکروں میں بیان کیا گیا ہے کہ سعدی سو سال تک زندہ رہے (پیدایش سنہ ۱۱۹۳ ع وفات سنہ ۱۲۹۲ ع) اور تیس سال تعلیم میں تیس سال سفر میں اور تیس سال گوشہ نشینی میں گزارے - اگر بچپن کے ۱۳ سال تعلیم کے تیس سال میں ملائے جائیں تو ۷۳ سال ہوتے ہیں لہذا سنہ ۱۱۵۰ ع سے سنہ ۱۱۸۰ ع تک انھوں نے سفر کیا - اور کلام ریختہ جو ان سے منسوب کیا جاتا ہے اس وقت کہا ہوگا جب کہ وہ سفر کر رہے تھے —

(مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے - یہ سعدی شیرازی نہیں بلکہ دوسرا شخص ہے جو اس تخلص کا اسی ملک میں ہوا ہے - عبد الحق)

ولی، عوری † غواصی، رسمی* وغیرہ ہوے ہیں۔ شمالی ہند کے شعرا نے کہیں اٹھارویں صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی۔ حاتم جو سترھویں صدی کے آخر میں ہوا دھلی کا غالباً پہلا شاعر ہے جس نے اُردو میں لکھنا شروع کیا اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ اُس نے عام زبان (اُردو) میں لکھنے کا اس وقت فیصلہ کیا جب کہ ولی کا دیوان دھلی پہنچا اور پھر (شمال کے) دیگر شعرا نے اُس کی تقلید کی —

سنہ ۱۸۲۸ع سے جب کہ نامور گلکرسٹ نے جو انگریزوں میں ہندوستانی زبان کی تعلیم اور مطالعہ کا بانی ہوا ہے، اپنی اُردو قواعد میں ایک تذکرے کا حوالہ دیا، مجھے اِس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ہوا - متواتر تحقیق اور تلاش سے مجھے سات تذکرے دستیاب ہوے اور باوجود ناکافی سامان کے میں نے ہندوستانی ادب کی تاریخ لکھی، جو اگرچہ ایک نامکمل تالیف ہے لیکن اپنی نوعیت کی ایک ہی کتاب ہے اور سنہ ۱۸۳۹ع میں شایع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ہندوستانی زبان میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے اور اس سے انگریز مستشرقین میں بھی اس زبان کے متعلق شوق پیدا ہو چلا ہے - اُن کی اور میری تحقیقات نے مل کر بہت سے نئے تذکروں کا پتہ چلایا مگر میں ان سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا کیوں کہ ان میں متعدد تذکرے ایسے ہیں جو اب

---

† مصنف، ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری بتاتے ہیں، آیندہ اوراق میں بھی انھوں نے ابن نشاطی کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوے یہی لکھا ہے، ابن نشاطی کی کسی کتاب میں یہ نام نہیں - مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے — * رستمی صحیح ہے -

تک دستیاب نہیں ہوے اور بعض کا پتہ صرف اس طرح لگا کہ بعض مصنفین نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے - ابھی بہت سے ایسے ہوں گے جن کا نام و نشان مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا ہے —

اس سے بآسانی یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے جدید اڈیشن کے لئے میرے پاس کس قدر جدید سامان مہیا ہو گیا ہے، لیکن اس وقت میں مختصراً صرف اُن تذکروں اور کتابوں کا ذکر کروں گا جو میں ان ذرائع سے معلوم کر سکا ہوں —

اہل ایران اور اُن کے تتبع میں ہندی مسلمان سوانح (اور خاص کر ہم عصر لوگوں کے سوانح) لکھنے کے بہت شوقین تھے، اور جیسا کہ ہمارے ہاں کا حال ہے، ان میں صرف تاریخ وفات مفقود نظر آتی ہے - لیکن یہ تذکرے بجاے تجارتی مفاد کے ادب کا اہم جز ہیں- ان تذکروں میں مشہور مؤلفین اور دوستوں کی مدح سرائی دل کھول کے کی جاتی ہے اور اس حیلے سے انہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور انشا پردازی دکھانے کا خوب موقع ملتا ہے اور عمدہ عمدہ اشعار انتخاب کر کے اپنے ذوق سلیم کا اظہار کرتے ہیں- در حقیقت یہ تذکرے ایک قسم کے منتخبات (یا بیاضیں) ہیں، جن میں شعرا کی زندگی کے حالات پر شکوہ اور شاندار مدح سرائی تک محدود ہوتے ہیں جو بعض اوقات مسلسل کئی کئی صفحے تک

۲۷۱۹

چلے جاتے ہیں، اور اکثر ان میں سوائے شاعر کے نام کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات مدح کے بعد دس، بیس، تیس صفحے تک انتخابات ہوتے ہیں اور کبھی صرف دو تین شعر ہی نمونے کے دے دیے جاتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی شعر ہوتا ہے۔ تذکرہ نویس ان تذکروں میں اپنی روشناسی اور شہرت کا بھی پہلو نکال لیتے ہیں، بعض مصنفین یا شعرا کا ذکر کرتے کرتے اپنا نام بھی کہیں نہ کہیں لے آتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ اپنے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں، جنھیں دیکھ کر یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ دوسرے شعرا کے حالات بھی اسی طرح لکھتے؛ اور اپنے اشعار نقل کرنے میں بھی کبھی نہیں چوکتے۔ یورپ میں سوانح عمری کے مولف کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصنفین یا شعرا کے ذاتی حالات تفصیل سے بیان کئے جائیں، اس کے برخلاف ہندوستانی تذکروں میں ذاتی حالات کی تفصیل مطلق نہیں ہوتی۔ صحت کا بھی بہت کم خیال کیا جاتا ہے۔ اُن شاعروں کو قدیم کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے سے پہلے گزرے ہیں اور مؤلف اپنے ہمعصروں کو شعرائے جدید لکھتا ہے۔ تاریخ اور سنہ اور خاص کر تاریخ پیدائش اِن تذکروں میں شاذ و نادر ہی ہی ہوتی ہے، کیوں کہ اہل مشرق پیدائش کا رجسٹر نہیں رکھتے اور عموماً اپنی عمر نہیں جانتے۔ اس لئے اس کے اشعار

کی زبان دیکھہ کر یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ یہ کس زمانے یا کس صدی کا شخص ہے، لیکن اس میں بھی بڑی دشواری واقع ہوتی ہے کیوں کہ کتابوں کی نقل در نقل میں بہت سے الفاظ کچھہ کے کچھہ ہو جاتے ہیں —

بھر حال ان تذکروں کے مؤلف بہت ہی کم درجے اور بعض اوقات گم نام شعرا کے ناموں سے اپنی کتابوں کو ضخیم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی حال ہمارے ہاں کے سوانح لکھنے والوں کا ہے جو اپنی تالیف کا حجم بڑھانے کے لئے کھود کھود کے گم نام لوگوں کا حال لکھتے ہیں - ایسے ہی موقع کے لئے کوپر نے یہ شعر لکھے ہیں : —

"ایسے بے حقیقت ناموں کو جو بھولنے کے لیے
پیدا ہوے ہیں، غیر فانی شہرت دینے کی کوشش
سعیٔ لاحاصل ہے - تاریخوں میں اُن کا ذکر کرنا
کہ آیندہ نسلیں ان کی طرف متوجہ ہوں،
محض بیکار ہے" —

ایسے تذکرے، ظاہر ہے، عمدہ تنقید کے نمونے نہیں ہو سکتے - ان تذکروں میں جہاں کہیں ایک ہی نام کے دو یا کئی شاعر آ جاتے ہیں تو وہاں بڑی پریشانی لاحق ہوتی ہے اور تفصیلی حالات نہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا - تاہم یہ تذکرے ایک خاص قسم کی تالیف

ھیں ، جو دلچسپ بھی ھیں اور قابل قدر بھی ، اور یہی وجہ ھے کہ بہت سے لوگوں نے اُس قسم کی تالیفات پر طبع آزمائی کی ھے - ان تذکروں میں ضمناً ایسی باتیں نکل آتی ھیں جو ھندوستان کی ادبی تاریخ کے لیے اھم ھیں - مثلاً ان کے مطالعہ سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ ھندوستانی ادب و شعر کی ترقی کے لئے مشاعرے کرتے ھیں ، یہ ایک قسم کی ادبی مجلسیں ھیں جو شاعری کی مشق اور ذوق پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ھیں ؛ جہاں شعرا اور اھل ذوق میں فی البدیہ یا پہلے سے تیار کیے ھوے اشعار میں خوب مقابلہ ھوتا ھے - ایسی مجلسیں ھندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد ھوتی ھیں ، جن میں عموماً پندرہ یا بیس شخص ھوتے ھیں ؛ یہ سب اچھے پڑھے لکھے اور ممتاز خاندانوں کے لوگ ھوتے ھیں - مولوی کریم الدین نے ، جن کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا کچھہ عرصہ ھوا ، ایک خاص رسالے " گل رعنا " میں جو دھلی سے شایع ھوا ھے ایسے مشاعروں کی نظموں وغیرہ کا ذکر کیا ھے - ان کے علاوہ ایسی مجلسیں بھی ھوتی ھیں جہاں قصہ خواں قصے سنا سنا کر لوگوں کو رجھاتے ھیں- انھیں قصہ خوانوں میں ایک مرزا حسن تھے ، جو قومی قصے بڑی خوبی سے بیان کیا کرتے تھے - یہ قصے قلمبند کر لئے گئے ھیں * -

* سکریٹری انجمن ترقی دیسی تعلیم کی رپوٹ بابت ششماھی سنہ ۱۸۴۵ ع ، مرتبۂ ڈاکٹر سپر نگر -

اِن تذکروں میں ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ہوتی ہے - اور یہ ترتیب تخلصوں کے اعتبار سے کی جاتی ہے - لیکن بعض میں ترتیب مختلف بھی ہوتی ہے —

بہت سے ہندوستانی تذکرے فارسی میں لکھے گئے ہیں' کیونکہ کچھ عرصہ پہلے تک اخلاقی اور علمی کتابیں اسلامی ہند کی علمی زبان میں تالیف ہوتی تھیں - پہلے ہمارے ہاں بھی یہی حال تھا' مثلاً دیو بوا (سلوی اس) نے فرانسیسی زبان کی نحو لاطینی میں لکھی اور پیٹرارک نے اپنی اطالوی نظموں کی شرح لاطینی میں تالیف کی تھی —

اسی خیال سے کہ ہندوستانی تذکروں کی خوبیوں اور نقائص کا کامل اندازہ ہوسکے (یہ خیال رہے کہ ان تذکروں میں خوبیوں کے مقابلے میں عیوب زیادہ ہوتے ہیں) میں یہاں دو بیان نقل کرتا ہوں - یہ دونوں مرزا لطف علی خاں* کے تذکرے "گلشن ہند" سے لئے گئے ہیں - ایک ان میں سے طویل ہے اور دوسرا مختصر —

مختصر بیان نامور شاعر حاتم کا ہے جس کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں اور جس کے حالات دوسرے تذکرہ نویسوں نے کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں —

"حاتم تخلص' شاہ جہان آبادی' مشہور ریختہ گویوں میں سے دلی کے تھا؛ ہم عصر شاہ نجم الدین آبرو اور مرزا

* گلشن ہند کے مولف نے اپنا نام مرزا علی اور تخلص لطف لکھا ہے (چ) -

رفیع سودا کا - شاعر خوش بیان تھا، صاحب دو دیوان تھا - ایک دیوان میں خرچ ایہام کیا ہے، اور دوسرا بطور متاخرین سرانجام کیا ہے - جامع ہے طور متاخرین اور طرز ایہام کا " ---

(اس کے بعد اس کے کلام میں سے بیس اشعار کا انتخاب کیا ہے جس کا نمونہ میں پہلے دے چکا ہوں) -

دوسرا بیان شاہ ابوالحسن بادشاہ گولکنڈہ کا ہے جو ۱۰۸۰ھ (سنہ ۷۳ - ۱۶۷۲ ع) میں تخت پر بیٹھا اور جب اورنگ زیب نے ۱۶۹۰ ع میں گولکنڈہ فتح کیا تو قید کرلیا گیا اور اسی حالت قید میں سنہ ۱۷۰۴ ع میں انتقال کر گیا - وہ اپنے پیشرو عبداللہ قطب شاہ کی طرح ہندوستانی کا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ہندوستانی ادب کا سرپرست بھی تھا - اور منجملہ اس کے دوسرے عہدہ داروں کے مرزا ابوالقاسم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں دکن کے مشہور شعرا میں شمار کیا جاتا تھا -

" نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہ عشرت دوست کا ابوالحسن تانا شاہ ہے - سلاطین نامدار اور خواقین عالی مقدار دکھن سے تھا - اگرچہ شہرہ عیش و نشاط کا اور آوازہ مسرت و انبساط کا اس عیش مجسم کا ماہ سے ماھی تک مشہور ہے، لیکن کچھہ تھوڑا سا احوال اس سریر آرائے بارگاہ عیش و کامرانی کا یہاں لکھنا ضرور ہے ---

جن ایام کہ عالمگیر خلد مکاں نے عادل شاهي اور نظام شاهیوں کو زیر و زبر کیا اور صوبۂ دکن کو بعد بہت سی خرابی کے لیا، تو ابوالحسن تانا شاہ بھی نظر بندی میں آے اور فلک نیرنگ باز نے بدلے اس عیش و عشرت کے اور هی رنگ دکھاے - سامان عیش سب برهم هوا اور مجمع ارباب نشاط حلقۂ ماتم هوا - خلد مکاں نے جس قدر تنگی ان کے اوقات میں چاهی، اُنھوں نے قبول کیا، لیکن حقے کے مقدمے میں بہت سماجت کے ساتھہ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھے نہایت ہے، جو رعایت کہ اس کے سامان میں هوگی وہ عین عنایت ہے —

از بسکہ یہ بادشاہ عشرت دوست آتھہ پہر نشۂ عیش میں مخمور رهتا تھا، حقہ ایک دم منہ سے نہیں چھٹتا تھا، اور یہ بھی معمول تھا کہ بعد هر چلم کے ایک شیشے سے گلاب کے حقہ تازہ هووے، پھر ایک شیشے میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو بھگووے - شغل میں عیش و نشاط کے از بسکہ راتوں کو کم سوتے تھے، سیکڑوں شیشے گلاب خالص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خرچ هوتے تھے - یہ سب احوال مفصل خلد مکاں کو معلوم تھا - علاوہ اس کے بادشاہ نے اس عجز سے کہلا بھیجا، بارے سولہ شیشے گلاب کے اور آتھہ شیشے بید مشک کے حکم فرماے اور مطابق حکم عالی کے سرکار اعلیٰ سے کئی دن

بمعرض وصول بھی آئے —

سبحان اللہ! یا تو حقہ آٹھ پہر منہ سے نہیں چھٹتا تھا اور اُن کے دود محفل کے رشک سے دھواں حسد کا حقہ سر آسماں میں گھٹتا تھا، یا پیچ سے فلک حقہ باز کے آٹھ چلمیں دن رات میں یہ پیتے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر عجب پیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے —

اس میں بعد کئی دن کے حضرت خلد مکاں نے فرمایا کہ سولہ شیشے گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقے کے مصرف میں آنے اسراف ہے، اور امورات شرعی میں پاس خاطر بیجا بیجا اور تکلف رسمی معاف ہے *، آٹھ شیشے ہر روز یہاں سے جایا کریں - ایک شیشے سے بعد ہر چلم کے حقہ تازہ کر کے آٹھ چلمیں دن رات میں پئیں —

جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشے آنے لگے تو یہ دن رات میں لاچار چار چلموں سے دل بہلانے لگے - یہ ماجرا سن کر خلد مکاں نے ضد کے مارے چار شیشوں کی اور تخفیف کی - انھوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلموں کی پروانگی دی - بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوے تو ایک چلم دن رات میں یہ پیا کرتے تھے، جس دن ان دو شیشوں کا آنا بھی

---

* پکے مسلمان کھانے اور لباس میں بیجا تکلفات سے پرہیز کرتے ہیں- وہ کافی اور تمباکو نیز دوسرے قسم کے عیش و عشرت سے بھی جس کا تاناشاہ عادی تھا، اجتناب کرتے ہیں —

موقوف ہوا، بعد تین دن کے حقہ بردار نے عرض کی کہ فدوی نے جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھہ بعد خرچ کے جمع کیا ہے کہ دس چلمیں روز اسی خرچ کے ساتھہ سالہاے سال پلا سکتا ہے، اُمید ہے کہ بھیتڑی خانے کے خرچ کا غلام کو حکم ہووے کہ نہال نمک حلال کا زمین میں سرخروی کے بووے - ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کو امورات شرعی کا بہ شدت دھیان ہے - اگرچہ مسجد کا کھود ڈالنا، خزانہ اس کے نیچے گڑا سن کر، نہایت آسان ہے، تو جو ہمارے مصرف بیجا کا کفیل ہوتا ہے، ابھی ایک دم میں جمع پونجی کھو کے سر پر ہاتھہ دھر کے روتا ہے - غرض اس دن سے پھر حقہ نہ پیا، جب تک کہ اُن کی نظر بندی میں رہے، اور اس سراے فانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے —

سبحان اللہ! چشم حقیقت بیں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا جاے حسرت ہے، بلکہ خانۂ زحمت —

کدھر ہیں خسرو جم لطف کیقباد کدھر
کہاں سکندر و دارا کہاں ہے کیکاوس
جو مست جاہ ہیں دیکھیں وہ چشم عبرت سے
کچھہ ان کے ساتھہ گیا، غیر حسرت و افسوس؟

اگرچہ ملک گیری اور کشورستانی کے معاملے کو سمجھنا شاہان عالی تبار پر ختم ہوا ہے، گداے گوشہ نشیں کو دخل

اِن اموراتِ میں کیا ھے - لیکن بعضے دانشمند کہتے ھیں کہ خلد مکاں نے استیصال بادشاھان دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کو کھدوا کے * وہ کچھ مظلمہ اپنی گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ھے - تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھ کیفیت زیاد ھے - کس واسطے کہ پیش از تسخیر دکن کے بھی خراج و باج اس طرف سے چلا آتا تھا اور بادشاہ ھندوستان کا شہنشاہ کہلاتا تھا - مآل اس مشقت کا اعجوبہ نظر آیا کہ اس تردد نے شاھنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا —

واقف رموز ملک سے ھیں شاہ و شہریار
ھے توگدا ے گوشہ نشیں لطف کچھ نہ بول*

غرض شاہ عالیجاہ ابو الحسن تانا شاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ھیں اور باعتبار محاورۂ دکن کے اور بندش قدیم کے کہ اس مطلع میں ھے، ابراھیم خاں مرحوم † بھی گفتگو پو لوگوں کی گوش دل کو دھرتے ھیں مطلع یہ ھے :—

---

* مکہ مسجد حیدر آباد کا کھدوانا خلاف واقعہ ھے — (عبدالحق)

* مصنف نے حافظ کے اس شعر کا ترجمہ کیا ھے :—

رموز مملکت خویش خسرواں دانند گدا ے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(عبدالحق)

† مصنف تذکرۂ گلزار ابراھیم —

* کس در کہوں، جاؤں کہاں، مجھ دل پو بھل بچھرات ہے
اک بات کے ہونگے سجن، یاں جی ہی بارہ بات ہے § "

اگرچہ جنوب کی ہندوستانی بولی یعنی دکنی میں بمقابلہ شمالی بولی یعنی اُردو کے طویل نظمیں پائی جاتی ہیں، شمالی زبان یا اُردو میں زیادہ تر غزلیں، قصیدے یا چھوٹی چھوٹی مثنویاں دیوانوں میں محفوظ ہیں، تاہم شمال کی زبان کو ہمیشہ تفوق حاصل رہا ہے، کیونکہ وہ بہت باقاعدہ لکھی جاتی ہے - اور اسی لئے تمام تذکرے جن کا میں ذکر کروں گا اُردو شاعروں سے متعلق ہیں، دکنی شعرا کا ذکر محض ضمناً آجاتا ہے - میرے قول کی تصدیق میر کے اس بیان سے ہوتی ہے جو وہ نکات الشعرا کے دیباچے میں فرماتے ہیں :—

اگرچہ ریختہ در دکن است، چوں از انجا یک شاعر مربوط بر نخاستہ، لہذا شروع بنام آنہا نہ کردہ و طبع ناقص مصروف اینہم نیست کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد، مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواہد شد " —

ہندی شعرا کے خاص تذکرے ہیں جنھیں " کب مالا " کہتے ہیں، لیکن جس قدر میرے علم میں آے ہیں وہ بہت ہی کم ہیں -

* قائم نے یہ مطلع عبداللہ قطب شاہ (جو ابوالحسن تانا شاہ کا خسر اور اس سے قبل حکمران تھا) سے منسوب کرکے اس طرح نقل کیا ہے :—

کس در کہوں کاں جاوں میں مجھہ دل پہ کھتی بچھرات ہے
یک بات گئے ہونگے سجن یہاں جیو بارہ بات ہے
(چ)

§ اس بیان کے ترجمے میں مصنف سے کئی جگہ غلطی ہو گئی - یہاں یہ تمام بیان اصل سے نقل کیا گیا ہے — (عبد الحق)

مجھے هندوستانی مصنفین کے تقریباً ستر تذکروں اور منتخبات وغیرہ کا علم هے - یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ هے ' لیکن هندوستان کی ادبی تاریخ میں ان سے کچھ کام نہیں لیا جاتا ' اس لئے میں ان میں سے هر ایگ کتاب کا کچھ ذکر کروں گا —

مضمون زیر بحث کے لحاظ سے هندی شعرا کے تذکروں کا ذکر سب سے اول هونا چاهئے ' اس لئے کہ ان میں جن شعرا کا ذکر هے وہ مقابلتاً مقدم هیں -

ا- بھگت مال (بھگت مالا) در حقیقت وشنوی فرقے کے ایسے سادھوؤں کے تذکرے هیں جو بھجنوں کے بھی مصنف هیں- هندی دراصل هندو مصلحین کی زبان هے' شیو کے قدیم فرقے کے پیرو هندی میں نہیں لکھتے ' وہ سنسکرت زبان هی کے شیدائی هیں - بھگت مال کے بہت سے اڈیشن هیں ' لیکن ان کی بنیاد ان نظموں پر هے جو " چوپای " کہلاتی هیں ' اس نام کی وجہ یہ هے کہ ان میں چھہ مصرعے هوتے هیں اور هر مصرعے میں آتھہ ماترا هوتے هیں جسے " اشتپای " کہتے هیں ' جن میں کا آخری مصرع نظم کے شروع میں دھرایا جاتا هے - یہ نظمیں ایک قسم کے بھجن یا هندی کے مقبول

* اس لکچر کو گارساں دتاسی نے بعد میں رسالے کی شکل میں علحدہ شائع کیا - ۶۸ سے ۱۰۰ تک لکچر میں موجود نہیں - رسالے میں بعلا میں اضافہ کیا گیا — (مترجم)

مذہبی گیت ہیں جو ہندوی یا قدیم ہندی زبان میں وشنوی سادھوؤں کی تعریف میں ہوتے ہیں، یہ بھجن بہت مشہور ہیں اور نابھاجی کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں - نابھاجی خود سادھو مانش آدمی تھے اور مادرزاد اندھے تھے، انہوں نے یہ بھگت مالا سنہ ۱۵۷۲ ع میں لکھی - شاہ جہاں کے عہد میں (سنہ ۱۶۲۸ ع - ۱۶۵۸ع) نراین داس نے ان نظموں میں کچھ اصلاح کی، پھر سنہ ۱۷۱۳ ع میں کرشن داس نے اور اس کے بعد پریا داس نے ان میں کچھ اضافہ کیا - راگ ساگر نے جو زمانۂ حال کا مصنف ہے اور جس نے راگ کلپادرم مرتب کی ہے (جس کا ذکر میں عنقریب میں کروں گا) ، بھگت مال کے ایک جدید اڈیشن شایع کرنے کا اعلان کیا ہے ' لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ وہ اڈیشن شایع ہوا یا نہیں - اردو میں بھی اس کا ایک اڈیشن ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں - غرض کہ اصل نظمیں مع اضافے کے بھگت مال کہلاتی ہیں ان میں سے ہر ایک سوانح عمری چوپای سے شروع ہوتی ہے اور جو نظمیں کہ بطور شرح کے ہیں وہ ٹیکا کہلاتی ہیں -

میں اپنی کتاب " ہندوستانی ادب کی تاریخ " کی تالیف اور اشاعت کے وقت صرف کرشن داس کے اڈیشن سے استفادہ کر سکا - لیکن اب مجھے پریا داس کا قلمی نسخہ بھی دستیاب ہو گیا ہے جو یورپ میں نادر ہے - یہ پریا داس

جس کے معنے محبوب یعنے کرشن کے غلام کے ہیں، بنگال کا رہنے والا تھا - اس صوبے میں ہندو، علاوہ اپنے صوبے کی زبان بنگالی کے ہندی میں بھی لکھتے ہیں اور مسلمان، مثل مسلمانان صوبجات شمال و مغربی، اردو استعمال کرتے ہیں - اس شخص کا تعلق وشنویوں کے ایک خاص فرقے سے ہے جس کا بانی نتیانند تھا - بھگت مالا کی شرح جس کا وہ مؤلف ہے * ، کبت کی بحر میں ہے اور اس کا صحیح نام "بھگت رس بودھنی" ہے، جس کے لفظی معنے "بھگتی کے رس کا علم" ہیں- پریا داس نے بیانات "درش تذمت" کے نام سے مشہور ہیں اور بھگت مال "بھگت پر سنیے" کے نام سے - یہ شخص اس تذکرے کے اڈیشن سے اس قدر مشہور نہیں جس قدر بھگوت کی وجہ سے جس کا یہ مصنف ہے † —

۲- بھگت چر تر (بھگتوں کی تاریخ) یہ بھی بھگت مالا ہی کی سی کتاب ہے- اس کا مؤلف گھوا چھدن ہے - یہ چودھویں صدی کا ہندی شاعر ہے اور اس کی تصنیف سے اور بھی چند کتابیں ہیں —

۳- راگ کلپا درم، جس کے معنے راگ کا درخت مراد یا شجر بہشت ہیں- یہ عام مقبول گیتوں کا بہت ضخیم مجموعہ

---

* دیکھو ایچ - ایچ ولسن' ایشیا ٹک ریسرچز - جلد ۱۶ ' صفحہ ۵۶ —

† "ہندوستانی ادب کی تاریخ" - جلد اول صفحہ ۳۰۶ —

ہے (تخمیناً ۱۸۰۰ صفحے) - اسے سری کرشنا نند ویاس دیو نے مرتب کیا ہے، جس کے صلے میں دہلی کے بادشاہ نے اسے راگ ساگر کا خطاب عطا فرمایا، اور یہ خطاب اب اس کا تخلص ہو گیا ہے - راگ ساگر گور برہمن ہے اور علاقۂ میواڑ میں دیوگڑھ کوٹ یا اودے پور کا رہنے والا ہے - جو اشعار اس نے اس مجموعے میں جمع کیے ہیں، ان کی تعداد بارہ لاکھ پچیس ہزار ہے - یہ مجموعہ کلکتے میں سنہ ۱۸۴۳ع میں چھپنا شروع ہوا اور سنہ ۱۸۴۵ع میں ختم ہوا۔ جیسا کہ مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں بیان کیا ہے اس نے ان گیتوں کے جمع کرنے کے لیے بائیس سال تک سفر کیا - اس شخص کی بدولت بہت سی ایسی نظمیں محفوظ ہو گئیں جو اب تک نا معلوم تھیں حالانکہ ان کے مصنف مشہور و معروف شاعر تھے —

راگ کلپا درم میں کئی فصلیں ہیں، جن میں بڑی بڑی سات ہیں - پہلی میں مختلف راگوں کی نظمیں ہیں جو ۱۶۴ صفحے پر ہے- دوسری میں صرف سور ساگر ہے اور وہ ۶۰۰ صفحے کی ہے - تیسری میں جو ۳۴۴ صفحے کی ہے، مختلف ہندو مسلمانوں کے گیت ہیں - چوتھی ۱۷۶ صفحوں کی ہے جس میں بہار اور ہولی کے گیت ہیں- چوتھی کے دو حصے ہیں ایک میں دھرپد اور دوسرے میں خیال ہیں - پہلا حصہ ۲۰۸ صفحے کا اور دوسرا ۱۵۶ کا - چھٹی فصل میں صرف غزلیں

اور ریختے ہیں جو ۱۷۲ صفحے پر ہے ۔ آخری فصل میں صرف ۲۸ صفحے ہیں اور اس میں راجہ بھرتری اور گوپی چند کا کلام ہے - اگرچہ یہ کتاب جیسا کہ اس کی تفصیل سے ظاہر ہے ایک قسم کا مجموعۂ انتخابات ہے ' لیکن اس میں تذکرے کی بھی حیثیت ہے ' کیونکہ جن شاعروں کا مقبول کلام اس میں درج ہے ان کے کچھہ کچھہ حالات بھی لکھے ہیں —

۴ - افسوس ہے کہ مجھے سجان چر تر کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں ہے - اس میں دو سو سے زیادہ ہندی شاعروں کا حال ہے جو سودن کوی نے ۱۷۴۸ ع میں لکھی —

۵ - کوی چر تر - یہ کتاب جنار دھن نے مرہٹی میں لکھی ہے اس میں کئی ہندو شاعروں کے حالات ہیں —

اب ہم ان تالیفات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو صحیح طور پر تذکروں کے نام سے موسوم ہیں اور جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھہ اسلامی ہندوستانی سے ہے ' یعنے اس بولی سے جو اردو کہلاتی ہے —

یہ تذکرے جدید ہیں ' جہاں تک میرا علم ہے ' سب سے پرانا گزشتہ صدی (اٹھارویں صدی) کے وسط میں لکھا گیا ہے - ان میں سے آٹھہ تو گزشتہ صدی کے ہیں اور انیس ہماری صدی (انیسویں صدی) کے - اِن انیس میں سے صرف سات ایسے ہیں جو ہندوستانی زبان میں لکھے گئے ہیں —

ذیل میں ان تذکروں کا ذکر بہ ترتیب سنہ کیا جاتا ہے -

۲ - جہاں تک ہمیں علم ہے، سب سے پہلا اور سب سے پرانا میر (محمد تقی) کا تذکرہ نکات الشعرا ہے - میر صاحب نہایت نامور شاعر اور مستند استاد ہیں - یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں تقریباً سو شاعروں کا ذکر ہے - یہ حالات مختصر مگر زوائد سے پاک ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شعرا کے کلام پر تنقید بھی کی گئی ہے - میں نے اپنی کتاب ہندوستانی ادب کی تاریخ میں میر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس پر اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ میر ان کا تخلص تھا، تمغۂ سیادت نہ تھا - چنانچہ شورش نے لکھا ہے کہ وہ شیخ تھے، سید نہ تھے* - وہ آرزو کے بھانجے اور آگرے کے رہنے والے تھے - لیکن باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے ماموں کے پاس دہلی آگئے جن سے انہوں نے اصلاح بھی لی - سنہ ۱۱۹۶ ھ (۱۷۸۱ - ۸۲ ء) میں وہ لکھنؤ چلے گئے - نواب آصف الدولہ نے دو سو سے تین سو روپے تک ان کی ماہانہ تنخواہ کردی - میر صاحب نے لکھنؤ ہی میں انتقال کیا اور تقریباً سو سال کی عمر پائی —

کمال، جس نے اپنا مجموعۂ انتخابات سنہ ۱۸۰۴ ع میں

---

* یہ صحیح نہیں ہے - میر صاحب سید تھے، ان کی خود نوشتہ سوانح عمری نے یہ مسئلہ صاف کردیا ہے (عبد الحق) -

مرتب کیا، لکھتا ہے کہ میر صاحب اسی سال سے زیادہ عمر کے تھے - ناسخ نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے، جس سے سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۱ - ۱۸۱۰ ع) نکلتا ہے - اسی سال ان کا کلیات بھی طبع ہوا - بہر حال تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات لکھنؤ میں ۱۲۱۵ھ (۰۱ - ۱۸۰۰ع) اور ۱۲۲۱ھ (۰۷ - ۱۸۰۶ع) کے درمیان ہوئی —

قاسم کا اعتراض میر کے تذکرے کے متعلق یہ ہے کہ اس میں بہت کچھ کھینچ تان سے کام لیا ہے اور میر نے اپنے ہم عصروں کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے - لیکن صاحب آثار الصنادید کی رائے میر کے کلام کے متعلق یہ ہے —

"میر کی زبان ایسی صاف اور شستہ ہے اور اس کے شعروں میں ایسے اچھے محاورات بے تکلف بندھے ہیں کہ آج تک سب اس کی تعریف کرتے ہیں - سودا کی زبان بھی اگرچہ بہت خوب ہے اور مضامین کی تیزی میر پر غالب ہے مگر میر کی زبان کو اس کی زبان نہیں پہنچتی "—

میر نے اپنا تذکرہ مخلص کی وفات سے ایک سال قبل لکھا - مخلص کی وفات سنہ ۱۱۶۴ ھ (۵۱ - ۱۷۵۰ ع) میں ہوئی - میر صاحب خود اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے - نکات الشعرا کی عبارت یہ ہے "پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی

بزبان اردوے معلی شاھجہان آباد دھلی ' کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران ایں فن بصفحۂ روزگار بماند " -

غالباً یہ بیان نیک نیتی پر مبنی ھے مگر صحیح نہیں ھو سکتا ' کیونکہ یہ امر یقینی ھے کہ میر کے زمانے میں پہلے سے بھی اردو شعرا کے تذکرے موجود تھے - چنانچہ فتح علی حسینی اپنے تذکرے کے دیباچے میں (جس کا سنہ تالیف وھی ھے جو میر کے تذکرے کا ' یعنی سنہ ۱۱۶۵ ھ * مطابق ۱۷۵۰ - ۵۱) لکھتا ھے کہ اس نے یہ تذکرہ لکھنے کا ارادہ اس لیے کیا کہ جن لوگوں نے اس سے قبل شعراے ریختہ کے تذکرے لکھے ھیں ' انھوں نے محض حسد سے ان پر نکتہ چینیاں کی ھیں ' جس سے میں نے احتراز کیا ھے اور انصاف کو مد نظر رکھا ھے - اگرچہ یہ طنزیہ جملہ میر کے تذکرے پر صادق آتا ھے † ' تاھم وہ تذکروں کا ذکر جمع کے صیغے میں کرتا ھے اور اس لیے اگر ھم یہ قیاس کریں تو بیجا نہو گا کہ سنہ ۱۷۵۱ ع میں متعدد تذکرے ھندوستانی شعرا کے موجود تھے - علاوہ اس کے ھم کو عنقریب یہ معلوم ھوگا کہ قائم ' جس نے اپنا تذکرہ ان دونوں تذکروں کے کئی سال بعد لکھا ' اس بات پر فخر کرتا ھے کہ ھندوستانی شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ھے - غالباً سرقے کے الزام سے بچنے کے لیے اس نے یہ سخن سازی کی ھے - کمال نے اپنا تذکرہ اکبر شاعر کی فرمائش

---

* گردیزی کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۶۶ ھ ھے جیسا کہ خود اس نے خاتمہ پر لکھا ھے انجمن ترقیء اردو نے یہ تذکرہ شایع کیا ھے - (چ)

† گردیزی نے میر صاحب کے تذکرہ کو اپنا نشانۂ اعتراض بنایا ھے ملاحظہ ھو مقدمۂ تذکرۂ ریختہ گویاں - (چ)

‡ دیکھو اکبر (اکبر علی خاں) کا بیان کمال کے تذکرے میں -

سے سنہ ۱۸۰۴ ع میں تالیف کیا (اکبر کی وفات عالم جوانی میں سنہ ۱۸۰۳ ع میں ہوئی) - اس تذکرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے کئی سال قبل چالیس ہندوستانی تذکرے بہم پہنچائے تھے * - اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان تذکروں میں جن میں سے اب ہمیں صرف ایک چوتھائی کا علم ہے ' بعض میر کے تذکرے سے بھی قدیم تھے † —

میر کی ہندوستانی نظمیں بے شمار ہیں جن میں سے اکثر ان کے کلیات مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۱۰ ع میں موجود ہیں - اس کلیات میں صرف فارسی کی نظمیں جن کی تعداد کچھہ زیادہ نہیں ' درج نہیں کی گئیں - البتہ چند عشقیہ مثنویاں جو اس کلیات میں نہیں ہیں ' "مجموعۂ مثنویات" میں پائی جاتی ہیں - یہ مجموعہ سنہ ۱۸۵۱ ع میں کانپور میں مصطفی خاں کے اہتمام سے شایع ہوا - اس میں علاوہ میر کی

---

* اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انیس برس کی عمر سے یہ سامان جمع کرنا شروع کر دیا تھا —

† مصنف کو کمال کی عبارت کے سمجھنے میں کچھہ مغالطہ ہوا ہے - اول تو اس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس نے یہ تذکرہ اکبر کی فرمائش سے لکھا - دوسرے کمال نے چالیس کے ساتھہ "دراوین" کا لفظ لکھا ہے جسے مصنف نے "تذکرے" خیال کیا - تیسرے یہ سامان خود مولف تذکرہ نے جمع کیا تھا نہ کہ اکبر نے - کمال کی اصل عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے - یہ ذکر اکبر کے متعلق ہے " بعد ازاں قریب چہل دراوین اساتذہ ریختہ گویاں کہ ہمراہ فقیر بود از یک طرف سیر ہمہ دراوین ساختہ بعد ازاں خود شوق شعر گفتن آغاز نمودہ رجوع ایں معنی بہ فقیر آوردہ بعرصۂ چند بہ فیض کلام سخنوران کلام خود را بہ پایۂ اعتبار کشیدہ ' " رجوع ایں معنی " سے مطلب یہ ہے کہ مجھہ سے اصلاح لینے لگا - اس کا مطلب مصنف نے یہ سمجھا کہ تذکرہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی (عبدالحق

مثنویوں کے صادق خاں کی مثنویاں بھی شریک ہیں - میر کو اس کے اہل وطن عام طور پر ہندوستانی شعرا میں دوسرا بڑا شاعر خیال کرتے ہیں: بعض اسے سودا کا ہم رتبہ سمجھتے ہیں اور بعض قطعی طور پر اس کے کلام کوسودا کے کلام پرترجیح دیتے ہیں-

۷ - قائم نے جو ایک مشہور شاعر ہوا ہے، ایک تذکرہ لکھا ہے - اُس کا نام بھی نکات الشعرا * ہے - جو علاوہ اس کے طبقات الشعرا کے نام سے بھی معروف ہے، کیونکہ اس کی تقسیم تین طبقوں میں کی گئی ہے - یہ ان تذکرہ نویسوں میں ہے جو سعدی شیرازی کو اُردو شاعروں میں شمار کرتے ہیں —

۸ - تذکرۂ فتح علی حسینی گردیزی - یہ ہندوستانی مصنف ہے - ذات کا شیخ اور صوفی مشرب یعنے مسلمان فلسفی ہے - اس نے یہ تذکرہ دلی میں فارسی زبان میں لکھا - اس میں میر کے تذکرے کی طرح کم و بیش سو شاعروں کا ذکر ہے اور ترتیب بھی حروف ابجد کے لحاظ سے ہے - حسینی خود اپنے تذکرے میں اپنے تذکرے کا سنہ تالیف جتا کر بتاتا ہے - وہ انجام کے ذکر میں لکھتا ہے کہ اس شاعر نے ۱۱۵۹ ھ (۴۷-۱۷۴۶ ع) میں یعنی اس تذکرے کی تالیف سے چھہ سال پہلے انتقال کیا، اس حساب سے تالیف کا سنہ ۱۱۶۵ ھ (۵۱-۱۷۵۰ع) ہوا † - یہی

* قائم کا مشہور تذکرہ مخزن نکات ہے جو تین طبقوں پر مشتمل ہے اور جس میں سعدی شیرازی کو اردو شاعروں میں شمار کیا گیا ہے - لیکن حیرت ہے کہ مصنف نے مخزن نکات کا تفصیلی ذکر نمبر (۹) کے تحت علحدہ کیا ہے - غالباً مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے (چ) —

† معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر گردیزی کے تذکرہ کا کوئی ناقص نسخہ تھا - خاتمہ پر گردیزی نے صاف طور سے سنہ تالیف ۱۱۶۶ ھ درج کیا ہے یعنی اس نے نکات الشعرا کی تالیف کے ایک سال بعد اپنا تذکرہ لکھا ہے - (چ)

سال میر کے تذکرے کی تالیف کا ھے - حسینی ضرور نکات الشعرا سے واقف تھا - ایک وجہ تو وھی ھے جو میں پہلے لکھہ چکا ھوں، دوسری بات یہ ھے کہ وہ اس سے صریحاً نقل کرتا ھے - اس کا دیباچہ پڑھتے ھی فوراً معلوم ھو جاتا ھے کہ یہ نکات الشعرا سے نقل کر رھا ھے، کیوں کہ میر صاحب نے ریختے کے طرز تحریر پر جو رائے ظاھر کی ھے وھی اس نے لفظ بلفظ نقل کردی ھے - معلوم ھوتا ھے کہ حسینی سنہ ۱۸۰۹ع تک زندہ تھا، کیونکہ قاسم نے اس کا ذکر زندہ مصنفین میں کیا ھے —

۹ - اس کے بعد تذکرہ مخزن نکات * ھے - اس کے مؤلف شیخ محمد قائم الدین 'قائم' چاند پوری ھیں - سنہ تالیف سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ - ۵۵ع) ھے - اس تذکرے سے بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ھوتی ھیں - یہ تین طبقات میں منقسم ھے - یعنی قدیم، وسطی اور جدید شعرا کے حالات میں - کل شاعر جن کے حالات اس میں درج ھیں ایک سو دس ھیں - سب سے عجیب بات اس تذکرے میں یہ ھے کہ مصنف (جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ھے) اس بات کا مدعی ھے کہ سب سے پہلا وہ شخص ھے جس نے اس مضمون پر قلم اٹھایا ھے، جس کے یہ معنے ھوے کہ اس سے پہلے جس قدر تذکرے لکھے گئے تھے ان سے وہ بالکل ناواقف تھا، یعنے نہ صرف ان تذکروں سے جو میر

---

* مخزن نکات تاریخی نام ھے - اکرم (شاعر) نے اس پر تاریخی قطعہ بھی لکھا ھے - میرے کتاب خانے میں تذکرۂ قائم کا ایک خلاصہ ھے اور سرورق کی تحریر کے بموجب اس میں میر کے تذکرے کا خلاصہ بھی شریک ھے جو قائم کے تذکرے کی بنیاد ھے، اگرچہ قائم کا یہ دعویٰ ھے کہ اسے اس سے قبل کے کسی تذکرے کا حال معلوم نہیں -

کے قبل لکھے گئے بلکہ میر اور فتح علی کے تذکروں سے بھی ہمیں اس بیان کی صداقت پر شبہہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے ' مگر اس سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا —

ایک بات جو اس سے قبل کے تذکروں میں نہیں پائی جاتی ' یہ ہے کہ سعدی شیرازی نے اپنے زمانۂ سیاحت دکن میں اس خطے کی زبان میں اشعار لکھے اور اس لئے انہیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرنا چاہئے * - یہ واقعہ یقینی نہیں تو اغلب ضرور ہے - اس بیان کی میر اور فتح علی نے تردید کی ہے ' کیونکہ انہوں نے یہ اشعار دکن کے ایک فرضی سعدی † سے منسوب کئے ہیں - کمال نے بھی اس معاملے میں قائم کا تتبع کیا ہے' وہ اکثر اس تذکرے سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا ؛ شورش دوسری رائے کا قائل ہے' جس نے اپنا تذکرہ قائم کے تذکرے سے دس سال بعد لکھا - دوسرے تذکرہ نویسوں نے حقیقی یا فرضی سعدی کے متعلق کچھہ نہیں لکھا - اس بحث کی یہ صورت ہے ' اس مسئلہ پر میں اس سے پیشتر مفصل بحث کر چکا ہوں ‡ —

شاعرکی حیثیت سے قائم اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں خیال

* اس کی بحث جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۴۳ میں دیکھو —

† سعدی کے متعلق اکثر تذکرہ نویسوں کو مغالطہ ہوا ہے - یہ نہ سعدی شیرازی ہیں اور نہ دکن کے باشندے ' بلکہ شمالی ہند کے رہنے والے تھے جو اکبر کے عہد میں ہوے - تاریخ وفات سنہ ۱۰۰۲ ھ ہے - (عبدالحق)

‡ دیکھو جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۵۳ ع —

کیا جاتا ھے - بقول کمال سوا ے سودا کے جو ھندی مسلمانوں کا مقبول شاعر ھے ' وہ سب سے بڑھا ھوا ھے - اس قول کی تائید میں وہ اپنے تذکرے میں قائم کے دیوان سے اس کا بہت سا کلام نقل کرتا ھے ' جس میں بیانیہ ' ھجویہ اور دوسرے قسم کی نظمیں ھیں جو قومی خصائص کے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ھیں --

شیفتہ کی راے میں قائم کی بہترین نظمیں اس کے قطعات اور رباعیات ھیں - باقی نظموں کے وہ اس قدر مداح نہیں ھیں جس قدر کمال ھے - اُن کے خیال میں قائم کو سودا کا ھم رتبہ سمجھنا حماقت ھے - قائم اوائل عمر ھی میں دھلی چلا گیا تھا ' جہاں وہ بادشاہ کے ھاں سلسلۂ ملازمت میں داخل ھوگیا - سنہ ۱۲۰۷ ھ اور سنہ ۱۲۱۰ھ (۹۵ - ۱۷۹۳) کے درمیان انتقال کر گیا —

۱۰ - تذکرۂ ابوالحسن کا نام " مسرت افزا " ھے ' یہ فارسی میں ھے اور سنہ ۱۲۰۷ ھ (سنہ ۱۷۷۹ ع) میں تالیف ھوا - میں نے اپنی کتاب " ھندوستانی ادب کی تاریخ " میں اس امر پر افسوس ظاھر کیا ھے کہ اس تذکرے کے دستیاب نہ ھونے کی وجہ سے میں اس سے استفادہ نہ کر سکا ' مجھے اس کا علم سر ڈبلیو اوس لے کی قلمی نسخوں کی فہرست سے ھوا

تھا ' جن کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا * اب اُن کے قلمی نسخے آکسفورڈ لائبریری میں آگئے ہیں اور میرے دوست " نیتھینیل بلانڈ " نے اپنی عنایت سے اُسے پڑھ کر اس کا خلاصہ اور اس کے اقتباسات میرے پاس بھیج دیے ہیں - یہ اس لیے اور بھی کار آمد ثابت ہوا کہ ڈاکٹر سپرنگر نے اس کا ذکر اپنی فہرست میں نہیں کیا —

اس تذکرے کے مؤلف کا نام ابوالحسن امیر الدین احمد ہے ' جو امراللہ الہ آبادی کے نام سے بھی مشہور ہیں - وہ اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد میں جا بسے اور پھر کلکتے گئے - انھیں ہندوستانی شاعری سے ذوق تھا اور اسی لیے اُنھوں نے بہ زمانۂ سفر سنہ ۱۱۹۳ ھ (۱۷۷۹ ع) یہ تذکرہ لکھا اور لکھنؤ آکر اس میں اضافہ کیا —

۱۱ - تذکرۂ شورش بھی فارسی میں ہے ' سنہ ۱۱۹۳ ھ (۸۰ - ۱۷۷۹ ع) میں تالیف ہوا - اس کا کوئی خاص نام نہیں - مؤلف کا نام غلام حسین ہے مگر عام طور پر میر بھیّا کے عرف سے مشہور ہے - میں نے ڈاکٹر سپرنگر کی تالیف کے ذریعے سے اس تذکرے سے کام لیا - ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب " اُردو

---

* اس کتاب خانے میں ایک قلمی نسخہ تذکرۂ شعراے جہانگیر شاہی کا بھی ہے جس کا مجھے علم نہیں ہوا تھا - اس میں صرف اُن فارسی شعرا کا ذکر ہے جو جہانگیر کے عہد میں تھے -

تذکروں کے انڈکس" میں اس سے بہت کچھہ اقتباس کیا ہے - اصل قلمی نسخہ جے - بی ایلیٹ کی ملک تھا ' جس کی ضخامت پانسو صفحے کی تھی اور اس میں ۳۱۴ شعرا کا مختصر ذکر تھا --

۱۲ - تذکرۂ نواب علی ابراھیم خاں ' جس کا نام خود مولف کے نام پر گلزار ابراھیم ھے اور اسی کے ساتھہ حضرت ابراھیم کے قصے کی تلمیح بھی ھے کہ وہ آگ جس میں نمرود نے انھیں ڈال دیا تھا گلزار سے بدل گئی تھی - یہ تذکرہ بھی فارسی میں ھے اور میں نے اپنی کتاب " ھندوستانی ادب کی تاریخ " میں اس سے بہت کام لیا ھے - مؤلف نے اسے سنہ ۱۱۹۶ ھ * (۱۷۸۱ - ۸۲ ع) میں ختم کیا - اس میں تقریباً تین سو اُردو شاعروں کا ذکر ھے اور ھر شاعر کے بیان کے ساتھہ اس کے کلام کا انتخاب بھی ھے - مولف کے متعلق جو کچھہ میں نے تاریخ ادب میں لکھا ھے ' اس پر اس قدر اور اضافہ کرنا چاھتا ھوں کہ ان کا پورا نام نواب علی ابراھیم امین الدولہ ناصر جنگ تھا اور وہ پٹنے کے رھنے والے تھے - ان کے دو تخلص تھے ایک خلیل اور دوسرا حال † - شورش

---

* علی ابراھیم نے اپنے دیباچے میں اختتام کی تاریخ ۱۱۹۸ ھ اور ۱۷۸۴ ع لکھی ھے -

† یہاں بھی مصنف سے غلطی ھوئی ھے - ان کا دوسرا تخلص " علی " تھا (عبدالحق) —

اور یوسف علی نے اپنے تذکروں میں اِن کا ذکر پہلے تخلص سے کیا ہے عشقی نے دوسرے تخلص سے * —

۱۳ — اٹھارویں صدی کا آخری تذکرہ † مصحفی کا ہے۔ یہ بھی فارسی میں ہے۔ سنہ تالیف ۱۲۰۹ ھ (۹۵ - ۱۷۹۴ ع) ہے - میں نے اس مصنف کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب تاریخ ادب میں لکھا ہے، اس پر اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں - ایک تو یہ کہ فان ہیمر کی رائے کے بموجب، جو انھوں نے میری کتاب کے تبصرے میں ظاہر فرمائی ہے ان کے نام کا تلفظ (بہ فتحۂ میم) کرنا چاہئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے قرآن یعنی مصحف سے نسبت ہے —

شیفتہ کا قول ہے مؤلف دہلی میں پیدا ہوا تھا اور وہ ہندوستانی اور فارسی میں اپنے فن کا اُستاد تھا - شیفتہ سے

---

* علی ابراہیم خاں علاوہ ادیب ہونے کے مورخ بھی تھے - گلزار ابراہیم کے علاوہ خلاصۃ الکلام اور صحف ابراہیم دو فارسی شعرا کے تذکرے بھی ان کی تالیف سے ہیں - وقائع جنگ مرہٹہ لارڈ کارنوالس کے عہد میں ۱۲۰۱ ھ میں لکھی جس کا ترجمہ میجر فلر نے انگریزی میں کیا - اس میں پانی پت کی جنگ کا حال ہے - ایک کتاب میں راجہ چیت سنگھ والیء بنارس کی بغاوت کا حال ہے —

لارڈ کارنوالس کے عہد میں بنارس میں چیف میجسٹریٹ اور بعد ازاں گورنر رہے - سنہ ۱۲۰۸ ھ میں انتقال کیا (عبدالحق) —

† اس کا نام تذکرۂ ہندی ہے - انجمن ترقی اردو نے ۱۹۳۳ء میں اس کو طبع کرکے شایع کردیا ہے (ع)

اُن کی ملاقات لکھنؤ میں ہوی اور اُن سے دوستانہ تعلقات تھے شیفتہ نیز کریم الدین کا بیان ہے کہ مصحفی نے ریختے کے چھہ دیوان لکھے ہیں - بہرحال فرح بخش (لکھنؤ) کے دیوانخانے مصحفی کے قلمی نسخے میں صرف چار دیوان ہیں اور یہ چاروں ہندوستانی زبان میں ہیں - مصحفی نے فارسی میں بھی کئی دیوان لکھے ہیں اور فارسی شعرا کا بھی ایک تذکرہ لکھا ہے*- اس کے علاوہ ایک شاہنامہ بھی لکھنا شروع کیا تھا جو نا تمام رہ گیا - اس میں شاہ عالم کے عہد تک کے واقعات منظوم کئے ہیں۔

مصحفی نے اپنا اُردو شعرا کا تذکرہ میر مستحسن خلیق کی فرمائش سے لکھا جس میں محمد شاہ کے عہد سے لیکر اپنے وقت تک کے شعرا کا حال درج ہے اور جن کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس ہے- مولف نے خاص کر اپنے ہم عصروں کے حالات بیان کرنے میں عالی ظرفی کا اظہار کیا ہے -

مصحفی نے بڑی عمر پائی تھی ' کیونکہ اُن کی وفات گلشن بے خار کے چھپنے سے دس سال قبل یعنے سنہ ۱۸۲۲ ع کے قریب ہوی' لیکن کریم الدین اُن کی وفات کا سال سنہ ۱۸۱۴ع

---

* اس تذکرہ کا نام عقد ثریا ہے جو ۱۱۹۹ ھ میں تالیف ہوا ہے - ۱۹۳۲ ع میں انجمن ترقی اردو نے طبع کرکے شایع کیا ہے- مصحفی نے اردو شاعروں کا ایک اور تذکرہ ریاض الفصحا ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۳۶ کے درمیان لکھا ہے- اس میں اکثر ان شاعروں کا ذکر ہے جن کے نام تذکرۂ ہندی میں نہیں تھے چند شاعروں کا اس میں مکرر ذکر کیا ہے انجمن ترقی اردو نے تذکرۂ ہندی اور عقد ثریا کے ساتھہ اس کو بھی شایع کر دیا ہے (چ) -

بتاتے ھیں - ان کی شہرت اس دور کے آخر میں ھونی شروع ھوئی جس میں سودا ، جرأت اور انشا کا دور دورہ تھا ، وہ حاتم کے بھی ھم عصر رھے ھیں ، جیسا کہ حاتم کے دیوان زادہ کے دیباچے سے معلوم ھوتا ھے - قائم جو دلی کے مشاعروں میں موجود تھا* ان کے بہت سے اشعار نقل کرتا ھے ، سرور نے کوئی ۴۷ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ھے —

۱۴ - تذکرۂ لطف (مرزا علی خاں) یہ تذکرہ سب کا سب اس صدی (انیسویں صدی) کے شروع میں لکھا گیا ھے ، یعنے سنہ ۱۲۱۵ھ (سنہ ۱۸۰۰—۱۸۰۱ ع) میں- اس کتاب سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ قومیت کا خیال لوگوں میں ترقی کر رھا ھے ، کیونکہ جہاں تک میرا علم ھے یہ پہلا تذکرہ ھے جو بخلاف دوسرے تذکروں کے جو اس سے قبل لکھے گئے ھیں فارسی میں نہیں بلکہ اسلامی ھندوستانی یعنے اُردو میں لکھا گیا ھے - اس تذکرے میں جو گلشن ھند کے نام سے موسوم ھے ، ۶۶ † شاعروں کا ذکر ھے ، لیکن ھر ایک کے حال کے ساتھ کثرت سے اس کے کلام کا انتخاب دیا ھے- مثلاً خود مؤلف تذکرہ کے حالات کے بعد اس کی غزلیات کا پورا دیوان درج ھے جو میرے قلمی

---

* مصنف نے بالکل برعکس لکھ دیا ھے- قائم کے تذکرہ میں مصحفی کا ذکر نہیں ھے - مصحفی بعد کا شاعر ھے - مصحفی نے قائم کے کلام کا طویل انتخاب درج کیا ھے(چ)

† حیدرآباد میں جو نسخہ مرتب ھوا تھا اور لاھور سے شایع ھوا اس میں ۶۹ شعرا کا ذکر ھے (عبدالحق) -

نسخے میں ۱۷ سطروں کے ۳۱ صفحوں پر ہے ' اور اس کے علاوہ ۱۷ صفحوں پر قصیدے اور ۲۵ صفحوں پر عشقیہ مثنویاں ہیں ' سب ملا کے ۷۳ صفحے ہوتے ہیں —

میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب ہندوستانی میں لطف کے حالات لکھے ہیں ' یہاں اس قدر اور لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں پیدا ہوا ' پٹنے اور لکھنؤ میں رہا اور آخر میں حیدرآباد آگیا ' جہاں وہ کمال سے ایک سال بعد پہنچا ' کمال کو وہ لکھنؤ ہی سے جانتا تھا اور دکن میں اس سے پھر ملاقات ہوئی - لطف شعر و سخن میں اپنے باپ کاظم بیگ خاں ہجری کا شاگرد تھا (جو خود بھی ہندوستانی میں شعر کہتا تھا) اور بقول شیفتہ میر سے بھی تلمذ حاصل تھا۔

۱۵ - مجموعۂ انتخاب - یہ کمال (فقیر شاہ محمد یا شاہ کمال الدین حسین) * کی تالیف ہے- یہ اُن تذکروں میں سے ہے جن کا علم مجھے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے خاص اصحاب کی بدولت اُس وقت سے ہے جب کہ میں اپنی تاریخ ادب شایع کرنے والا تھا ' نیز اُن تذکروں میں سے ہے جن سے صرف میں نے ہی اِستفادہ کیا ہے - افسوس ہے کہ جو نسخہ مجھے ہاتھ لگا ' اگرچہ وہ بہت عمدہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے ' لیکن کاتب نے بڑی بے پروائی سے لکھا ہے اور یہی

---

* مجموعۂ انتخاب کے دیباچے میں " شاہ محمد کمال " درج ہے - (چ)

نہیں بلکہ بے سمجھے اس میں تصرف بھی کر دیا ہے - اس قسم کی بے احتیاطی ایسی کتابوں میں جن کا تعلق انتخابات سے ہو بہت ہی قابل افسوس ہوتا ہے -

۱۷ - مجموعۂ نغز - یہ قاسم (سید ابوالقاسم *) معروف بہ قدرت اللہ قادری کی تالیف ہے - اس تذکرے کی اطلاع مجھے اس وقت ہوئی جب کہ میری کتاب شایع ہو چکی تھی -

یہ کتاب قاسم نے سنہ ۱۲۲۱ ھ (سنہ ۱۸۰۶-۰۷ ء) میں تالیف کی - اس کا نام تاریخی ہے - یہ مقفیٰ اور مسجع فارسی نثر میں ہے - شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں شاعری پر بحث ہے - اس دیباچے کا طرز تحریر وہی ہے جو اصل کتاب کا ہے - لیکن دوسرے تذکروں سے اس میں یہ بات خاص امتیاز کی ہے کہ مؤلف نے شعرا کے نام بے سوچے سمجھے نہیں لکھ دئے ہیں، بلکہ ہم نام شاعروں کو ایک جگہ لکھا ہے، ان کی تعداد بتا دی ہے اور ترتیب وار ان کا حال لکھا ہے - اس تذکرے میں کئی سو شاعروں کا حال ہے، تاہم سرور اور ذکا کے تذکروں میں شعرا کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے - لیکن یہ تذکرہ ان سے بڑھا ہوا ہے، اور جگہ جگہ قصے، لطیفے اور انتخابات اس سلیقے سے دئے ہیں کہ دوسری جگہ نظر نہیں آتے † —

* قاسم لکھتا ہے کہ ابوالقاسم کا نام میں نے آنحضرت صلعم کی عقیدت میں اختیار کیا ہے —

† تذکرۂ مجموعۂ نغز کو پروفیسر محمود شیرانی نے مرتب کیا ہے جو سلسلۂ نشریات کلیۂ پنجاب میں چھپ کر ۱۹۳۳ ع میں شایع ہو چکا ہے (چ)

قاسم خود بھی ہندوستانی زبان کا مشہور اور ممتاز شاعر ہے - اسے صغر سن سے شعر و سخن کا ذوق تھا اور اس فن کو اس نے ہدایت سے حاصل کیا تھا - تذکرے کی تالیف کے وقت وہ آٹھ ہزار شعر لکھ چکا تھا جو اس کے دیوان میں موجود تھے - علاوہ اس کے ۱۶۰۰ شعر کی ایک مثنوی موسوم بہ قصۂ معراج ہے ؛ اور ایک اور مثنوی بوستاں کی بحر میں ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کس مضمون پر ہے ' ایک تیسری مثنوی جس میں ۵۲۰۰ شعر ہیں ' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کراماتوں کے حال میں ہے - قاسم قادری تھے اور یہ مثنوی اسی عقیدت کی بنا پر لکھی ہے —

قاسم کو طب کا بھی شوق تھا ' مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ طبابت کرتے تھے یا نہیں —

کمال' سرور ' شیفتہ ' کریم نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے کلام اور اس کے اتقا کی بہت تعریف کی ہے - کریم کے قول کے مطابق قاسم کا انتقال ۱۰۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۸۸۰ ع میں ہوا —

۱۸ — عمدۂ منتخبہ ' جو سرور کی تالیف ہے غالباً * سنہ

---

* تذکرے میں یہ سنہ تالیف صحیح طور سے نہیں بتایا گیا - اس کی تالیف کے متعلق ۱۲۱۵ ھ اور سنہ ۱۲۱۶ ھ دونوں سنوں کے تاریخی مادے موجود ہیں - ایک مادے سے سنہ ۱۲۲۲ ھ کا سنہ نکلتا ہے ' یہ شاید اختتام

۱۲۲۱ھ (۷-۱۸۰۶ ع) میں لکھا گیا تھا - میں نے جب اپنی تاریخ لکھی تو مجھے اس کا علم نہ تھا، مگر اس کے بعد مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا اور میں نے فرصت سے اس کا مطالعہ کیا —

میر محمد خاں سرور، مؤلف تذکرۂ ھذا، کا خطاب اعظم الدولہ تھا - والد کا نام نواب ابوالقاسم مظفر خاں بہادر تھا - وہ ساقی معروف بہ سامی اور موزوں اور تجمل کے شاگرد تھے- علاوہ اس تذکرے کے وہ صاحب دیوان بھی تھے- یہ تذکرہ فارسی میں ھے اور اس میں بہت سے شعرا کا ذکر ھے جن کی تعداد ھزار اور بارہ سو کے درمیان ھے، ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ھے اور ھر شاعر کا مختلف قسم کا کلام مختصر بھی درج ھے - سرور اپنے ذکر میں بہت انکسار کرتا ھے اور اس معذرت کے ساتھہ مشہور شعرا کے کلام کے ساتھ اپنا کلام بھی پیش کرتا ھے کہ جہاں پھول

تالیف کا سنہ ھے یا شاید نسخے کی کتابت کا - ڈاکٹر سپرنگر کا نوٹ یہ ھے کہ سنہ ۱۲۱۹ھ (سنہ ۵ - ۱۸۰۴ ع) کے بعد کا کوئی سنہ کتاب میں نہیں پایا جاتا، لہذا ھم یہ قیاس کر سکتے ھیں کہ یہ تذکرہ اسی سنہ میں یا اس کے بعد کے سنہ میں تالیف ھوا —

(نوٹ : - عمدۂ منتخبہ تاریخی نام ھے اس سے سنہ ۱۲۱۶ھ نکلتا ھے- چنانچہ غالب علی خاں سید نے جو تاریخی قطعہ لکھا ھے اس کا آخری شعر یہ ھے : —

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ہے وہاں کا نتا بھی ہوتا ہے - یہ تذکرہ قاسم کے تذکرے کے بعد ہے* کا اگرچہ سنہ تالیف وہی ہے، مگر شیفتہ کے تذکرے سے پہلے لکھا گیا ہے اور شیفتہ نے اس سے اسی طرح استفادہ کیا ہے جس طرح سرور نے قاسم† کے تذکرے سے —

کریم کا بیان ہے کہ عمدۂ منتخبہ دھلی میں بہت مشہور ہے، بڑی احتیاط سے لکھا ہے اور شیفتہ اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے اس سے استفادہ کیا ہے —

سرور کا انتقال سنہ ۱۲۵۰ ھ (۳۵-۱۸۳۴ع) میں ہوا - اس کا بیٹا محمد خاں باپ کے قدم بقدم چلا - شیفتہ نے اس کا نام اپنے ہم عصر شاعروں میں بیان کیا ہے —

۱۹- طبقات سخن کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا ‡

(بسلسلۂ صفحۂ گزشتہ)

عمدۂ منتخبہ اس نے وہیں سید نے
لکھی تاریخ وہی نام بھی ہے اس کا رکھا

لیکن احسان، نصیر، عاشق، قاسم، سید رضی، فراق نے جو مادۂ تاریخ نکالے ہیں ان سے ۱۲۱۹ ھ اور ممنون کے تاریخی مادہ سے ۱۲۱۵ ھ نکلتے ہیں - میرا نسخہ نہم محرم الحرام سنہ ۱۲۲۴ کا مکتوبہ ہے جس کو عاشق نے اعظم الدولہ مولف تذکرہ کے حکم سے لکھا تھا (عبدالحق)

* سرور کا تذکرہ قاسم کی نظر سے گزر چکا ہے جیسا کہ مجموعۂ نغز میں خود قاسم نے لکھا ہے ایسی صورت میں قاسم کے تذکرہ کو تقدم زمانی حاصل نہیں ہوسکتا (چ)

† مصنف نے برعکس لکھ دیا ہے، قاسم نے سرور کے تذکرہ سے استفادہ کیا ہے، قاسم نے اپنے تذکرہ میں دو تین جگہ اس کا اعتراف بھی کیا ہے- سرور کا تذکرہ پہلے لکھا گیا ہے جیسا کہ اوپر کے دو حاشیوں سے ثابت ہے - قاسم نے سرور کے تذکرہ کی تاریخ بھی کہی ہے (چ) —

‡ یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سپرنگر کی فہرست سے ماخوذ ہے۔

اس تذکرے کے مؤلف کا نام جس کا شمار هندوستانی زبان کے شعرا میں کیا جاتا ھے ' شیخ غلام محی الدین قریشی ' تخلص عشق ھے - مؤلف میرٹھہ میں پیدا ھوا - اس کے والد کا نام نعمت اللہ نعمی * ھے ' یہ بھی شاعر تھے اور فارسی میں صاحب دیوان ھیں - عشق کا کلام فارسی ھی میں نہیں بلکہ عربی میں بھی ھے - فارسی میں اس کے دو دیوان ھیں - پہلے دیوان میں اس کا تخلص مبتلا اور دوسرے میں عشق ھے اور اسی نام سے زیادہ تر مشہور ھے —

یہ تذکرہ فارسی میں ھے اور نام تاریخی ھے جس سے سنہ ۱۲۲۲ ھ (۱۸۰۷-۰۸ ع) نکلتا ھے - یہ تذکرہ دوسروں کی نقل نہیں ھے - اس کے دو حصے ھیں جن کا نام مؤلف نے طبقات رکھا ھے - پہلے طبقے میں ریختے کے سو شعرا کا ذکر ھے اور دوسرے میں اسی قدر فارسی شاعروں کا —

۲۰- تذکرۂ جہاں اُن چھ تذکروں میں سے ھے جن سے میں نے اپنی تاریخ میں کام لیا ھے اور جہاں تک مجھے معلوم ھے اُن چھ تذکروں میں سے ھے جو هندوستانی میں لکھے گئے ھیں - اس تالیف کا نام " دیوان جہاں " ھے جس میں مؤلف کے تخلص † کا اشارہ ھے - بعض اوقات جہاں کا لفظ استعارے کے

---

* بقول ڈاکٹر سپرنگر - لیکن " نغمی " بھی ھو سکتا ھے -

† ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست کتب کے بموجب —

طور پر هندوستان کے لئے استعمال کیا جاتا هے - جو کچھ میں پہلے اپنی تاریخ میں اس کتاب کے متعلق جو سنه ۱۲۲۷ ھ (۱۸۱۲ ع) کی تالیف هے نیز اس کے مؤلف کے متعلق لکھ چکا هوں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاهتا - مؤلف اگرچه هندو هے جو اس کے نام بینی نراین سے ظاهر هے ' مگر کتاب اس نے مسلمانوں کی زبان میں لکھی هے- نئی اطلاع مجھے بینی نراین جہان کے متعلق یه ملی هے که وہ قوم کا کائستھ تھا اور بقول بعض دهلی کا رهنے والا اور بقول بعض لکھنؤ کا باشندہ تھا - اس کے باپ کا نام سدرشت نراین اور دادا کا نام لکشمی نراین تھا —

دیوان جہان کو تذکرہ نہیں بلکه مجموعۂ انتخابات کہنا چاهئے- اس میں کوئی ایک سو پچاس شعرا کا تذکرہ هے- انتخابات بہت اچھے اور مختصر هیں مگر اقتباسات بہت طویل هیں -

علاوہ اس تذکرے کے جہان کی اور تالیفات بھی هندوستانی زبان میں هیں ایک چار گلشن هے ' جس کی بنیاد فارسی شاعر هلالی کے قصے "شاہ و گدا یا درویش" پر هے- دوسری "قصه جات" اس میں قصے کہانیاں هیں - نظمیں جن کا نمونه وہ اپنے تذکرے میں دے چکے هیں - تیسری ایک کتاب "تنبیه الغافلین" کا ترجمه هے - یه ایک مذهبی کتاب هے جو فارسی زبان میں مشہور مسلمان مصلح اور فرقۂ وهابی کے بانی سید احمد کی فرمائش پر تالیف هوی تھی - اس کتاب

کے اور بھی ترجمے ہندوستانی زبان میں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں فرقۂ وہابی سے تعلق رکھتا تھا یا کم سے کم مسلمان ہوگیا تھا، کیونکہ وہ اس کتاب کے دیباچے میں اس طرح لکھتا ہے جیسے سچ مچ کا مسلمان --

۲۱- عیارالشعرا، یہ بھی ایک ہندو خوب چند ذکا نامی کا لکھا ہوا ہے اور فارسی میں ہے - سنہ تالیف سنہ ۱۲۴۷ ھ (۳۲-۱۸۳۱ ع) یا اغلباً سنہ ۱۲۰۸ ھ (۹۴-۱۷۹۳) سے ۱۲۴۷ ھ (۳۲-۱۸۳۱ ع) تک سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے اپنے اُستاد میر نصیرالدین نصیر عرف میر کلو کی فرمائش پر تیرہ سال اس کے لکھنے میں صرف کئے - ذکا نے سنہ ۱۸۴۶ ع میں انتقال کیا - یہ سنہ ڈاکٹر سپرنگر کو اس کے پوتے کی زبانی معلوم ہوا —

یہ اُن تذکروں میں سے ہے جن کا علم مجھے بالواسطہ ہوا - یہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں تقریباً پندرہ سو شعرا کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ اُن کے کلام کا نمونہ بھی ہے - ڈاکٹر سپرنگر کا قلمی نسخہ ایک ہزار صفحے کا ہے جس کے ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں - اس فاضل مستشرق کی راے ہے کہ اس تذکرے میں تنقید کا نام نہیں اور مکررات اور غلطیوں سے پر ہے - تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس میں سے بہت کچھ مل سکتا ہے - کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کا کوئی

نسخہ یورپ میں نہیں —

۲۲- گلشن بے خار سنہ ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ ع) میں تالیف ہوا اور دھلی میں سنہ ۱۸۴۵ ع میں چھپا - یہ متعدد بار طبع ہوا لیکن مجھے سب سے پہلے اس کا قلمی نسخہ مسٹر بوترو پرنسپل دھلی کالج کی بدولت ملا - یہ تذکرہ جو فارسی زبان میں ھے' اپنے وقت کے تمام تذکروں میں سب سے زیادہ مشہور ھے - اس قسم کی جتنی کتابیں ھیں اُن سب میں یہ زیادہ صحیح ھے' قاسم کے تذکرے سے بھی زیادہ' جس سے مولف نے بہ نسبت کسی دوسرے تذکرے کے زیادہ استفادہ کیا ھے —

اس کے مؤلف نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر دھلوی' تخلص شیفتہ' بہت بڑے شخص اور ھندوستانی زبان کے ممتاز شاعر ھیں - اِن کے والد کا نام نواب مرتضیٰ خاں بہادر تھا - یہ دلی کے مشہور شاعر مومن کے شاگرد تھے - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ شیفتہ سے پہلے وہ حسرتی تخلص کرتے تھے * -

وہ تذکرے میں اپنا ذکر بہت انکسار سے کرتے ھیں اور اس بات پر افسوس کرتے ھیں کہ انھوں نے اپنی عمر گرامی کا اکثر حصہ اس میں رائگاں کیا - اپنے حالات کے ختم پر دس صفحے

* دیباچۂ گلشن بیخار میں خود مولف نے لکھا ھے کہ فارسی میں ان کا تخلص حسرتی تھا اور اردو میں شیفتہ (چ)

میں اپنے کلام کا انتخاب دیا ہے —

اُن کے اُردو کلام کا پورا دیوان ہے اور اس کے علاوہ ابن جوزی کی مولد محدث (مطبوعۂ لکھنؤ) کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اس میں از روے احادیث آنحضرت (صلعم) کے نسب' ولادت اور تعلیم و تربیت کے حالات ہیں —

شیفتہ کے ہاں سنہ ۱۸۴۷ ع تک (جس کے بعد اُنہوں نے شہر کی سکونت ترک کر دی تھی) برابر مشاعرے ہوتے تھے۔ وہ ابھی تک زندہ ہیں۔ دھرم نراین نے دهلی کے اخبار قران السعدین میں ان کی بہت تعریف لکھی ہے —

۲۳ — گلشن بے خزاں' باطن (حکیم سید غلام قطب الدین) کے تذکرے کا ترجمہ ہے اور کچھہ بھی نہیں۔ وہ آگرے میں پیدا ہوے۔ وہ اور ان کے باپ دادا اسی شہر میں طبابت کرتے تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۲۵۹ ھ (۴۴ — ۱۸۴۳ ع) میں ہوا۔ ان کا خاندان یہاں عرب سرائے سے آیا جو دهلی سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے —

۲۴ — گلدستۂ نازنیناں' مشہور هندوستانی شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔ یہ دهلی میں سنہ ۱۲۶۱ ھ (سنہ ۱۸۴۵ ع) میں طبع ہوا اور هندوستان میں بہت مقبول رہا۔ اس کا حجم ۳۵۰ صفحے کا ہے اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔

شروع میں شاہی خاندان کے تین شاعروں کا (جو اس وقت بقید حیات تھے) ذکر ہے، اس کے بعد شاعری پر کچھ بحث ہے، اور آخر میں ۳۹ مختلف شاعروں کا تذکرہ اور ان کے کلام کے طول طویل انتخابات ہیں —

۲۵ - تذکرۂ ناصر لکھنوی - اس کا ذکر محسن نے کیا ہے —

۲۶، ۲۷، ۲۸- یہ تین تذکرے گلستان سخن کے نام سے موسوم ہیں - اور ان کے مصنف صابر، جوش اور مبتلا ہیں - ان کا حال دیکھنا ہو تو میری تاریخ دیکھئے —

۲۹ - انتخاب دواوین شعراے مشہور زبان اُردو کا - اس کے مولف امام بخش صہبائی پروفیسر دہلی کالج ہیں - یہ فارسی کے بہت بڑے اُستاد مانے جاتے ہیں-اسے ہم محض انتخاب نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ انتخابات کے ساتھہ شاعروں کے مختصر حالات بھی درج ہیں - یہ بھی ایک قسم کا تذکرہ ہے - یہ حالات اُردو زبان میں ہیں —

اس تالیف میں ولی، درد، سودا، میر، جرأت، حسن، نصیر، ممنون، ناسخ، مول چند، ذوق اور مومن کے کلام کے انتخابات ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ ع) میں لکھی گئی اور دہلی میں سنہ ۱۸۴۲ * میں طبع ہوئی - کل ۲۷۳

* اس سنہ کے لکھنے میں کچھہ غلطی ہو گئی ہے منشی کریم الدین نے ۱۸۴۳ ع سنہ طبع لکھا ہے - (عبدالحق)

صفحے ہیں اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں- شروع میں ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے جس میں صہبائی نے ہندوستانی شاعری اور اس زبان کی خاص خاص نظموں کی بحروں پر بحث کی ہے اور ساتھہ ساتھہ بہت اچھی مثالیں بھی ہیں - ایک کتاب جو دہلی میں "خلاصۂ دیوانہا" کے نام سے طبع ہوئی ہے ' وہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے —

صہبائی کی عمر تقریباً ساتھہ سال * کی ہے' نظم اُنھوں نے بہت کم لکھی ہے ' لیکن علاوہ اس کتاب کے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے ' اُن کی اور بھی تالیفات ہیں - ایک تو فارسی کتاب حدائق البلاغت کا اُردو ترجمہ ہے ' ترجمہ کیا ' یوں کہنا چاہئے کہ اُنھوں نے اس کتاب کے مطالب کو اُردو شاعری پر ڈھال لیا ہے - دوسری ہندوستانی صرف ونحو جو اُردو زبان میں لکھی ہے - تین رسالے معمے پر ' الفاظ مشکلہ † اور اس قسم کی دوسری کتابیں ان کی تالیف سے ہیں ‡ —

۳۰ - صحف ابراہیم - مصنف کا نام خلیل ہے اس لئے اس

---

* کریم نے سنہ ۱۸۴۷ ع میں ان کی عمر ۴۰ بتائی تھی لیکن ڈاکٹر سپرنگر جو ان کو جانتے تھے یہ کہتے ہیں کہ وہ ۱۸۵۴ ع میں ۶۰ کے تھے —

† اسے ٹیک چند کی کتاب کی شرح سمجھنا چاہئے - اس کا نام بھی یہی ہے - صہبائی کی کتاب سنہ ۱۸۴۷ ع میں طبع ہوئی —

‡ گلستان سخن مولفہ مرزا قادر بخش صابر میں صہبائی کی تالیفات کے کسی قدر تفصیلی حالات درج ہیں (چ) -

پر سے کتاب کا یہ نام رکھا ہے۔ اس کا ایک فارسی تذکرہ بھی ہے * -

۳۱- سراپا سخن، اس کا مولف محسن لکھنوی ہے، یہ شخص ہندوستانی زبان کا شاعر بھی ہے - یہ تذکرہ سنہ ۱۸۵۲ ع میں اختتام کو پہنچا اور سنہ ۱۸۶۱ ع میں طبع ہوا - حجم ۴۰۰ صفحے کا ہے اور حاشیہ بھی تمام تحریر سے بھرا ہوا ہے - اس میں سات سو سے زیادہ شعرا کا مختصر ذکر ہے - کلام کے انتخاب کی ترتیب گلشن نشاط کی طرح مصنفین کے ناموں کے لحاظ سے ہے †

۳۲- طبقات الشعرا یا تذکرۂ شعرائے ہند بھی ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے اور اردو زبان میں ہے، دھلی میں سنہ ۱۸۴۸ع میں طبع ہوا - حجم ۵۰۴ صفحے ہے - سرورق پر اردو کے علاوہ انگریزی تحریر بھی ہے جس کی آخری سطریں یہ ہیں "تذکرہ شعرائے ریختہ کا مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسن تیسی کی تاریخ سے ترجمہ کیا"- یہ درحقیقت میری تاریخ کی پہلی جلد سے حذف و اضافہ کے ساتھ تالیف کی گئی ہے، جس سے وہ ایک نئی کتاب ہوگئی ہے اور استناد کے لئے کارآمد ہے - اضافہ تقریباً تمام کا تمام یا تو خاندان تیموری کے شاہزادوں کے حالات کا ہے جو اپنا وقت بہلانے کے لئے اردو شاعری کیا کرتے تھے یا دھلی کالج کے پروفیسروں

---

* مصنف کو صحف ابراہیم کے مصنف کے بارے میں دھوکا ہوا ہے - اس کا ذکر تذکرہ نشان ۱۲ کے تحت حاشیۂ صفحہ ۸۱ پر ملے گا (ع) -

† یہ تمام انتخاب سراپا کے متعلق ہے (عبدالحق)

کے حالات سے متعلق ہے - پروفیسروں کا ذکر دلچسپ ہے، ایک تو اس لئے کہ اہل علم و فضل کا ذکر ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے —

کریم کی دوسری ہندوستانی تالیفات کا ذکر اس موقع پر موجب طوالت ہوگا - علاوہ تصنیفات کے ان کی تالیف سے ترجمے بھی ہیں اور ایسی کتابیں بھی ہیں جو انہوں نے مرتب کی ہیں-

—— * ——

ایسے تذکروں کے تبصرے کے بعد جو اردو میں تالیف کئے گئے ہیں، میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ اردو منتخبات کا بھی ذکر کروں - ان سے ہندوستانی شاعری کے متعلق بہت سی دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ایسے کلام کا علم ہوتا ہے جو دوسری جگہ نہیں ملتا - ایسی جو جو کتابیں جس ترتیب سے میرے علم میں آئی ہیں ان کی کسی قدر کیفیت میں یہاں لکھتا ہوں —

۳۳، ۳۴، ۳۵ - اول دو مجموعے جن کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ فاضل انگریزوں کی بدولت تحریر میں آے جو اس نظر سے بہت قابل قدر ہیں - پہلے مجموعے کا نام "Selection from the popular poetry of the Hindus" (ہندؤں کی مقبول شاعری کا انتخاب) ہے - یہ کرنل بروٹن مرحوم * کا مرتب کیا ہوا ہے - اس میں ۵۹ مشہور ہندی گیت

* ٹامس ڈیر بروٹن Thomas Duer Broughton بہت با اخلاق شخص تھے اور مجھے ذاتی طور پر اُن کی ملاقات کا شرف حاصل تھا - ان کا انتقال لندن میں ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۳۵ ء میں ہوا —

ہیں اور ضمناً بہت سے مقبول شعرا کا بھی ذکر آگیا ہے - دوسرے مجموعے کی تالیف میں مشہور ہندوستانی مصنف ترنی چرن متر' بھی (جو متعدد کتابوں کا مصنف ہے *) شریک تھا - اُن تمام انتخابات میں جن کا میں ذکر کروں گا یہ بہت اہم ہے - اس میں منجملہ اور انتخابات کے بیتال پچیسی' بھگت مال' کبیر کے ریختوں کے بعض حصے' تلسی داس کی راماین کا ایک دھرہ' باغ و بہار کا ایک باب اور گل بکاؤلی' آرائش محفل' اُردو ہتوپدیش' جوان کی شکنتلا کے بھی انتخاب ہیں - علاوہ ان کے مختلف شاعروں کی ۳۴۸ چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں جو عام طور پر مقبول ہو چکی ہیں —

۳۶- گلدستۂ نشاط' جس سے میں نے اپنی تاریخ میں بہت کچھہ استفادہ کیا ہے' سنہ ۱۲۵۲ ھ (۳۷-۱۸۳۶ ع) کی تالیف ہے اور اسی سال کلکتہ میں طبع ہوئی - یہ ہندوستانی اشعار اور نظموں کا اچھا خاصہ مجموعہ ہے- یہ ایک قسم کی فصاحت و بلاغت کی مشق ہے جو ایسے شعرا کی مثالوں سے حاصل کی گئی ہے جو فارسی میں شعر کہتے تھے - مولف تحصیلداری کے عہدے پر ہے اور کلکتے میں رہتا ہے —

۳۷ — مجموعۂ واسوخت' مختلف شاعروں کے واسوختوں

---

* منجملہ دوسری کتابوں کے پرش پریشا بھی اس کی تالیف سے ہے جس کا ذکر میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں کیا ہے - ترنی سنہ ۱۸۴۳ ع میں زندہ تھا اور کلکتہ سکول بک سوسائٹی کا سکریٹری تھا —

کا مجموعہ ھے - یہ ۶۸ صفحوں کا رسالہ ھے ' جس کے حاشیے سے بھی کام لیا گیا ھے - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۹ ع) میں لکھنؤ میں طبع ھوا —

—— * ——

ھندوستانی شعرا کے تذکروں کے بعد جن کا علم مجھے بالواسطہ یا بلا واسطہ ھوا ' میں اپنی فہرست مکمل کرنے کے لئے اس قسم کی ان کتابوں کا بھی ذکر کرنا مناسب خیال کرتا ھوں جن کے نام ان تذکروں میں پائے گئے ھیں جن سے میں نے مدد لی ھے - ان کی تفصیل یہ ھے —

۳۸ - کوی پرکاش - اس کے نام سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ ھندی تذکرہ ھے —

۳۹ - وارتا یا بارتا - ولبھا جو ایک ھندو فرقے کا بانی ھے اور جس کے چیلوں کی تعداد ۸۴ ھے ' یہ اس کے قصوں اور باتوں کا عجیب و غریب مجموعہ ھے - ولبھا اور اس کے بعض چیلے ھندو مذھبی گیتوں کے مصنف بھی ھیں * —

۴۰ - دلھا رام کی بے شمار † نظمیں جو نامور اشخاص کے متعلق ھیں - ایک تو رام سنیھی فرقے کے متعلق دوسری عموماً ھندؤں نیز مسلمانوں کے متعلق —

* دیکھو میری تاریخ جلد ۱ ' ص ۵۱۸ —

† کہتے ھیں کہ ان کی تعداد ۱۰۹۹۹ ھے - دیکھو میری تاریخ' جلد اول ص ۱۶۱ -

۴۱ - تذکرۂ حسن (میر غلام حسن) - سرور اور دوسرے مصنفین اسے شعرائے ریختہ * کا بہت اچھا تذکرہ بتاتے ہیں۔ † حسن خود ہندوستانی کا بہت نامور شاعر ہے۔ وہ مشہور مثنوی سحرالبیان کا (جس میں بے نظیر اور بدر منیر کا قصہ ہے) اور مثنوی گلزار ارم کا مصنف اور صاحب دیوان ہے - باوجود اس کے کہ وہ اپنی بعض صوفیانہ نظموں میں اور خاص کر اپنی مناجات میں (جس کا متن ‡ اور ترجمہ ¶ میں نے اپنی کتاب میں دیا ہے) بہت اچھے اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتا ہے اس نے بعض فحش نظمیں بھی لکھی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی اوباشی میں پڑگیا تھا، جس کی نظیر عیسائی ممالک میں شاذ ملتی ہے — $

۴۲ - تذکرۂ سودا - قاسم نے اپنے تذکرے میں سعدی کے حال کے ضمن میں اردو کے نہایت نامور شاعر سودا کے تذکرے کا بھی حوالہ دیا ہے - لیکن مجھے اس کا اب تک علم نہیں ہوا۔

---

* تاریخ ادب هندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ —

† یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے ۱۹۲۲ ع میں شایع ہو چکا ہے - انجمن اس کا دوسرا ایڈیشن از سر نو مرتب کرکے عنقریب شایع کرنے والی ہے - (چ)

‡ قصۂ کامروپ کے متن کے بعد —

¶ ولی کے کلام کے ترجمے کے نوٹ میں —

$ نہ معلوم میر حسن کی کونسی نظمیں مصنف کی نظر سے گزریں کہ اس نے یہ رائے قائم کر لی - محض بعض نظموں کی بنا پر یہ قیاس کرلینا غلط ہے (چ)

۴۳ - گلزار مضامین- یہ کتاب جو سنہ ۱۱۹۹ھ (۸۵ - ۱۷۸۴ع) میں شایع ہوئی مشہور شاعر طپش کی چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہے - تاہم اس میں تذکرے کی بھی صورت ہے، کیونکہ دیباچے میں مصنف نے اردو شاعری اور شاعروں سے بحث کی ہے —

۴۴ - گلدستۂ حیدری- اس کے مؤلف حیدر بخش حیدری ہیں- جو اس صدی کی ابتدا میں بہت بڑے مصنف گزرے ہیں- اس گلدستے میں علاوہ قصوں اور لطیفوں کے ایک دیوان اور هندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ ہے* —

۴۵ - تذکرۂ میر محمد علی ترمذی- یہ شخص هندوستانی زبان کا مولف ہے - اس نے شاہ نامۂ فردوسی کا خلاصہ نثر میں کیا ہے † اس تذکرے کا ذکر گلزار ابراهیم میں پایا جاتا ہے- اس کے سوا مجھے اس تالیف کے متعلق کوئی علم نہیں ہے -

۴۶ - ایک کتاب " روضۃ الشعرا " بھی ہے - اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ‡ —

۴۷ - تذکرۂ اختر - واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودہ کا

---

* گلدستۂ حیدری کے بعض نسخوں کے آخر میں یہ تذکرہ پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں- یہ حیدری کا تذکرۂ گلشن هند ہے جو اردو زبان میں ۱۲۱۵ھ میں لکھا گیا ہے - کنبھایت کے ایک خانگی کتاب خانے میں یہ تذکرہ ہماری نظر سے گزرا ہے - (چ)

† دیکھو میری تاریخ ادب هندوستانی جلد ۱، ص ۳۵۹ —

‡ مصنف کو دھوکا ہوا ہے یہ تذکرہ نہیں بلکہ محمد حسین کلیم کا قصیدہ ہے جس کے متعلق میر صاحب نے لکھا ہے " میاں محمد حسین کلیم ... قصیدۂ گفتہ مسمی بہ روضۃالشعرا درو نامِ تمام شعرا را نقل کردہ " - (چ)

تخلص ہے- وہ جب لکھنؤ میں تھے تو اپنی فرصت کے وقت ادبی ذوق میں مصروف رہتے تھے- وہ بہت سی ہندوستانی کتابوں کے مؤلف ہیں، جن میں سے بعض چھپ کر شایع ہوگئی ہیں - ان میں سے کئی میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں - اس تذکرے کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں پانچ ہزار فارسی اور ہندوستانی شاعروں کا ذکر ہے، لیکن میں ذاتی طور پر اس سے بالکل ناواقف ہوں —

۴۸- اردو شعرا کا ایک مختصر سا تذکرہ آزردہ (صدرالدین) نے بھی لکھا ہے - یہ اسی زمانے کے شخص ہیں اور ہندوستانی زبان میں شعر کہتے ہیں، انہیں عربی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا- شیفتہ نے سودا کے حال میں اس تذکرے کا ذکر کیا ہے- ڈاکٹر سپرنگر کی آزردہ سے ملاقات تھی اور ڈاکٹر صاحب نے کبھی ان سے اس تذکرے کا ذکر نہیں سنا- آزردہ کی عمر اس وقت ۷۰ برس کی ہے *، وہ مولوی اور مفتی ہیں اور خاں کا خطاب بھی رکھتے ہیں —

۴۹ - تذکرۂ عاشق (مہدی علی) - یہ بڑے پرگو شاعر ہیں- ان کے تین دیوان ہیں، اور علاوہ ان کے منظوم قصۂ خاور شاہ † اور بہت سی نظموں کے مصنف ہیں - دہلی میں ان کے ہاں

---

* شیفتہ نے لکھا ہے کہ ان کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہے -

† میں نے غلطی سے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں اسے ماہ لقا سے منسوب کردیا ہے-

مشاعرے ہوا کرتے تھے' اور یہ تذکرہ بھی انھیں شعرا کے متعلق ہے۔ اس میں وہی نظمیں ہیں جو ان مشاعروں میں پڑھی جاتی تھیں۔

۵۰ - تذکرۂ سرو آزاد کا ذکر ابوالحسن نے اپنی کتاب مسرت افزا میں کیا ہے جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں اُردو شاعروں کا ذکر ہوگا۔ نے تھے نیل نے اس کا ذکر فارسی شعرا * کے تذکروں میں کیا ہے۔ دونوں باتیں ممکن ہیں' کیونکہ یہ مسئلہ ایسے شاعروں کا ہو جاے گا جن کا کلام فارسی میں بھی ہے' اور ہندوستانی میں بھی —

آزاد خود ہندوستانی زبان کا بہت بڑا شاعر تھا۔ اوپر جو کچھہ کہا گیا ہے اس کا یقین مجھے اس لئے ہوتا ہے کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک اور تذکرہ لکھا ہے جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا نام خزانۂ عامرہ ہے۔ اس کے دیباچے میں وہ بیس دوسرے تذکروں کا حوالہ دیتا ہے جن سے س نے استفادہ کیا ہے † —

دوسری وجہ یہ ہے کہ آزاد ایک اور رسالے کا بھی مصنف ہے جو " ہندوستان کی غزلوں " پر ہے اور جس کا نام رسالۂ غزلان ہند ہے۔ یعنے یہ ان نظموں پر ہے جو ہندوستان میں

---

* جرنل رائل ایشیاٹک سو سائٹی جلد ۴ ص ۱۷۰ —

† دیکھو اس کتاب پر ایم - این بڑنڈ کا مضمون - جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۹ صفحہ ۱۵۰ —

لکھی گئی ھیں - ممکن ھے کہ یہ تذکرہ بھی ھو اور مجموعۂ انتخابات بھی - اور شاید یہ کتاب بھی سرو آزاد ھی ھو اور اس دوسرے نام سے مشہور ھو گئی ھو * —

سرو آزاد فارسی میں ھے اور اس کا ترجمہ ھاپور کے باشندہ موتی لال نے جو دھلی کالج کے ممتاز طالب علم تھے انیس برس کی عمر میں سنہ ۱۸۴۷ ع میں ھندوستانی میں کیا - اس کے دوسرے ھی سال موتی لال نے گلستاں کا ترجمہ کیا اور دلی کے اخبار قران السعدین کی ادیٹری کرنے لگا —

افسوس نے اپنی کتاب آرایش محفل میں آزاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے —

" میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے بیچ لاثانی تھا، بلکہ اشعار عربی تو اس فصاحت و بلاغت و بہتایت کے ساتھہ کہ اهل هند میں کسی نے اُس سے آگے بھی نہیں کہے - قصائد اس کے اس بات پر دال ھیں اور

---

* مؤلف کی اطلاع سرو آزاد اور غزلان الهند کے متعلق مبہم اور مشتبہ سی ھے - اصل یہ ھے کہ سرو آزاد، آزاد کی مشہور کتاب مآثرالکرام تاریخ بلگرام کا دوسرا حصہ ھے- اس کتاب کی دو فصلیں ھیں- پہلی فصل میں فارسی شعرا کے حالات ھیں اور دوسری میں شعراے ھندی کے- ان ھندی گو شاعروں میں سے بعض ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے - فارسی شعرا کی تعداد ۱۴۳ ھے اور ھندی کے شعرا کی صرف ۸ - غزلان الهند (جس کو مصنف غلطی سے غزلان ھند لکھتا ھے) میں ھندوستان کی فارسی شاعری کے صنائع وغیرہ پر بحث ھے نیز ھندوستانی عورتوں کے رسم و رواج اور اسرار، ھندی محبت اور اسی قسم کے معاملات پر بحث کی گئی ھے (عبدالحق) —

اس کی تعریف میں فصیحانِ عرب کی زبانیں لال - پیدائش اس کی گیارہ سے چودہ ہجری میں اور وفات اس کی سن بارہ سے دو میں *" —

۵۱ - تذکرۂ کاملین - یہ اس زمانے کے ایک ہندوستانی زبان کے مصنف رام چندر کی تالیف ہے - یہ اور بھی بہت سی کتابوں کے مولف ہیں - یہ تذکرہ جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ع میں طبع ہوا ' صرف شعرا ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں دوسرے اشخاص کا بھی ذکر ہے ' اسی لئے میں نے اس کا یہاں ذکر کیا ہے —

۵۲ - تذکرۂ ہندی ' تالیف مولانا قدرت اللہ شوق - اس تذکرے کا جو طبقات الشعرا کے نام سے بھی موسوم ہے' مصحفی' سرور اور کریم نے ذکر کیا ہے ؛ لیکن میرے دیکھنے میں نہیں آیا † - اس کا مؤلف بہت پر گو شاعر ہے اور ایک لاکھ شعر کہہ چکا ہے - قائم چاندپوری کا شاگرد ہے - اس کے گھر میں اکثر مشاعرے ہوتے تھے اور سنہ ۱۸۰۷ع میں جب قاسم نے اپنا تذکرہ لکھا تو وہ بقید حیات تھا —

۵۳ - تذکرۂ خاکسار - اس کے مؤلف میر محمد یار عرف

---

* آزاد کی ولادت اور وفات کے سنہ کے بارے میں افسوس کی اطلاع صحیح نہیں - ۱۱۱۶ ھ ان کی پیدایش کا سنہ ہے اور ۱۲۰۰ ھ وفات کا (چ) -

† انجمن ترقیء اردو نے اس کو مرتب کرلیا ہے' عنقریب شایع ہو جاے گا (چ) -

کلن ' کلو یا گلو* ایک متقی درویش اور مشہور شاعر تھے اور سنہ ۱۸۰۵ع میں انتقال کر گئے - اس تذکرے کا حوالہ شورش نے دیا ھے - سرور جو خاکسار سے واقف تھا اس کا ذکر نہیں کرتا ' شاید اس لئے کہ اس کا تعلق فارسی شعرا سے ھے ؛ لیکن میرے پاس اس امر کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں † —

۵۴ - تذکرۂ محمود (سید حافظ محمود خاں) - اس تذکرے میں فارسی اور هندوستانی دونوں کے شاعروں کا ذکر ھے - مولف جو اسی زمانے کا ھے اور نسلاً افغان ھے ' قران کا حافظ ھے جیسا کہ اس کے نام سے ظاھر ھے - وہ ھندوستانی زبان میں شعر کہتا ھے - چنانچہ سرور نے اپنے تذکرے میں اس کے اشعار کا انتخاب سات صفحوں میں کیا ھے —

۵۵ - تذکرۂ مضمون (امام الدین خاں) - یہ مؤلف جسے عشقی نے مظلوم لکھا ھے ‡ اور جو محمد شاہ کے عہد میں ایک معزز خدمت پر تھا ' وہ اسی تذکرہ نویس (عشقی) کے قول

---

* میر صاحب نے کلو لکھا ھے اور محمد معشوق کنبوہ کا یہ مصرع اس کی شان میں نقل کیا ھے :- کتا ھے در یار کا کلو اس کا نام -

† یہ اردو شاعروں کا تذکرہ تھا اور نکات الشعراء کے جواب میں لکھا گیا تھا - مولف نے اس کا نام " معشوق چہل سالۂ خود " رکھا تھا ' اپنا حال تمام شاعروں سے اول لکھا تھا اور اپنا خطاب سید الشعرا قرار دیا تھا - ملاحظہ ھو نکات الشعرا ذکر خاکسار (چ) —

‡ دیکھو فہرست سپرنگر ' صفحہ ۲۷۵ —

کے مطابق شعرائے ریختہ کے ایک تذکرے کا مؤلف ہے * —

۵۶ - تذکرۂ ذوق (شیخ محمد ابراہیم) دہلوی، جو بادشاہ دہلی کے استاد تھے اور عمدۃ الاستادین اور ملک الشعرا کے خطاب سے سرافراز تھے - مرحوم بوتروس کے پاس اس کا ایک نسخہ دہلی میں تھا ' وہ ضرور بڑی خوبی سے لکھا گیا ہوگا ' کیونکہ تذکرہ نویسوں نے ذوق کی بڑی تعریف کی ہے اور اسے زندہ شعرا میں بہت نامور شاعر خیال کرتے ہیں اور اسے "طوطیء شکر مقال" کہتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ اس کا اعلی تخیل گل و لالہ کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے اور اس کے خیال کا شعلہ دل کو پروانہ کی طرح جلا کے خاک کر دیتا ہے —

۵۷- تذکرۂ جہاندار (مرزا جواں بخت جہاندار شاہ)- مرزا جواں بخت شاہ عالم ثانی کے بیٹے تھے- اس شاہزادے نے' جو اُردو شاعری کا بہت بڑا مربی تھا ' خود بھی اُردو روزمرہ کی زبان میں قابل قدر شعر لکھے ہیں - مصحفی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ شاہزادے نے ہندوستانی شعرا کا تذکرہ جس میں اُن کے انتخابات بھی ہیں ' مرتب کیا ہے ' جو افسوس ہے کہ اُن کی وفات کے وقت سنہ ۱۲۰۱ ھ (۱۷۸۶ - ۸۷ ع) میں مسودے کی حالت میں تھا اور جو نہ معلوم کس طرح امام بخش

---

* میر حسن نے لکھا ہے کہ یہ عہد محمد شاہی میں "سر چوکی رسالۂ والا شاہی" تھا اور اس نے اپنے معاصرین کا ایک مختصر تذکرہ لکھا تھا - (چ) —

کشمیری * کے هاتهه پڑگیا - اس نے اپنے تذکرے میں اس سے بے دهڑک کام لیا هے † —

۵۸ - تذکرۂ امام بخش کشمیری - اس کا ذکر میں نے سوائے مصحفی کے تذکرے کے اور کہیں نہیں دیکھا اور مصحفی نے مولف اور اس کی تالیف کے متعلق کوئی خاص واقعات نہیں بتائے - مصحفی کو یہ شکایت هے کہ امام بخش نے نہ صرف جہاندار شاہ کا سرقہ کیا بلکہ خود اُن کے تذکرے پر بھی هاتهه صاف کیا هے - یہ واقعہ مصحفی کو حقیقت سے معلوم هوا - حقیقت کو جرأت نے امام بخش کی درخواست پر اُس کی تالیف میں مدد دینے کے لئے آمادہ کیا تھا - امام بخش نے حقیقت سے اپنی کتاب نقل کرائی - حقیقت کا بیان هے کہ اس کا کچهه حصہ مصحفی کے تذکرے سے نقل کیا گیا هے - اس واقعہ کی بنا پر مصحفی نے اس کے متعلق ایک قطعہ لکھا هے جس کا ترجمہ میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد صفحہ ۲۱۷ میں دیا هے ‡ —

۵۹ - تذکرۂ النسا - یہ خاص شاعر عورتوں کا تذکرہ هے '

---

* اس نام سے التباس پیدا هوتا هے - یہ اور شخص هے اور امام بخش صہبائی مؤلف انتخاب دواوین بالکل دوسرے شخص هیں —

† تاریخ ادب هندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ —

* اصل قطعہ یہ هے :-

جانتے هیں سب کہ اک مدت سے یہاں مصحفی کے تذکرہ کا شور هے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا بے حقیقت مصحفی کا چور هو

(چ)

"ایشیا اور افریقہ دونوں مقام کی عورتوں کا" *- اس کے مولف کریم الدین مصنف طبقات ہیں - یہ تذکرہ دہلی میں چند سال قبل مرتب ہورہا تھا، معلوم نہیں کہ اختتام کو بھی پہنچا یا نہیں اور شایع ہوا یا نہیں —

۶۰- "مختصر احوال مصنفین ہندی کے تذکروں کا" اس کا دوسرا نام "رسالہ درباب تذکروں کا" - مولف اس کے ذکاءاللہ دہلوی ہیں - یہ رسالۂ ہذا کے پہلے اڈیشن کا محض ترجمہ ہے اور کچھہ بھی نہیں —

۶۱، ۶۲ و ۶۳ - میں اب صرف نام گنوادیتا ہوں - تذکرۃالحکما، اور تذکرۃالمفسرین - ان دونوں کے مولف مولانا سبحان بخش ہیں، جو اس زمانے کے فرزانہ اور ظریف ہندوستانی مصنف ہیں - اور تذکرۃالمشاہیر * —



اِن تذکروں کے ذکر کے ساتھہ میں اُن انتخابات کا بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق مجھے تذکروں سے معلومات حاصل ہوئی ہے - اور جس ترتیب سے میں نے تذکروں کا بیان لکھا ہے وہی ترتیب میں ان کے متعلق بھی اختیار کرتا ہوں —

* خود مولف نے لکھا ہے کہ اس میں صرف شاعر عورتوں کا ذکر نہیں بلکہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی ان نامور عورتوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے کسی فن میں ناموری حاصل کی ہے یا جنھوں نے مستقل حکمرانی ہے - (چ)

* تین حصوں میں - دیکھو آگرہ گزٹ، یکم جون سنہ ۱۸۵۵ ع —

۶۴ - سبھا ولاس - یہ هندی نظموں کا انتخاب پنڈت دھرم نراین نے کیا هے ' جن کا تخلص ضمیر هے - یہ شخص جو سنہ ۱۸۴۹ ع میں صرف ۲۳ ' ۲۴ برس کا تھا ' باوجود نوجوان هونے کے اندور کا ڈائرکٹر تھا - وہ هندی اردو اخبار " مالوہ اخبار " بھی شایع کرتا تھا - اس کے بعد سے اُس نے بہت سی کتابیں هندوستانی میں شایع کی هیں - جن میں سے اکثر انگریزی کا ترجمہ هیں —

۶۵ - نورتن * - اس نام میں اشارہ هے ایک زیور کا جو اس نام سے مشہور هے ' نیز دنیا کے نوکھنڈ کا ' اور بکرماجیت کے دربار کے نو بڑے شاعروں کا ' جو نورتن کہلاتے هیں - یہ هندوستانی زبان کا انتخاب هے جو محمد بخش نے مرتب کیا هے - یہ کتاب دو مرتبہ بنارس میں چھپ چکی هے - ایک بار سنہ ۱۸۴۵ ع میں اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۹ ع میں —

۶۶ - کویا سنگرھا - یہ برج بھاشا نظموں کا مجموعہ هے ' اسے هیرا چند نے جو کئی اچھی کتابوں کا مولف هے ' بمبئی سے شایع کیا -

۶۷ - کبی بچن سدھا - یہ هندی انتخاب هے جو هر مہینے کلکتے سے شایع هوتا هے † —

---

* یہ انتخاب نہیں بلکہ اس میں نو مختلف فرقوں (بادشاهوں' شاعروں' بخیلوں افیونیوں' احمقوں وغیرہ) کے لطیفے اور نقلیں هیں اور اسی وجہ سے اس کا نام نورتن هے - (عبدالحق) —

† میرا لکچر بابت سنہ ۱۸۶۷ ع صفحہ ۲۶ دیکھئے —

۶۸- انتخاب مشتاق - یہ انتخاب حافظ تاج الدین مشتاق ساکن پٹنہ نے سنہ ۱۲۲۲ ھ (۱۸۰۶-۰۷ ع) میں مرتب کیا - میں ذاتی طور پر اس انتخاب سے واقف نہیں ہوں، لیکن سرور، شیفتہ، عشق اور کریم کے تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرٹھ کا رہنے والا اور دربار حیدرآباد دکن کا شاعر تھا اور نسلاً یہودی تھا * - وہ عشق کا شاگرد تھا اور اردو شاعری میں میں ممتاز درجہ رکھتا ہے —

۶۹ - تذکرہ نویسوں نے ایک اور مشتاق کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام محمد قلی تھا اور جس نے سنہ ۱۲۱۴ ھ (۱۸۰۱-۰۲ ع) میں انتقال کیا - اس نے ہندوستان اور بنگال کے تمام ریختہ دیوانوں کو جمع کیا تھا - سپرنگر † کا قول ہے کہ جس وقت شورش نے اپنا تذکرہ لکھا وہ ایک انتخاب کی ترتیب میں مصروف تھا - شاید اِن دو مشتاقوں کے ناموں میں کچھہ غلط فہمی ہوئی ہے —

۷۰ - چمن بے نظیر ‡ یا مجمع الاشعار - یہ دونوں نام

* سرور نے اس مشتاق کا ذکر نہیں کیا - شیفتہ اور کریم نے اس کا کو میرٹھی لکھا ہے لیکن اس کے یہودی النسل ہونے کا کوئی ذکر نہیں - عشق کا تذکرہ ہماری نظر سے نہیں گزرا سپرنگر نے مشتاق کا جو حال عشق کے حوالے سے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق مولوی غلام احمد کا پوتا تھا - ایسی حالت میں اس کو یہودی النسل سمجھنا کچھہ صحیح نہیں معلوم ہو - (چ)

† فہرست سپرنگر، جلد ۱ - ص ۲۶۵ —

‡ یہ تاریخی نام ہے اس سے سنہ ۱۲۶۵ ھ یعنی سنہ ۴۹ - ۱۸۴۸ ع نکلتا ہے۔

ایک ہی کتاب کے دو اڈیشنوں کے ہیں - دونوں بمبئی میں طبع ہوے ۱۲۶۵ ھ (۱۸۴۹ - ۱۲۴۸) اور سنہ ۱۲۶۶ ھ (۱۸۴۹-۵۰ع) میں - پہلا انتخاب محمد حسین کا اور دوسرا محمد ابراہیم کا - غالباً یہ وہی محمد ابراہیم ہیں جنھوں نے انوار سہیلی کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے اور جو سنہ ۱۸۲۴ ع میں مدراس میں شایع ہوا - اس انتخاب کے دو حصے ہیں- پہلا ۷۲ صفحے کا ہے جس میں صرف فارسی نظمیں ہیں ؛ دوسرا ۲۴۹ صفحے کا ' جس میں ۱۸۷ مختلف ہندوستانی شعرا کی نظمیں ہیں-

۷۱ - مجموعۂ دواوین- ایک قلمی نسخہ جو حضور نظام* کے کتب خانہ میں ہے - مگر یہ انتخاب دواوین سے جدا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے —

۷۲ - مجالس رنگین - اس میں اپنے زمانے کے شعرا اور اُن کے کلام پر تنقیدی تبصرہ ہے - رنگین (سعادت یار خاں) اس زمانے کے ممتاز شاعر اور مصنف ہیں- اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں جو لکھنؤ اور آگرے میں چھپ چکی ہیں -

۷۳ - گلستان مسرت † شعرا کا یہ انتخاب مصطفی خاں دہلوی کا مرتب کردہ ہے - مؤلف مطبع مصطفائی کے مالک

---

* تاریخ ادب ہندوستانی جلد ۱ - صفحہ ۵۸۶ -

† یہ فارسی کلام کا انتخاب ہے - اشعار خاص عنوانوں کے تحت درج ہیں (عبدالحق) -

ھیں، جہاں سے بہت سی ھندوستانی تالیفات شایع ھو چکی ھیں —

۷۴ — گلدستۂ ھند - یہ لطائف کا مجموعہ ھے جس میں آٹھ باب ھیں اور ھر باب کا نام گلشن ھے ۔ آٹھویں باب میں ایسے منتخب اشعار ھیں جو یاد کرنے کے قابل ھیں —

۷۵ — معیار الشعرا ' قدیم و جدید شعرا کا کلام ھے جو آگرے سے منشی قمرالدین (قمر) گلاب خاں ھفتے میں دوبار شایع کرتے ھیں —

۷۶ — آخر میں میں اپنے حافظے سے لکھتا ھوں کہ میاں مقبول نبی مقبول نے تین سو ھندوستانی قدیم و جدید شعرا کا کلام جمع کیا جس میں ساٹھہ ہزار اشعار تھے ' مگر افسوس کہ اُس مجموعے کو آگ لگ گئی * —

میں یہاں کتابوں کی فہرستوں کا ذکر نہیں کرتا ' تاھم میرا خیال ھے کہ یہ بہت کارآمد ھوتی ھیں ' خصوصاً حوالہ دینے کے لئے - میں نے ایک صاحب علی احمد † لکھنوی ‡ کی قلمی فہرست سے جو فارسی اور ھندوستانی کے

---

* گلشن بے خار (منقول از سپرنگر) وغیرہ [سپرنگر نے قاسم کا حوالہ دیا ھے - مجموعۂ نغز میں اس مجموعہ کا ذکر ھے - گلشن بیخار میں نہیں ھے (ع)]-

† کم سے کم ایم ڈی فوربس کا یہی خیال ھے -

‡ یہ نام ' جو شاذ و نادر ھی استعمال ھوتا ھے ' احمدی کا مترادف ھے - (معلوم نہیں مولف کا اس سے کیا مطلب ھے شاید وہ یہ کہنا چاھتے ھیں کہ علی احمد اور احمد علی ایک ہی نام ھیں - (عبدالحق)

قیمتی ذخیرے سے مرتب کی گئی ہے ' بہت کام لیا اور سنہ ۱۲۱۱ھ (۹۷-۱۷۹۶ع) میں اپنی تاریخ ادب ہندوستانی کے لئے اس کی نقل لی —

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست بھی جو فارسی اور دیوناگری دونوں حروف میں ہے قابل ذکر ہے ' کیوں کہ اس سے بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں مل سکتی —

(وہ مصنفین جن کا ذکر اصل تذکروں میں ہے)

ایسے شعرا کی تعداد جن کا ذکر تذکروں یا دوسری کتابوں میں آیا ہے اور جن تک میری دسترس ' بلا واسطہ یا بالواسطہ ہو سکی ' تقریباً تین ہزار ہے ' جن میں سے سات سو کا تذکرہ میں اپنی کتاب ' ہندوستانی ادب کی تاریخ میں کر چکا ہوں - لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ تمام مصنفین در حقیقت شاعر تھے- ان کا شمار اس ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ تمام ہندوستانی مصنفین خواہ ان کی تالیفات ریاضیات ' طبعیات ' قانون یا مذہب پر کیوں نہ ہوں ' شعر ضرور کہتے تھے اور اس لیے شاعر کہلاتے تھے - علاوہ اس کے شاعر کا لفظ مبہم سا ہے جس سے مصنف کے معنے بھی نکلتے ہیں چنانچہ یورپ میں بھی بعض اوقات عامیانہ

طور پر یہ لفظ انہیں معنوں میں آتا ہے —

اس بنا پر شاعر سے مراد مصنف ہوگا - اگرچہ اصل تذکرے ایک قسم کے انتخابات ہوتے ہیں جس میں شعرا کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان میں (گو شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو) مصنفین اور مختلف قسم کے نثر نگاروں کے متعلق بھی بعض باتیں آ جاتی ہیں —

یہ سچ ہے کہ تمام مشرقی اور خصوصاً ہندوستان کی ادبیات میں شاعری غالب ہے - یہاں میرا مطلب صرف نظم سے نہیں ہے جو لفظوں کا منظم مجموعہ ہوتا ہے بلکہ میرا مطلب اُن خیالات سے بھی ہے جو موزوں طور پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور جو تمدن کی اصل ہیں اور جن سے تمدن کی حقیقت تاریخ کی نسبت زیادہ بہتر سمجھ میں آتی ہے - یہ سچ ہے کہ ان شاعروں میں بہت سے ایسے ہیں جن پر ہوریس کے یہ اشعار صادق آتے ہیں —

"جو بری نظمیں لکھتے ہیں، لوگ اُن پر ہنستے
ہیں، لیکن تاہم انہیں شعر کہنے میں لطف آتا ہے،
اور اپنے متعلق وہ بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں:
اور گو آپ کچھ نہ کہیں، مگر وہ بڑے مزے سے آپ
ہی آپ اپنی چیزوں کی تعریف کرتے ہیں" —

علاوہ اس کے ہندوستانی کی نثر کی کتابیں بھی ایک حد

تک شاعری سے تعلق رکھتی ہیں ' کیونکہ جیسا کہ مشرق کی دوسری اسلامی زبانوں میں ہے ' نثر کی تین قسمیں ہیں - ان میں سے صرف ایک قسم ایسی ہے جس کا مفہوم نثر ہے- پہلی قسم مرجز کہلاتی ہے جس میں وزن تو ہوتا مگر قافیہ نہیں ہوتا - دوسری مسجع ' جس میں قافیہ ہوتا ہے مگر وزن نہیں ہوتا - اور تیسری عاری ہے ' جس میں نہ قافیہ ہوتا ہے نہ وزن-

بہت سے ہندوستانی شاعروں نے فارسی میں بھی نظمیں لکھی ہیں جیسا کہ پہلے زمانے میں ہم (یعنی فرانسیسی) لاطینی اور فرانسیسی دونوں میں شعر کہتے تھے : اور روما میں یونانی اور لاطینی دونوں کے شاعر ہوتے تھے - جو ان دو قدیم زبانوں میں شعر کہتے تھے وہ (Utriusque linguae Scriptore) یعنی "دونوں زبانوں کے مصنف" کہلاتے تھے - اسی طرح ہندوستان میں ایک اور رسم پڑگئی ہے جو اس کا ثبوت ہے - یعنی جو شاعر دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قابلیت رکھتے ہیں ' اُن کے دو تخلص ہوتے ہیں : فارسی میں ایک اور اردو میں دوسرا - مثلاً وجیہ الدین کے دو تخلص ہیں ' ایک وجیہ اور دوسرا برنی : محمد خاں کے والہ اور ثاقب --

اب ہم ان مصنفین کی جو تعداد میں کثیر ہیں تقسیم کرنا چاہتے ہیں - سب سے پہلا اور قدرتی امتیاز ہندو مسلمان کا ہے ' مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بہت ہی کم مسلمانوں

نے ھندی میں لکھا ھے ' حالانکہ بیشمار ھندو ایسے ھیں جن کی تصانیف اردو نیز دکھنی میں ھیں - اور پہلے تو وہ (جیسا کہ سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں لکھا ھے اور جس کا اقتباس میں دے چکا ھوں) فارسی میں بھی لکھتے تھے - تین هزار ھندوستانی مصنف جن کا میں نے ذکر کیا ھے ' ان میں سے دو هزار دو سو سے زائد مسلمان ھیں اور آٹھ سو کے قریب ھندو ' جن میں سے صرف تقریباً دو سو پچاس نے ھندی میں بھی شعر کہے ھیں - حقیقت یہ ھے کہ اس تقسیم کے رو سے مصنفین کی صحیح تعداد کا معلوم ھونا بہت مشکل ھے ' کیونکہ ھندی شاعروں کے تذکرے دستیاب نہیں ھوتے اور اس وجہ سے ان کی بہت بڑی تعداد نا معلوم ھے - اردو مصنفین کی یہ حالت نہیں ' اصل تذکروں میں ان کا ذکر آجاتا ھے ورنہ کم سے کم نام ھی لکھہ دیا جاتا ھے —

ھندی میں لکھنے والے زیادہ تر پنجاب ' کشمیر ' راجپوتانہ اور ممالک مغربی و شمالی کی قدیم سرزمین (یہ نام کلکتہ کی سمت کو مد نظر رکھتے ھوئے جو انگریزی حکومت کا دارالحکومت ھے ' رکھا گیا ھے) ' دھلی ' آگرہ ' برج ' بنارس کے رھنے والے ھیں —

تھیٹ دکنی میں لکھنے والے صرف دو سو ھیں ؛ اس طرح وہا بہت بڑی تعداد شعرا کی اصل اردو زبان میں ھے جو

نہایت شستہ ہندوستانی خیال کی جاتی ہے —

اگر ہم ان شعرا کی جاے سکونت کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں مسلمانوں کی دونوں بولیاں نہ صرف استعمال ہوتی ہیں بلکہ ان کی تعلیم و ترقی کی بھی کوشش کی جاتی ہے - دکن کے شہر یہ ہیں : سورت ' بمبئی ' مدراس ' حیدرآباد سرینگاپٹم ' گولکنڈہ ؛ اردو کے مرکز یہ شہر ہیں : دہلی ' آگرہ ' لاہور ' میرٹھہ ' لکھنؤ ' بنارس ' کانپور ' مرزاپور ' فیض آباد ' الہ آباد اور کلکتہ جہاں ہندوستانی مثل صوبجاتی بولی کے بولی جاتی ہے —

امّن ' جو پہلا ہندوستانی نثرنگار خیال کیا جاتا ہے ' کلکتے میں بیٹھہ کر اپنی باغ و بہار میں لکھتا ہے —

سو اردو کی آراستہ کر زباں

کیا میں نے بنگالا ہندوستاں

ہندو مسلمانوں کو محض ناموں سے پہچان لینا ایک آسان بات ہے ' لیکن ان ناموں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں - ایک دوسرے مضمون میں میں نے مسلمانوں کے ناموں اور القاب سے بحث کی ہے - یہاں میں صرف اتنا لکھنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان شعرا کے ناموں کی چھہ صورتیں ہیں ' جن میں ان کے نام اور لقب وغیرہ شریک ہیں ' بعض ان میں سے دو دو تین تین ایک ساتھہ ہوتے ہیں ' مثلاً علم اور

لقب، جیسے غلام اکبر، عماد علی؛ کنیت (جس سے نسل یا جدی رشتہ ظاہر ہوتا ہے) جیسے ابو طالب، ابن ہشام؛ نسبت جیسے لاہوری، قنوجی؛ خطاب، جیسے خان، مرزا وغیرہ اور تخلص جو معمولی اسم یا عربی فارسی صفت ہوتا ہے، مگر ہندی نہیں ہوتا —

جیسے مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ مسلمان اولیا اور پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے ناموں کے ساتھ ان کے دیوتاؤں کے نام آتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے نام یہ ہوتے ہیں، محمد، علی، ابراہیم، حسن، حسین وغیرہ اور ہندوؤں کے، ہرنراین، رام لکشمن، گوپی ناتھ، گوکل ناتھ، کاشی ناتھ*

جس طرح مسلمانوں کے معزز نام عبدالعلی، غلام محمد، علی مردان وغیرہ ہیں، اسی طرح ہندوؤں کے ہاں شیو داس، کرشن داس، مہو داس، سور داس وغیرہ ہوتے ہیں —

ہندو نہ صرف اپنے دیوتاؤں ہی کے بندے ہوتے ہیں بلکہ اپنے دریاؤں، پودوں اور مقدس شہروں کے بھی۔ مثلاً گنگا داس، تلسی داس، آگرا داس، کاسی داس، متھرا داس، دوارکاداس۔ مسلمانوں میں محبوب علی، محبوب حسین وغیرہ ہیں تو ہندوؤں میں شری لال، ہر بنسی لال وغیرہ —

اسی طرح مسلمانوں میں عطاء اللہ، علی بخش ہیں تو

* یہ آخری تین نام سری کرشن کے ہیں

ہندوؤں میں بھگوان دت ' رام پرشاد ' شیو پرشاد اور کالی پرشاد - بعض اوقات ہندوؤں کے نام مخلوط ہوتے ہیں یعنے ہندی فارسی سے ملے جلے ' جیسے گنگا بخش وغیرہ -

برہمنوں کے ناموں کے ساتھہ بطور اعزاز کے چوبے ' تواری ' دوبے ' پانڈے کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ؛ چھتریوں ' راجپوتوں اور سکھوں کے ناموں کے ساتھہ ٹھاکر ' راے اور سنگھ ؛ ویشوں کے ساتھہ ساہ یا سیٹھہ : اہل علم کے ناموں کے ساتھہ پنڈت اور سین ؛ طبیبوں کے ساتھہ مسر (مصر)* — ہندو فقیر گرو ' بھگت ' گوسائیں یا سائیں کہلاتے ہیں اور سکھہ فقیر بھائی † —

ہندوؤں کی تقلید میں ہندی مسلمانوں کی بھی چار ذاتیں ہوگئی ہیں ؛ سید ' شیخ ' مغل اور پٹھان - سید آنحضرت محمد کی اولاد ہیں ' شیخ عربی النسل ہیں ' لیکن یہ لفظ نو مسلموں کے ناموں کے ساتھہ بھی استعمال ہوتا ہے ' مغل ایرانی نسل کے لوگ ہیں اور پٹھان افغان ہیں —

سید میر کہلاتے ہیں ؛ شیخوں کا کوئی خاص لقب نہیں ؛ مغلوں کے ناموں کے ساتھہ شروع میں مرزا ‡ یا آخر میں بیگ

---

* مسلمان طبیب حکیم کہلاتے ہیں —

† ہندوستانی کے شعرا میں بھائی گور داس اور بھائی نند لال کے نام کے آتے ہیں -

‡ ایران میں یہ لفظ امرا کے کے بیٹوں یا شہزادوں کے نام کے آخر میں آتا ہے نام کے شروع میں ہر عام آدمی یا منشی اور پڑھے لکھے شخص سے مراد ہوتی ہے —

نیز آغا اور خواجہ کے لقب بھی آتے ھیں - پٹھان خان کہلاتے ھیں - مسلمان فقرا کے ساتھہ شاہ ' صوفی یا پیر کے القاب استعمال ھوتے ھیں - ان کے علما مُلّا یا مولا کہلاتے ھیں - خواتین کے ساتھہ خانم ' بیگم ' خاتون ' صاحبہ' صاحب ' بی یا بی بی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں —

شری اور دیو ھندوؤں کے اعزازی القاب ھیں ' پہلے کے معنے ولی کے اور دوسرے کے معنے خدا کے ھیں ' شری نام کے اول آتا ھے اور دیو آخر میں - یہ القاب شہروں ' پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ کے ناموں کے ساتھہ بھی آتے ھیں * - اگلے وقتوں میں گال (Gaul) بھی شہروں ' پہاڑوں ' جنگلوں وغیرہ کے ساتھہ دیوس یا دیو کا لفظ استعمال کرتے تھے - یہ ھندی رسم تھی جو وھاں پہنچی تھی اور گنگا کے کنارے سے میوز (Muse) ' مارن اور سین کے ساحلوں پر منتقل ھو گئی تھی - ھمارے زمانے میں روسی اب تک اپنے ملک کو مقدس روس (Holy Russia) کہتے ھیں - ھندوستان کے مسلمان بادشاہ اب تک اپنے ریاستوں کے مشہور یا درباری شعرا کو سید الشعرا یا ملک الشعرا کے اسلامی خطابات یا کبیشر ' برکوی وغیرہ

* ایسی صورت میں مسلمان حضرت کا لفظ استعمال کرتے ھیں - جیسے حضرت دھلی ' حضرت آگرہ - (خسرو نے دھلی کی تعریف میں کہا ھے :
حضرت دھلی کنفِ دین و داد جنت عدن است کہ آباد باد
(مترجم)

کے ھندو خطابات عطا کرتے ھیں—

جو ھندو اُردو میں شاعری کرتے تھے مسلمانوں کی طرح اُن کے بھی تخلص ھوتے تھے، اور چونکہ یہ تخلص عموماً فارسی ھوتے ھیں اس لیے کہ فارسی ھندوستان کے مسلمانوں کی علمی زبان ھے، دونوں مذھب والے ایک سے ھی تخلص کرتے تھے، اس وجہ سے تخلص دیکھہ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شاعر مسلمان ھے یا ھندو—

ان مصنفین میں کچھہ ایسے ھندو بھی ھیں جو مسلمان ھوگئے ھیں، لیکن کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے ھندو مذھب اختیار کرلیا ھو۔ البتہ سکھوں کے فرقے میں (جو انتہائی اصلاح کا فرقہ تھا) بعض مسلمان شریک ھوگئے تھے، سکھہ ایسے مسلمانوں کو مذھبی کہتے ھیں۔ حقیقت یہ ھے کہ اسلام سے ھندو مذھب کی طرف جانا ایک قسم کا تنزل ھے، مگر ھندو کا مسلمان ھوجانا ایک طرح کی ترقی ھے، کیونکہ توحید اور عاقبت پر یقین رکھنا اسلام کے اصل عقائد میں سے ھے - علاوہ اس کے ابھی تک ھندوستان کے مسلمانوں میں عقل پرستی نے گھر نہیں کیا ھے، وہ اب بھی اپنے مذھب میں ویسے ھی پرجوش ھیں اور اگرچہ ھندو مذھب کا رنگ ان میں آگیا ھے، تو بھی وہ روزانہ ھندوؤں کو مسلمان بناتے رھتے ھیں- یہی وجہ ھے کہ ھم دیکھتے ھیں کہ ھندو شاعر جو مسلمان

ہو گئے ہیں ، ترک دنیا کر کے اپنی نظموں میں توحید کے گیت گاتے ہیں - ان میں سے چند کے نام یہ ہیں مضطر (لالہ کندور سین) ، جس نے ایک بڑی اچھی نظم میں " شہادت حسین " کا واقعہ لکھا ہے - ایسے دس بارہ اور شاعر ہیں جن کا ذکر تذکروں میں آیا ہے —

ہندوستانی کے مصنفین میں بعض ایسے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو عیسائی ہو گئے ہیں ، نیز بعض مسلمان بھی ہیں (بہت شاذ و نادر) جنھوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے - ایک اُردو کے شاعر کی نسبت جس کا تخلص شوکت ہے ، شیفتہ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں " کہتے ہیں کہ شوکت بنارس میں ایک یورپین کا بہت بڑا دوست تھا اور اُسی کی ترغیب سے اس نے اسلام ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا (خدا ہمیں ایسی آفت سے پناہ میں رکھے) چنانچہ اس نے اپنا نام بھی منیف علی سے بدل کر منیف مسیح رکھ لیا ہے -

ایسی حالت میں نام کی تبدیلی اکثر و بیشتر حالت میں ضروری ہوتی ہے - ہندوستانی زبان کے ایک اور شاعر نے جو عیسائی ہو گیا تھا اپنا نام فیض محمد سے فیض مسیح بدل دیا —

مگر ہندوؤں کی حالت دوسری ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ ابتدا میں جو ہندو عیسائی ہوے ان کی تقلید میں بعد کے ہندوؤں نے باوجود مذہب بدلنے کے اپنے اصلی نام وہی رہنے دیے ' حالانکہ ان ناموں سے غیر مذہب کی بو آتی ہے - مثلاً ہمارے ہم عصر مصنفوں میں ایک صاحب بابو شری داس ہیں ' جنھوں نے مسلمان ہونے کے بعد ایک کتاب خدا کی صفات پر لکھی ہے جس کا نام صفات رب العالمین ہے —

اصل تذکروں میں ہندوستانی زبان کے بعض ایسے شاعروں کا بھی ذکر آتا ہے جو ہیں تو یہودی نسل کے ' مگر مسلمان ہو گئے ہیں - مثلاً میرٹھہ کے جمال (علی) جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ' ساتھہ سال ہوے جب وہ حیدرآباد میں تھے ؛ دہلی کے جوان (محب اللہ) ' ڈاکٹر پیشہ اور شاعری میں عشق* کے شاگرد تھے ؛ اور مشتاق جو ایک تذکرے کے مؤلف ہیں —

اکثر پارسی عموماً گجراتی میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھتے ہیں' مگر بعض ایسے بھی ہیں جو ہندوستانی میں لکھتے تھے - چنانچہ بمبئی کے بومن جی دوساجی نے شکنتلا ناٹک ہندوستانی میں لکھا ہے —

انھیں تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی شاعروں میں یورپین عیسائی یا کم سے کم یورپین نسل کے لوگ

---

* یعنی میر عزت اللہ عشق ؛ ملاحظہ ہو مجموعۂ نغز - (چ)

بھی ہیں - مثلاً ، یورپین سمرو * اور مشہور بیگم سمرو ملکۂ سردھنا المخاطب بہ زینت النسا کا بیٹا جس کا تخلص صاحب اور خطاب ظفریاب ہے - یہ دلسوز کا شاگرد تھا - اس کی نظمیں موجود ہیں اور اچھی خاصی ہیں - دھلی میں اس کے ہاں مشاعرے ہوتے تھے جن میں وہاں کے مشہور مشہور شاعر شریک ہوتے تھے - منجملہ ان کے ایک شاعر سرور بھی تھا جس نے ان مشاعروں کا ذکر لکھا ہے - کہتے ہیں کہ خوش خطی میں بھی اسے کمال حاصل تھا (اس فن کی مشرق میں بڑی قدر ہوتی ہے) نیز موسیقی اور نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا - وہ عالم نوجوانی میں سنہ ۱۸۲۷ع میں انتقال کر گیا —

اس کا ایک دوست تھا جس کا عیسائی نام بال تھازر تھا اور تخلص اسیر کرتا تھا ھندوستانی شعر خوب کہتا تھا - سرور کا بیان ہے کہ وہ بھی فرنگی اور نصرانی تھا اور اس کے جو شعر اس نے نمونے کے طور پر دئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جدت پائی جاتی تھی —

اسی زمانے میں سردھنے کے چھوٹے سے دربار میں ایک تیسرا یورپین ھندوستانی شاعر بھی تھا جو فرانسیسی تھا

---

* تذکرہ نویسوں نے اس کو مظفرالدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خاں بہادر خلف شمرو نرانسس لکھا ہے ۔ (ج)

اور لوگ اسے فرانسو کہتے تھے - کہتے ہیں کہ یہ سردھنے کی بیگم کا ایک عہدہ دار آگست یا آگستن کا بیٹا تھا ۔ اس کی نظمیں بہت اچھی ہیں اور وہ بھی صاحب کی طرح دھلی کے مشہور شاعر دلسوز کا شاگرد تھا ــــ

ھمارے زمانے میں بھی ایک انگریز عیسائی کا نام لیا جاتا ھے جو ھندوستانی زبان کا شاعر تھا اور جس کا نام تذکرہ نویس (کریم الدین) نے جرج بنس شور دیا ھے - غالباً یہ نام جارج برنز شور ھے - شور اس کا خاندانی نام معلوم ھوتا ھے اور یہی اس نے اپنا تخلص رکھا ھے -

دو اور انگریز ھندوستانی شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ھے جو دھلی کے رھنے والے تھے - ایک اسٹن ھے ' یہ نام سٹیوٹن یا اسٹیونس کا بگاڑ ھے - یہ سنہ ۱۸۰۰ ع تک زندہ تھا : دوسرا جان تومس یعنے تامس ھے جسے خاں صاحب بھی کہتے تھے - یہ دونوں شاعر غالباً دوغلے تھے -

اسی قسم کے ایک ھندوستانی شاعر سے بھی میں واقف تھا' یعنے ڈائس سومبر (سمرو) جو بیگم سمرو کا لے پالک بیٹا تھا ' اس شخص کا ذکر انگریزی اخباروں میں اکثر آیا ھے ' کیونکہ وہ اپنے حقوق کے لیے برابر لڑتا رھا - ڈائس سمرو ھندوستانی شعر بلا تکلف کہتا تھا اور پڑھتا خوب تھا ــــ

ایک اور ھندوستانی شاعر کا بھی ذکر آیا ھے جو حبشی

اور اس کا نام سیدی * حمید (حامد ؟) بسمل تھا - یہ نام ان ممتاز حبشیوں کی فہرست میں اضافہ کرنا چاہئے جس کی فہرست بشپ گری گرنے ادبیات حبشیاں [Literature des Negres] میں دی ہے- اس صدی (انیسویں) کی ابتدا میں ایک حبشی شاعر پٹنے میں رہتا تھا † معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام تھا —

ہندی کے تقریباً تمام مصنفین ہندوؤں کے اصلاحی فرقوں یعنے جینیوں، کبیر پنتھیوں، سکھوں، ویشنویوں سے تعلق رکھتےھیں؛ ان فرقوں کے بزرگ، مشہور سے مشہور اور نیز غیر معروف سب ہندی کے شاعر تھے؛ مثلاً، رامانند، ولبھا، دریا داس، جے دیو (سنسکرت کی مشہور نظم گیتا گوبند کا مصنف)، دادو، بیر بھان بابا لال، رام چرن، شیو نراین وغیرہ —

شیوائیوں میں بہت کم ایسے ھیں جنھوں نے ہندی میں کچھہ لکھا ھے - ان میں سے اکثر قدیم زبان اور قدیم مذھب کے تابع رہے —

اب رہے مسلمان، مذہبی حیثیت سے ہندوستان میں ان کے دو فرقے ھیں، سنی اور شیعہ - سنیوں کو اکثر رومن کیتھلک عیسائیوں سے اور شیعوں کو پراتسٹنٹوں سے تشبیہہ دی

---

* یہ لفظ اصل میں سیدی ھے اور ھندوستانی میں حبشی نسل کے لوگوں کے نام کے ساتھہ آتا ھے —

† دیکھو اسپرنگر، بیان عشق (فہرست جلد ۱، صفحہ ۲۱۵)

جاتی ہے، اس لیے کہ شیعہ سنت یعنی ان احادیث کو جو آنحضرت (صلعم) کے عمل کے متعلق ہیں نہیں مانتے (حالانکہ ان احادیث کو جو آنحضرت کے اقوال ہیں مانتے ہیں) - مگر چارڈن جو پراتسٹنٹ تھا، اس کے بالکل خلاف کہتا ہے، اس کی وجہ شاید وہ رسوم ہیں جو شیعوں کے ہاں پائی جاتی ہیں —

ان کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جس کے پیرو بانیء فرقہ کے نام پر سید احمدی کہلاتے ہیں - یہ ہندوستان کے وہابی ہیں اور وہابی ہی کہلاتے ہیں - بہت سے ہندوستانی زبان کے مصنفین اسی فرقے کے ہیں؛ مثلاً حاجی عبداللہ، حاجی اسمعیل وغیرہ جن کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ ہندوستانی زبان کے مصنفوں میں بہت سے مسلمان صوفی بھی پائے جاتے ہیں، جن میں سے اکثر اولیا اللہ سمجھے جاتے ہیں؛ فقیر شعرا بھی ہیں، نہ صرف فقرا بلکہ حقیقی گداگر جو بازار میں اپنی نظمیں بیچتے پھرتے ہیں —

دہلی کے مرزا مکرم اور میاں کمترین معروف بہ پیر خاں* ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جو اردوے معلیٰ † میں اپنی

---

* ان کا انتقال ۱۱۶۸ھ (۵۵ - ۱۷۵۴ ع) میں ہوا - اب رہا خان کا معزز خطاب، تو یہ ہندوستان میں ہر پٹھان اور افغان کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے، ہمارا شاعر پٹھان تھا —

† اس سے مطلب دہلی کا بڑا بازار ہے —

غزلوں کے پرچے دو دو پیسے کو بیچتے تھے - ان کے اگر شاعروں کے ساتھ ساتھ پیشہ ور شاعر بھی ہیں یعنی وہ صاحب علم جن کا کام صرف شاعری ہے اور اسی میں لگے رہتے ہیں —

حالت یہ ہے کہ ہر طبقے میں بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرقوں میں بھی شاعر موجود ہیں ۔ پھر بہت سے بادشاہ شاعر بھی ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے : " کلام الملوک ملوک الکلام "* علاوہ گولکنڈہ کے تین بادشاہوں کے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے ، اور بھی کئی بادشاہ شاعر ہوئے ہیں : بیجاپور کا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ، میسور کا بدنصیب بادشاہ ٹیپو ؛ مغل بادشاہوں میں شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ثانی ، اودھ کے نوابوں اور بادشاہوں میں آصف الدولہ ، غازی الدین حیدر اور واجد علی شاہ —

اسی طرح ہم ہندوستانی زبان کے شاعروں میں عورتوں کی شق الگ قائم کرسکتے ہیں - ان میں سے اکثر کا ذکر میں نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے † اس مضمون میں جن کا ذکر میں نہیں کرسکا وہ یہ ہیں ، شاہزادی خالہ ، یہ تخلص انھوں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے نواب عماد الملک (فرخ آباد) کے محل میں اسی نام سے پکاری جاتی

---

* سنہ 1851 ع میں ہندوستانی عدالتوں کے افتتاح پر —

† " ہندوستان کی شاعر عورتیں " - اورینٹ ریویو ، مئی سنہ ۱۸۴۵ ع -

تھیں، لیکن ان کا خطاب بدرالنساء تھا * —

یہاں میں امۃ الفاطمہ بیگم المتخلص بہ صاحب، معروف بہ جی صاحب، یا صاحب جی کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ اردو شاعروں میں خاص کر اپنی غزلوں کی وجہ سے بہت مشہور ہیں - یہ ایک ممتاز شاعر منعم کی شاگرد تھیں منعم † شیفتہ (تذکرہ نویس) نیز اور بہت سے شاعروں کے اُستاد تھے - وہ باری باری سے لکھنؤ اور دلی میں رہتی تھیں - لکھنؤ میں معزاللہ خاں نے ان پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام "قول غمیں" ہے —

ایک اور عورت شاعر، جو باوجود ہندو نام کے غالباً مسلمان، چمپا ہے، یہ نواب حسام الدولہ کے حرم میں تھی - قاسم نے اسے اردو شاعروں میں شمار کیا ہے ‡ —

طوائفوں میں ایک فرح یا فرح بخش ہے جو ہندوستانی میں شعر کہتی تھی - شیفتہ نے ایک اور طوائف ضیا $ کا بھی حال لکھا ہے، عشقی نے ایک تیسری کلچن نامی کا بھی ذکر کیا ہے - ایک چوتھی طوائف ہندوستانی شاعر ہونے کے لحاظ سے ان

---

* دیکھو عشقی، جس کا حوالہ سپرنگر نے دیا ہے —

† غالباً مصنف نے سہواً مومن کو منعم لکھ دیا ہے - (چ)

‡ اس نام کی کسی شاعر عورت کا ذکر قاسم نے اپنے تذکرے میں نہیں کیا ہے (چ)

$ شیفتہ نے اس تخلص کی کسی شاعرہ کا ذکر نہیں کیا ہے (چ)

سب سے زیادہ مشہور ہے - وہ جان (مہر یار علی جان صاحب) کہلاتی تھی * وہ فرخ آباد کی رہنے والی تھی، مگر زیادہ تر لکھنؤ میں رہتی تھی، جہاں اس کی شاعری کی بڑی شہرت ہوئی - عنفوان شباب ہی میں اُس نے موسیقی اور ادب کا شوق پیدا کیا اور فارسی بھی پڑھی - لیکن ہندوستانی شاعری کی وہ دلدادہ تھی - کریم (تذکرہ نویس) اُسے اپنا اُستاد سمجھتا ہے اور شعر میں اس سے مشورہ کرتا تھا - اس کا کلام لکھنؤ میں سنہ ۲۹۲; ھ (۱۸۴۶ ع) میں شایع ہوا جو زنانہ بولی میں ہے، اس وقت اس کی عمر ۳۶ سال کی تھی - اس کے کلام کی بہت شہرت ہوئی —

یہاں ایک ہندو شاعرہ کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - اس کا نام رام جی تھا جس کا تخلص نزاکت تھا اور نارنول کی رہنے والی تھی، اس کے غیر معمولی حسن اور غیر معمولی ذہانت کی تذکروں میں بے حد تعریف ہے - یہ سنہ ۱۸۴۸ ع تک زندہ تھی - تصویر اور ثریا بھی شاعر عورتیں ہیں جن کا حال ہمیں باطن اور کریم کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے - ایک عورت یاس تخلص ہے، نام میاں بانو اور رہنے والی حیدرآباد کی تھی - فیض دہلوی کی شاگرد ہے اور پندنامہ

---

* مصنف کو نام اور کلام سے دھوکا ہوا ہے - یہ عورت نہیں مرد ہیں اور اردو کے مشہور شاعر ہیں جو عورتوں کی زبان میں شعر کہتے تھے — (عبدالحق)

عطار کی مترجم ھے —

اس مضمون کی ایک اور اھم تقسیم سنہ واری ھوسکتی ھے، لیکن بعض اوقات یہ بہت مشکل ھوتی ھے، خصوصاً قدیم شعرا کے معاملے میں کیونکہ ان کے حالات نہیں ملتے - اس تقسیم کے روسے ھمیں سب سے پہلے ھندو شاعر * ملتے ھیں اور گیارھویں صدی سے † مسلمان شاعر مسعود سعد، جس پر نے تھیوفیل بلاند نے ایشیاٹک جنرل سنہ ۱۸۵۳ ع میں دلچسپ مضمون لکھا ھے - بارھویں صدی میں چند ھے جو راجپوتوں کا ھومر کہلاتا ھے، اور پیپا، جس کی نظمیں سکھوں کے ادی گرنتھ میں ھیں - تیرھویں صدی ‡ میں سعدی ھے جسے (جیسا کہ ھم پہلے دیکھ چکے ھیں) اُردو زبان میں شعر کہنے سے عار نہ تھا اور بجو باورا بھی اسی زمانے میں ھوا ھے - اور چودھویں صدی میں خسرو دھلوی اور نوری حیدر آبادی$ھیں - ان کے علاوہ ھندوستانی کے اور بہت سے مصنف ھیں جو

---

* اکثر ھندی کے شاعروں کے صحیح سنہ و تاریخ کا ملنا بہت مشکل ھے- میں ایک سنسکرت کے شاعر امرستکا کا نام لے سکتا ھوں جس نے ھندی میں بھی شعر کہے ھیں، یہ نویں صدی کا شخص ھے - دیکھو میری تاریخ جلد دوم، صفحہ ۴۳ -

† سنہ ۱۰۸۰ کے قریب -

‡ سنہ ۱۲۰۵ کے قریب - یہاں بھی مصنف کو دھوکا ھوا ھے - یہ سعدی شیرازی نہیں تھے - (عبدالحق)

$ نوری حیدر آبادی ۱۷ ویں صدی عیسوی کے آخر کا شاعر ھے (چ)

انھیں صدیوں میں یا اس سے قبل ہوے ہیں - سنٹرل انڈیا کے کتب خانوں میں بلا شبہ بعض نا معلوم قدیم ہندی تصانیف محفوظ ہیں - بہر حال ایسے بہت سے ہندی گیت موجود ہیں جو لوگوں میں عام طور سے مقبول ہیں اور جن سے ہندوستان کی زبان کا ارتقا قدیم ترین زمانوں سے معلوم ہوتا ہے —

پندرھویں صدی میں جدید فرقوں کے پہلے بانی نظر آتے ہیں جنھوں نے مذہبی اور اخلاقی اغراض کے لئے ہندی میں بھجن اور شعر لکھنے شروع کئے - ان میں ایک کبیر ہیں جو سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں کیونکہ انھوں نے سنسکرت کے استعمال کے خلاف سب سے زیادہ کوشش کی ' اُن کے چیلوں میں سرت گوپال داس' سکھ ندھان * کا مؤلف اور دھرم داس مؤلف امر مل † ' نانک اور بھگوداس بہت مشہور ہیں اور میں اُن کے متعلق دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھ چکا ہوں ‡ اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا ' لالچ بگھوت کا مؤلف ہے جس نے یہ کتاب مغربی ہندوستانی میں لکھی ہے —

سولھویں صدی کے ہندوؤں میں ایک سکھ دیو ہیں جن کے متعلق پریاداس (تذکرہ نویس) نے ایک خاص مضمون

* اس کتاب کے حالات کے لیے میری تاریخ کی جلد اول میں میرا مضمون کبیر پر دیکھو -

† دیکھو میری تاریخ اور " ہندی زبان کے مبادی "کا دیباچہ صفحہ ۶ -

‡ دیکھو میری تاریخ اور " ہندی زبان کے مبادی " کا دیباچہ -

لکھا ھے - نابھاجی ' جس نے نظم میں تذکرہ لکھا ھے جو بھگت مالا کا بہت بڑا ماخذ ھے - ولبھا اور دادو دونوں ایک ایک فرقے کے بانی اور مشہور شاعر ھوے ھیں - بہاری جو ست سئی* کا مشہور مصنف ھے اور گنگا داس مؤلف صنایع و بدایع وغیرہ -

شمالی ھند کے مصنفین میں ابو الفضل' شہنشاہ اکبر کے وزیر اور بایزید انصاری سردار فرقۂ روشنائی یا جلالی ھیں - دکن† کے مصنفین میں ' افضل (محمد) جس کی نسبت کمال اپنے تذکرے میں لکھتا ھے " اس کے کلام میں صفائی نہیں ھے اس لئے کہ اُس کے زمانے میں ریختے کی شاعری زیادہ مقبول نہیں ھوئی تھی اور دکنی میں لکھنے پر مجبور تھا " - محمد قلی قطب شاہ ' بادشاہ گولکنڈہ جس کا عہد حکومت ۱۵۸۲ سے ۱۶۱۱ تک رہا اور اس کا جانشین عبد اللہ قطب شاہ دونوں ھندوستانی ادب کی خاص کر بڑی سرپرستی کرتے تھے —

سترھویں صدی میں (جب کہ تھیٹ اُردو شاعری کا ذوق صحیح اصول و قواعد کے ساتھ خاص کر دکن میں پیدا ھوا)

---

* ان اشخاص کے حالات کے لئے مذکورۂ بالا کتابیں دیکھو [برحاشیۂ صفحہ ۱۳۱] -

† کمال نے قایم کے حوالہ سے لکھا ھے - لیکن اس کا ایک انتخابی شعر جو درج کیا ھے وہ قایم نے عبد اللہ قطب شاہ سے منسوب کیا ھے - قایم افضل کو " از سکان دیار مشرق " لکھتا ھے اور کمال " از سکان قصبۂ جنجھانہ " ایسی صورت میں اس کے وطن کے متعلق مولف نے غلطی کی ھے - نیز کمال نے اس سے دوسرے کا شعر منسوب کر دیا ھے (چ)—

هندو شعرا میں سے میں صرف تین هی کا نام لوں گا - یعنے سورداس ' تلسی داس اور کیشو داس ' جو اس زمانے کے اهل هند میں بہت مقبول شاعر هیں اور جن کی نسبت یہ مشہور قول هے کہ " سورداس سورج هے ' تلسی داس چاند ' کیشو داس ستارہ ' دوسرے شاعر جگنو هیں جو یہاں وهاں اپنی چمک دکھا جاتے هیں " —

اردو شاعروں میں قابل ذکر یہ هیں : حاتم جن کا ذکر هو چکا هے ' آزاد (فقیر اللہ) جو اگرچہ حیدرآبادی تھے مگر دهلی میں جا بسے تھے اور وهیں انہیں قبولیت حاصل هوئی- جواں (محمد) جو بہت سی مذهبی کتابوں کے مصنف هیں-

دکن کے شاعر یہ هیں : ولی جو باباے ریختہ کہلاتا هے ' شاہ گلشن ولی کا استاد * ' احمد گجراتی ' تانا شاہ جس کا ذکر پہلے هو چکا هے ' شاهی بھاگ نگری اور مرزا ابوالقاسم ' تانا شاہ کا عہدہ دار ' عوری یا ابن نشاطی † ' پھول بن کا مصنف ' غواص یا غواصی ' مصنف طوطی نامہ ' محقق ' دکن کا ایک نہایت قدیم شاعر جس نے ایسے ریختے میں شعر کہے هیں جو

* شاہ گلشن برهان پوری تھے - دهلی میں جا بسے تھے ' ولی ' ان سے اس وقت ملا تھا جب کہ اس کی شاعری میں پختگی آ چکی تھی - مولف کو غالباً اس وجہ سے دهوکا هوا هے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے یہ لکھا هے کہ شاہ صاحب نے ولی کو فارسی مضامین کو اردو میں منتقل کرنے کی هدایت کی تھی (چ) -

† یہ دونوں ایک هی شخص کے نام هیں - [ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری تھا - گذشتہ اوراق میں کہیں هم نے اس کو واضح کیا هے (چ)] -

ھندوستانی سے ملتا جلتا ھے ' رسمی * ' خاور نامے کا مصنف '
اس نظم کی تفصیل میں اپنی کتاب میں دے چکا ھوں '
عزیز (محمد) وغیرہ —

اٹھارھویں صدی کے ایسے ھندوستانی شعرا کے ذکر میں زیادہ وقت صرف ھوگا جنھوں نے اپنے ھم عصروں میں نام پایا ھے - ھندی مصنفین میں ھم صرف ان کا ذکر کریں گے : گنپتی' ایک رسالہ کا مصنف ھے جس میں ھندوؤں کی مختلف فلسفیانہ تعلیمات کا بیان ھے ' بیر بھان ' سادھوؤں کے ایک مشہور فرقے کا بانی اور معروف مذھبی نظموں کا مصنف † ' رام چرن ایک فرقے کا بانی جو اس کے نام سے مشہور ھے ' اور مذھبی نظموں کا مصنف † شیو نرائن ' یہ بھی ایک فرقے کا بانی اور ھندی نظم کی گیارہ کتابوں کا مصنف ھوا ھے - ان نظموں کی ایک خصوصیت یہ ھے کہ ابتدا میں بجائے "شری گنیشیا نما" کے "سلتا سرن" (اولیا کے محافظ) کے الفاظ سے شروع کرتا ھے —

اردو مصنفین میں صرف چند کا ذکر کروں گا : سودا ‡ ' میر اور حسن گذشتہ صدی (اٹھارویں) کے تین نہایت مشہور شاعر گذرے ھیں ' جرأت ' آرزو ' درد ' یقین ' فغاں ' امجد دھلوی ' امین الدین بنارسی ' عاشق غازی پوری - دکنی شعرا

* یہ نام اصل میں رستمی ھے (دیکھو فہرست قلمی کتب' انڈیا آفس (عبد الحق)
† دیکھو ھندوستانی ادبیات کی تاریخ اور ھندوی مبادی کا دیباچہ -
‡ سودا ملک الشعراے ریختہ کہلاتا ھے -

میں ایک حیدر شاہ مرثیہ گو ہے، علاوہ مرثیوں کے اس کے مخمس بھی یادگار ہیں، اس میں اس نے ولی سے ترقی کی ہے۔ ابجدی ایک اور دکنی شاعر ہے جو قابل ذکر ہے اس نے ایک چھوٹی سی منظوم انسائکلوپیڈیا * لکھی ہے جس کا ہر باب مختلف بحر میں ہے اور ہر بحر کا نام باب کے شروع میں بتا دیا ہے۔ سراج اورنگ آبادی نے تقریباً سنہ ۱۷۵۴ع † میں وفات پائی۔ عزلت سورتی بھی دکن کے مشہور شعرا میں سے تھا۔ اس کا انتقال ۱۱۶۵ (۱۷۵۲ ع) میں ہوا ‡ —

انیسویں صدی کے نہایت ممتاز مصنفین یہ ہیں - هندی میں: بھگت ور، جس نے جینیوں کے عقائد و تعلیم کو نظم میں لکھا ہے؛ دلہا رام تذکرہ نویس اور اس کا جانشین چتر داس رام سنیہیوں میں خاص عظمت رکھتے ہیں —

اردو میں: صہبائی اور کریم نے مومن دہلوی کا ذکر کیا ہے جو بہت خوشگو اور فصیح شاعر تھا، سنہ ۱۸۵۲ع میں انتقال کیا، ان کا دیوان " بے نظیر " کہا جاتا ہے، نصیر کا انتقال ۱۸۴۲ یا ۱۸۴۳ع میں ہوا اور آتش جس نے سنہ ۱۸۴۷ع میں انتقال کیا، ان دونوں نے دیوان مرتب کئے جو بہت

---

* تحفتہ الصبیان -

† سراج کا سنہ وفات ۱۱۷۷ ھ مطابق ۱۷۶۳ ع ہے (چ)—

‡ عزلت کا سنہ وفات ۱۱۸۹ ہے جو " بےنظیر بودہ " سے نکلتا ہے، اس لحاظ سے عیسوی سنہ ۱۷۷۵ ہوتا ہے (چ) -

متمول ہوے ، مول چند جس نے ملخص شاہ نامے کا نظم میں ترجمہ کیا ہے ، ممنون بھی بہت مشہور شاعر ہوا ہے - ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں جن کا ذکر میں ابتدا میں کر چکا ہوں -

دکنیوں میں صرف کمال حیدر آبادی اور عبدالحق مدراسی کا ذکر کروں گا —

تذکرہ نویسوں نے جس ڈھنگ سے اپنے شاعروں کا ذکر کیا ہے ، اگر ہم اس کا خیال کریں تو ہم آسانی سے ان کی تین تقسیمیں کر سکتے ہیں : وہ شاعر جن کا صرف ذکر آیا ہے ؛ وہ جن کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے ؛ وہ جن کا ذکر زیادہ خصوصیت اور عزت سے کیا گیا ہے - اول صف میں میں ان کو شریک کروں گا جن کے حالات کی کوئی تفصیل نہیں ، بلکہ بعض اوقات صرف نام ، وطن اور نمونے کے چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے - یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف چند ہی غزلیں لکھی ہیں اور صاحب دیوان نہیں ہیں یا جن کی متفرق طویل نظمیں ہیں مگر ان نظموں کے نام معلوم نہیں - دوسری صف میں وہ ہیں جو صاحب دیوان یا صاحب کلیات ہیں ، جس کی تشریح آگے چل کر کی جاے گی - آخر میں تیسری صف ہے جو نظم و نثر دونوں کے مصنف ہیں ، اگر ہندی کے مصنف ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی کتابیں سنسکرت نثر میں ہیں اور اگر اردو یا دکنی کے ہیں تو فارسی عربی نثر میں —

(تصنیفات جن کا ذکر تذکروں میں آیا ہے)

ہندوستانی میں ادب کی مختلف اصناف کا امتیاز صرف الفاظ کی ظاہری شکل سے کیا جاتا ہے معنی کی نسبت الفاظ زیادہ اہم خیال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ غزل ایک مختصر نظم ہے جس میں ایک ہی قافیے کے چھ سے بارہ تک شعر ہوتے ہیں، پہلے دو مصرعوں میں قافیے کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن مضمون کی کوئی خاص پابندی یا پروا نہیں کی جاتی، ممکن ہے کہ سنجیدہ ہو یا سخیف، لیکن اکثر ایک ہی ساتھ عاشقانہ بھی ہوتا ہے اور صوفیانہ بھی۔ غزل پٹرارک اور شیکسپیر کے خاص رنگ کا سانٹ (Sonnet) ہے۔ شیکسپیر نے اس مشہور اطالوی شاعر کے رنگ میں اپنے سانٹ لکھے ہیں جو بہت لطیف ہیں، لیکن ان کا چرچا بہت کم ہے، اس کے ڈراموں نے ان کو مدھم کر دیا ہے۔ قصیدہ بھی بظاہر اسی قسم کی نظم ہوتی ہے، لیکن وہ یا تو مدح میں ہوتی ہے یا ہجو میں یا کسی دوسرے مضمون پر —

مثنوی ایسی نظم ہے جس کا ہر مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے مضمون پر ہو سکتی ہے۔ مختصر بھی ہوتی ہے اور طویل بھی۔ بعض وقت دو تین ہی صفحے کی ہوتی ہے اور بعض وقت ہزار صفحے سے بھی زیادہ کی۔ ہندوستانی شعرا نے مثنوی میں ہر قسم کے مضمون لکھے ہیں؛ قصہ، فسانہ، اخلاق

مذہب، غرض درشت و نرم، سنجیدہ و سخیف ہر طرح کے مضامین آگئے ہیں۔

تین، چار، پانچ، چھہ، سات، آٹھہ، دس مصرعوں والی نظمیں مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، معشر کہلاتی ہیں؛ یہ شکوہ و شکایت، مرثیہ، خوشی کے گیت، مبارک باد یا کسی دوسری قسم کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں۔

بعض نظم کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کے نام سے مضمون کا تعین ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں اسے مضمون سے کچھہ تعلق نہیں ہوتا۔مثلاً ساقی نامہ جو پینے پلانے کی نظم ہونی چاہئے؛ مگر اکثر اس میں دوسری قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ مثلاً حیدر (حیدر بخش) کا ساقی نامہ حضرت علی کی منقبت میں ہے۔

یہی حال ہندی شاعری کا بھی ہے۔ نظم کے نام اور مضمون میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً پد ہر چیز پر ہو سکتا ہے، اسی طرح ٹپا ہولی کے گیتوں میں بھی کام آتا ہے اور شادی بیاہ کے وقت بدھاوے کی نظموں میں بھی۔

مسلمانوں کی چھوٹی نظموں میں تصوف کا رنگ ہوتا ہے جس سے فوراً یہ امتیاز ہو جاتا ہے کہ یہ کس کی لکھی ہوئی ہیں۔ ہندوستانی میں فارسی کی طرح عورتوں کے حسن کو امردوں کی مناسبت اور مشابہت سے بیان کرتے ہیں۔

ہندی زبان میں اس کے خلاف عشق کا اظہار عورت کی

طرف سے ہوتا ہے - اردو میں بھی کبھی کبھی اس کی تقلید کی جاتی ہے اور اس قسم کی نظم کا نام ریختی (ریختہ کا مؤنث) ہے - انشاءاللہ خاں نے اس صدی کی ابتدا میں اس قسم کی نظم کو رواج دیا —

اردو میں بھی شاعری کی وہی اصناف اور بحریں ہیں جو فارسی میں ہیں، البتہ دو تین قسم کی نظمیں ایسی ہیں جو ہندوستانی زبان سے مخصوص ہیں، ان کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا —

شروع شروع میں عربی میں دیوان نظموں کا سادہ مجموعہ ہوتا تھا، جیسے دیوان متنبی، دیوان ابن فرید، دیوان امرءالقیس؛ یہ گویا مشہور شعرا کے کلام کا مجموعہ تھا - لیکن اب عربی میں نیز مسلمانوں کی دوسری مشرقی زبانوں مثلاً ہندوستانی، پشتو، فارسی اور ترکی میں غزلوں کے ایسے مجموعے سے مراد ہے جو قافیے کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف ابجد مرتب کیا گیا ہے- جب دوسری قسم کی اور نظمیں شامل کرلی جاتی ہیں تو وہ کلیات کہلاتا ہے، یعنے دیوان اور دیوانوں اور اسی شاعر کی بہت سی اور نظموں کا مجموعہ - یہ دونوں لفظ یعنے دیوان اور کلیات ایک ہی شاعر کے کلام کے متعلق استعمال ہوتے ہیں - دھروں، کبتوں اور اشلوکوں کے مجموعے کو جو عموماً دیونا گری میں لکھے ہوتے ہیں یہ نام نہیں

دیے جاتے —

سوائے بعض بعض حالتوں کے دیوانوں اور کلیاتوں کے خاص نام نہیں ہوتے - مثلاً دیوان اختر (واجد علی شاہ) بادشاہ اودہ کے دیوان کا نام فیض بنیان* اور جوش (احمد حسن) کے دیوان کا نام گلدستۂ سخن ہے؛ رند کے دو دیوانوں کے نام نظم مبارک اور نظم گوہریں ہیں' اور کلیات طپش گلزار مضامین سے موسوم ہے —

ان چھوٹی نظموں میں جن کے مجموعے دیوان کہلاتے ہیں؛ اکثر و بیشتر صوفیانہ عاشقانہ مضامین ملے جلے ہوتے ہیں' کیونکہ مسلمان' جن کی تعداد شعرا میں زیادہ ہے' حسنِ ازلی اور مخلوق کے حسن کو گڈمڈ کر دیتے ہیں جو ہماری نظروں میں خلاف تقدس ہے - وہ خدا کا جلوہ عورت یا مرد میں دیکھتے ہیں اور اس لئے کبھی کبھی خالص روحانی اشعار کے ساتھ عیاشانہ بلکہ فحش† شعر بھی آجاتے ہیں - یورپین اور عیسائی خیالات کی نظر سے اس خاص قسم کی نظموں کا اندازہ ان ترجموں سے ہو سکتا ہے جو میں نے دیوان

---

* اس دیوان میں جو لکھنؤ میں ۱۲۵۹ ھ (۴۴ - ۱۸۴۳) میں طبع ہوا' ہر غزل کے سرے پر بحر کا نام بھی لکھ دیا ہے' یہ عربی بحور کے مطالعے کے لئے بہت کار آمد ہے -

† اس سے میری مراد ان فحش نظموں سے نہیں جو عام طور پر فحش مانی جاتی ہیں - مثلاً چرکین کی نظمیں' جس کے نام ہی سے غلاظت ٹپکتی ہے -

ولی کے بعض حصوں کا کیا ہے ، یا بہت سے غزلوں کے ترجمے جو میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں دیے ہیں یا عام مقبول گیت جن کا ترجمہ میں نے رسالۂ Revue Contemporaine جلد ۱۵ صفحہ ۵۹۲ پر دیا ہے بہت ہی پاکیزہ ہیں اور میری رائے میں بعض اوقات پنڈار (Pindar) اور کبھی اناکرون (Anacreon) یا حافظ کی غزلوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ ترکی شاعر حقی کی غزلوں سے کہیں بہتر ہیں —

ان مجموعوں کا بڑا نقص یکسانی ہے - ایک ہی سے خیالات ہیں جو بار بار اسی طرز اور اسی قسم کے جملوں میں دہرائے جاتے ہیں —

بھرتی کے شعر بہت زیادہ ہوتے ہیں ، معلوم ہوتا ہے بٹلر نے یہ شعر مشرقی شاعروں ہی کے لئے لکھا تھا —

" جو لوگ اب تک نظم مقفیٰ لکھتے ہیں
وہ ایک مصرع کی خاطر دوسرا مصرع کہتے ہیں "

سوائے ان چند مشہور دیوانوں کے جو قبولیت اور شہرت حاصل کر چکے ہیں ، دوسرے دیوانوں کا پڑھنا وبال جان ہے -

ان غزلوں میں ایہام کا ایک اور عیب ہے ، اسے اہل مشرق بڑی خوبی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے جو ریات (Yriate) نے بندر اور بازیگر کی کہانی میں بتایا ہے " Sin Clarid adno hai obra buena "

ہندوستانی دیوانوں میں ولی کا دیوان بہت مشہور ہے تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممالک مغربی و شمالی میں بہت کم پڑھا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ دکنی بولی میں ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا طرز پرانا ہے - سودا ، میر ، درد ، جرأت اور یقین کے کلام کا یہ حال نہیں جو اس کے مقابلے میں زیادہ جدید ہیں اور اب تک مقبول ہیں —

ہمارے ہم عصر شاعروں میں آتش ، ذوق ، نوید اور نظیر کے دیوان زیادہ قابل لحاظ ہیں —

ان دیوانوں کے ابتدا اور آخر میں جو نظمیں ہیں وہ مختلف قسم کی ہیں - میں ان کے متعلق اپنی تاریخ ادبیات نیز ایک علحدہ مضمون میں لکھہ چکا ہوں - تکرار سے بچنے کے لئے میں صرف ان چند کا ذکر کروں گا جن کے متعلق میں نے پہلے کچھہ نہیں لکھا —

اول فرد ہے ، اس کے نام ہی سے اس کے معنے ظاہر ہیں یعنی علحدہ شعر، یہ دو مصرعوں کی ایک بیت ہے - دیوان کے آخر میں اکثر بہت سے فرد ہوتے ہیں جو "فردیات" کے عنوان کے تحت میں لکھہ دے جاتے ہیں* —

* صفحہ ۱۴۴ سے ۱۴۷ (مثنویوں کے ذکر تک) کا حصہ لکچر میں موجود نہیں - بعد میں جب یہ خطبہ کتابی شکل میں شایع ہوا تو یہ حصہ اضافہ کیا گیا - (مترجم)

نوحے (سوز) ایک ھی شخص پڑھتا ھے، اسے بازو کہتے ھیں، لیکن ٹیپ کے مصرعوں کو جو دھراتے ھیں وہ جواب کہلاتے ھیں —

عیدی وہ ھے جو ھندو مسلمانوں کے تہواروں کے لئے لکھی جاتی اور گائی جاتی ھے -

مختصر سی نظم جسے معما کہتے ھیں، اُسے (Logoguple) یا (Lags) سمجھنا چاھئے -

چھوٹی نظمیں جن میں چھوٹی بحر کے شعر ھوتے ھیں، مقطعات * کہلاتی ھیں —

آنحضرت صلعم اور بعض اوقات خلفا اور آئمہ کی تعریف میں نعت کا لفظ ان نظموں کے لئے استعمال ھوتا ھے جو خود لکھی جاتی ھیں اور مسلمان اپنی کتابوں کی ابتدا اس سے کرتے ھیں -

سالگرہ، وہ نظم جو سالگرہ کے موقع پر کہی گئی ھو -

واسوخت (یا سوز) کسی قدر غزل ھی جیسا ھوتا ھے، کیونکہ اس میں بیس تیس بند ھوتے ھیں، اس کے تین شعروں میں سے پہلے دو ھم قافیہ ھوتے ھیں اور تیسرے کے دو مصرعے الگ ھم قافیہ ھوتے ھیں —

میر جعفر زٹلی کی سی نظمیں زٹلیات کہلاتی ھیں جو آدھی فارسی اور آدھی ھندوستانی ھوتی ھیں —

---

* مصنف کو نعت، مقطعات اور زٹلیات کی تعریف میں مغالطہ ھوا ھے (عبدالحق)

آخر میں میں ایک ایسی چیز کا ذکر کرتا ہوں جو صرف ہندوستان ہی سے مخصوص ہے، اسے نسبتیں کہتے ہیں - اس میں کئی جملے ہوتے ہیں جن میں بظاہر باہم کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا اور جس کا جواب سائل سے پوچھنا پڑتا ہے - یہاں میں ایک مثال سید احمد سے لیکر لکھتا ہوں -

سوال : انار کیوں نہ چکھا

سوال : وزیر کیوں نہ رکھا

جواب : دانا نہ تھا -

میں خاص خاص ہندی نظموں کے ناموں کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھ چکا ہوں یہاں میں تھوڑا اضافہ کرنا چاہتا ہوں --

"چوپائی" کے معنی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے رباعی کے ہیں یعنے چار مصرعوں والی نظم - عملاً اس کی تعداد معین نہیں کیونکہ چوپائیاں پانچ کی بھی ہوتی ہیں اور نو کی بھی -

"دوہا" ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں میں بیت؛ لیکن اس کا ہر مصرع کئی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جسے چرن یا پد کہتے ہیں --

"گن" عام نام ایسی نظموں کے لئے ہے جو لے میں پڑھی جاتی ہیں - اور وہ نظمیں جو موسیقی کے طرز پر باقاعدہ گائی جاتی ہیں وہ کرتن کہلاتی ہیں --

سید احمد لکھتے ہیں * کہ مکری میں عورت کے منہ سے ایسا لفظ کہا یا جاتا ہے جس کے دو معنے ہوتے ہیں اور سوال کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کے معنے کچھ اور ہیں —

میں نہیں جانتا کہ کوک شاستر کو تصانیف کی کس صنف میں رکھوں - یہ کتابیں حد درجہ کی عیاشانہ نظمیں ہیں جن میں شہوت انگیز اعمال کی تشریح و تجزیہ ہوتا ہے اور عورتوں کی اخلاقی اور جسمانی تقسیم ان کے صفات و احساسات اور دلربائیوں کے لحاظ سے کی جاتی ہے - مردوں کی تقسیم بھی اسی قسم کی ہوتی ہے - دکن کا علی حسن اور شہاب الدین اور موتی رام اس قسم کے خاص ہندوستانی مصنف ہیں جنھوں نے ان مضامین پر کتابیں لکھی ہیں -

طویل مثنویاں خاص مضامین پر ہوتی ہیں ' مثلاً کوئی تاریخی منظر یا بعض اوقات پوری تاریخ ' اکثر کم و بیش تاریخی یا خیالی فسانے ہوتے ہیں ' لیکن عام طور پر عام پسند قصوں کو شاعر اپنے مذاق کے مطابق گھڑ کر بیان کرتا ہے - ایسے کئی ہندوستانی' ایرانی اور ترکی شاعر ہیں جنھوں نے پانچ پانچ سات سات ایسے قصے نظم کئے ہیں - یہیں سے خمسے اور ہفتے کی بنیاد پڑی جو گویا بڑی بڑی مثنویوں کے دیوان ہیں - زیادہ تر مشہور نظامی اور خسرو کے خمسے اور جامی کا ہفتہ

---

* آثار الصنادید —

ہے ، جو استعارتاً ہفت اورنگ کے نام سے معروف ہے —

اس قسم کے ادب کا جزو اعظم مقبول اور عام پسند قصے ہیں - یہ قصے مشرق کے مشہور عاشقوں کے فسانے ہیں ' مثلاً یوسف و زلیخا ' فرہاد و شیریں' مجنوں لیلیٰ' وامق و عذرا -

علاوہ اس کے بڑے بڑے بہادروں کے قصے ہیں جو ایک قسم کے فسانے بن گئے ہیں ' مثلاً سکندر ' رستم ' حمزہ ' حاتم طائی ' بہرام گور (یہ نام گور خر کے شکار کے شوق میں پڑ گیا) —

ہندوستانی زبان میں ان مسلمانی قصوں کو خوب خوب بیان کیا ہے اور ان میں مقامی رنگ بھی پیدا کردیا ہے جس سے ان کی خوبی میں اضافہ ہوگیا ہے —

بہت سے ایسے قصوں کو ان کے مصنفوں نے ترجمے سے تعبیر کیا ہے ' لیکن یہ ایک قسم کا طرز بیان ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی بنیاد ان فارسی کتابوں پر ہے جو شہرت عام حاصل کر چکی ہیں - یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہندوستانی کے رواج سے قبل خود ہندو لیک زمانے تک فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے - اس وقت بھی شروع شروع میں اس عام اور مشترک زبان (فارسی) میں لکھنے پر وہ معذرت سی کرتے اور اپنی تالیفات کو فارسی تصنیفات سے منسوب کیا کرتے تھے - لیکن ان ادعائی ترجموں کو ذرا غور سے دیکھنے کی زحمت گوارا کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ترجمے تو کیا انھوں نے

تقلید بھی نہیں کی بلکہ وہ جدا کتابیں ہیں، قصہ تو وہی ہے مگر مضمون اور صورت بالکل الگ ہے —

قطع نظر قصوں کے سنجیدہ تالیفات کا بھی یہی حال ہے - مثلاً آرایش محفل جو سجان رائے کی فارسی تصنیف خلاصۃ التواریخ کی اردو نقل سمجھی جاتی ہے اور جس میں ہندوستان کی تاریخ و مقامات کا ذکر ہے، در حقیقت فارسی کتاب کے مضامین کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے -

میں "یوسف زلیخا" کے چھہ مختلف نسخوں سے واقف ہوں - ایک امین * کا جو سنہ ۱۶۰۰ ع میں لکھا گیا † - دوسرا طپش کا جو اس نے بزمانہ قید قید خانے میں لکھا ‡ - تیسرا فدوی لاہوری کا، جس پر اس کے ایک ہم عصر نے بہت کچھہ نکتہ چینی کی ہے$ - چوتھا مجیب کا جو اِس زمانے کا شاعر ہے - پانچواں عاشق (مہدی علی) کا جو عشق نامہ کے نام سے موسوم ہے اور سنہ ۱۸۴۷ ع میں بمبئی میں طبع ہوا —

لیلیٰ مجنوں کی پانچ مختلف مثنویوں کا مجھے علم ہے - تجلی کی ¶، عظیم دہلوی (معروف بہ شاہ جھولن) کی جو

---

* اس کا ایک باب میں نے اپنی کتاب "ہندوستانی کے مبادی" میں نقل کیا ہے اور بعض اجزا کا ترجمہ اپنی تاریخ میں دیا ہے —

† یہ سنہ غلط ہے - بز نامۂ عالمگیر سنہ۱۱۰۹ھ(۱۶۹۷م) میں تصنیف ہوی - عبدالحق

‡ دیکھو تذکرۂ قاسم - دیکھو میری کتاب تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۵۰۲ ؛ [قاسم نے طپش کے ترجمہ کا ذکر نہیں کیا ہے - مصنف کو دھوکا ہوا ہے طپش نے بہار دانش کا ترجمہ کیا ہے - طپش کا قید ہونا کسی تذکرے میں نہیں پایا جاتا (ع)]

$ یہ نکتہ چیں میر فتح علی [شیدا] ہے - اس کی نظم قصۂ بوم و بقال میں فدوی کے باپ کے پیشے کی طرف اشارہ ہے - دیکھو میری تاریخ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ -

¶ دیکھو میری تاریخ (جلد اول) میں اس کا احوال —

شاهنامے کی بحر میں هے ' هوس کی جو اودھ کے ایک نواب آفاق الدولہ کے رشتہ دار هیں جو رضا ' رضی اور رسا کے ناموں سے مشہور رهیں ' ولا کی جو امیر خسرو کی مشہور فارسی مثنوی کی تقلید میں لکھی گئی هے اور ایک اور قدیم نسخہ جس کا ذکر ڈاکٹر سپرنگر نے کیا هے † —

هندوستانی میں بهرام گور کے تین نسخوں سے واقف هوں ایک حیدری کا جس کا نام هفت پیکر هے جو نظامی کی مثنوی کا نام هے ' دوسرا طبعی (ساکن گولکنڈہ) کا جو سنہ ۱۰۸۱ ھ (۱۶۷۱ - ۱۶۷۰ ع) میں لکھا گیا ' تیسرا حقیقت بریلوی کا جس کا سال تصنیف سنہ ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ - ۱۱) اور نام هشت گلزار هے - غالباً یہ نام آٹھویں آسمان کی مناسبت سے رکھا گیا هے ورنہ نظامی کی هفت پیکر اور هاتفی کی هفت منظر کی مناسبت سے هفت گلزار هونا چاهئے تھا وجہ یہ هے کہ ایران کے بادشاہ بهرام گور پسر یزد جرد کا قصہ هے جس کے سات بیویاں تھیں جو سات باغوں میں الگ الگ رهتی تھیں —

هندوستانی میں اسکندر کے قصے کے متعلق مجھے صرف دو مثنویوں کا علم هے ' ایک آگرے کے اعظم کی جو اس زمانے کا شاعر هے ' دوسرے نگہت دهلوی کی جو اس کتاب کی پیروی

---

† دیکھو ان کی فہرست ' دیوان هوس کا ذکر جلد اول صفحہ ۶۱۲ -

میں لکھی گئی ہے —

حاتم کے قصے بھی ہندوستانی اور فارسی میں بہت عام اور مشہور ہیں - حیدری ' سراج اور گوپی ناتھ نے ان قصوں کو لکھا ہے - " شاہ و درویش " کا قصہ بھی ہندوستانی ' فارسی اور ترکی میں کئی مصنفوں نے لکھا ہے - جہاں (بینی نراین) کا لکھا ہوا سب سے زیادہ مشہور ہے —

بعض اور بھی فسانے ہیں جن کا تعلق امیر حمزہ کی داستان سے ہے - ایک تو اشک کی لکھی ہوئی ہے جس کا تفصیلی ذکر میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں کیا ہے اور دوسری غالب لکھنوی کی تالیف ہے ' سنا ہے کی اس کا ترجمہ فارسی میں ہوا ہے اور کلکتے میں چھپی ہے —

حنیف یا بن حنیفہ * (فرزند حضرت علی) کے قصے بھی بعض لوگوں نے لکھے ہیں ہر مصنف نے اپنے مذاق کے مطابق اسے بڑھایا یا گھٹایا ہے - تین نسخوں کا ' جن کے نام بھی مختلف ہیں ' مجھے علم ہے - یعنے آزاد ' سیوک اور واحدی کے —

مشرق میں جو نامور لوگ ہوے ہیں اور جن کی نسبت قصے اور فسانے مشہور ہوگئے ہیں ان میں سے میں ایک اور کا ذکر کروں گا - " ایران کے بادشاہ شاپور کے بیٹے ہرمزد کی تاریخ " ہے ' وہ ہرمزدس فرزند شاپور کے نام سے بھی مشہور

* ان کا ذکر دیکھئے ابن خلکان میں (ترجمۂ سلین جلد۲ ' صفحہ ۵۷۴) —

ہے ' یہ وہی شخص ہے جس نے مانی کے عقائد کی اشاعت میں مدد دی ' اہل مشرق کے خیال کے مطابق مانی بہت بڑا مصور اور شعبدہ باز تھا —

لیکن علاوہ ان قصوں کے جو تمام اسلامی ممالک میں عام اور مشترک ہیں ' ہندوستانی کے شاعروں نے ہندی قصوں کو بھی جو ملک والوں میں مقبول ہیں ' نہیں چھوڑا - مثلاً شکنتلا کا دردناک قصہ ' جو نہ صرف شکنتلا ناٹک کی پیروی میں بلکہ مہابھارت کے بیان کے مطابق بھی ہندوستانی زبان میں تالیف کیا ہے ' میں نے اس قصے کو ہندی سے ترجمہ کیا ہے * - جہاں تک مجھے معلوم ہے اس پر ہندوستانی میں چار مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں - ایک نوازکی جسے سلطان فرخ سیر نے کبیشور (ملک الشراء) کا خطاب عطا فرمایا † ' دوسری جوان (کاظم علی) کی جس کا نام شکنتلا ناٹک ہے جو کلکتے میں سنہ ۱۸۰۱ ع میں چھپی - ڈاکٹر گلکرسٹ نے جو طریقہ رومن حروف میں لکھنے کا اختراع کیا تھا یہ کتاب انہیں حروف میں طبع ہوئی ہے ' تیسری غلام احمد کی جس کا نام "فراموش یاد" ہے ' یہ کلکتے میں سنہ ۱۸۴۹ ع میں چھپی ' اس کا خلاصہ ایشیاٹک جرنل ‡ میں بھی دیا گیا تھا ' چوتھی ایک

* اوریئنٹل ریویو سنہ ۱۸۲۴ ع —

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۲۰۹ —

‡ ایم - سی چینو نائن برٹرینڈ سنہ ۱۸۵۰ ع —

پارسی مصنف کی * —

اسی قسم کا قصہ پدماوتی کا ہے ' جو ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کی مشہور رانی ہوئی ہے وہ لنکا کے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کی شادی چتوڑ کے راجہ رتن سے ہوئی تھی جسے علاءالدین نے ۱۳۰۳ ء میں مغلوب و مفتوح کیا - جائسی کے قول کے مطابق (جس نے اس قصے کو نظم کیا ہے) وہ اپنی رضا و رغبت سے کئی ہزار عورتوں کے ساتھہ چتا میں جل کر مرگئی تاکہ فاتح کے ہاتھوں اُسے ذلت دیکھنی نصیب نہ ہو - جٹ مل نے اسی قصے کو ہندی میں لکھا ہے' لیکن وہ اس قصے کو دوسری ہی طرح بیان کرتا ہے- وہ لکھتا ہے کہ پدماوت چتا میں جل کر نہیں مری بلکہ وہ مسلمان فوج کے سپہ سالار کو جل دے کر نو پالکیوں کے ساتھہ ' تراے کے گھوڑے کی طرح ' ان کے لشکرگاہ میں داخل ہوتی ہے- ان پالکیوں میں راجپوت سپاہی بھرے ہوے تھے جو اچانک نہتے مسلمانوں پر جاپڑے اور ان کا خاتمہ کر دیا —

عشرت اور عبرت† دو شاعر ہوے ہیں جنھوں نے ہندوستانی میں اس بہادر راجپوت رانی کے قصے کو نظم کیا ہے * —

---

* بومن جی ہوساب جی ' جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے —

† مصنف کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے دو الگ الگ نظمیں لکھی ہیں ' حالانکہ نظم ایک ہے اور لکھنے والے دو ہیں " تصنیف دو شاعر " سے اس کا سنہ تصنیف (۱۲۱۱ ھ) نکلتا ہے (عبدالحق) —

کرشن کی دلچسپ تاریخ پر هندوستانی میں کئی کتابیں لکھی گئی هیں، سب سے بہتر لالچ کی هے جو فرانسیسی میں ترجمہ هوگئی هے، بھوپتی اور کرشن داس نے بھی اس مضمون پر بڑی اچھی نظمیں لکھی هیں؛ لیکن سب سے بڑھ کر پریم ساگر هے جو هندی ادب میں بڑا پایہ رکھتی هے - اس کتاب کے متن میں جگہ جگہ نظم بھی آتی هے جس میں پرانے لفظ استعمال کئے گئے هیں، اس کتاب کی نثر اور نظم میں عجیب تضاد نظر آتا هے —

رام چندر جی کی تاریخ صرف والمیکی نے سنسکرت هی میں نہیں لکھی بلکہ بہت سے شاعروں نے هندی میں بھی طبع آزمائی کی هے - ان میں سے ایک تلسی داس هیں، جن کی نظم اگرچہ سنہ ۱۵۸۰ ع سے قبل لکھی گئی هے لیکن اب بھی وہ اهل هند میں والمیکی سے زیادہ مقبول هے - کیشو داس نے رام چندریکا تالیف کی هے، یہ دوسری راماین هے جس کی شرح جھکن لال نے لکھی هے - سورج چند اور بہت سے اور هندی شاعروں نے اس باعظمت هستی کی مدح میں اپنا اپنا کمال دکھایا هے، جیسے گورسیو اور موسیو فوشے کے ترجموں نے یورپ میں روشناس کیا هے —

یہ وہ قصے هیں جن میں تخیل نے تاریخ سے مل کر اپنی صنعت دکھائی هے، ان کے بعد ایسے قصے آتے هیں جن کی بنیاد

محض تخیل پر ہے - میرے خیال میں کا مروپ کا قصہ بھی اسی تحت میں آتا ہے یہ عجیب قصہ ہے اور ہندوستانی نظم و نثر میں بہت سے مصنفوں نے اسے لکھا ہے - نظم میں تحسین الدین ' ضیغم ' آرزو ' حسن اور سراج نے طبع آزمائی کی ہے ؛ نثر میں کندن لال کی کتاب ہے جس کا نام دستور ہمت یا ہمت ہے ' چونکہ یہ فارسی مصنف ہمت نامی کی تالیف کی پیروی میں لکھی گئی ہے اس لئے یہ نام رکھا ہے - کہتے ہیں کہ سند باد کا قصہ جو الف لیلہ میں ہے اور سن بران دین کا قصہ جو میری دی فرانس کی تالیف ہے ان کی اصل یہی ہے - ہندوستان کے فرضی خیالی قصے یہ ہیں : نل دمن ' ہندوستانی میں جو اس پر بے شمار نظمیں لکھی گئی ہیں' انہیں یورپ میں کوئی نہیں جانتا بلکہ وہاں مہا بھارت کی وجہ سے مشہور ہوا ہے - سب سے مشہور ہندی کے نامور شاعر سور داس کی نظم ہے - آخر میں میر علی بنگالی کی تالیف ہے جس کا نام بہار عشق ہے اور دوسری احمد علی کی جو حال میں لکھنؤ میں چھپی ہے —

گل بکاولی کا قصہ بہت ہی دلفریب ہے ' اس میں ہندی تعلیم و عقائد کو قرآن کی تعلیم میں سمویا ہے ' یہ ہندوستان جدید کی بہت بڑی خصوصیت ہے - اس قصے کو ایک تو نہال چند نے لکھا ہے جس میں نثر اور نظم ملی ہوئی ہے' نسیم نے اسے گلزار نسیم کے نام سے منظوم کیا ہے - یہ نسیم آگرہ کالج

میں پروفیسر تھے* - ایک دوسرے شاعر نے 'تحفۂ مجلس سلاطین' کے تاریخی نام جس سے ۱۱۵۱ ھ (۱۷۳۸ - ۱۷۳۹) نکلتا ھے † -

ریحان کی نظم کا نام 'خیابان ریحان' ھے - یہ نظم دوسری نظموں سے زیادہ طویل ھے - اس میں چالیس باب ھیں اور ھر باب کو وہ 'گلشن' سے موسوم کرتا ھے - ڈاکٹر سپرنگر ‡ کو دکھنی زبان کا ایک قلمی نسخہ بھی کتاب خانہ توپ خانہ لکھنؤ میں دستیاب ھوا تھا، جو ۱۰۳۵ ھ (۱۶۲۵ - ۱۶۲۶ ع) کا لکھا ھوا تھا —

ھیر رانجھا، یہ پنجابی قصہ ھے - مقبول نے جو اس زمانے کا شاعر ھے، مخلوط فارسی اُردو نظم و نثر میں لکھا ھے - میں نے اس کا ترجمہ کیا ھے $ - اسی نام کا ایک اور شاعر بھی ھے، یہ اس سے الگ ھے —

سسی پنو، ان کے عشق کا قصہ ھیر اور رانجھے کی طرح مقبول نے نثر میں لکھا ھے اور محبت نے نظم میں اور ھندو § مؤلفین نے فارسی میں —

پھول بن اور اس کے عاشق طالع شاہ کا قصہ بہت سے دکھنی

---

* یہ غلط ھے - (عبدالحق)

† اس نام سے یہ سنہ نہیں نکلتا - اس میں کچھ غلطی ھوگئی ھے (عبدالحق) -

‡ ڈاکٹر سپرنگر فہرست صفحہ ۶۳۳ -

$ ریویو دی اورنیٹ اے دی الجیریا، ستمبر ۱۸۵۷ ع -

§ اندر جیت منشی، جونت برکا ھی وغیرہ -

شاعروں نے لکھا ھے - عوری (ابن نشاطی) * کی مثنوی زیادہ مشہور ھے جس کا علم ھمیں محمد ابراھیم مترجم انوار سہیلی سے ھوا ھے —

گل وصنوبر' میں اس عجیب قصے چھہ کے مختلف نسخوں سے واقف ھوں؛ ایک احمد علی کا جو اس کے خمسے کا جز ھے؛ دوسرا نیم چند † کا نسخہ کا؛ تیسرے کا نام گلشن ھند ھے؛ چوتھا دکنی میں جس کا ایک نسخہ نظام ‡ کے کتب خانے میں ھے؛ پانچواں جو سنہ ۱۸۴۵ع میں لکھنؤ میں طبع ھوا - چھٹی دفعہ کلکتہ میں سنہ ۱۸۴۷ میں جو فارسی § کا ترجمہ ھے -

قصہ چہار درویش' ایک تو امن کا ھے جس کا نام باغ و بہار ھے' (یہ تاریخی نام ھے) اور سول ملٹری عہدہ داروں کے نصاب امتحان میں داخل ھے - اس پر کئی منصفین نے طبع آزمائی کی ھے' منجملہ اُن کے ایک تحسین (عطا حسین) ھے' جس کی کتاب کا نام نو طرز مرصع ھے —

گرو پرم ارتھم کا فسانہ تامل میں زیادہ تر مشہور ھے مگر ھندوستانی میں بھی پایا جاتا ھے جو مدراس میں سنہ ۱۸۴۸ع

* ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری نہیں ھے' گذشتہ اوراق میں دو ایک جگہ ھم نے اس کو واضح کیا ھے (چ) -

† نیم چند کی کتاب کا ترجمہ میں نے اورنٹیل ریویو امریکہ میں شائع کیا -

‡ دیکھو میری تاریخ ادبیات ھندوستانی صفحہ ۲۳ -

§ ممکن ھے کہ یہ نیم چند ھی کی کتاب ھو -

میں طبع ہوا —

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی، یہ دو مشہور قصے کی کتابیں ہیں - دھرم نرائن، للو، سورت اور دوسرے بہت سے ہندی مصنفین نے اس پر طبع آزمائی کی ہے —

"طوطا کہانی" کے متعلق میں صرف اپنی یاد سے لکھتا ہوں - اصل کتاب سنسکرت میں ہے - اور ہندی، اُردو اور دکھنی میں کوئی آٹھ مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا علم مجھے ہے - یہاں میں صرف اُن کے نام گنوائے دیتا ہوں :—

خاور شاہ *، لعل و گوہر اور جناب عشق جس کا میں نے ملخص ترجمہ کیا ہے † اور ماہ منور کی مہر و ماہ جس کا متن میں نے طبع کیا ‡ —

علاوہ ان منظوم فسانوں کے جو مقبول عام قصوں سے لئے گئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے ہیرو غیر معروف ہیں - ہندوستانی میں ایسے قصے بہ کثرت ہیں اور اکثر مشہور ہیں - جن میں چند کا ذکر کرتا ہوں - قصۂ بلند اختر

* علاوہ عاشق کی تالیف کے ایک رسمی [رستمی کو مصنف غلطی سے رسمی اور اس کی مشہور کتاب خاور نامہ کو خاور شاہ لکھتے ہیں (چ)] کی بھی ہے جس کا نہایت عمدہ نسخہ نسخ میں ایسٹ انڈیا کے کتاب خانے میں ہے - اس میں بہت سی عجیب عجیب تصویریں ہیں -

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول ص ۵۷۳ -

‡ علاوہ اخی کے نسخے کے جو میں شایع کر چکا ہوں (اُردو اور دکنی) صالح کا نسخہ اس سے زیادہ قدیم ہے - یہ سنہ ۱۱۳۳ ھ (۱۷۲۰ - ۱۷۲۱) میں لکھا گیا -

جو میر خاں نے لکھا ھے ؛ اخوان شاہ، میں اس کے دو نسخوں سے واقف ھوں، ایک تو چندربدن اور مہیار جس کے کئی نسخوں کا مجھے علم ھے* اور دوسرا دلارام اور دلربا جس کے مؤلفوں میں ایک متی رام ھے ؛ پری رخ و ماہ سیما، جس پر وجیہ نے ایک مثنوی لکھی ھے ؛ فسانۂ عجائب جو سرور کانپوری کی تصنیف ھے اور جو ایسا ھی مقبول ھے جیسا کہ قصۂ چہار درویش —

اس قسم کے قصوں کا مزید ذکر باعث طوالت ھوگا۔ ان کی کیفیت ان ترجموں اور خلاصوں سے معلوم ھو سکتی ھے جو میں نے بعض قصوں کے کیے ھیں۔ عام طور پر پہلے ھیرو اور ھیروإن کا جسمانی اور اخلاقی حال تفصیل سے بیان کیا جاتا ھے۔ اس کے بعد کم و بیش عجیب و غریب یا پیچیدہ واقعات کا ذکر ھوتا ھے جو ان کو پیش آتے ھیں اور جو ھمیشہ ان کی ملاقات کے مانع اور حارج ھوتے ھیں۔ آخر میں ان کی محبت اور وفاداری کا صلہ ملتا ھے۔ بعض اوقات مگر شاذ و نادر انجام الم ناک بھی ھوتا ھے جیسا میر کی مثنوی "شعلۂ عشق" یا "دریاے عشق" میں، یا مجروح کی مثنوی "اعجاز عشق" یا اخی کی مثنوی "مہر و ماہ" میں ھوا ھے —

ھندوستان میں نظم کی ایک اور قسم بھی ھے جو بہت عام ھے،

---

* دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد دوم صفحات ۵۳۲ وغیرہ —

اس میں قدرت کے مناظر کا جو مختلف موسموں یا مختلف مہینوں میں نظر آتے ھیں، بیان ھوتا ھے - اس قسم کی نظموں کو " بارہ ماسہ " کہتے ھیں ' ان میں بعض وقت فطرت کے سمول کا سادہ بیان ھوتا ھے اور کبھی ناٹک کی طرز پر - مثلاً فرض کرو ایک عورت ھے جس کا خاوند سال بھر سے باھر ھے جو موسموں کی تبدیلیوں کے بیان کے ساتھ اپنی تنہائی اور فراق کا دکھڑا بھی ملا دیتی ھے - یہ دلکش بیان جو عورت ہر مہینے اپنے خاوند کو بھیجتی ھے آسانی سے خیال میں آسکتا ھے * - بعض شعرا نے صرف عجائبات قدرت ھی پر نہیں لکھا بلکہ اس قسم کی نظموں میں ھندوستان کے مذھبی اور معاشرتی تہواروں کو بھی نظم کیا ھے ' لیکن ان میں اکثر ھندوؤں کے تیوھار زیادہ ھوتے ھیں - اس قسم کی بہت سی نظمیں ھیں جن کا میں نے ذکر بھی کیا ھے † —

ان کے علاوہ اور بھی خاص قسم کی نظمیں ھوتی ھیں مثلاً ایک نظم ھندوستان کے پھولوں کے بیان میں ھے جس کا نام " پھول چرتر " ھے - مسلمانوں کے ادب میں تصنیف کی ایک اور خاص قسم ھوتی ھے جو ھمارے قصے کے مماثل نہیں بلکہ قصوں کا ایک سلسلہ ھوتا ھے ' یعنی ایک ھی قصے میں بہت سے قصے ملے ھوتے ھیں - یہ ایک عجیب قسم

* دیکھو جرنل ایشاٹک سنہ ۱۸۵۰ ع -

† منجملہ اوروں کے جولن کا بارہ ماسہ ھے' دیکھو میری تاریخ جلد ۲ - ص ۲۷۳ -

کی تصنیف هوتی هے اور اس میں اخلاقی اور بعض اوقات حکیمانہ اور مذهبی شان پائی جاتی هے - مثلاً کشف الاسرار† ' منطق الطیر‡ ' اخوان الصفا وغیرہ جو بہت مشہور هیں - اخوان الصفا اکرم علی کے پاکیزہ ترجمےکی وجہ سے هندوستان میں بہت مقبول هے - اس میں جانور باری باری سے اپنے صفات بیان کرتے هیں - یہ سچ هے کہ خداوند تعالی اکثر همیں جانوروں میں ایسی صفات کے نمونے دکھاتا هے جو انسان کے لئے قابل تقلید هوتی هیں - "گے" جس نے بہت سی کہانیاں لکھی هیں ' اسی مضمون کو ایک نظم میں اس طرح بیان کرتا هے -

" شہد کی مکھی کی شب و روز کی محنت
میری روح کو محنت کی طرف مائل کرتی هے -
کون هے جو محتاط چیونٹی کو دیکھے اور آئندہ
کی احتیاج کی فکر نہ کرے ؟ میرا کتا جو نہایت
قابل اعتبار اور وفادار هے میرے دل میں احسان
مندی کی آگ مشتعل کرتا هے - میں فاختہ سے
وفاداری اور زن و شوهر کی محبت کا سبق سیکھتا

† اس کا مصنف مقدسی هے یہ کتاب طیور اور پھول کے نام چھپی هے -

‡ میں نے یہاں اس کتاب کے مجازی حصے سے بحث نہیں کی اس کے لئے دیکھو " Notices et Extraits des Manuscrit ,, جلد ۹ صفحہ ۳۹۷ اور The Journal de Savant سنہ ۱۸۱۷ ع صفحہ ۶۸۵ اور جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ' جون و اگست سنہ ۱۸۳۸ ع -

ھوں - ھو ایک پرند جو ھوا میں آزادی سے اُڑتا
ھے مجھے والدین کی نگرانی کا سبق دیتا ھے " —

اس قسم کی تالیفات میں سب سے مشہور پنچ تنتر ھے - اصل کتاب سنسکرت میں ھے اور ھندوستانی میں بھی ترجمہ ھو گئی ھے - اس کے بہت سے قصے یورپ کی تمام زبانوں میں مختلف صورتوں میں پہنچ گئے ھیں اور ھمارے ملک (فرانس) میں زندہ جاوید لافان تیں (La Fontaine) کی بدولت اس کے اصل مضامین بہت ھی مقبول ھوے ھیں —

ھندوستانیوں میں اب تک ناٹک کا وھی ذوق موجود ھے جو ان کے بزرگوں میں تھا ؛ لیکن صرف بڑے بڑے موقعوں ھی پر اس کا اظہار ھوتا ھے - تھوڑا ھی عرصہ ھوتا ھے کہ کلکتے کے ایک متمول مسلمان کے گھر میں یوسف زلیخا کا ڈراما ھوا * - محرم کے ایام عشرہ میں بھی امام حسین کے ماتم میں تعزیے کی صورت میں ان اسرار کا اظہار کیا جاتا ھے - ان اسرار میں خاص خاص آنحضرت صلعم اور امام حسن کی وفات اور سب سے بڑھ کر امام حسین کی شہادت ھے - ھندوؤں میں ھولی کے دنوں میں طرح طرح کے سانگ بھرے جاتے ھیں - ان میں وہ فی البدیہہ بھی کچھ کچھ کہتے ھیں ' لیکن عموماً اس میں بہت بد مذاقی اور فحش پایا جاتا ھے - لیکن تاھم

---

* ایم اے گروٹ صدر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا خانگی خط —

بعض اوقات وهی مضامین بیان کئے جاتے هیں جو قدیم سنسکرت کے ناٹکون میں هیں - راگ ساگر میں اس قسم کے ناٹکوں کی مثال میں هنومان ناٹک کا نام دیا هے ' یه ایک سنسکرت کے ناٹک کی نقل هے جس کا ترجمه ولسن نے کیا هے —

میں معقول وجوه کے ساتهه اوپر بیان کرچکا هوں که " تذکره " مشرق کے مسلمانوں هی کی ایجاد هے ۱۰سی قسم کی ایک دوسری چیز هے جس کا نام " انشا " هے - یه خطوط کا مجموعه هوتا هے جو کسی ایک هی شخص کی تصنیف هوتے هیں- یه گویا فصاحت و بلاغت سکهانے کی کتاب هوتی هے - مشهور هندوستانی زبان کی انشائیں یه هیں —

فیض کی انشا ' یه شخص شیخ فریدالدین عطار کے پند نامے کا مترجم بهی هے ؛ خالق (کرامت الله) کی ؛ نظام الدین (پونے والے) کی ' یه حکایات لقمان کا بهی مترجم هے ؛ چرنجی لال کی (جو آگرے میں چهپی) ' نظام الدین اور یه اسی زمانے کے شخص هیں؛ یوسف دکهنی کی ' اس سے [لفظ دکهنی سے] ظاهر هے که یه دکن کا رهنے والا هے اور انشاے هرکرن جو فارسی میں هے اور بهت مقبول اور مشهور هے ' اس کا ترجمه هندوستانی میں کیا گیا هے —

اب میں اُن چند کتابوں کا ذکر کرتا هوں جو لسانیات کے متعلق هیں - اس مضمون پر بهی بهت سی کتابیں لکهی

گئی ہیں جن کے مطالعے سے ایشیا کی قدیم اور علمی زبانوں کے طالب علم بھی استفادہ کر سکتے ہیں - اردو میں سنسکرت زبان کی نحو بھی لکھی گئی ہے جس کا نام مفتاح اللغت ہے (سنسکرت میں اس کا نام لگھو کو مودی ہے)، بنارس میں سنہ ۱۸۴۹ ع میں طبع ہوئی - مصدر الافاضل جو فارسی عربی کی لغت ہے ہندوستانی میں ترجمہ ہوگئی ہے، اس کا ایک نسخہ ڈیوک آف سسکس کے کتاب خانے میں ہے - ایک اور عربی فارسی لغت کا ترجمہ لغت اُردو کے نام سے ہوا ہے - مصدر فیوض، فارسی اور ہندوستانی صرف و نحو ہے جس کے مولف مظہرالدین ہیں - میزان فارسی کا بھی اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے - مظہر نحو، عربی نحو کی کتاب ہے جو اردو میں تالیف کی گئی ہے - ایک اور اردو الفاظ کی لغت طبع ہوئی ہے جس میں شعرا کے کلام سے سند کے لئے اشعار نقل کئے گئے ہیں - لغت السعید بھی اُردو کی لغت ہے - ایک اور اردو کی لغت آگرے میں سنہ ۱۸۵۱ ع میں طبع ہوئی ہے - اردو صرف و نحو پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک صہبائی کی ہے، ان کی زباندانی اور زبان پر اور بھی تالیفات ہیں - بھاشا پنگل ہندی عروض کی کتاب ہے، جس کے کئی اڈیشن چھپ چکے ہیں —

انگریزی صرف نحو پر بھی ہندوستانی میں کئی کتابیں

لکھی گئی ہیں ' ان میں رام کرشنا کی زیادہ مشہور ہے —

سنسکرت میں تاریخ کہیں کہیں فسانے کے ضمن میں آجاتی ہے لیکن ہندوستان کی جدید ادبیات میں یہ فن پایا جاتا ہے مگر کم ' اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بعض منظوم روایتوں اور قصوں میں ایسے بیش قیمت واقعات بھی مل جاتے ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتے —

اب رہی تاریخی نظمیں ' "چند" کا ذکر تو میں اس سے قبل کرچکا ہوں جو راجپوتانے کا ہومر بھی ہے اور تھوسی ڈائی ڈیز بھی - دوسری کتاب چترا پرکاش ہے جو چترا سال راجہ بندھیل کھنڈ کی تاریخ ہے ' اس کا مصنف لال کوی ہے - ان کے علاوہ ایک کتاب گوپال چکا کتھا یا تاریخ گوالیار ہے اور ایسی ہی اور چند کتابیں ہیں - یہاں میں مان کبیشر کی راج ولاس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ' یہ رام راج سنگھ راجۂ میواڑ (مخالف اورنگ زیب) کا شاعر ہے ' ایک دوسری کتاب ہمیر راسا ہے جو ہمیر راجۂ چتوڑ کے حالات میں ہے ' ہری چندر لیلا ' اس میں راجہ ہری چندر کے حالات ہیں ' سورج پرکاش میں سورج بنسی خاندان کی تاریخ ہے ' اس کا مصنف کرن ہے جو شاعر بھی اچھا ہے اور سپاہی بھی - ایک منظوم کتاب ابھے سنگھہ راجۂ مارواڑ کے حالات میں ہے اور بس ' اس راجہ کی حکومت ۱۷۲۴ سے

۱۷۲۸ ع تک رهی ' لیکن کتاب کے شروع میں بطور تمہید کے راتهوروں کی تاریخ پر بهی ایک سرسری سی نظر ڈالی هے جو اپنا نسب سورج بنسی خاندان سے ملاتے هیں - کرب چنتا منی ایک بهاشا کی نظم هے جو کرن کی شان میں لکهی گئی هے ' جو گجرات کا نامور راجه گزرا هے جسے پٹهان سلطان علاءالدین شاہ سکندر ثانی نے سولهویں صدی عیسوی کے آخر میں شکست دے کر مغلوب کیا - راج بتن میواڑ کی تاریخ هے اس کا مصنف رنچهوڑ بهٹ هے' رشابها چرتر میں جینیوں کے ایک رشی رشابها کے سوانح هیں ' بنس کلی کتاب انساب هے اور اس کا مصنف بکوتا هے' کلپا درم یه جے سنگهه کا ایک قسم کا تاریخی روز نامچه هے-

صرف هندو مصنفوں کی بدولت هندوستانی میں چند تاریخی یادگاریں نظر آتی هیں - انهوں نے اسلامی مضامین پر بهی بعض کتابیں لکهی هیں ۔ مثلاً هری ناتهه کی پوتهی محمد شاہ جس میں محمد شاہ کی تاریخ هے —

اس زبان کی اردو شاخ میں هم صرف ترجمے پاتے هیں- تاهم ان میں بعض ایسی تالیفات هیں جو بذات خود بهت دلچسپ هیں- علاوہ ان کتابوں کے جن کا ذکر میں کسی دوسری جگهه کر چکا هوں ' یہاں بعض کا ذکر کروں گا - دهلی * اور آگرے † پر بهت دلچسپ کتابیں موجود هیں ' کلکته نامه '

* آثارالصنادید ' اس کتاب سے کئی بار اقتباس دے چکا هوں - † تاریخ آگرہ -

جس میں کلکتے کے حالات ہیں، نظم میں ہے، نصرتی کا علی نامہ جس میں علی عادل شاہ کی تاریخ ہے، واقعات گورکھا، جو نیپال کا صوبہ ہے اور جہاں کے راجاؤں نے اپنا تسلط تمام نیپال پر کر لیا تھا، ایک نظم سومناتھ پٹن کی تباہی پر * ہے، انگریزوں کی حکومت بنگال کی تاریخ مؤلفۂ نور محمد، خاندان سندھیا کی تاریخ مؤلفہ دھرم نراین وغیرہ —

ہندوستانی میں خود نوشت سوانح بھی ہیں، علاوہ تیمور، بابر، اکبر اور جہانگیر کے تزکوں کے جو ترکی اور فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں، پتمبر سنگھ، موھن لال، علی حسین اور بعض دوسرے اصحاب کے خود نوشت حالات بھی موجود ہیں، جن کا ذکر میں ابتدا میں کر چکا ہوں —

جو کچھ بھی ہو اہل مشرق کی نظروں میں تاریخ کی وہ وقعت نہیں جو ہم میں ہے - ہندوستان کے ایک جدید مورخ نے اپنی تاریخ کے عنوان پر حافظ کا یہ شعر لکھا ہے :-

حدیث از مطرب و مے گو و راز دھر کمتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

اب میں چند سفرناموں کا ذکر کرتا ہوں : سفر نامۂ یوسف خاں لکھنوی - یہ سفر انگلستان و فرانس ہے جو انہوں نے سنہ ۱۸۳۸ میں کیا، یہ کتاب دھلی میں چھپی ہے،

---

* ٹاڈ کا سفر نامہ صفحہ ۲۳۱ —

کریم خاں دہلوی کا سفر نامۂ لندن سنہ ۱۸۴۰ء' اس کا ترجمہ میں نے "اورینٹل ریویو" میں شایع کیا۔ پہلے صاحب نسلاً پٹھان اور درویش یا صوفی ہیں اور کمبل پوش کے نام سے مشہور ہیں —

مذہبی فلسفے کا ذخیرہ بہت ضخیم اور دلچسپ ہے اور زیادہ تر اس کا تعلق ہندو مذہب سے ہے' مجھے در حقیقت اپنا تبصرہ اسی سے شروع کرنا چاہئے تھا۔ کبیر پنتھیوں' سکھوں' جینیوں اور ویشنویوں کی تصانیف بہ کثرت ہیں۔ کچھ کچھ شیوائیوں کی کتابیں بھی ہیں' مثلاً مہادیو چرتر' شو لیلا مرتم' گورا منگل وغیرہ —

مسلمانوں کے مذہبی فلسفے یا دینیات میں ان کے مذہب یا عبادت کی کتابیں ہیں۔ شاعرانہ تالیفات' آنحضرت صلعم' حضرت فاطمہ' امام حسن' امام حسین کی منقبت میں ہیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں بھی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ مسلمان تثلیث کے مخالف ہیں مگر وہ انہیں بھی دوسرے پیغمبروں کے برابر سمجھتے ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں شیعوں کی تعداد بہت ہے' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی تصانیف زیادہ تر سنیوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں۔ تاہم بعض کتابیں شیعوں کی تصنیف سے بھی ہیں' لیکن ان میں عجیب تصانیف ان مسلمان

فرقوں کی ھیں جو ھندوستان ھی سے مخصوص ھیں ' مثلاً " سید احمدیوں" یا ھندوستانی وھابیوں اور " روشنائیوں" کی تصانیف اور ان کی تردیدی کتابیں —

قانون کا تعلق مذھب سے جیسا ھندوؤں میں ھے ویسا ھی مسلمانوں میں ھے - دیوانی قانون مذھبی قانون (فقہ) سے بالکل ملا ھوا ھے - ھادوستانی ادب میں اس کے متعلق بعض کارآمد کتابیں پائی جاتی ھیں - مگر وہ عموماً ترجمے ھیں —

سائنس اور دیگر علوم و فنون پر ایسی کتابیں نہیں ھیں جو قابل ذکر ھوں - اس قسم کی کتابیں تقریباً سب کی سب جدید اور انگریزی طرز پر لکھی ھوئی ھیں - بہر حال یہ ترجمے اور تالیفات ان لوگوں کے لئے مفید ھیں جن کی خاطر لکھی گئی ھیں - اور اس قسم کی تمام کتابیں اھل ھند کو ھمارے عقائد اور جدید اختراعات اور ایجادات سے باخبر رکھتی ھیں —

ایسی تصانیف میں جو ترجمے نہیں ھیں بعض فن تعمیرات پر ھیں ، بعض سنگ تراشی پر ؛ کچھہ طبی نباتات پر ' جیسے چوب چینی کے خواص پر؛ اسی طرح شاھین اور باز کے فن پر (جو ڈی ھیمر آنجہانی کی کتاب کے مماثل ھیں) ' فن بیطاری پر ؛ موتیوں * کی قیمت اور وزن پر ؛ شطرنج پر ؛ خوابوں

* رسالۂ موتی' مطبوعہ حیدرآباد سنہ ۱۲۵۱ ھ (۱۸۳۵ - ۱۸۳۶ ء) —

کی تعبیر اور طباخی کے فن پر —

ہندوستانی ادب کی اہم شاخ مشرقی زبانوں کی تصانیف کا ترجمہ ہے - یہ ترجمے سنسکرت، فارسی اور عربی کی قدیم اور مشکل تصانیف کے سمجھنے کے لئے بہت کارآمد ہیں، کیونکہ یہ اصل کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور انہیں قدرتی مناظر اور انہیں عادات و رسوم کے درمیان بیٹھ کر لکھے جاتے ہیں - میں اس سے قبل ایسی بہت سی کتابوں کا نام لکھ چکا ہوں جس کا اعادہ یہاں نہیں کروں گا —

مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ ویدوں کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہوا ہے یا نہیں - البتہ ایک اعلان اس مضمون کا چھپا تھا کہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے ترجمے کا ایک سلسلہ شایع کیا جاے گا اور ویدوں کا ترجمہ اس کا ایک جز ہوگا - قرآن کے ترجمے بہت سے ہو چکے ہیں جن کا خاص امتیاز یہ ہے کہ بہت صحت اور احتیاط کے ساتھ کئے گئے ہیں —

سید احمد نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں کا ذکر کیا ہے - اکثر ترجموں کے ساتھ تفسیر اور شرح بھی ہوتی ہے - ایک ترجمہ جو دہلی میں چھپا ہے اس سے بڑی رواداری کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ اس میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے عقائد کے مطابق تفسیر دی گئی ہے - قرآن کی ایک تفسیر منظوم بھی ہے جس

کا مصنف اشرف ہے - ضمناً میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایرانیوں کی تقلید میں ہندی مسلمان برخلاف ترکوں کے اپنی مقدس کتاب کا ترجمہ عوام کی زبان میں کرنے سے خائف نہیں ہیں - ہندوستان کی عورتیں جمعہ کے روز اسی طرح قرآن پڑھتی ہیں جیسے انگریز عورتیں اتوار کے روز بائبل - عام طور پر ہندوستان کی عورتیں ترکی عورتوں سے جو حسن میں زیادہ مشہور ہیں، زیادہ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں- سنسکرت کے ترجموں میں مہا بھارت ' ہتوپدیش اور ترکاسنگرہ کے ترجمے ہیں- آخری کتاب ہندی فلسفے کی ہے اور اس کا مصنف اونم بھٹ ہے * - ہندوستانی ڈراموں میں وہ خاص خاص ڈرامے جن کا ترجمہ ولسن نے کیا ہے ' سنسکرت ناتک ' دہلی ' سنہ ۱۸۴۵ ع —

مہمنا ستوترا کا ترجمہ سنسکرت سے سمر سنگھہ نے کیا ہے حالانکہ یہ شیوائیوں کی کتاب ہے ' وغیرہ —

سنہ ۱۸۴۵ ع دہلی میں بھگونس کا ترجمہ ہو رہا تھا - یہ نظم بھگو خاندان پر ہے اور کالیداس سے منسوب کی جاتی ہے؛ ادیاتما کی راماین اور سنسکرت کی دوسری کتابوں کے ترجمے بھی ہو رہے تھے مگر مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ شایع

* یہ کتاب ۱۸۵۲ ع میں بنارس میں سنسکرت کے عالم بے لن ٹائن Ballantyne کی نگرانی میں طبع ہوئی - اس میں اصل متن ' هندی اور انگریزی ترجمہ ہے —

بھی ہوے کہ نہیں - میں اس رسالے کی ابتدا میں متعدد ترجموں کا ذکر چکا ہوں —

سنسکرت کے ضمن میں مجھے ہندوستان کی جدید زبانوں یعنی تامل ، بنگالی اور مرھٹی کے ترجموں کا بھی ذکر کرنا چاھئے - مرھٹی میں منجملہ دوسری کتابوں کے سھتانرویں نے اچھی خاصی شہرت حاصل کی ھے -

عربی سے جن کتابوں کا ترجمہ ھوا ھے ان میں خاص خاص کتابیں یہ ھیں : تاریخ ابوالفدا ، مترجمہ کریم وعرشی ؛ ابن خلکان ، مترجمہ سبحان بخش ؛ اخوان الصفا ، اس کا ذکر اوپر ھو چکا ھے ؛ مشکوۃ شریف ، فقہ * کی مشہور کتاب ؛ ادب القاضی ، یہ فقہ کی دوسری مشہور کتاب ھے جس کا مصنف قدوری ھے ، اس کا ترجمہ " مختصر " سے کیا گیا ھے —

مقامات حریری کا لفظی ترجمہ دھلی میں شروع ھوا تھا ، لیکن جس وجہ سے مجھے فرانسیسی ترجمہ ترک کرنا پڑا ، اسی وجہ سے ھندوستانی مترجموں کو بھی دست بردار ھونا پڑا ، بات یہ ھے کہ مصنف نے جو لفظی تلازمے اور صنعت کی رعایت رکھی ھے ، اور جو کتاب کا اصلی حسن ھے ، وہ ترجمے میں قائم نہیں رہ سکتی —

الف لیلی عربی ادب میں بے نظیر کتاب ھے ، ھندوستانی

---

* مصنف کو مغالطہ ھوا ھے - فقہ کی جگہ حدیث ھونا چاھئے (عبدالحق)

میں اس کے مترجم ہند و مسلمان دونوں ہیں - مسلمانوں میں ایک مولوی حسن علی خاں ہیں جو اسی زمانے کے مصنف ہیں ' دھلی کالج میں پروفیسر رہ چکے ہیں اور کئی اور کتابوں کے مترجم بھی ہیں ؛ دوسرے شمس الدین احمد ہیں جنھوں نے مدراس میں پہلی دو سو راتوں کا ترجمہ شایع کیا ' انھوں نے کلکتہ اڈیشن کی پیروی کی ہے - جو ہے بنفت اور فہشر سے بہت مختلف ہے - ھندؤں میں دیا شنکر نسیم ہیں' جن کا ترجمہ * لکھنؤ میں سنہ ۱۲۴۴ ھ (۱۸۲۸ - ۱۸۲۹ ع) میں تین جلدوں میں چھپا - حال ہی میں دھلی میں پچاس راتوں کا ترجمہ عربی سے اردو میں چھپا ہے ' اسی میں اس کتاب کے دوسرے قصے بھی منتخب کر کے شامل کر دیے گئے ہیں- سوداگر بچے کا قصہ بھی چھپ چکا ہے —

"ورنیکلر ترانسلیشن سوسائٹی" نے ابوالفدا کے جغرافیے کا ترجمہ شایع کیا ہے - اس کے علاوہ رشید الدین کی تاریخ مغلاں اور تاریخ ابن خلدون اور بعض مشہور و معروف کتابوں کے ترجموں کا اعلان کیا ہے ' مگر میرا خیال ہے کہ یہ ترجمے یونہیں رہ گئے اور کبھی شایع نہوے —

فارسی کے ترجمے بہ کثرت ہیں- بعض مقبول فارسی کتابوں کے کئی کئی ترجمے ہوے ہیں- مثلاً گلستاں کے کئی ترجمے ہوے

---

* یہ غلط ہے - یہ ترجمہ اصغر علی نسیم کا کیا ہوا ہے - (عبدالحق)

اور کئی بار چھپے- بوستان سعدی کا ترجمہ مغل نے کیا، جس سے بعض مشکل مقامات کے حل میں مدد ملتی ہے- شاہنامے کے خلاصے کا ترجمہ نظم میں منشی * نے اور نثر میں ایک تو محمد علی ترمزی نے اور دوسرا سرور نے سرور سلطانی کے نام سے کیا ؛ سہراب کے قصے کا ترجمہ کاظم نے کیا؛ جلال الدین رومی کی مشہور نظم کے بھی جو مثنوی شریف † کے نام سے مشہور ہے ترجمے ہوئے ہیں ؛ پند نامۂ عطار اور پند نامۂ سعدی ؛ منطق الطیر اور حسن وعشق کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں؛ اظہار دانش کا ترجمہ دوست نے کیا ہے ؛ بہار دانش کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے- محمد اعظم کی تاریخ کشمیر کا ترجمہ شرافت نے کیا جو کئی بار چھپ چکا ہے؛ تاریخ طبری کا ترجمہ جعفر شاہ نے کیا ہے ' ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں —

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ بعض ہندی کتابوں کا ترجمہ مشرق کی دوسری زبانوں میں کیا گیا ہے- مثلاً ست سئی بہاری کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا ہے- باغ و بہار کا ارمنی زبان میں؛ راگ درشن ‡ کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے؛ اردو کی بہت

* خسروان عجم کے نام سے —

† اس کے کامل ترجمے کے متعلق' جو نشاط نے کیا ہے' کریم نے ذکر کیا ہے - ایک دوسرا ترجمہ شاہ مستان نے کیا ہے - یہ پوری کتاب کا نہیں بلکہ ملخص کا ترجمہ ہے یہ دونوں نظم میں ہیں اور سنہ ۱۸۴۵ ع میں کلکتے میں طبع ہوے تھے

‡ یہ کتاب مان سنگھ راجہ گوالیار کے حکم سے مرتب ہوئی - نظم میں ہندوستانی راگوں کا بیان ہے- فارسی میں اس کا ترجمہ فقیراللہ نے کیا W. ousely oriental collections' Vol. III p. 75

سی کتابوں کا ترجمہ اس زبان میں جو جدید ہندوستان میں لاطینی کا درجہ رکھتی ہے، ہو چکا ہے - مثلاً دھرم سنگھ کا قصہ اور سراج پور کی کہانی، یہ اخلاقی قصے ہیں جو فارسی میں ترجمہ ہو گئے ہیں ؛ پہلا ترجمہ قصۂ صادق خاں کے نام سے اور دوسرا قصۂ شمس آباد کے نام سے ہوا ہے —

اسی کے ساتھ میں ان بے شمار ترجموں کا بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں جو انگریزی سے اردو میں ہوئے ہیں اور یہ ہندوستان کے جدید آقاؤں کے حق میں تعریف کی بات ہے - فرانسیسی زبان سے بھی بہت سے ترجمے ہوئے ہیں مثلاً فلوری کی تاریخی کتاب عقائد بصورت سوال و جواب، جس کے ترجمے کے لئے ہم کیتھولک مشنریوں کے ممنون ہیں؛ یا نامور مستشرق دی ساسی کی عربی صرف و نحو کا ترجمہ جو کئی سال سے دہلی کے مطبع کے لئے تیار ہو رہا ہے اور رولان کی مخلص تاریخ قدیم کا ترجمہ وغیرہ - لیکن فرانسیسی کتابوں کے ترجمے جو ہندوستانی میں ہوئے ہیں وہ انگریزی سے ہوئے ہیں اور ہمارے ہاں کے بہت سے فضلاً مثلاً ایلی دی بوماں یہ نہیں جانتے کہ ان کی کتابیں اس بدیسی لباس میں آگرے اور دلی میں پڑھی جاتی ہیں - عجیب بات یہ ہے کہ سید احمد نے اپنی عجیب تفسیر انجیل میں انجیل کا ترجمہ عبرانی سے کرنا شروع کیا ہے -

ان ترجموں کے افادے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، ان

کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان والوں کو ہمارے علوم و فنون ہماری قدیم وجدید تاریخ، یونان و روما کی تاریخ اور مشہور کتابوں مثلاً رسالیس (Rasselas) قزلباش (Cazilbach) وکارآف ویکفیلڈ (Vicar of Wakefield)، رابنسن کروسو (Robinson Crusoe)، بنین کی پلگرمس پروگرس (Bunyan's Pilgrim's Progress)، دی اکانمی آف ہیومن لائف (The Economy of Human life) وغیرہ سے آشنا کیا جائے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عیسوی مذہب سے انہیں باخبر کیا جائے جو ایک زندہ درخت ہے جس کا سایہ بیت المقدس سے لے کر تمام عالم پر پھیلا ہوا ہے۔ ایسے ترجمے جو عیسوی مذہب سے متعلق ہیں، ان میں سے بعض میں ہمارے عقائد سادہ طور سے بیان کئے گئے ہیں اور ہماری کتب مقدسہ کو جابجا نقل کیا گیا ہے؛ اور بعض مناظرے کی کتابیں ہیں جن میں خاص طور پر مسلمانوں سے بحث ہے جو عیسائی مذہب سے علانیہ تعصب رکھتے ہیں —

اس قسم کی مطبوعات میں سب سے دلچسپ قرآن کا ایک اڈیشن ہے جسے ایک پرسبی تیرین امریکن نے سنہ ۱۸۴۴ء میں الہ آباد میں طبع کرایا۔ اس کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں مسلمانوں کی غلطیوں اور عیسائی مذہب کے خلاف ان کے اعتراضوں کی تردید کی گئی ہے، متن کے ساتھ

تفسیر بھی ہے جو اسی قسم کی ہے جو مراچی (Maracci) نے لکھی ہے - باقی کے لئے هندوستان میں اس کا دروازہ پہلے هی ایک پراتسٹنٹ مشنری بلنجمن نے اپنی کتاب " Compendiosa Alcorani refutatio, Indice " لکھہ کر کھول دیا ھے ، یہ کتاب هالے (Halle) میں سنہ ۱۷۴۴ ع میں چھپی تھی —

مذهبی کتابوں میں Anglicane Liturgie کا ترجمہ بھی ھے - یہ ترجمہ صرف هندوستانیوں کی واقفیت کے لئے نہیں بلکہ ان نو عیسائی هندیوں کے استعمال کے لئے ھے جن کی خاطر کلکتے اور بلا شبہ بعض دوسرے شہروں کے گرجوں میں هندوستانی زبان میں عبادت هوتی ھے ' جیسے نو عیسائی یہودیوں کے لئے لندن اور یروشلم میں عبادت کے رسوم عبرانی میں ادا هوتے هیں - یہاں تک کے نغمات بھی هندوستانی میں لکھے گئے هیں لیکن بحریں انگریزی هیں تاکہ ویسٹ منسٹر ایبے یا سینٹ پال کے گرجوں میں ایک هی راگ میں گاے جاسکیں ' جیسا کہ پیرس کے لوتھری فرانسیسی الفاظ کو جرمانی لے میں لے آے هیں —

کچھہ دنوں قبل تک هندوستانی کتابیں قلمی هوتی تھیں کیوں کہ مطبع عام نہیں هوے تھے - ان کتابوں کے حروف کی نسبت یہ خیال ھے کہ یہ بھاری اور بے ڈول هیں ' نہ تو یہ خط پورا نستعلیق ھے جو اعلیٰ درجے کی قلمی کتابوں اور قطعات

کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ شکستہ اور نہ مشرقی خوشخطی اور نہ خوبصورت عنوانات اور زیبائش کے لئے موزوں ہے - خوشی کی بات ہے کہ ان دشو اریوں کو سنگی مطبع نے رفع کر دیا اور لوگوں نے اس کو بڑے شوق سے رواج دینا شروع کر دیا ہے - سب سے پہلا لیتھو گراف مطبع سنہ ۱۸۳۷ ع میں دھلی میں قائم ہوا اور سنہ ۱۸۵۲ ع میں ممالک مغربی و شمالی کےشہروں میں ایسے مطابع کی تعداد ۳۴ تک پہنچ گئی تھی- شمال کے ہر شہر میں اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے مطبع قائم ہو گئے ہیں - مثلاً صرف لکھنؤ اور کانپور میں ۲۳ ہیں جن میں کئی سو کتابیں چھپ چکی ہیں، ان میں سے بعض دس دس بار طبع ہو چکی ہیں - آگرہ گورنمنٹ گزٹ بابت یکم جون ۱۸۵۵ ع میں تقریباً دو سو ہندوستانی مطبوعات کی فہرست دی تھی جس میں نقشے وغیرہ شریک نہ تھے ' اور اگرچہ یہ ادب اور علوم و فنون پر ہندوستانیوں کے استعمال کے لئے محض ابتدائی کتابیں ہیں تاہم بعض ایسی ہیں جن سے علماے یورپ بھی اغماض نہیں کر سکتے ' مثلاً انوار سہیلی اور گلستاں کے خلاصے جو کریم الدین نے مرتب کئے ہیں؛ سفر نامۂ امین چند ' جس میں پنجاب ' کشمیر ' سندھ ' دکن ' خاندیس ' مالوا اور راجپوتانے کی سیاحت کا حال ہے ' اور ایک کتاب چند ودیکا ' جس کا علم

اب تک یورپ کو نہ تھا ' وغیرہ —

"ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی" ایک قابل تعریف جماعت ھے جس نے ادبی معلومات اور لیتھوگرانی کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ھے - اس انجمن کا پہلا سکرٹری ھمارا ھم وطن موسیو بوترو (M. Boutros) تھا جو اُس وقت دھلی کالج کا پرنسپل تھا - اس انجمن نے سنسکرت' عربی ' فارسی کے اعلیٰ درجے کی تصانیف نیز انگریزی کی مفید کتب کے دیسی زبان میں عمدہ ترجمے کرکے اھل ھند کی بڑی خدمت کی ھے —

چھپائی کے ذکر سے خود بخود میرا خیال ایک دوسرے مضمون کی طرف پہنچا جس کا تعلق بھی ایک طرح ادب سے ھے اور جوپہلے ایشیا میں ناپید تھا مگر اب ھندوستان میں ترقی کر رھا ھے - میرا مطلب پریس (اخبار و رسائل) سے ھے جس کی حکومت روز بروز پھیلتی جاتی ھے اور جس نے فارغ البال بے فکرے ھندوستانی کو بھی اپنا غلام بنا لیا ھے - پانچ سال ھوے کلکتے میں سولہ اخبار ایسے تھے جو دیسی نکالتے تھے ' یعنے پانچ فارسی یا ھندوستانی میں اور نو بنگالی میں اور دو انگریزی میں * - کچھہ دنوں تک مولوی نصیر الدین مارتند اخبار شایع کرتے رھے جس کے پانچ کالم ھوتے تھے اور جو پانچ زبانوں میں ھوتا تھا ' یعنے ھندی ' ھندوستانی '

* ولسن - دی ایتھنیم ' دسمبر سنہ ۱۸۳۸ ع -

بنگالی ' فارسی اور انگریزی میں * اور تھوڑے ھی دن ھوے کہ ایک دیسی اخبار خاص کر عورتوں کے لئے شائع ھوا ھے - بمبئی میں تین یا چار ھندوستانی + اخبار ھیں جو عام طور پر سب ھندیوں کے لئے ھیں اور دو خاص مسلمانوں کے لئے ' ان کے علاوہ چار گجراتی میں ھیں جو پارسیوں کے لئے ھیں اور دو مرھٹی میں مرھٹوں کے لئے - مدراس میں بھی کئی ھندوستانی اخبار ھیں ‡ اور اس سے زیادہ دھلی ' میرتھہ ' آگرہ ' لاھور ' بنارس اور لکھنؤ میں ھیں $ - چند اخبار سری رام پور ' کدار پور ' مرزا پور ' بھرت پور ' ملتان ' بریلی ' اندور وغیرہ میں بھی ھیں —

اگر یہ اخبار آسانی سے یورپ میں پہنچ سکیں تو بہت سی دلچسپ معلومات ان میں ایسی ملیں گی جو ھمارے اخباروں میں نقل کرنے کے قابل ھوں گی اور جس پر ھوریس کا یہ قول صادق آسکتا ھے —

" یہ سب ایک دوسرے کو مدد دیں گے اور ان میں باھم ایک خوش گوار اتحاد پیدا ھو جاے گا " --

---

* سنہ ۱۸۳۶ ع میں -

† بمبئی کا ھرکارہ ' اخبار دفتر جزیرۂ بمبئی ' تازہ بہار وغیرہ -

‡ مراۃ الاخبار ' قاصد مدراس وغیرہ -

$ رپورٹ انجمن ترقی تعلیم دیسی زبان - سنہ ۱۸۴۵ ع ' از ڈاکٹر سپرنگر -



چھٹا خطبہ

(۲ - دسمبر سنہ ۱۸۵۵ ع)

حاضرین

اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنے ہندو (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض، کم سے کم، صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی و شمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ہی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شایع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے، جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع تک کی حالت میں نے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و شمالی میں اس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۹ ہندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے۔ سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپے خانور سے ۱۲۶ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب ہندوستانی زبان میں تھیں۔ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۳ ع تک چھاپے خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور ہندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہوگئی۔ اور ان تمام کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی۔ بہر حال ہم کو معلوم ہے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپے خانے اور ۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے، اور سنہ ۱۸۵۳ ع میں ۱۹۵ کتابیں شائع ہوئیں۔ اس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں آپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی۔ اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ ہیں:— "زایرین ہند" بنارس کا، جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل "Debats" مورخہ ۱۶ جنوری ۱۸۵۱ ع میں شائع کرا چکا ہوں۔ "باغ و بہار" بھی

اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز " بنارس گزٹ " جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اردو میں شائع ہوتا تھا ؛ دہلی کا " فوائد الناظرین "، میرٹھ کا " مفتاح الاخبار "، لاہور کا " دریائے نور "، " شمالہ اخبار " لدھیانہ کا " نور[69] علیٰ نور " اور امرتسر کا " باغ نور " —

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جو چالیس چھاپے خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان سے دس آگرہ میں تھے، سات بنارس میں، ایک بریلی میں، ایک بھرتپور میں، دو لاہور میں، دو ملتان میں اور ایک سیالکوٹ میں —

نئے اخبارات جن سے ابھی میں نے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ہیں :- آگرہ میں " نور الاخبار " اور " بدھی پرکاش " یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ہی ہیں اور ایک ہی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ہیں ؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا ہندوؤں کی زبان میں - ان دونوں کا اڈیٹر " سدا سکھہ " نامی ایک لائق ہندو ہے، جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا ہے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے - یہ اخبار بہت کامیاب ہوے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ، جغرافیہ، ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رہتے

هیں - ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن بہت پر تکلف نہیں ہوتا ' کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے هیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری ہوا ہے جس کا نام " آفتاب هند " ہے - اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھو ناتھ هیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف هیں - یہ اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلیٰ علمی اور ادبی مضامین کی وجہ سے جو همیشہ اس میں شائع ہوتے رهتے هیں ' بہت مشہور ہے —

سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اُردو جریدہ " فتح الاخبار " ضلع علی گڈہ کے قصبہ کول سے نکلتا ہے ' جو باوجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا ہے - اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے ' عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی ہے —

مغلیہ سلطنت کے قدیم دارلسلطنت دهلی سے باوجود ان پانچ اخباروں کے جو وهاں پہلے هی سے موجود تھے ' تین اردو اخبار سنہ ۱۸۵۳ ع سے اور جاری ہوے هیں جن سے ان کی تعداد آٹھ ہوگئی ہے - حالانکہ قسطنطنیہ میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع ہوتے هیں - نئے اخباروں کے

نام یہ ھیں :—

"صادق الاخبار" جسے مصطفی خاں مصطفائی پریس کے منیجر نکالتے ھیں - یہ پریس پہلے لکھنؤ میں تھا لیکن چند خاص وجوہ کی بنا پر یہ کارخانہ وھاں بند کردیا گیا - اس کے بعد مصطفی خاں نے اُس کی دو نئی شاخیں ایک کانپور اور دوسری دھلی میں قائم کیں - یہ پرچہ دھلی سے شائع ھوتا ھے - اسی نام کا ایک دوسرا اخبار فارسی زبان میں بھی شائع ھوتا ھے - دھلی کے دوسرے نئے اخبار "نور مشرقی" و "نور مغربی" ھیں - ان دونوں کا ایک ھی مقصد ھے ' یعنی اھل ملک میں مفید معلومات کی اشاعت کی جائے اور ان کو حب بنی نوع انسان کے خیالات اور اصول سے باخبر کیا جائے - لیکن اپنے ناموں کے لحاظ سے پہلا مشرقی خیالات کا اظہار کرتا ھے اور دوسرا مغربی یعنی یورپین خیالات کا —

گوالیار سے ایک شخص لکشمی پرشاد جو وھاں کی حکومت کا ملازم ھے سنہ ۱۷۵۳ ع سے ایک سرکاری اخبار نکالتا ھے جس میں دو کالم ھوتے ھیں - ایک اردو میں دوسرا ھندی میں - یہی لائق شخص اس سے قبل بریلی سے ایک اخبار نکالتا تھا جس میں اکثر حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین شائع ھوتے تھے ؛ مثلاً ایک مضمون میں دھلی اور لکھنؤ کی اردو کا مقابلہ کیا گیا تھا —

ملتان سے علاوہ اس اخبار کے جو وہاں پہلے سے موجود تھا' سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اور اُردو اخبار شائع ہو رہا ہے - اس کا نام " شعاع شمس " ہے اور یہ مہاراجہ هلکر کی سرپرستی میں ایک لائق درویش غلام نصیرالدین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے —

سب سے آخر میں سیالکوٹ سے ایک اخبار " چشمۂ فیض " کے نام سے ماہ جون سنہ ۱۸۵۳ ع سے جاری ہوا ہے - پنجاب کے اس شہر اور ضلع (سیالکوٹ) میں جس قدر تعلیم کے فوائد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے غالباً تمام ہندوستان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی - کیونکہ " دی فرنڈ آف انڈیا " (The Friend of India) نے حال ہی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ اس قرب و جوار کے نو سو پچاس دیہات میں وہ خاص ٹیکس جو حکومت برطانیہ نے جو دیسیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا پیشگی ادا کر دیا گیا ' جس کی وجہ سے مجوزہ مدارس بغیر کسی توقف کے فوراً کھول دیے گئے -

حضرات ! میں ابتدائی یا اس سے بھی دم درجے کی سائنس کی کتابوں کے بارے میں جو سنہ ۱۸۵۲ و ۱۸۵۳ع میں صوبجات مغربی و شمالی میں شائع ہوئیں کچھہ نہیں عرض کروں گا - میں صرف اُن کتابوں کا تذکرہ کروں گا جو ادب تاریخ اور فلسفے کے زمرے میں شامل ہوسکتی ہیں - لہذا اس

حیثیت سے میں "چراغ حقیقت" کا نام لونگا جس میں صوفیوں کے مذہبی اصول سے بحث کی گئی ھے - یا " تذکرۃ التمکین " کا ، جس میں مظاھر قدرت قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ھے - اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ھے - یا " عجائب روزگار " کا ، جو در حقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ھوتا ھے مگر نام بدل دیا گیا ھے - یا "مخزن قدرت" اور "خیالات الصانعی" کا جو ایک ھی قسم کی کتابیں ھیں اور ان میں مذھبی نقطۂ نظر سے فطرت کی تصویر پیش کی گئی ھے —

مجھے آپ کے سامنے قوانین منو (Laws of Manu) کے اردو ترجمے " منوسن ھتا " کا ، عربی کے فاضل ادیب ابوالحسن بغدادی المعروف بہ قدوری کے رسالۂ فقہ کا ، جس کا نام " مختصر قدوری" ھے اور رام چند کے رسالۂ " بھوت نہنگ " کا تذکرہ بھی کرنا چاھئے - یہ ھندو ادیب جس کا میں آپ لوگوں سے تعارف کرا چکا ھوں عیسائی ھو گیا ھے - اس کی اس کتاب کا مقصد ھندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدہ رکھنے سے باز رکھنا ھے - یعنی دراں حالیکہ یورپ میں لوگ اس قسم کی ارواح سے حقیقی تعلقات قائم کرنا چاھتے ھیں، ھندو لوگ یورپین اور عیسائی خیالات سے متاثر ھو کر اپنے ھم وطنوں کو ان پر عقدہ رکھنے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ھیں -

میں اس موقع پر اخلاقی ناولوں کو فراموش کرنا بھی نہیں چاھتا - مثلاً " سندھی کبدھی " جس میں برے اور بھلے اخلاق کا فرق بتایا گیا ھے - یا "بنجارا ' جس میں صاف طور سے دنیاوی چیزوں کی بے ثباتی ثابت کی گئی ھے - یا فارسی " تاریخ کشمیر " مولفۂ محمد عظیم کا اردو ترجمہ - یا سبحان کی " تاریخ فقہاے اسلام " یا " یوسف علی خاں کا سفر نامۂ یورپ " یا اس سے بھی زیادہ دلچسپ " ھندوستان کے غیر معروف حصوں میں فرماں رواے اندور کی سیاحت" - آخر کی دونوں کتابوں کا شائع کرنے والا امین چند ھے —

سب سے آخر میں ' قابل ذکر کتابیں امام بخش صہبائی کی تصانیف ھیں' جن کے نام " حدیقة البلاغت" ' " انتخابات نظم " اور " قواعد اردو " ھیں - ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ھے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ھے - مولانا صہبائی ' منشی عبدالکریم کے ھم عصر ھیں اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعرا میں بیان کرتے ھیں کہ یہ قابل مصنف دھلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ھیں اور اسی وجہ سے دھلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے - یہ دھلی کے مشہور محلے " چیلوں کے کوچہ " میں رھتے ھیں - وہ ھمیشہ پرانی وضع کا لباس پہنتے ھیں ؛

ان کی ڈاڑھی سرخ رنگی ہوتی ہے اور چہرے پر چیچک کے نشان ہیں - اس وقت ان کی عمر ساٹھہ برس کی ہے —

سنہ ۱۸۵۲ - ۵۳ ع میں جو کتابیں ایسی شایع ہوئی ہیں جن کا تعلق تخیل سے ہے' خواہ وہ اصل تصانیف ہوں یا دوسری ایشیائی زبانوں کے ترجمے' ان میں سے میں صرف ذیل کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں :- " کرشن بالپن " جس میں کرشن کے بچپن کا حال نظم میں بیان کیا گیا ہے ؛ محمد حسین کی " لیلی مجنوں " ؛ " سفینۂ ظرافت " جو ظریفانہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے ؛ " شرح قصائد سودا " جو ہندوستان کے زمانۂ حال کے شعرا کا بادشاہ مانا جاتا ہے؛ " دیوان درد " جو گذشتہ صدی کے بہترین شعرا میں تسلیم کیا جاتا ہے ؛ راماین " کا ایک خوبصورت ہندی اڈیشن اور " انوار سہیلی " کا خلاصہ - انوار سہیلی فارسی ادب کی بہترین کتاب ہے جس کا حال ہی میں بہت صحیح ترجمہ مسٹر ایسٹ وک نے انگریزی میں کیا ہے جس سے ان کے ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے اور جن کو ہم ان کے متعدد ادبی خدمات کی وجہ سے ایک نیا " ڈی ہیمر " (De Hammer) خیال کرتے ہیں -

حضرات ! میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہندوستان کے اس انگریز حاکم کی راے سے اتفاق نہ کریں گے جو اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع میں ان کتابوں کا اور

خاص کر "باغ و بہار"، "گل بکاولی"، "اخلاق جلالی"، "زبدۃ الخیال"، "پریم ساگر"، "ست سئی" اور "راج نتی" کا (جو میری راے میں ہندوستانی ادب میں بہت نفیس کتابیں ہیں) نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے اور بچوں کا کھیل سمجھتا ہے جن سے دل و دماغ میں ہرگز اعلی اور شریفانہ خیالات پیدا نہیں ہو سکتے —

یہ آگے چل کر کہتا ہے کہ "راج نتی" کے پڑھنے سے دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو ایک مدہوش شرابی کو دیکھ کر ہو سکتا ہے - حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب "ہتوپدیش" کا صرف ہندی ترجمہ ہے، جس کی فضیلت کا ہر شخص معترف ہے - اس انگریز کا خیال ہے کہ ہندوستانی لٹریچر کو انگریزی زبان کے ترجموں سے نیا جنم لینا چاہئے - غالباً وہ بھولتا ہے کہ انہی کتابوں میں بعض اس قدر دلچسپ ہیں کہ یورپ میں انہیں اس قدر قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ خالص یورپی کتابیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں - مثال کے طور پر میں صرف "الف لیلیٰ" کا نام لیتا ہوں - یہ دنیا کی نہایت دلچسپ کتابوں میں سے ہے اور پھر لطف یہ کہ اس سے ہمیں مسلمانوں کے رسم و رواج کا بھی علم ہو جاتا ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب محض تفنن طبع کے لئے ہے، لیکن کم از کم "گلی ورس ٹریولس" (Gullivers Travels) سے یقیناً

کہیں زیادہ قابل وقعت ہے جس کے بارے میں ایک دوسرے انگریز افسر نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کی رائے دی ہے —

حضرات! میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو کتابیں اس قدر حقارت سے دیکھی گئی ہیں وہ محض افسانے ہیں، لیکن تاریخ بھی بسا اوقات غلط ہوتی اور اس کی غلطیاں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ جیسا کہ "بائی رن" اپنی نظم "لارا" میں لکھتا ہے۔

"...... تاریخ کا قلم اس کی برائی یا بھلائی کو پورا کرتا ہے - وہ سچ کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے — "

انگریزی زبان سے جو کتابیں ہندوستانی میں ترجمہ ہوئیں ان میں ذیل کی کتابیں قابل ذکر ہیں :- ریورنڈ جے اے شرمن کی "تاریخ متقدمین و متاخرین" گولڈ اسمتھ کی تاریخہائے روم و یونان یا زمانۂ قدیم کے فلسفیوں مثلاً اسکندر، ڈی ماس تھلیز، سسرو وغیرہ کی سوانح زندگی جو پلوتارک کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ کی گئی ہیں - ایک کتاب جس کا نام "بحری و بری انکشافات" ہے، مارش مین کی تاریخ انگریزوں کا تسلطِ بنگال، سلطنت چین کی تاریخ جس کو جے - ایف کارکورن نے جو ایک اینگلو انڈین اور پر جوش کیتھولک تھا جسوئٹ مشنریوں کے یک طرفہ معلومات سے مرتب کیا تھا —

مشرقی علم و فضل نیز ہندوستانیوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے (جن کے لئے یہ کتابیں شائع کی گئی ہیں) ' یہ بات بہت ہی قابل افسوس ہے کہ جن کتابوں کا انگریزی سے ترجمہ ہوا وہ تاریخ ' سیاست' اور مشرقی ممالک کے مذاہب جیسے مضامین پر مشتمل ہیں- مثال کے طور پر ایک کتاب کا ایڈن برا' کیبنٹ لائبریری سے ترجمہ ہوا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے ' یا مثلاً ہندوستان کا جغرافیہ " مرے " کی " اِن سایکلوپیڈ یا آف جیاگرفی " سے کیا گیا ہے' یا تاریخ فارس جو " ماڈرن ٹریولر " کا ترجمہ ہے اور اسی قسم کی اور کتابیں ہیں - اس قسم کی کارروائی کے معنی حقیقتاً ہندوستان کو وحشی ملک سمجھنا ہے - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کی بہ نسبت ان کے ملک کو زیادہ بہتر جانتے ہیں - اگر ہندوستان میں تحریری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو اس صورت میں بھی ہم اسے صحیح تسلیم نہ کرتے - اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی معلومات مشرق کے بارے میں ہے وہ مشرقی اہل قلم ہی کی بدولت ہے —

بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ اصل کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے - نیز اعلام میں بھی بہت کچھ گڈ مڈ ہوگئی ہے - اگر ان خامیوں کے ساتھ اُن خامیوں کو بھی پیش نظر رکھا جاۓ

جو ترجمے کے ساتھ لازمی ہیں تو ترجمے کا ماحصل حقیقتاً ایک بہت ہی نامکمل کتاب ہوگی جس سے ملک کے باشندوں کو اپنے وطن کی تاریخ کے متعلق غلط معلومات پیدا ہوں گی - اگر ہندوستانی زبان میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں تو بھی کوئی وجہ نہیں کہ انگریزی کو فارسی پر ترجیح دی جائے ' کیوں نہ فارسی تاریخوں کا ترجمہ کیا جائے یا کم سے کم فارسی تاریخوں پر ان کی بنیاد قائم کی جائے - اور جو باتیں اس میں صراحت کے ساتھ غلط ثابت ہوں یا خلاف اخلاق تصور کی جائیں ان کو حذف کردیا جائے - اس قسم کا ترجمہ آسان بھی ہوگا اور دیسی اہل قلم حضرات کی طبیعت کے موافق بھی - اس طریقے سے ان کے خیالات اپنے ہی ماخذوں پر مبنی ہوں گے اور ترجمے میں جو فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس سے محفوظ رہیں گے ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے مکھی پہ مکھی مار دیتے ہیں اور ہندوستانی الفاظ کا غلط استعمال کیا جاتا ہے ' خاص کر ان مترجموں کے ہاتھوں ایسے یورپی خیالات اور تلمیحات کی بڑی مٹی خراب ہوتی ہے جن سے وہ بالکل نابلد ہیں —

مثلاً آنریبل مسٹر ڈبلیو میوئر نے جو صوبجات مغربی و شمالی کی انگریزی حکومت کے سکریٹری ہیں ٹیلر کی "ہسٹری آف محمدن ازم" کے ترجمے کو جسے دہلی کالج کے

چار معلموں نے کیا ھے ' بڑے غور سے ملاحظہ فرمایا ' وہ بھی میری طرح انھیں نقائص کے شاکی ھیں - اس تاریخ کے پہلے ھی باب میں ان کو ایسے جملے ملے جو بالکل مبہم ھیں اور جن کا کوئی مطلب نہیں اور جو یقیناً غلط ھیں - ان میں سے اکثر کے متعلق انھوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر اشارہ کر دیا ھے اس لائق عہدہ دار کا بیان ھے کہ " یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس اس وجہ سے ھے کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ادب میں اچھی استعداد رکھتے ھیں ان غلطیوں کو فوراً معلوم کر لیں گے اور اس سے ھماری تمام تصانیف اور ترجموں پر بڑا حرف آئے گا "-

ایک بات اور بھی ھے کہ اس ترجمہ کا کام محض مسلمانوں ھی کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ چار میں سے صرف دو مترجم مسلمان تھے اور باقی دو ھندو - جن حصوں کا مسلمان پروفیسروں نے ترجمہ کیا ھے وہ خاصے صحیح ھیں ' لیکن یہ حالت اس حصے کی نہیں جسے ھندوؤں نے ترجمہ کیا ھے ' اس میں عربی الفاظ کا املا تک غلط ھے - اس کے علاوہ ان ابواب میں ھندو مترجموں نے یورپی مصنف کے اس طرز تحریر کو جو اس نے قرآن اور اسلام کے متعلق استعمال کی ھے ' نرم کرنے کی کوشش نہیں کی ' جس کا لازمی نتیجہ یہ ھوگا کہ جو مسلمان اسے پڑھے گا وہ برھم ھوگا ' حالانکہ پیغمبر (صلعم) اور مکے کے ساتھ معمولی تعظیمی الفاظ برابر استعمال کئے گئے ھیں ' لیکن ان کا کتاب

کے متن سے جوڑ نہیں بیٹھتا —

حضرات! میں اس سے غافل نہیں ہوں کہ اس قسم کی مطبوعات کی سرپرستی سے حکومت برطانیہ کا مقصد محض یورپین خیالات کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ مسیحی خیالات کی اشاعت بھی ہے - آخری مقصد نہایت قابل قدر ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، مگر میرے خیال میں یہ مقصد دوسری طرح بھی حاصل ہوسکتا ہے یعنی جیسا میں نے ابھی کہا ہے، مشرقی کتابوں کی اصلاح سے - فلسفہ اور مسیحی اخلاق کی کتابوں کے ترجمے میں کوئی ہرج نہیں، بلکہ اس قسم کا ترجمہ در حقیقت ہندوستان والوں کے لئے مفید اور نفع بخش ہوگا - اسی وجہ سے میں " رابن سن کروسو " (Robinson Crusoe) کے ترجمے کو اور خاص کر " خدا کے وجود پر فنلن کے خیالات " (Thoughts of Fenelon on the Existence of God) جس کا ترجمہ " ای راونشا " (E. Rwenshow) کی انگریزی کتاب سے ہندوستانی میں بہت لیاقت کے ساتھ کیا گیا ہے، بہت پسند کرتا ہوں - در صورت امکان میں یورپ کے بہترین ادبی کارناموں کے ترجمے کا بھی بڑا موید ہوں - چنانچہ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی ہوئی کہ بنارس کے " سدھاکر " اخبار میں شکسپیر کے " مڈسمر نائٹس ڈریم " کا ہندی ترجمہ شائع ہوا

ھے - یہ ترجمہ "مرچنٹ آف وینس" کے بنگالی ترجمہ سے جسے خفیف ترمیمات کے بعد بالکل مشرقی بنا لیا گیا ھے ' بہت اچھا ھے - اس میں شبہ نہیں کہ بہت جلد ھندوستانی میں اس نامور انگریز ڈرما نویس کی بہترین کتابوں کا ترجمہ ھو جاے گا اور کیا تعجب ھے کہ اس وقت دھلی اور آگرے کے تھیٹروں میں بہ مقابلہ پیرس کے زیادہ کامیابی کے ساتھ "میکبتھ" کا قابل قدر المیہ کھیلا جا رھا ھو' اور ھندوستانی اپنی ھی زبان میں ان پاکیزہ اشعار کی داد دے رھے ھوں جو نامور شاعر نے ڈنکن کے قتل کے بعد " میکبتھ " کی زبان سے ادا کئے ھیں —

"میں سمجھا کہ کسی نے آواز دی کہ "بس' اب سونا ختم کرو"!
میکبتھ نے نیند کو ' معصوم نیند کو قتل کر ڈالا '
وہ نیند جو افکار انسانی کی گرھوں کو سلجھاتی ھے '
جو روز مرہ کی زندگی کی موت ھے ' اور تھکاوٹ کے لئے بمنزلہ غسل ' جو زخمی دماغ کے لئے اکسیر مرھم اور فطرت کا بہترین علاج ھے ' زندگی کی ضیافت کی لذتیں اسی کی رھین منت ھیں "



ساتواں خطبہ

۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۶ ع

حضرات! ہمارے گزشتہ جلسے کے انعقاد کے بعد، ہندوستان کی ایک ایسی سلطنت میں جہاں تمام تر ہندوستانی زبان ہی بولی جاتی ہے، ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کی انگریزی حکومت نے سری رام چندر جی کی گدی کے مالک، اودہ (قدیم اجودھیا) کے فرمانروا اعلیٰ حضرت واجد علی شاہ کو تخت سے اُتار دیا ہے۔ مجھے اس موقع پر اس خالص سیاسی انقلاب پر تبصرہ یا بحیثیت بادشاہ کے واجد علی کی اچھائیوں یا برائیوں سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ مجھے واجد علی شاہ کے ساتھ اس وجہ سے کسی قدر دلچسپی ہے کہ وہ ایک ممتاز ادیب اور بلند پایہ شاعر ہیں 'اختر' ان کا تخلص ہے، اور وہ آج کل ہندوستان کے آسمان شاعری کے چند درخشاں ستاروں میں سے ہیں۔ میں اس سے پہلے

دوسرے موقعوں پر آپ سب کے سامنے ان کی تصنیفات اور نتائج افکار کا ذکر کر چکا ہوں۔ وہ اپنے خاندان کے شاہان سلف کی روایتوں کے حامل اور تخت و تاج کے ایک لائق وارث ہیں۔ ان کا سارا خاندان ہندوستانی ادبیات کا محسن تھا، اور اس کے اکثر افراد خود بھی ادبی ذوق رکھتے تھے۔ صفدر جنگ، شجاع الدولہ، آصف الدولہ، جو ہندوستانی زبان کے شاعر تھے اور آصف، تخلص کرتے تھے، سعادت علی خاں، غازی الدین حیدر، جو مشہور فارسی لغت ہفت قلزم کے مولف تھے، اور جن کی کتاب کا یہ نام اس وجہہ سے ہوا کہ وہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ نصرالدین حیدر، ناصر الدولہ، اور خود واجد علی شاہ معزول کے والد امجد علی شاہ، ان سب کے احسانات ہندوستانی ادبیات پر ہیں۔ واجد علی کو ایسی شریف اور باہمت ملکہ کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہے، جس نے اگرچہ اپنی عمر میں کبھی سمندر نہ دیکھا تھا، اور جہاز کا نام تک نہ سنا تھا لیکن محض اپنی نسل کے حقوق کی حفاظت کے لئے سات سمندر پار کا سفر کیا، اور انگلستان پہنچ کر حکومت کے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا، جس کا شکار ان کا بیٹا واجد علی بنایا گیا تھا —

اس تمہید کے بعد اب میں اپنے سالانہ خطبے کے موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، یعنی ہندوستان کی اس ادبی تحریک کا

یہاں جو ہندوستانی زبان کے توسط سے ہوئی ہے - میں نے کسی موقع پر ہندوستانی زبان کو فرانسیسی کی بہن * کہا ہے لیکن دراصل وہ اس کی خالہ زاد بہن ہے ' جس طرح اطالوی † زبان فرانسیسی کی خالہ زاد بہن ہے ' اور سنسکرت لاطینی کی بہن اور " ہندوستانی " یا " ہندی " یا " جدید ہندوستانی " کی ماں ہے —

حضرات ! لفظ " ہندوستانی " جیسا کہ میں متعدد بار آپ سے عرض کر چکا ہوں ' اسم جنس ہے اور اس سے ہندوستان کی اور خصوصاً ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب کی زبان مراد لی جاتی ہے- اُردو' جسے کسی قدر فارسی آمیز اور عربی آمیز ہندوستانی کہنا چاہئے ' تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان ہے' اور ان کی راجدھانیوں مثلاً دھلی ' آگرہ ' لکھنو اور حیدر آباد میں نہایت کھری اور خالص شکل میں بولی جاتی ہے - ہندی کو ہندوؤں کی ہندوستانی کہنا چاہئے اور یہ زیادہ تر سنسکرت لفظوں سے' خواہ خالص ہوں یا مخلوط' بھری ہوئی ہے- ہندی کے لئے عام طور پر دیوناگری رسم الخط

---

* ملاحظہ ہو میرے خطبۂ افتتاحیہ بابت سنہ ۱۸۵۴ ع کا آخری پارہ (مصنف) —

† ملاحظہ ہو میکس مولر (Max Muller) کی کتاب (ہدایات دربارۂ تحصیل السنہ Suggestions inleraning the language کا صفحہ ۹)-(مصنف)

استعمال کیا جاتا ہے، جس کے معنے ہیں دیوتاؤں کی تحریر اور جسے عرف عام میں محض ناگری کہتے ہیں - لیکن اس کے علاوہ ہندو دوسرے رسم الخط بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کایتھی اور صرافی، جو دونوں کی دونوں ناگری کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں - صرافی رسم الخط متھرا، علی گڈھ اور مین پوری کے اضلاع کی ہندی تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے - آگرے میں ناگری مدرسوں کی تعداد کایستھی سے کسی قدر زیادہ ہے، لیکن دوسرے اضلاع میں زیادہ تر کایستھی ہی کا استعمال ہوتا ہے- کایستھی تحریر کو کایتھی ناگری بھی کہتے ہیں، یعنی کایتھوں کی تحریر - کایتھہ، مقامی بولی میں کایستھہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ ذیلی ذات جس میں محرر داخل ہیں، مثلاً پٹواری وغیرہ - صرافی رسم الخط کا دوسرا نام مہاجنی ہے، اور اس کا استعمال زیادہ تر مہاجنوں اور صرافوں میں ہوتا ہے - یہ رسم الخط صرف تجارتی اغراض کے لئے مخصوص ہے اور ایک قسم کے آنکڑوں میں لکھا جاتا ہے جسے صرف جاننے والے ہی سمجھہ سکتے ہیں- لیکن اگر کوئی شخص ناگری حروف تہجی سے تھوڑا بہت واقف ہو تو اس کو صرافی کا حرف شناس بننے میں کچھہ زیادہ دقت نہ ہوگی - ہاں ایک ایسے ہندیات * کے ماہر کو جس نے بجز

---

* معلومات متعلق ہندوستان، جیسے مصر سے مصریات (مترجم) —

خوشنما، اور نوک پلک سے درست سنسکرت تحریر کے اور کچھ نہ پڑھا ہو، دیہات کے بنئے * کی بد خط گھسیٹ پڑھنے میں البتہ بہت دقت ہوگی - اُردو کی خوش خط تحریروں میں عام طور پر " نستعلیق " کا استعمال ہوتا ہے جو دو لفظوں نسخ اور تعلیق سے مرکب ہے - معمولی اُردو تحریروں میں زیادہ تر " شکستہ " کا استعمال ہوتا ہے - خود اس لفظ " شکستہ ' ہی سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تحریر کتنی بے احتیاطی کے ساتھ ہوتی ہوگی —

سنہ ۱۸۴۸ع میں ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب میں اہل هند کے ۳۷ مطبع اور ۴۳ رسالے تھے - رسالوں کی اشاعت ۲۲۱۶ † تک پہنچ گئی تھی - اخباروں اور رسالوں میں سب سے زیادہ مقبول اور کثیر الاشاعت لاہور کا اُردو اخبار ' کوہ نور ' تھا ، لیکن اس کے خریداروں کی تعداد بھی ۳۴۹ سے زیادہ نہ تھی ! اس کے اڈیٹر هرسکھہ رائے تھے جو مطبع کوہ نور کے مالک بھی تھے - میں اس موقع پر اُن اخبارات کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو سال زیر بحث میں انگریزی زبان میں نکلتے تھے - اگر ان کی تعداد بھی دیسی زبانوں کے رسالے اور اخبارات میں شریک کر دی جائے' تو اس سال سب کی

---

* ملاحظہ ہو H. S. Reid Report. Agra pp 69 and 70 (مصنف)

† ملاحظہ ہو Allens Indian mail No - of August 16th 1836 (مصنف) —

اشاعت مل کر ایک لاکھ باسٹھ ہزار چار سو آٹھ ہو جاتی ہے - یعنی پچھلے سال کی اشاعت سے اٹھاون ہزار سات سو ترانوے زیادہ ' اس لئے کہ پچھلے سال کی تعداد صرف ایک لاکھ تین ہزار چھ سو پندرہ تھی * —

جن مطبعوں کا میں نے ذکر کیا ہے' ان میں سال زیر بحث کے اندر اخباروں اور رسالوں کے علاوہ دو سو سات کتابیں مشرقی زبانوں میں چھپ چکی ہیں - سنہ ۱۸۵۵ ع کے متعلق میرے پاس صحیح اعداد موجود نہیں ہیں ' لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد شائع ہوئی ہے - غالباً ان کتابوں میں انگریزی زبان کی خالص ادبی تصانیف کے ترجمے بھی شامل ہیں - انگریزی زبان کی ادبی تصانیف کے جو ترجمے آئندہ کئے جائیں گے ' وہ مستحق تعریف ضرور ہوں گے ' لیکن اس شرط پر کہ وہ کوئی ایسی ترمیم یا اصلاح نہ کریں جس سے اُردو ادبیات کی خصوصیت میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہو جائے' بقول ملٹن " اتنے زیادہ نفیس مذاق نہ بنو کہ غیر یقینی برائیوں کا فیشن ہو جائے " —

چند ہفتے ہوئے ' مسٹر فرانسس ٹے لر (Francis Taylor) نے جو دہلی کے ایک دیسی کالج کے پرنسپل ہیں مجھے ان

*Alliens Indian Mail' 31st July 1856. (مصنف) .

هندوستانی تصانیف کی ایک فهرست بهیجی هے جو حال میں سلطنت مغلیه کی راجدهانی (دلی) میں شائع هوئی هیں - اس فهرست میں چند ایسی کتابوں کا بهی ذکر هے جو میں نے اب تک آپ حضرات کو نهیں بتائی هیں - یه کتابیں اردو ادب کے لیے ایک قابل قدر اضافے کا حکم رکهتی هیں - آگره گورنمنٹ نے بهی ادارۂ فرانسه (Institute of France) کو ایک سو پچهتر کتابوں کا ایک ذخیره تحفتاً بهیجا هے ' اور اس میں بهی مجهے چند کتابیں نظر آئی هیں - یه ذخیره میرے قابل فخر احباب مسٹر ولیم میور (William Muir) معتمد حکومت ممالک مغربی و شمالی هند ' اور مسٹر ایچ - ایس - ریڈ (H. S. Reid) ناظم تعلیمات ممالک مغربی و شمالی کے توسط سے وصول هوا هے - یه دونوں حضرات هندوستانی ادبیات کے جو ایک نه ایک دن هندوستان میں سنسکرت اور فارسی ادبیات کی جگه لے کر رهے گا ' بڑے سرگرم معاون اور سرپرست هیں - اگرچه ان کتابوں کو انگریزی حکومت نے دیسی کالجوں اور مدرسوں کے نصاب میں شریک کرنے کی غرض سے شائع کیا هے ' لیکن یه یورپی حضرات اور خصوصیت کے ساتھ سیول اور فوجی محکموں کے اعلی افسروں کے لیے بهی بهت مفید هیں ' جن کے لیے بنگال جیسے صوبے میں رہ کر بهی جہاں کے اکثر اضلاع میں بنگالی

بولی جاتی ہے، ہندوستانی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ زبان (ہندوستانی) نہ صرف بنگال کے اکثر مقامات میں بولی جاتی ہے بلکہ کلکتہ، نیز صوبۂ بنگال کے دوسرے شہروں * کی عدالتوں میں صرف یہی زبان استعمال ہوتی ہے —

حضرات! جن دو فہرستوں کا میں نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا ہے، اب ان میں سے میں ایک نئے تذکرے کا حال آپ کو سناتا ہوں۔ اس تذکرہ کا نام "گلستان سخن" ہے؛ اس کے مصنف مرزا قادر بخش المتخلص بہ 'صابر' ہیں۔ جو خاندان شاہی کے ایک شہزادے مرزا مکرم بخت کے لڑکے ہیں۔ اس خاندان کا ایک سر برآوردہ شخص سراج الدین† اب تک شاہ بلکہ بادشاہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ صابر مولوی امام بخش 'صہبائی'، کے شاگرد ہیں، جو آج کل کے اعلیٰ درجے کے ہندوستانی مصنفین میں سے ہیں —

شعر کا شوق آج تک ہندوستانیوں میں بدستور باقی

---

* H. H. Wilson. Clossry of Indian Terms, Preface P. 20.

† یعنی ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ — مترجم

چلا آتا ہے ، لیکن اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا ہے ۔ ارسطو اپنی کتاب شعریات ، باب نہم میں لکھتا ہے کہ " شاعری بمقابلہ تاریخ کے کہیں زیادہ فلسفیانہ اور سبق آموز ہوتی ہے " لیکن جو فہرستیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں ان میں ، نظم کی بہت کم نئی کتابیں نظر آتی ہیں ۔ یعنی ایک تو " گیان چالیسی " (چالیس اقوال) جو ہندی دوہوں کی شکل میں ہے اور پنڈت شری لال کی لکھی ہوئی ہے جو کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں ، اور دوسری " پشپ باٹکا " (گلستان) جو گلستان کے باب ہشتم دربارۂ سیرت بادشاہاں کا ترجمہ ہے اور بندھی دھر کا کیا ہوا ہے ۔ یہ کتاب آگرے میں طبع ہوئی ہے ، اور اشاعت اول میں تین ہزار نسخے چھاپے گئے ہیں ۔ ایک اور مصنف قمرالدین نامی نے " گلستان اردو " کے نام سے گلستان کی تلخیص کی ہے اور ساتھ ساتھ فارسی عبارت بھی دے دی ہے ۔ انھوں نے بوستاں کے اقتباسات کا بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے ۔ ان کا ترجمہ نہایت فصیح اور صحیح ہے —

ان فلسفیانہ اور اخلاقی کتابوں میں جو حال میں ممالک مغربی و شمالی میں چھپی ہیں ، سب سے زیادہ قابل ذکر " صفات رب العالمین " مصنفۂ بابو شری داس ہے ۔ ان مصنف کا نام اگرچہ ہندوؤں کا سا ہے اور اس کے معنی

"لکشمی کے غلام" کے ہیں، لیکن وہ دراصل عیسائی ہیں اور جن چند ہندوستانی عیسائی مصنفین کا ذکر میں نے ابھی کچھ زمانے * ادھر آپ سے کیا تھا، ان میں ان کے نام کا بھی اضافہ کر لینا چاہئے —

ایک اور قابل ذکر کتاب 'بھوج پر بند سار' ہے یعنی بھوج کے اقوال کا انتخاب - اس پر بنسی دھر نے حاشیہ بھی لکھا ہے - آپ سب واقف ہیں کہ بھوج، جسے ہندوستان کا سلیمان کہنا چاہئے، مالوے کا ایک مشہور راجہ تھا - اس نے پانچویں صدی میں اجین میں حکومت کی؛ اور ہندوستانی تصنیفات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے —

بدھی و دیو دیوت ' (کتاب دربارۂ علم عقل) ایک ہندی کتاب ہے ' اور اس میں تعلیم و تربیت کے فوائد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے —

شکشا منجری (گلدستۂ معلومات) - یہ چند اقتباسات کا ہندی ترجمہ ہے جو ایچ - سی ' ترنر (H. C. Turner) نے ٹاڈ (Tod) کی کتاب "Hints on Self improvemen" سے لیے ہیں - ہندی ترجمہ بنسی دھر کا کیا ہوا ہے —

میں اس موقع پر ان اخلاقی قصوں کا بیان بھی مناسب

---

* صفحہ ۱۲۴ کتاب ہذا

سمجھتا ہوں جو حال میں لکھے گئے ہیں - مثلاً ' فرخ آباد کی کہانی' ' سورج پور کی کہانی' اور ' بدھ پھل و دیا' (درخت عقل کے پھل) - یہ آخری کتاب جو پنڈت کشن دت' اسسٹنٹ پروفیسر سنٹرل اسکول' آگرہ کی تصنیف ہے' ایک اردو کتاب ' کُھد ھی سبُد ھی' کا ہندی ترجمہ ہے' اس کتاب کا ذکر میں پچھلے سال کر چکا ہوں —

تاریخی کتابوں میں' جن کی تعداد میری پیش نظر فہرستوں میں سب سے زیادہ ہے' مجھے 'میر خوند' کی مشہور کتاب 'روضۃ الصفا'' کا اردو ترجمہ نظر آتا ہے- اس کتاب میں نہایت قدیم زمانے سے لےکر مصنف کے زمانے یعنی سولھویں صدی عیسوی تک کی ایرانی تاریخ بیان کی گئی ہے —

ایک اور کتاب جو ایک مسلمان' عالم مولوی عبیداللہ ابو مسلم کی تصنیف ہے'' تحفۃ الہند' ہے - اس میں ہندوؤں کے مذہب کی تشریح کی گئی ہے - یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مسلمان ہندو عقائد کی تشریح کس طرح کرتے ہیں- وہ اگرچہ ان کے عقائد کی شکل کو بالکل نہیں بدلتے' لیکن ان کو بہت کامیابی کے ساتھہ اپنے ذاتی عقائد میں ضم کر دیتے ہیں- میں تاریخی سلسلے کی دو اور کتابوں کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں- ان میں سے ایک تو ' تذکرۃ المشایخ' ہے' جس کے مصنف سدا سکھہ لال ہیں - یہ کتاب سوانح سے تعلق رکھتی ہے' اور

انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے - دوسری کتاب ولسن کی Manual of Ancient History کا اردو ترجمہ ہے جو تاریخ عالم کے نام سے کیا گیا ہے - اس کتاب کا ایک ہندی ترجمہ بھی 'جگت ورتانت' (تاریخ عالم) کے نام سے شائع ہوا ہے -

جدید مطبوعات میں 'اخلاقی تصانیف کا حصہ بھی اہم ہے - میں سب سے پہلے 'چھند دیپک' (عروض کا چراغ) کا ذکر کروں گا - یہ رسالہ ہندی عروض پر ہے' اور سنہ ۱۸۵۴ ع میں آگرے میں چھپا ہے - اب تک ہندی زبان کے عروض سے کوئی واقف بھی نہ تھا ' اور جس طرح اردو عروض فارسی عروض کی کسی قدر بدلی ہوئی شکل ہے اسی طرح ہندی عروض ' تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ' بالکل سنسکرت عروض کی طرح ہے - لیکن اس موضوع (ہندی عروض) پر ایک رسالے کی پھر بھی ضرورت تھی' اور بنسی دھر نے اس کمی کو پورا کردیا ہے-

صرف و نحو کی ان کتابوں کا ذکر جو حال ہی میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی ہیں ' طوالت سے خالی نہ ہوگا - یہ قواعد جتنے اردو اور ہندی سے متعلق ہیں ' اتنے ہی فارسی اور سنسکرت سے ' پھر بھی مجھے امید ہے کہ اگر یورپی حضرات انہیں پڑھیں گے تو انہیں ان سے کئی نئی باتیں حاصل ہوں گی :—

مذکورۂ بالا کتب کے بعد انشا کی کتابوں کا نمبر ہے - ان

میں حسب ذیل کتابیں نظر آتی ھیں —

پتر مالکا (پتیوں کا ھار) مصنفۂ شری لال ' ھندی زبان میں ' ' انشاے خرد افروز ' مصنفۂ قمرالدین ' اردو میں - اس کتاب کے متعدد اڈیشن نکل چکے ھیں ' اور ھزاروں نسخے فروخت ھو چکے ھیں -

انشاے خلیفہ ' یہ فارسی کتاب ' انشاے شاہ محمد ' کا اردو خلاصہ ھے ' فارسی عبارت بھی ساتھہ ساتھہ دی گئی ھے - انشاے شاہ محمد ' ھندوستان میں بہت مستند مانی جاتی ھے اِس کا ایک ثبوت یہ ھے کہ ممالک مغربی و شمالی کے فاضل ناظم تعلیمات مسٹر ریڈ نے جب سنہ ۱۸۵۳ - ۱۸۵۴ع میں دیہی مدارس کا دورہ کیا ' تو انھیں تین سو تینتالیس مدرسوں کے طلبا کے ھاتھوں میں یہی کتاب نظر آئی —

ایک اور کتاب ' شدہ درپن ' (پاکی کا آئینہ) ھے - یہ ھندوستانی زبان میں ھے اور اس میں آداب و اخلاق کے متعلق ھندوؤں کے نقطۂ خیال کا بیان کیا گیا ھے - اس کے مصنف سیٹھہ بدھی چند نارائن انسپکٹر مدارس متھرا ھیں - یہ صاحب کئی کتابوں کے مصنف ھیں —

' بدیانکار ' ھندی زبان میں شری لال کی تصنیف ھے - اسی کو بنسی دھر نے حقائق الموجودات ' کے نام سے اردو کا جامہ پہنایا ھے - اس میں موجودات عالم ' ستارے ' نظام شمسی

حرارت، روشنی، کرۂ ہوا، کہر، بادل، دنہاے حیوانات، نباتات، معدنیات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے —

اب میرا فرض ہے کہ فن زراعت پر جو چند کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، ان کا بھی ذکر کروں۔ ان کا مطالعہ ہماری زراعتی انجمنوں کے لئے یقیناً پر از معلومات ہوگا - یہ کتابیں حسب ذیل ہیں -

''کھیت کرن'' اس کے مصنف کالی راے ڈپٹی کلکٹر فتح گڈھ ہیں - یہ آج کل کے ایک مشہور مصنف ہیں - کتاب ہندی میں ہے اور اس میں ممالک مغربی و شمالی کے ہندوستانی کاشتکاروں کے دستور اور طریقوں کا حال درج ہے - یہ رسالہ آگرہ اور دھلی دونوں جگہہ کئی کئی بار اردو اور ہندی میں چھپ چکا ہے - اس میں مختلف قسموں کی مٹی، طرح طرح کے اوزاروں اور آب پاشی کے مختلف طریقوں کا بیان کیا گیا ہے - نیز تحصیل مالگذاری کے طریقوں کا حال اور زائد تحصیل کے متعلق چارہ جوئی کرنے کی ہدایتیں بھی کی گئی ہیں - اس رسالے میں نقشے بھی ہیں اور اصطلاحیں فارسی اور دیوناگری دونوں تحریروں میں دی گئی ہیں -

"کسان اپدیش" - اس کے مصنف بلسی دھر ہیں - کتاب ہندی میں ہے، اور اس میں بھی آبادی، ملکیت کے کھاتوں، نیز پٹواریوں کے سالانہ حساب وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی کتاب ہے جو سوھن لال

اور روشن علی کی متفقہ کوشش سے اردو میں 'پند نامہ کاشتکاراں ' کے نام سے چھپ چکی ہے- یہ دونوں حضرات تعلیم یافتہ ' اور آج کل کے ممتاز اہل قلم ہیں ' اس کتاب کا ایک فارسی اردو اڈیشن بھی ہے —

اگرچہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اختصار کی بہت کچھ کوشش کے باوجود بھی اسماے کتب کی فہرست بہت طویل ہوگئی ہے' لیکن میں اس میں ایک کتاب کے اضافے کی جسارت اور کروں گا- اور وہ میری کتاب " ہندوستانی زبان کے مصنفین کا تذکرہ " * کا اردو ترجمہ ہے ' یہ ابھی حال ہی میں دلی سے شائع ہوا ہے اور اس کے مترجم محمد ذکاء اللہ ہیں - ابھی تین دن ہوے اس ترجمے کی چند جلدیں مجھے وصول ہوئی ہیں - مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے اور مجھے یہ دیکھہ کر بہت خوشی ہوئی کہ دلکش ہندوستانی زبان پر میری یہ ادنیٰ درجہ کی تصنیف خود ہندوستانیوں میں مقبول ہوئی - میری تصنیف کے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے - چند سال پہلے میری ایک اور کتاب " تاریخ ادبیات ہندوستان " (History of Hindustani Literature) کا " طبقات شعراے ہند " کے نام سے اردو ترجمہ ہو چکا ہے —

* مطبوعہ Journal Institute بابتہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۵ ع

دیسی مدارس کے لئے جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بہ یک وقت ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شایع ہوئی ہیں تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں یکساں طور پر ان سے مستفید ہوسکیں - اکثر یہ فارسی زبان میں بھی شایع ہوئی ہیں' جسے ہندوستانی مسلمانوں کی لاطینی سمجھنا چاہئے اور جسے مدارس میں (اور ہندؤوں کے مدارس میں بھی) اردو کے ساتھہ ساتھہ سکھایا جاتا ہے' اصلیت یہ ہے کہ اردو سیکھنے کے لئے فارسی زبان سے واقف ہونا ناگزیر ہے —

حضرات میں نے آپ کو ان مذہبی کتابوں کا حال نہیں سنایا جو سرگرم مبلغین دیسیوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے شایع کرتے رہتے ہیں - ایسی کتابوں میں عہد نامۂ قدیم اور خصوصیت کے ساتھہ عہد نامۂ جدید کے ترجمے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں - چاہے ان مقدس کتابوں کو پڑہ کر بہت کم ہندوستانیوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہو تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن لوگوں نے انہیں پڑھا ہے ان کی زندگی پہلے سے بہتر اور زیادہ خوشی کی ضرور ہو گئی ہے' کیوں کہ بقول ینگ (Young) —

" کش مکش حیات سے گوشہ نشین ہونے کے بعد
انجیل پڑھو اور خوش رہو' اس میں ایسے حقائق
کی کثرت ہے جن سے زندگی کا سکون بدرجہ اتم

حاصل ہوتا ہے - اس کے مقدس صفحے کو پڑھو '
اور اس کا احترام کرو ' وہ ایک ایسا صفحہ ہے
جہاں "ابدیت" کی فتح نظر آتی ہے ' ویسا ایک
صفحہ ساری مخلوقات مل کر بھی کوشش کرے
تب بھی پیدا نہیں کر سکتی - اور زبردست سی
زبردست آگ بھی اسے برباد نہیں کر سکتی " —



آٹھواں خطبہ

۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع

اس سال ہندوستان میں افسوس ناک حوادث رونما ہوے ہیں خاص کر صوبجات شمال و مغربی جو اردو کا مرکز ہیں اور جہاں اردو زبان نے سب سے زیادہ فروغ پایا ہے ' یہ علاقہ بہت پامال ہوا - ان ہنگاموں نے ادبی اور علمی مشاغل کو ملیا میٹ کر دیا - اور اسی سبب سے میں اپنے اس خطبے میں حسب معمول اردو اور ہندی کے اخبارات اور جدید مطبوعات کی فہرست اور اعداد و شمار پیش کرنے سے قاصر ہوں - حضرات ! آپ سے مخفی نہیں کہ انگریزوں کے خلاف اس شورش کا آغاز ایک ایسے ہیبت ناک قتل و غارت سے ہوا ' جس کی مثال فرانس میں یوم سینٹ بار تھیلو میو اور صقلیہ میں واقعات ویپرس ہیں - انگریزی حکومت کے طرز عمل کے متعلق اتنی بات تو مسلم ہے کہ اہل ہند اس حکومت کی قدر کرتے تھے - اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جاے کہ اس کا رویہ

پدرانہ شفقت کے اصول پر مبنی نہ تھا تاہم یہ ضرور ہے کہ انگریزی حکومت قاعدے کی پابند ہے اور قوانین نافذہ کا احترام اس کا شعار رہا ہے۔ درآں حالیکہ خود ملکی حکومتیں متلون اور ظالمانہ تھیں۔ اور اس حقیقت کا اعتراف خود ان ہندوستانیوں نے کیا ہے جن سے میں ملا ہوں اور ان کی تصانیف بھی اس کی تائید کرتی ہیں جو میرے مطالعہ سے گزریں —

بہر کیف انگریزوں کی یہ شاندار مملکت جس کی ۱۳۱۹۸۶۹۰۰ آبادی اور ۸۳۷۴۱۲ مربع میل رقبے کو دیکھ کر دیگر اقوام فرنگ کو رشک اور حسد پیدا ہوتا تھا ، اس بغاوت نے اس میں ایک تہلکۂ عظیم برپا کر دیا ۔ اس سانحہ کو دیکھ کر ' سر تامس مور ' کا یہ شعر یاد آجاتا ہے جو اس نے مشرقی طرز میں لکھا ہے : —

"جو پھول حسن و دل فریبی میں سب سے بہتر
ہوتا ہے وہ جلدی سے مرجھا جاتا ہے، اور چمکدار
(رنگ) جلد اُڑ جاتا ہے" —

انگریزی حکومت پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ یہ بغاوت اس لیے باشندگان ہند کو نصرانی بنانے کی بدولت خود مول لی ۔ مگر یہ الزام بالکل غلط ہے ۔ خود مذہبی حرارت رکھنے والے انگریزوں کو حکومت ہند سے ہمیشہ یہ گلہ رہا ہے کہ

حکومت نے تبلیغی مساعی سے نہ صرف سرد مہری برتی بلکہ اشاعت مذہب کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں - چنانچہ اخباروں میں یہ شکوے برابر نظر سے گذرے کہ جو ہندوستانی سپاہی عیسائی مذہب اختیار کر لیتے ہیں حکومت ان کو ملازمت سے علاحدہ کر دیتی ہے تاکہ ہندوستانیوں کو یہ اندیشہ پیدا نہ ہونے پائے کہ حکومت تبدیل مذہب کی محرک اور تبلیغ نصرانیت میں معین اور مددگار ہے - مزید برآں پر جوش عیسائی تو خود کمپنی پر الزام دھرتے ہیں کہ کمپنی اُمور دینی میں مداہنت کی مرتکب ہے، شرمناک رسوم کفر کا رکھ رکھاؤ کرتی ہے اور خالص موحد مسلمانوں اور مشرک ہنود میں ذرا فرق نہیں کرتی- پراتسٹنٹ مبلغین اور رومن کیتھلک مبلغین کے درمیان بھی کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا، دونوں سے یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے - پہلے انگریزی حکومت نے رومن کیتھلک کو پوری آزادی دے رکھی تھی - فوجی چھاونیوں میں رومن فرقے کے مذہبی پیشواؤں کو رہنے کے لئے مدد معاش دی جاتی تھی - اور خود آگرہ شہر میں جو مقبوضات انگریزی کے بیچوں بیچ واقع ہے ایک خانقاہ عورتوں کے لئے بھی بنانے کی اجازت دے دی تھی - علاوہ ازیں رومن کیتھلک تعداد میں پروتسٹنٹوں سے زیادہ تھے - اول الذکر فرقے کے دو اسقف احاطہ بنگالہ میں تھے،

دو بمبئی کے لئے، پھر مدراس، حیدرآباد، وزیگاپٹم، میسور، کوئمبٹور، سردھنا، آگرہ، پٹنہ، ویروپلی اور منگلور، کوئلن اور میدورا میں بھی الگ الگ اسقف تھے۔ مجموعی تعداد ان رومن اساقف کی ۱۶ تھی۔ برخلاف اس کے خود انگریزی چرچ یعنی انگلیکن کلیسا کے ہندوستان بھر میں صرف تین بڑے پادری رہتے تھے۔ ایک کلکتہ ایک مدراس ایک بمبئی میں —

بلا شبہ دہلی میں عہدۂ بشپ قائم کرنے کا سوال درپیش ہے اور یہ بھی تجویز ہے کہ شاہجہانی مسجد جامع کو گرجا میں تبدیل کردیا جائے، بشرطیکہ وہ موجودہ شورش کے شدید حملے سے محفوظ رہ گئی۔ علاوہ ازیں کنٹربری کا لاٹ پادری مطالبہ کر رہا ہے کہ تین بڑے پادریوں کا جدید تقرر عمل میں لایا جائے۔ ایک لاہور میں دوسرا آگرے میں ممالک مغربی و شمالی کے لئے اور تیسرا تناولی میں کرناٹک کے لئے۔ رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ اس وقت ایک دوسرے سے تبلیغ کے باب میں سبقت لے جانے کی کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ رومن کیتھلک ہندوؤں کو عیسائی بناتے ہیں اور پروٹسٹنٹوں کی نظر مسلمانوں پر ہے کیوں کہ مسلمانوں کو بت پرستی سے بہت نفرت ہے —

بغاوت کے اسباب بعید کچھ ہی ہوں مگر ظاہری قریب

ترین سبب چربی کے کارتوسوں کا سپاہیوں کو دیا جانا اور الحاق سلطنت اودھ ہے - ہر چند کہ ہند کے نظام سیاسی کے رو سے بادشاہ اودھ کی منزلت نواب وزیر اور صوبیدار کی تھی اور اُس کے اِدعائے خسروی کو 'تیمور' و 'اکبر' کے وارث نے جو برائے نام تخت 'دھلی' پر متمکن تھا تسلیم بھی نہیں کیا تھا - ان منحوس کارتوسوں کی تقسیم کے موقع پر ہندوستانی اخبارات نے ' جو بد دلی پھیلا نے میں پہلے ہی سے مستعدی دکھا رہے تھے' اپنی غیر محدود آزادی سے فائدہ اُٹھایا اور اہل ہند کو کارتوسوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کر نے پر آمادہ کر دیا اور یہ باور کرایا کہ اس حیلے سے انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں ' یہ حیلہ تھا یا اصل واقعہ' ہم سمجھہ نہیں سکتے- ان لوگوں کی بےاحتیاطی ضرور قابل افسوس ہے جنھوں نے یہ سمجھہ لیا تھا کہ وہ قومی تعصبات کو بے کھٹکے کچل سکتے ہیں اور یہ نہ جانا کہ یہی تعصبات تو اہل ہند کے مذہب کی جان ہیں —

بہر کیف بغاوت کے شعلے اس سال ہندوستان کے طول و عرض میں مشتعل ہوگئے ہیں - جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے مئی کے مہینے کی ابتدا میں میرٹھہ میں اول اول تلنگا پلٹن نے بغاوت کا علم بلند کیا - میرٹھہ سے یہ سیدھے دھلی کی طرف بڑھے اور شہر پر قابض ہوگئے- جنگی کارروائی کی باگ

مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی جو ہندوستان کے فاتح اور مالک تھے۔ علاوہ ازیں ان میں ایسا دم خم تھا کہ وہ خود بخود اس بغاوت کے سرغنہ بن گئے۔ اب انہوں نے نئے سرے سے شاہنشاہ مغلیہ کا تخت جمایا اُنہوں نے اُسی بادشاہ کو جسے کمپنی بہادر نے بادشاہی القاب و خطاب سے محروم نہ کیا تھا اور ۱۵ لاکھ سالانہ وظیفہ جاری رکھنا گوارا کر لیا تھا، پشت و پناہ خلافت بنایا اور ہندوؤں کے سامنے' نو راجا، کر دکھایا۔ اس بادشاہ کا نام سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی ہے۔ بادشاہ نے اب پھر سراج الدین حیدر شاہ غازی کا لقب اختیار کیا اور اپنی عارضی بادشاہت کے دوران میں مشرقی دستور کے مطابق جو سکہ رائج کیا تھا اُس پر بھی یہی لقب کندہ کر دیا "بزرزد سکۂ نصرت طرازی سراج الدین حیدر شاہ غازی" بادشاہ کی چار ماہ کی بادشاہی کا کیا حشر ہوا، اور دہلی کی لوٹ اور تاراج کے بعد کس طرح اُنہیں اور بیگم نواب زینت محل کو قید کیا گیا اور پانچوں شہزادے ایک ایک کرکے کس طرح طعمۂ اجل ہوئے (تین تو فوراً گولیوں کا نشانہ بنائے گئے دو دار پر لٹکائے گئے)۔ یہ سب واقعات مشہور اور معلوم ہیں لیکن اب تک بادشاہ اور ملکہ کی جان محفوظ ہے —

اُمید ہے دہلی میں سپاہ کا قتل عام اور مغرور سپاہیوں کی گرفتاری جو کرشن کے پوتر مولد متھرا کی طرف بھاگے اور

وهیں گرفتار هوئے اور دیگر انگریزی فتوحات غالباً ضرور بغاوت کے بڑھتے هوئے سیلاب کو روکنے میں کامیاب ثابت هوں گی اور بتدریج امن قائم هوجائے گا۔ یہی آرزو ایسے شخص کی هے جو بنی نوع بشر کا درد دل میں رکھتا هے اور جو انگریزوں سے تو اس لئے محبت کرتا هے که وه نصرانیت کے نمائندے اور تہذیب مغرب کے علم بردار هیں - اور اهل هند سے اس لئے همدردی کرتا هے که باوجود اُن سخت بے رحمانه بد اعمالیوں اور خوف ناک مظالم کے جس کے وه اس بغاوت میں مرتکب هوئے هیں، پهر بهی عمده لوگ هیں- هندوؤں سے تو اس لئے که ان کا تمدن بہت قدیم هے اور مسلمانوں سے اس لئے که ایک طرح سے وه بهی نصرانیت کے خاندان میں شمار هو سکتے هیں کیونکه وه عیسیٰ علیه السلام کو کلمة الله کہتے هیں اور توریت و انجیل کو کتب آسمانی مانتے هیں —

دهلی کے بادشاه کا سن انگریزی اخبارات میں ۹۲ سال بتایا جاتا هے لیکن یه صحیح نہیں ان کا سن اس وقت ۸۴ سال هے - کیونکه سنه ۱۸۳۷ع میں ان کی عمر ۶۴ سال تهی (ملاحظه هو خطبه نمبر ۱) اور اس کے چند هی سال بعد (ملاحظه هو خطبه نمبر ۲) بیان کیا گیا که ان کا چهره مهره خوشنما، اخلاق و اطوار پسندیده اور دل کش هیں اور جو کوئی ان سے ملتا هے ان کا گرویده هوجاتا هے- یه اکبر شاه ثانی

کے بیٹے ہیں جن کو مرہٹوں نے سنہ ۱۸۰۶ء میں سریر حکومت پر بٹھایا تھا - ان کی وفات کے بعد یہ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے —

ولی عہدی کے زمانے میں جب کہ ان کے والد زندہ تھے مرزا ابو ظفر خاں بہادر کہلاتے تھے - اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص 'ظفر' کیا تھا اور شعر شاعری ان کا ایسا مشغلہ تھا جو عنفوان شباب سے لے کر مسند آرائی اور غدر کے ہنگامے تک برابر جاری رہا —

'ظفر' شاہ عالم کے پوتے تھے جو 'آفتاب' تخلص کرتے تھے اور ان کے چچا کا نام سلیمان شکوہ اور تخلص شکوہ تھا - حضرت ظفر نے شعر گوئی میں اپنے دادا اور چچا کی تقلید بڑی خوبی سے کی اور ان کے نقش قدم پر چل کر کمال پیدا کیا - فن شاعری میں ان کے استاد شیخ ابراہیم ذوق تھے جو بڑے پایے کے شاعر ہوئے ہیں - انہوں نے 'ظفر' کی شاعری میں بڑی اصلاح کی - 'شیفتہ' اور کریم' نے جو با کمال شاعر تھے اپنے تذکرون میں 'ظفر' کی جودت طبع اور اوصاف حمیدہ کی بڑی ستائش کی ہے - یہ دونوں مصنف 'ظفر' کو اپنے عصر کے شعرا کی صف اول میں جگہہ دیتے ہیں اور اس میں کلام نہیں کہ ظفر کی شاعری میں خاص جدت پائی جاتی ہے اور ان کا کلام زبان کے اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے - ظفر نے ہر صنف

سخن پر قلم اٹھایا ہے - ان کی اکثر غزلیں ' گیت اور ٹھمریاں ہندوستانی گھروں میں پڑھی جاتی ہیں - دیگر تصانیف کے علاوہ ان کا ایک ضخیم دیوان ہے جس کے بہت سے اقتباسات شیفتہ اور کریم الدین نے اپنے تذکروں میں دیے ہیں - انہوں نے ' گلستان ' کی شرح موسوم بہ " شرح گلستان " بھی یادگار چھوڑی ہے جو چھپ چکی ہے - ' ظفر ' کو فن خطاطی میں بھی کمال حاصل تھا اور مسجد جامع دہلی کی آرائش کے لئے انہوں نے اپنے ہاتھہ سے قرآن شریف کی آیات لکھہ کر بھیجی تھیں - ان کے صاحبزادے مرزا دارا بخت بہادر کو بھی شعر گوئی کا شوق ہے اور انہوں نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح اس طرف توجہ کی - ان کی اردو غزلوں پر سے ' قاسم ' ' سرور ' اور ' کریم ' نے یہ راے قائم کی ہے کہ وہ شعراے معاصرین میں اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں - ہماری تمنا ہے کہ وہ قتل و ہلاکت سے محفوظ رہیں اور نہیں تو پرامن فقر و درویشی ہی اختیار کر کے علمی اور ادبی خدمت کرتے رہیں —

نہ معلوم اس وقت بد بخت شہر دہلی پرکیا گذر رہا ہوگا! اس کا بڑا اندیشہ ہےکہ آج اس کی ایک یادگار بھی غارت گری سے محفوظ و مامون نہ رہی ہوگی - ہنگامۂ غدر سے پہلے ہی اس شہرۂ آفاق شہر کی بہت سی یادگاریں لڑائیوں اور ہنگاموں کی بدولت مٹ چکی ہیں یا کھنڈر ہوئی پڑی ہیں - اِس کے

آبشار اور فوارے جو فرانس' کے متحل ورسائی' کے آبشاروں اور فواروں کی ٹکر کے تھے اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا - یہی حال شہرکی اور بہت سی عمارات کا ھے- ان عمارات کی جگہ اُن کے حالات " آثارالصنادید" میں باقی رہ جائیں گے جو مولوی سید احمد نے حال میں لکھی ھے - میں اس کتاب کا کامل ترجمہ عنقریب شائع کرنے والا ھوں - ضمناً میں اتنا بتا دینا مناسب سمجھتا ھوں کہ کتبوں کے نقشے جو لکھنو کے چھپے ہوے ھیں کتاب مذکور میں شامل کئے گئے ھیں اور یہ سب کے سب عربی اور فارسی ھیں ارر یہی زبانیں مسلمانان ھند کے علمی حلقوں میں رائج ھیں- سنسکرت میں صرف اشوک کی لاٹ کے کتبے کا نقش ھے اور اردو میں صرف ان کتبوں کے چربے ھیں جو عالمگیر ثانی نے حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر سنہ ۱۷۵۵ ع میں کندہ کرائے تھے- آپ ھندوستانی کے سرآمد صوفیا میں سے ھیں —

انگریزی روزناموں میں حال ھی میں دھلی کے دلچسپ حالات شایع ھو چکے ھیں اور میں نے خود اپنی تاریخ میں ان کی تفصیل اور وضاحت کردی ھے —

ذیل کی چند سطور ایک تحریر سے مقتبس ھیں جس سے اس بد نصیب و فلاکت زدہ شہرۂ آفاق دارالخلافہ کی موجودہ تباہ حالت کا بخوبی اندازہ ھوتا ھے اگرچہ اس میں مبالغے

کی جھلک بھی نظر آتی ہے جو اہل مشرق کی عادت ہے - یہ نقشہ اُس دہلی کا ہے جو کبھی آباد و بارونق تھی —

دہلی شہر کی سب عمارات پر تکلف اور نظر فریب ہیں - اس کے باغات اپنی حسن و شادابی میں دنیا میں نظیر نہیں رکھتے - گھر گھر نہریں اور فوارے جاری ہیں - جا بجا حوض ہیں جو پانی سے کٹورے کی طرح پڑے جھلکتے ہیں ' اگر رضوان بھی ایک دفعہ اس کی جھلک دیکھ لے تو بہشت کی دربانی سے اس کا جی پھر جاے - اس شہر کا گوشہ گوشہ ایسا وسیع و معمور ہے کہ ہفت اقالیم میں سے ایک ایک اقلیم اس میں سما جاے ' اس کی تنگ سے تنگ گلی بھی اتنی فراخ اور کشادہ ہے کہ پورا شہر اس میں سما جاے - ہر جگہ چہل پہل اور گھما گھمی ہے اور جدھر نظر جاے اُلجھ کر رہ جاے - بھانت بھانت کا انسان یہاں پایا جاتا ہے ' دور دور کے قصبات اور دیہات سے آفاقی یہاں آکر رہ پڑے ہیں - ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں جو یہاں نہ ملے اور ہر طرح کا آرام و راحت یہاں میسر ہے - ہر ملک کی جنس اور ہر قلمرو کا آدمی یہاں موجود ہے - یوں تو ہر بازار لاثانی ہے مگر ' چاندنی چوک ' جو شہر بھر میں سب سے بڑا بازار ہے اپنی خوبی میں اپنا آپ ہی جواب ہے - اس کی ہر دکان بھر پور ہے اور اپنا نظیر نہیں رکھتی وہ وہ مال و اسباب فراہم ہے

بادشاہوں کا دل دیکھ کر للچائے - خاص چوک ایسا کشادہ ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل کشادہ ہو جائے پھر وہ صفائی اور ستھرائی کہ خشکہ بکھیر کر دانہ دانہ اٹھا لو - ایک ایک تاجر یہاں کا وہ شان رکھتا ہے کہ اچھے اچھے امیر اُمرا اس سے ملنے میں عار نہیں کرتے - یہاں کے ادنیٰ کباڑی کے وہ دماغ ہیں کہ بڑے بڑے جوہریوں کو خاطر میں نہیں لاتا - بساطی کے پاس وہ مال کی کثرت ہے کہ استنبول کا سارا بساط خانہ ایک طرف اور اس کا اسباب ایک طرف - صرافے کی ایک ایک دکان ایسی ہے کہ اُس کے ایک صندوق میں سارے ایران کے صرافے کی دولت سما جائے —

الغرض جس دوکان کی طرف جاؤ برابر روپیے کی جھنکار سنائی دیتی ہے - اور ایسا ایسا ساہوکار پڑا ہے جو تنہا ایک پوری سلطنت کی سر براہی کر سکتا ہے - اگر ایک لشکر کے لئے گولی بارود درکار ہو تو دن کے دن پورا سامان یہاں سے فراہم کر لو - اہل پیشہ اور ہنر مند کو کام کی کمی نہیں، رات دن لین دین بنج بیوہار ہوتا رہتا ہے - جوہری کی ادنیٰ سی دوکان کو دیکھو تو ایک کانِ جواہر معلوم ہوتی ہے - اگر خطۂ ارض کی ساری دولت کسی نہج یہاں لے آئیں تو کھڑے کھڑے ایک اکیلا ساہوکار اُس کو اپنی تحویل میں امانت رکھنے کو تیار ہو جائے، ہر دوکان اپنی آرائش اور زیبائش میں رنگین

اور ہم رنگ بہار ہے اور کسی شے کی کمی کا وہم بھی یہاں نہیں گذرتا - ہر جگہ خلقت کا ازدحام ہے اور ہر طرف میلے ٹھیلے کی سی چہل پہل ہے - اس شہر کا ہر حصہ خوش منظر اور آباد ہے - خانقاہیں، مدرسے اور عالی شان مکانات اس شہر میں بکثرت ہیں" -

اُس غدر کے جگر خراش اور اندوہ گیں مناظر کے بڑے بانی مبانیوں میں نانا صاحب ایک تعصب کی آگ میں بجھا ہوا ہندو تھا - یہ شخص پیشوا باجی راؤ کا لے پالک تھا - نانا صاحب نے ویٹھور میں اقامت اختیار کرلی تھی اور یہ مقام کان پور کے پاس ہے - سنا ہے کہ یہ خوں خوار انسان انگریزی تقریر و تحریر میں ید طولیٰ رکھتا ہے - انگریزی کی واقفیت ہندوستانی تعلیم یافتہ لوگوں میں عام ہو چلی ہے - اس شخص نے 'شیکسپیر' کے مشہور ڈرامے 'ہیملٹ کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اگرچہ بہت سے ہندوستانی ایسے تھے جنھوں نے اس ہنگامے میں بڑے ظلم ڈھائے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے اپنے بدیسی آقاؤں کا ساتھ دیا اور اپنی جانوں پر کھیل کر ایسے فرنگیوں تک کو پناہ دی جن سے کبھی کی صاحب سلامت بھی نہ تھی- علاوہ اس کے خود لارڈ پامرسن نے لارڈ میور آف لندن کی دعوت کے موقع پر تقریر کرتے ہوے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :-

" اگر باغی اور مجرمین کا شمار ہزاروں کی تعداد میں

ہے تو بے گناہ بھی لاکھوں کی تعداد میں گنائے جاسکتے ہیں "۔

جرائد و اخبارات نے وفاداری کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں - ہندوستانی راجہ نوابوں نے انگریزوں کا اپنی اپنی حیثیت کے موافق پورا ساتھ دیا - انھوں نے انگریزوں کو فوجی کمک بھیجی اور روپے سے بھی مدد دی - خود اودہ میں راجاؤں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر انگریزوں کی جانیں بچائیں -

گوالیا کے مہاراجہ سندھیا فرنگی تہذیب و تمدن کی بہت قدر کرتے تھے چنانچہ اپنی ریاست میں غدر سے پہلے ۳۱ مدرسے جاری کئے تھے جن میں ۸۰ اُستاد تھے اور ۲۵۰۰ طالب علم - ان کو ایسی تعلیم دی جاتی تھی کہ وہ انگریزوں سے ملنے کے قابل ہو جاتے تھے - سندھیا اپنی رعایا کے آدمی لے کر گوالیار کی باغی فوج کے سر پر آموجود ہوا اور باغیوں کا محاصرہ کر کے ہتیار رکھنے کا حکم دیا - سپاہیوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ ہتیار رکھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے - میں اس مقام پر ایک دوسرے مرہٹہ سردار یعنی مہاراجہ ہولکر کے ان شریفانہ الفاظ کا بھی تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں جو اُس نے اپنی باغی فوج کو مخاطب کر کے کہے جس کا مضمون یہ تھا کہ "عورتوں اور بچوں کا قتل کسی مذہب میں روا نہیں" - اور میں اس امر کا بھی

اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے انگریز جن کے متعلق یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مارے گئے (بقول Examiner کے) اُن میں سے بہت سے وفادار ہندوستانیوں کے گھروں میں پناہ گزیں ہیں - جب دوبارہ امن و امان قائم ہو جائے تو اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئیں گے —

بعض ہندوستانی جو عملی طور پر کچھ کرنے سے قاصر رہے انہوں نے کھلم کھلا مصیبت زدہ انگریزوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص سید عبداللہ نامی ہے جو بیوہ ملکہ اور شہزادگان اودھ کے ساتھیوں میں سے ہے - جب اُس کو جنرل ہنری لارنس کی مرگ کی خبر معلوم ہوئی جو اس غدر کے ایک معرکے میں ہلاک ہوا تو اُس نے ایک اردو مثنوی لکھ کر شایع کی- عبداللہ ایک زمانے میں پنجاب کے کسی انگریزی دفتر میں مترجم رہ چکا تھا اور لارنس سے خاص طور سے واقف تھا - اس نے اسی نظم کا مختصر ترجمہ خود نظم انگریزی میں کیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس روانی کے ساتھ انگریزی زبان لکھنے پر قادر تھا — ذیل میں سید مذکور کی نظم کا لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے جو اصل نظم سے کیا گیا ہے : —

" لارنس ہندوستانیوں کا بڑا رفیق تھا اور وہ
ہمیشہ ان کی ترقی اور برتری کا خواہاں تھا اور

وہ ہر کس و ناکس کی مصیبت رفع کرنے میں کوشاں رہتا تھا - اور ہر چشم تر سے آنسو پونچھتا تھا - ہنگام رزم میں اس کی آنکھیں انگارے کی طرح لال ہو جاتی تھیں ' اگرچہ دل اس کا موم سے بھی زیادہ نرم تھا - وہ احکام ربانی کا شیدائی اور دنیاوی مشاغل سے دور رہتا تھا - خدا کی خوشنودی اور بندوں کی خوشی اور ہر دل کو خوش رکھنے کی بڑی تمنا تھی - مگر گردش زمانہ پر صد حیف کہ تیرہ بختی اور بد نصیبی نے اس کو نشانۂ اجل بنایا اور خون میں نہلایا - اگرچہ یہ شخص اس جہاں سے رخصت ہوا مگر اُس کا نام اُس کے بعد شہرت کے ساتھ رہا - اُس کے قابل تعریف اوصاف کی یاد دلوں سے اسی طرح امٹ ہے جس طرح پتھر کی لکیر" —

اس نظم کے آخری شعر سے اس سورما کی تاریخ وفات ۹ فروری سنہ عیسوی و ہجری نکلتی ہے - اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ " شریف و نجیب سر ہنری لارنس مر گیا - اُس کا نام نامی اُس کی یادگار ہے " - اس شعر کے پہلے مصرعہ کے حروف کے اعداد جوڑو تو سنہ ۱۸۵۷ ع نکلتا ہے اور دوسرے مصرعہ سے ۱۲۷۴ ہجری —

اس ھنگامے میں نہ صرف بہادر اور جری انگریز فوجیوں کا ھی ماتم کرنا پڑتا ھے بلکہ دھلی میں تلنگوں کی لوٹ مار، کان پور کے قتل عام اور اس شورش کے دیگر خوف ناک حوادث میں ھر طبقے کے غیر مسلم اور غیر حربی بھی کثرت سے تہ تیغ ھوے - ان مقتولین کے انبوہ میں سے جو لوگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ھیں ان میں میرا ایک دوست مسٹر فرانسس ٹیلر ھے - میں نے اپنے گذشتہ سال کے خطبے میں اُس کا تذکرہ کرتے ھوے کہا تھا کہ اُنھوں نے میرے لئے جدید اُردو کی تازہ ترین مطبوعات کی فہرست فراھم کر کے بھیجی تھی - مسٹر فرانسس ٹیلر دیسیوں کے کالج کا پرنسپل تھا جو اس بد نصیب دارالحکومت دھلی میں واقع تھا - اس کالج میں ۳۰۰ طلبا تھے - ان طلبا کو ریاضی، ھئیت یورپی اُصول پر پڑھائے جاتے تھے اور مشرقی علوم السنہ کی تعلیم ایشیائی اُصول پر دی جاتی تھی - اضلاع شمال و مغربی کی علمی و ادبی ترقی کی تمام اطلاعات مجھے مسٹر ٹیلر کی عنایت سے حاصل ھوئی تھیں - حقیقت میں یہ شخص بڑے لطف و کرم اور تندھی سے مجھ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا اور چونکہ ھندوستانی زبان کا وہ بڑا ماھر تھا اور اھل علم ھندوستانیوں کے پاس اس کی آمد و رفت تھی کہ جن سے وہ اُردو میں بلا تکلف بات چیت کر سکتا تھا، اس لئے اب تم خود

اندازہ کرسکتے ہو کہ میرے لئے اُس کا وجود ہندوستان کی علمی اور ادبی ترقیات کے متعلق کس قدر کارآمد اور فائدہ رساں تھا —

دیسیوں سے اُس کا میل جول کچھہ کام نہ آیا اور دہلی کے قتل عام میں ۱۰ مئی کو نشانۂ اجل ہوگیا اور جوان بیوہ اور خورد سال بچہ چھوڑ مرا - اس کی موت ہندوستانی ادبیات کے حق میں ایک حادثہ ہے - ادب اُردو سے اُس کو عشق تھا اور اس نے اس کی بڑی خدمات انجام دیں - اول تو یہی خدمات کچھہ کم نہ تھیں کہ ' دہلی کالج ' کے صدر کی حیثیت سے ' بوترو ' اور ' سپرنگر ' جیسے لائق اساتذہ کے کام کو جاری اور برقرار رکھا اور ان کی جانشینی کے حق کو خوبی سے ادا دیا - اُردو اور ہندی میں تصنیف و طباعت کے کاموں میں ہمت افزائی کرکے لوگوں کی مدد کی ' اسی طرح عربی ' فارسی ' انگریزی اور سنسکرت کتابوں کے ترجموں کی بھی سرپرستی کی —

صرف غدر ہی نے مشرقی علوم کو نقصان نہیں پہنچایا - حال ہی میں طہران میں مرزا محمد ابراہیم کا انتقال ہوا ہے جو ایسٹ انڈیا ہلسبری کالج کے پرنسپل تھے ' جہاں میری اُن سے سنہ ۱۸۳۷ ع تک ملاقات رہی - پھر شاہ ' ایران ' نے ان کو عہدۂ فرمان روا (گورنر) پر تقریر کرکے طلب کرلیا - وہ

نہایت عمدہ انگریزی بولتے اور لکھتے تھے اور بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے لئے مشہور تھے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں کہ انھوں نے ایک عمدہ فارسی صرف و نحو لکھی اور بہت سے دلچسپ مضامین فارسی علم ادب کے متعلق یادگار چھوڑے۔ ۲۰ برس ہوے کہ یہ مضامین ایک رسالہ موسوم بہ " اے تھی نیم" میں شایع ہوے تھے۔ انھوں نے یشعیا نبی کی کتاب کا اور تاریخ روما کا ترجمہ اپنے شاگرد یعنی شاہ ایران کے لئے کیا تھا۔ خود یوروپ میں عین عالم شباب میں مسٹر نیوٹن کا انتقال ہوگیا جو ممتاز مستشرق اور ہندوستانی زبان کا بڑا ماہر تھا۔ اور ہرفورڈ کے ممتاز اڈیٹر سٹفن آسٹن کا شریک ذوق ادب تھا۔ 'نیوٹن' کا انتقال اپریل میں ہوا اور مئی میں کپتان آدم گورڈن چل بسا۔ یہ شخص سالہا سال مشہور چلتن ہم کالج میں زبان ہندوستانی کا معلم رہا۔ اردو اس نے ہندوستان کے ایام قیام میں سیکھی تھی۔ اچانک موت نے اُس کو علم کی آغوش اور اپنے کنبے سے چھین لیا —

آخرالامر پیرس کو بھی ۱۸ ستمبر کو کاتر میر کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یہ اچھا بچھا تھا کہ صبح کے وقت اپنے بستر استراحت پر مردہ پایا گیا۔ وہ اپنے زمانے کا بڑا زبردست مستشرق تھا غالباً اپنے عصر کا سب سے بڑا جید عالم تھا۔ یہ فاضل محترم ۲۵ سال تک زبان فارسی کا درس دیتا

رہا اور اپنی ساری زندگی اس نے زبان فارسی کے لئے وقف کردی تھی - وہ دنیا سے ہمیشہ کنارہ کش رہا اور آخر دم تک اُس نے قدیم سید ھے سادے اخلاق و آداب کو بحفاظت برقرار رکھا اور شرافت اور انسانیت کو کبھی ہاتھہ سے نہ دیا - سنہ ۱۷۸۳ ع میں پیدا ہوا اور ۲۶ برس کی عمر میں مصری زبان اور مصری ادبیات پر اُس نے ایک اہم تصنیف کی جس کی وجہ سے وہ بہت جلد مشہور ہوگیا - ۳۳ سال کی عمر میں وہ شعبۂ کتبات (Academy of Inscriptions) کا رکن بنایا گیا اور دس سال بعد کالج آف فرانس میں عبرانی کا معلم اول مقرر ہوا اور اسی وقت سے باقاعدہ سبق دینا اور شعبۂ مزکور کے علمی مذاکروں اور جلسوں میں شریک ہونا اس کے مشاغل میں داخل ہوگیا - نیز اکاڈمی مذکور میں وہ بیرن داسیر کی جگہ سکریٹری کی خدمات بھی انجام دیتا رہا - اپنے اوقات کا بقیہ حصہ وہ اپنے مخصوص کام (یعنی علوم مشرقیہ) پر صرف کرتا تھا اور چونکہ وہ تجرد کی زندگی بسر کرتا تھا اور عیال و اطفال کی فکر سے فارغ تھا اس کام کو وہ آخر دم تک جاری رکھہ سکا - چنانچہ اس کی یادداشت مصریہ مشتمل بر تواریخ و جغرافیہ مصر اور یادداشت دربارہ نباتھین (Nabatheens) کی بڑی قدر ہوی - علامہ مقریزی کی تاریخ مملوک سلاطین مصر کا ترجمہ، رشیدالدین کی اصل

تاریخ مغول ایران مع فرانسیسی ترجمہ، مقدمہ علامہ ابن خلدون (Academy of Inscriptions) کے نوتیسز آن مینو سکرپٹس (Notices of Manuscripts) کی جلدوں میں شائع ہوتا رہا - متعدد مضامین اخبار (journal of savants) کے ذریعہ شائع ہوے - دیگر تالیفات بھی اس کے قلم سے نکلیں - اور انھیں ایام میں وہ پانچ لغات کی کتابوں کی تصنیف اور تالیف پر برابر محنت کرتا رہا جس کا بہت سا مواد قلمی لکھا ہوا اُس نے چھوڑا ہے۔ یہ لغات عربی، فارسی، ترکی، قبطی اور سریانی زبانوں کی تھیں - اس کی تفریح اور سیر صرف یہ تھی کہ پرانی کتابوں کی دوکان میں جاتا، پرانی اور کم یاب کتابوں کی تلاش کرتا اور جہاں کتب خانے فروخت ہوتے وہاں پہنچ جاتا - نیز اپنے معزز خاندان کے لوگوں اور چند چیدہ احباب سے ملاقات کرکے بھی اُسے بے حد خوشی ہوتی تھی - وہ اپنے مہمانوں کی تواضع اور آو بھگت بڑے تپاک سے کرتا تھا - ان کو اپنی میز کے گرد یا دھکتی ہوئی انگیٹھی کے پاس جمع کرکے اپنی تحقیقات کے سر بستہ رازوں سے آشنا اور خبر دار کیا کرتا تھا - جو اُس سے ملاقات کے لئے آتے اُن سے بڑے لطف و اخلاق سے پیش آتا تھا - درماندہ لوگوں سے فیاضی کا برتاو کرتا اور جو کچھہ خیر خیرات کرتا تھا اُس کی خبر کسی کو کانوں کان نہ ہوتی - اس کی گفتگو ہر حال میں سبق آموز ہوتی مگر ساتھہ ھی ساتھہ بے تکلفی اور

زندہ دلی سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ ایک فہمیدہ اور ہوشیار عورت نے اس کی گفتگو کا حال سچ سچ یوں بیان کیا ہے " جب باتیں کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حکیم و فلسفی کی جگہ دنیادار آدمی بیٹھا بول رہا ہے ' اُس کی گفتگو ہمیشہ پر لطف ہوتی ہے اور اُس کے سامنے سے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے - وہ نہایت خوش طبع اور اعلیٰ درجہ کا ذوق رکھتا ہے اور اس میں خواہ مخواہ علمی نخوت کی آمیزش نہیں پائی جاتی۔ دوسروں کی بات التفات سے سنتا ہے بلکہ لغو اعتراضات تک سے بھی بے اعتنائی نہیں کرتا اور کلام لطایف و حکایات کا ایک ایسا شیریں سرچشمہ جاری ہو جاتا ہے جس سے عالم و جاہل دونوں لذت اندوز ہوتے ہیں " —

کہا جاتا ہے کہ مسٹر کاتر میر کے مذہبی عقائد عام رومن کیتھولک طریق سے جدا گانہ اور جانسینی تھے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان خدا کی مدد کے بغیر نجات نہیں حاصل کرسکتا - اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ملحد تھا اور برکات خارجی کی ضرورت تسلیم کرتا تھا تو یہ حکیم قطعاً اس عقیدے سے کوئی سروکار نہ رکھتا تھا - کیوں کہ وہ دل سے کیتھولک عقائد کو تسلیم کرتا اور اُن کا قائل تھا - اور اگر یہ الحاد کا الزام ان لوگوں کے لئے تراشا گیا ہے جو مسیحی اخلاق کے شدت سے پابند اور گرجا کے اصول پر کاربند اور بدل و جاں فرانسیسی گرجا کی سنگت میں

محدثات کے مخالف ھیں تو اس معنی میں اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ھے کہ وہ ملحد ا نہ یا جانسینی عقیدہ رکھتا تھا۔

گاتر میر میں دنیاوی شہرت کی ھوس نام کو نہ تھی۔ غیر ممالک کی چند ھی ایسی علمی انجمنیں تھیں جن کی رکنیت اس نے قبول کی تھی۔ اور نشانات امتیاز میں محض اس کے پاس ایک تمغہ موسومہ " شیوالئے دے لا لیژوں دی آنر ' (Chevalier de la Legion d' honneur) کا تھا اور یہ اعزاز بھی اس کو اس طرح حاصل ھوا کہ جب وہ انجمن کتبات کا صدر منتخب ھوا جس کا رکن وہ چودہ سال سے تھا اور اس کی عمر اس وقت ۴۷ سال کی ھو چکی تھی تو اس کے احباب نے بغیر اس کے علم کے اس کے لئے نشان امتیاز کا مطالبہ کیا۔

حضرات ! گاتر میر کے مرنے کے بعد ھمارے ھاں مسند علم جو خالی ھو گئی تھی اس کو چارلس شیفر نے سنبھالا ھے جو گاتر میر کے خاص تلامذہ میں سے ھے اور جس پر اس کی نظر اور توجہ خاص طور پر مبذول رھی ھے۔ شیفر کی نشو و نما بڑے عمدہ علمی ماحول اور استوار ادبی اصولوں کے زیر اثر ھوئی ھے۔ علاوہ بریں اس کو اپنی تحقیقات علمی اور سیاحت کے سلسلے میں زبان فارسی میں تحریر و تقریر کی مشق بڑھانے اور اس میں شستگی پیدا کرنے کا بڑا موقع ملا اور خوش قسمتی سے وہ زبان کے درس تدریس کے کام پر مقرر ھوا ھے۔ لہذا جو حضرات میرے سامنے موجود ھیں اور زبان اردو کے متعلق

میرے خطبات میں شریک ہیں ان سے میں پر زور تاکید اور سفارش کرتا ہوں کہ وہ شیفر کے خطبات میں جو زبان فارسی کے متعلق ہوتے ہیں ضرور شرکت کریں- کیوں کہ فارسی کا اس اُردو سے جو مسلمانوں میں رائج ہے ایسا گہرا تعلق ہے کہ اُردو کی تہ کو پہنچنا فارسی جاننے پر موقوف ہے اس طرح یہ بھی یقینی بات ہےکہ فارسی سمجھنےکے لئے اردو کا جاننا ضروری ہے کم از کم ہندیوں کی فارسی کا علم ' کیوں کہ ہندوستان کی ترکیبیں اسی سے ماخوذ ہیں - فارسی اگر اُردو کی سر چشمہ ہے تو ہندی کی ماتا سنسکرت ہے - گویا ہندی ہندوستانی کی ہندو شاخ ہے - چنانچہ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس قدیم زبان کی طرف بھی توجہ کریں جس کی تعلیم اسی مدرسہ میں کسی نامور ماہر لسانیات کے سپرد کی جاے گی - میں زبان اُردو کے فوائد اور اس کی اہمیت پر بارہا زور دیتا رہا ہوں اس میں مجھے ذرا شبہ نہیں کہ ہندوستانی زبانوں کے حاصل کرنے کی اہمیت کا احساس خاص کر اُس زبان کا جس کی میں تعلیم دیتا ہوں روز بروز زیادہ بڑھتا جاے گا کیوں کہ اس زبان کی ضرورت فوجی اور ملکی عہدوں کے لئے خاص طور پر پیش آے گی —

کچھہ مہینے ہوتے ہیں کہ ایک ہوشیار انگریز مستشرق مسٹر نسولیس (Nassau Less) نے جو اپنی عربی عالمانہ

تالیفات کے کے لئے بہت کچھ مشہور ہوے ایک رسالہ السنۂ مشرق کی حمایت میں تصنیف کیا - لارڈ میکالے نے جو اصلاحات نظام تعلیم کے متعلق پیش کی تھیں اور جن کی تائید ٹائمز نے کرتے ہوے اس پر زور دیا تھا کہ ہندوستان میں صرف لاطینی حروف استعمال کئے جائیں اور آیندہ سے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دے دیا جاے ' نسو لیس کے خیال میں یہ تحریکات تحصیل علوم مشرقیہ کے حق میں مضر اور خطرناک ہیں - اس کے رسالہ کا عنوان یہ ہے Instructions in the Oriental Languages Considered - اس رسالہ میں یہ حقیقت از سر نو واضح کی گئی ہے کہ السنۂ مشرقیہ کی تحصیل اور خاص کر ہندوستانی زبان کی ملکی اور فوجی خدمت کے لئے از بس ضروری ہے - اور یہ ایک خیال خام ہے کہ انگریزی زبان ہندوستان میں ایسی مقبول ہو جاے گی کہ تھوڑے عرصے میں انگریز السنۂ مشرقیہ سے بے نیاز ہو جائیں گے - اس رسالہ کا مصنف شکایت کرتا ہے کہ اس مسئلے پر انگلستان اور ہندوستان کے اهل الراے میں ابھی تک کوئی مفاهمت کی صورت پیدا نہیں ہوئی- خاتمۂ کتاب میں وہ انگلستان کے سیاسی مفاد کو پیش نظر رکھتےہوے جملہ السنۂ مشرقیہ کی تحصیل کی حمایت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح روس و آسٹریا میں علوم و فنون مشرقیہ کی تحصیل باقاعدہ مدارس میں اسی

طرح اس قوم کا بھی فرض ہے جو اپنے آپ کو ملکۂ بحر کہتی ہے کہ السنۂ مشرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ایسی درس گاہ قائم کرے -

اس خیال کی داد دینے پر ہر شخص مجبور ہوگا ، خصوصاً بحالت موجودہ کہ انگریز غدر کے بعد از سر نو اپنی حکومت کو ہندوستانیوں سے تسلیم کرانا چاہتے ہیں - محض فوجی قوت کے برتے پر ان قوموں پر حکومت کرنا محال ہے جن کی زبان اور رسم و رواج میں اختلاف ہے- ایسی صورت میں محکوم قوم کی ہمدردی حاصل کرنی بھی ضروری ہے - اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مفتوح و محکوم قوم سے براہ راست تعلق پیدا ہو - اور اس حقیقت کا انکشاف لطف اللہ * کے واقعات سے ہوتا ہے کہ جوں ہی انگریزوں سے اسے بات چیت کا موقع ملا وہ انگریزوں کے ساتھ ہو گیا —

اگر مشرقی علوم سے بے اعتنائی کا الزام انگریزی حکومت پر کسی حد تک درست بھی ہے تو یہ الزام قوم انگریزی پر ہرگز عاید نہیں ہو سکتا - علاوہ ان کثیر مطبوعات کے جو انگلستان میں مشرقی علوم کے متعلق شایع ہوتی ہیں اور کون سا ملک ہے جہاں ایک انجمن مشرقی علوم کی کتابوں کی تدوین و اشاعت اور دوسری ترجمہ کے لئے باقاعدہ طور

---

* خود نوشت سوانح عمری لطف اللہ (دیکھو Journal des Debats نمبر ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۷ ع) -

پر قائم ہے - کلکتے میں ایک انجمن قائم ہے جہاں سے سنسکرت، عربی، فارسی کی غیر مطبوعہ کتابیں شایع ہوتی ہیں اور اب تک ۱۳۹ کتابیں مشرقی علوم کی چھپ چکی ہیں - خود هندوستان والے بھی غدر کے زمانے تک برابر مختلف تصانیف و رسائل شایع کرتے رہے - دهلی پر باغیوں کے استیلا سے کچھ هی پیشتر آئین اکبری کا اردو ترجمہ هوا - یہ کتاب نامور شہنشاہ اکبر کے حکم سے تحریر هوئی تھی اور اس کتاب میں نہایت صحیح اور پر از معلومات اعداد شمار دولت مغلیہ کے متعلق موجود هیں - اردو ترجمے میں بہترین هندوستانی مصوروں کے هاتھہ کی لیتھو کی چھپائی کے نقشے اور مختلف سکوں، هتیاروں اور میووں کی تصویریں شامل هیں —

اب بغاوت نے هندوستان کی ساری زندگی تہ و بالا کرڈالی - همیں امید بندهتی هے کہ اب امن و امان قایم هونے کے بعد اهل هند از سر نو اپنی فرصت کے اوقات میں شعر و شاعری کے دلچسپ مشغلہ میں منہمک هوجائیں گے اور پھر سے اپنے جدید جلیل القدر شاعروں کی یاد کو زندہ کریں گے جو والمکی، اور ویاس سے کسی اعتبار سے کم نہیں هیں - همیں یقین هے کہ سودا اور ولی کے چرچے پھر هر طرف سنائی دینے لگیں گے - ولی تو ان سبھوں کو دل سے پسند هے - اس کی وجہ یہ معلوم هوتی هے کہ ولی هی پہلا شاعر هے جس نے انہیں ایرانی شاعری

کا چسکا لگایا اور اسے ہندوستان میں پہلی مرتبہ رائج کیا۔ ولی نے حافظ کا اس طرح ہندوستان میں تعارف کرایا ہے جس طرح سے کہ Horace نے سب سے پہلے اہل روما سے Archilopue کا تعارف کرایا تھا —

ہمیں یہ امید ہے کہ بہت جلد اہل ہند اپنی قومی شاعری کی روایات کے مطابق شاعری کو ترقی دیں گے اور ایسی غزلیں کہیں گے جنھیں سن کر کبھی تو عشق مجازی کا مزہ آئے گا اور کبھی عشق حقیقی سے دل مسرور ہوگا اور کبھی ان دونوں کو ایک ہی کوزے میں بند کر کے پیش کیا جائے گا۔ جس طرح کہ Minnesinger یا ازمنہ وسطیٰ کے بھاٹوں کے گیتوں میں یا دانتے کی نظموں اور پٹرارک اور شیکسپیر کے Sonnets میں ہمیں لطف آتا ہے ویسا ہی ان غزلوں میں آئے گا۔ بقول والٹر اسکاٹ —

"عشق ہر جگہ کارفرما ہے۔ دربار ہو، میدان کارزار ہو، گوشۂ چمن ہو، ہر جگہ اسی کا ڈنکا بجتا ہے۔ یہی ہے جو دنیا کے انسانوں اور ملاءاعلی پر حکمرانی کرتا ہے، اسی کا دوسرا نام فردوس ہے اور فردوس اس کے سوا کچھ نہیں" —



نواں خطبہ

۵ مئی سنہ ۱۸۵۹ ع

نیشنل لائبریری کی آرائش کی وجہ سے جو طویل وقفہ واقع ہوا اُس کے بعد آج میں پھر اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرتا ہوں - یہ اعادہ ایسی حالت میں کیا جارہا ہے جب کہ اِس امر کا اطمینان ہو چکا ہے کہ ہندستان میں سنہ ۱۸۵۷ ع کا منحوس فساد جس کا مقصد انگلستان سے ایسے ملک کے چھین لینے کا تھا جو اُس کے تاج کا سب سے خوبصورت نگینہ ہے اب فرو ہو گیا ہے اور پھر امن و امان قائم ہو گیا ہے —

ہمیں امید ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ اس تباہی کی تلافی اور اہل ہند کی (جن پر خدا نے اسے حکمراں کیا ہے) فلاح و بہبود میں ساعی رہے گی - ہندوستانیوں میں یقیناً برائیاں ہیں لیکن ان میں خوبیاں بھی ہیں سب سے بڑھ کر ان میں ایک ایسی چیز ہے جس نے انہیں انگریزوں سے قریب تر کر دیا ہے یعنی اپنے خوشنما ملک کی الفت یا حب وطن -

اس امر تیقن بآسانی ان کے اپنے کلام سے ہو سکتا ہے - افسوس کو سنئے :—

" ھندوستان کی سرزمین کا عالم سب سے نرالا ھے کوئی ولایت اس کی وسعت کو نہیں پہنچتی ' اور کسی مملکت کی آبادی اس کو نہیں لگتی ' یہاں کی ھر ایک بستی میں گھما گھمی' جا بجا ایک نئی طرح کا عالم' ھر شہر و قصبے میں ستھری پاکیزہ پختہ و متعدد سرائیں' مسافر کے واسطے ھر موسم کے اوڑھنے بچھونے اور اقسام کی غذائیں' اکثر بستیوں میں مسجدیں' خانقاھیں' مدرسے' باغات' فریبوں' بے کسوں' مسافروں کے لئے متعدد مکانات - قلعے بڑے بڑے مضبوط وسعت میں ایسے کہ سیکڑوں گاوں ان میں بسیں اور رفعت میں اس قدر کہ بادل ان کے نیچے برسیں - ندی نالے تالاب کوئے لطیف و پاکیزہ هزارها' پانی ان میں میٹھا ٹھنڈا ستھرا بھرا ھوا - بڑے بڑے دریاؤں میں کشتیاں نواڑے بجرے وغیرہ بے شمار' شاہ راہ کے ندی نالوں پر بیشتر مقاموں میں پل بندھے ھوے تیار ' اکثر رستوں میں کوسوں تلک سایہ دار درختوں کی دورستہ قطار - ایک ایک کوس کی مسافت پر ایک مینار نمودار - ھرایک چوکی پرھمہ چیزمہیا ' سودے والوں کی دوکانیں جا بجا ' مسافر خوش وخرم کھاتے پیتے اٹھتے بیٹھتے دن بھر چلے جاتے ھیں' اور شام کو منزل پر بھی سب طرح کا آرام پاتے ھیں"-

ایک ھندوستانی مصنف مقبول * ھندوستان کے متعلق

---

* ھیر رانجھا صفحہ ۴ - ۵

اسی انداز سے رطب اللساں ہے لیکن اس نے تشبیہات و استعارات سے بہت کام لیا ہے :—

"ہندوستان ربع مسکون کا پانچواں حصہ ہے ، میں اس کا ذکر کیا کروں وہ بذات خود ایک عالم ہے۔ اس نے تمام ملکوں کو شان و شوکت میں مات کر دیا ہے۔ اس کی بے شمار خوبیوں کے منجملہ ایک آب و ہوا ہے جو دوسرے ممالک سے بالکل مختلف ہے - علم و ہنر صنعت و حرفت زبان و ذکاوت ، تعمق و تدبیر میں یہ ملک محل شہرت کا محراب * ہے - اگرچہ دوسرے ممالک میں بھی بعد تلاش یہ صفات پائے جاتے ہیں لیکن ان ممالک اور ہندوستان کے مابین ویسا ہی فرق ہے جیسا سورج اور دب اکبر کے ٹمٹاتے تاروں میں یا زمین و آسمان میں - ہندوستان میں جو لوگ دوسرے ممالک کی اشیاء کی تقلید کرنا چاہتے ہیں وہ در حقیقت موجد کی حیثیت رکھتے ہیں - وہ زبان اس عمدگی سے سیکھتے ہیں کہ خود اہل زبان سے بڑھ جاتے ہیں- ترک، عرب ، حبشی ، ایرانی اور انگریز جو عرصے تک ہندوستان میں رہے بسے وہ یہاں کی

* یعنی سب سے ممتاز جگہ - مشرقی مکانوں میں دیواروں میں بہت سے طاق ہوتے ہیں اور ان میں اسی طرح سجاوٹ کا سامان رکھا جاتا ہے جس طرح مغربی ممالک میں آتش دان کے اوپر کے حصے پر - مساجد میں محراب کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو گرجاؤں میں قربان گاہ کی - یہاں شمعیں روشن کرکے رکھی جاتی ہیں جن کی طرف منہ کرکے لوگ عبادت کرتے ہیں —

زبان بآسانی سیکھہ سکتے اور آتش حسد میں سوخت ہوتے رہتے ہیں''۔

ہندوستان کی خوف ناک شورش نے انگلستان کو بددل نہیں کیا ۔ اس نے اس کو فرو کر لیا اور تقریباً تمام ملک میں پورا نظم قایم ہوگیا ہے —

گدہ کا غیظ اور کچھوے کا عشق

کبھی رنجیدہ کرتے اور کبھی جرم کے ارتکاب پر ابھارتے ہیں †

علاوہ بریں اب ہندوستان کا تعلق براہ راست تاج برطانیہ سے ہوگیا ہے ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی * کی جگہ اب ایک شفیق ملکہ حکمراں ہے ۔ اہل ہند بجاے اس ہستی کے جسے وہ آنریبل کمپنی بہادر کے نام سے موسوم کرتے تھے اور جس کے متعلق اکثر اہل ہند کا خیال تھا کہ وہ ایک ہمیشہ رہنے والی مخلوق ہے اور دور دراز ملک میں رہ کر اپنے نائبین کے ذریعہ حکمرانی کرتی ہے ۔ یقیناً اس ملکہ کی اطاعت برضا و رغبت کریں گے ۔

یکم نومبر گزشتہ کو اس تبدیل حکومت کا اعلان ‡ بڑی

---

* لارڈ بایرن کی نظم '' ابید اس کی دلہن'' (Bride of Abydos) باب (ا)۔

† سنہ ۱۶۰۱ ع میں ملکہ الزبتھ نے تجار کی ایک جماعت کو مشرقی ہند میں تجارت کرنے کی اجازت عطا کی تھی —

‡ میرے پاس دو نسخے اس شاہی اعلان کے دو مختلف خطوں میں ہیں' جو بعض احباب نے اپنی عنایت سے مجھے بھیجے تھے ۔ فارسی حروف میں مسلمانوں کے لئے اور شاستری یا جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے دیوناگری حروف میں ہندوؤں کے لئے۔ میری رائے میں ان کی عبارت بہت آسان ہے جسے عام لوگ بھی بسہولت سمجھہ سکتے ہیں ۔ بریں ہم میرے پاس جو نسخہ ہے الہ آباد کا مطبوعہ ہے ' اس کی طباعت میں بہت بےپروائی سے کام لیا گیا ہے —

شان کے ساتھہ کلکتہ میں کھا گیا جو برتش انڈیا کا دارالسلطنت اور هندوستان کا ایک بڑا شہر ھے - اس کا بہت اچھا اثر پڑا جس کا ثبوت ان ایڈرسوں سے اور نظموں سے ملتا ھے جو بعد میں لکھی گئیں —

میرے پیش نظر ایک هندوستانی نظم * ھے جو آگرہ میں چھپی ھے - یہ ایک قصیدہ ھے جس کا عنوان "تہنیت جلوس" ھے - یہ مرزا حاتم علی خاں کا لکھا ھوا ھے جن سے هندوستان کا ادبی حلقہ مہر کے نام سے آشنا ھے ' یہ مسلمان فاضل اور یورپین تہذیب کا حامی سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر سے قبل چنار میں منصفی کے عہدے پر مامور تھا - غدر میں خوش قسمتی سے اس نے سات مرد اور بہت سے یورپین بچوں کی جانیں بچائیں ' جن کا ذکر اس خط میں ھے جو نظم کے ساتھہ شائع ھوا ھے - اگرچہ اس نظم کی دھلی کے مشہور ھم عصر شاعر مرزا اسداللہ خاں مضطر † نے بہت داد دی لیکن مجھے اس

---

* اس طرح کی اور نظمیں بھی شایع ھو چکی ھیں - مثلاً راجہ کالی کرشنا بہادر نے ایک نظم شایع کی ھے جس کا ذکر یہاں محض بطور حوالہ کیا گیا ھے کیونکہ یہ نظم سنسکرت میں ھے جو هندوؤں کے لئے بمنزلۂ لاطینی کے ھے - راجہ نے اس زبان کا استعمال مناسب سمجھا —

† یہ یقیناً جناب پروفیسر کی غلطی ھے اسداللہ غالب ھونا چاھئے -

(عبدالحق)

میں کوئی ندرت معلوم نہیں ہوتی ابتدا میں مصنف یہ استفسار کرتا ہے کہ یہ تمام انتظامات جو نظر آرہے ہیں کس غرض سے ہیں - اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ شاہی فرمان پڑھا جاے - اس کے بعد بالکل مشرقی رنگ میں ملکۂ لندن کی مدح سرائی ہے جس کا چمکتا ہوا چہرہ لولیء فلک (زہرہ) میں منعکس ہے؛ اس کے بعد ہی لارڈ کیننگ کی تعریف شروع ہو جاتی ہے اس کے بعد دوسرے عہدہ داروں کی مثلاً مسٹر ایڈ م نستی اور صاحب علم وعزت ولیم میور کی جن کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمام علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، جنہیں روے زمین کے تمام بادشاہوں سے لے کر آج تک کے فرماں رواؤں کی تاریخ سے واقفیت ہے —

اعلان میں وکٹوریا نے اپنے لئے یہ خطاب اختیار کیا ہے: ملکۂ مستعمرات و نو آبادیات یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ و اسٹریلیا "- اس نے لارڈ کیننگ کو برٹش انڈیا کا پہلا وائسراے و گورنر جنرل اس غرض سے مقرر کیا کہ وہ اس کی بجاے بتوسط وزیر ہند لارڈ اسٹینلی اس ملک کا انتظام کریں- لارڈ اسٹینلی کی مدد کے لئے ایک کونسل معین ہوئی جس میں ہندوستان کے بہی خواہوں کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ سر ہنری رالن سن، مسٹر ایچ پی پرنسپ Mr. H. P. Prinsap

جو مشہور عالم جیمس پرنسیپ James Prinsap متوفی کے بھائی ہیں اور مسٹر ڈبلیو ، آئی ، ایسٹ وک شریک ہیں جو بی ، ایسٹ وک مشہور مستشرق کے بھائی ہیں جس کا تقرر اس وقت ایسٹ انڈیا ہاوس کے محکمۂ خفیہ میں نائب وزیر کی خدمت پر ہوا ہے —

پنجاب نیا صوبہ بنا یا جائے گا اور سرجان لارنس ، جو سر ہنری کے بھائی ہیں جن کی افسوس ناک موت ہمیشہ یاد رہے گی مستقل طور پر اس کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے جو فی الوقت عارضی طور پر آنریبل رابرٹ منٹگمری کے ہاتھ میں ہے —

صرف انہیں تغیرات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہیلسبری Hailsbury کا ایسٹ انڈیا کالج قطعی طور پر ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع کو مسدود کردیا گیا اور اس موقع پر ایک سنجیدہ مجلس تقسیم انعامات کی منعقد کی گئی جس کے صدرنشین ریورنڈ مسٹر میلول Mr. Malwill پرنسپل کالج تھے - یہ کالج پچاس سال سے قایم تھا ، اس میں سے ۳۰۵۵ * تلامذہ فارغ ہو کر نکلے جن میں ایسے افراد بھی ہیں جن کی شہرت یورپ بھر میں ہے - اس کالج کے پروفیسروں میں میکن تاش ،

---

* ایلینس انڈین میل Allen's Indian Mail

امپ سن، جرمی، اور مشرقی السنہ کے لئے ھاتن، استوارٹ، جانسن اور ایسٹ وک جیسے افراد تھے۔ ایسے فاضل پروفیسروں کے ھوتے ھوے یہ امر باعث تعجب نہیں کہ یہاں سے کیسے کیسے قابل لوگ نکلے —

ھیلسبری کالج کی مسدودی سے جو نقصان مشرقی علوم کی تحصیل میں واقع ھوا ھے اب اسے محسوس کیا جا رھا ھے۔ توقع ھے کہ انڈیا کونسل جدید کالج ان نوجوانوں کے لئے قائم کرے گی جو انڈین سول سروس کے لئے نامزد کئے جاتے ھیں کیونکہ اس نے ایڈسکومب Addiscombe کا رائل ملٹری کالج فوجی خدمات کے لئے ایسے تغیرات کے ساتھہ برقرار رکھا ھے جو دوران تعلیم میں ھندوستانی کو عام زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے میں معاون ھوں۔ سنڈھرسٹ Sandshurst کے رائل ملٹری کالج میں بھی ھندوستانی زبان پڑھائی جاے گی اور سنہ ۱۸۶۰ میں اس کا دروازہ بلا امتیاز ایسے خواھش مندوں کے لئے کھول دیا جاے گا جو ان شرائط کی تکمیل کر سکیں جو اس درس گاہ کے داخلے کے لئے عاید کی گئی ھیں۔ بالآخر یہ بھی فیصلہ ھو چکا ھے کہ اکسفورڈ یونیورسٹی میں جو انگلستان کی ممتاز ترین یونیورسٹی ھے ھندوستانی کی تعلیم دی جاے گی اور اس کے لئے ایک خاص مسند قائم کی جاے گی —

حضرات! ھندوستان کی اصل حالت سے آپ نے کافی طور

پر یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ فی الحال مجھے کوئی ادبی واقعات یا کوئی مستند تصنیف ایسی دستیاب نہ ہوئی جس کا میں آپ سے ذکر کرتا - اس بغاوت نے ادبی ترقی کر روک دیا جو چند سال سے ہندوستانیوں میں نمایاں تھی اور جس نے طویل مذہبی تنازع کے باوجود لوگوں کو اپنے بچوں کو قومی مدارس کے فقدان کی وجہ سے انگریزی مدارس میں بھیجنے پر مائل کر رکھا ہے کیونکہ بغاوت کے وقت ہزاروں مدارس عیسائی مشنری انجمنوں کے قائم کئے ہوئے موجود تھے اور ستر ہزار طلبہ ان میں شریک تھے - یہاں انگریزی کی عام تعلیم عام طور پر ہندوستانی کے توسط سے دی جاتی تھی* —

عرب شاعر کاسسرو کے الفاظ کی مخالفت میں یہ کہنا فضول ہے کہ خدا کی مشیئت ہے کہ کلام ترکیب پانے کے بعد اس کے عبد (مخلوق) کے لئے نوک دار تلوار بن جاتا ہے† - اس لڑائی نے کلام کو بے کار بنا دیا اور گنگا کی شعر و ادب کی دیویاں گزشتہ دو سال سے عالم سکوت میں ہیں - بہر حال مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ادبی تحریک جو لڑائی کی وجہ سے معطل تھی اب پھر جنبش میں آ چلی ہے اور اس کی پہلی بہار چند

---

* غالباً قمرالدین طیب جی جو یورپ میں اپنی تعلیم ختم کرکے بمبئی میں بیرسٹری کرنے کے لئے واپس ہوے ہیں ایسے ہی کسی ایک مدرسے سے ولایت تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے —

† ملاحظہ ہو تصنیف عبدالقادر ترجمہ ایم جی ڈجیت صفحہ ۱۱۸

نظمیں ' تاریخیں اور بعض رسالے ہیں جو حالیہ شورش کے متعلق تالیف کئے گئے ہیں - اس قصیدے کے علاوہ جس کا میں اس سے قبل ذکر کرچکا ہوں ایک رسالہ ایک مسلمان کا لکھا ہوا ہے جو آگرہ میں حقیقت الجہاد کے نام سے شایع ہوا ہے یعنی یہہ کہ گزشتہ بغاوت کے مدنظر جہاد و فساد میں کیا فرق ہے - ایک ہندوستانی نظم بھی انگریزوں کی فتح دہلی کے متعلق لکھی گئی ہے جو '' فتح دہلی '' کے نام سے موسوم ہے - یہ راحت کی مصنفہ ہے جن کی اور بھی تصنیفات ہیں - مجھے یہہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایم ' ای ' ڈی لوتور نے ایک اردو ترجمہ عدالتی اصولوں کی یادداشت کا شائع کیا ہے اور سنسکرت کے عالم بابو راجندر لال متر کے باپ کا ایک جدید ہندوستانی تذکرہ (اشخاص اور کتب کے حالات پر) اس وقت کلکتہ کے ایک مطبع میں زیر طبع ہے —

اِس کے ماسوا ایک رسالہ موسوم بہ '' بامداد '' بمبئی سے اسی سال جاری ہوا ہے - یہ یورپین خیالات کا موید ہے کیونکہ ایک قریبی اشاعت میں اس نے اپنے ان ناظرین سے جنھیں فرصت ہے اور تین ہزار کے اخراجات کے متحمل ہوسکتے ہیں انگلستان جانے کی استدعا کی ہے - اس کے ساتھہ یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں سے میں مخاطب ہوں اُن میں سے بعض یہ اعتراض کریں گے کہ ہمارا مذہب معرض خطر میں پڑجائے گا یا ہم اسے

بالکل کھو بیٹھیں گے - لیکن وہ مذہب ہی کیا جسے تم زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساتھہ نہ لے جا سکو * —

بہت سے ہندوستانی رسالے جن کے متعلق میں اس سے قبل بیان کرچکا ہوں سنہ ۱۸۵۷ میں بغاوت کے رونما ہونے پر ناپید ہوگئے - رسالہ خیر خواہ ہند جو مرزاپور سے سنہ ۱۸۳۷ سے فارسی اور لاطینی حروف میں شائع ہوتا تھا بند ہوگیا - یہ رسالہ لندن کی مشنری سوسائٹی کے پادری ماتھر کے زیر ادارت سترہ سال سے جاری تھا - یہ صاحب بہت سی مذہبی کتابوں کے مصنف ہیں جو ہندوستانی میں لکھی گئی ہیں - اور اس بائبل کے مرتب ہیں جو ہندوستانی زبان میں رومن خط میں لکھی گئی ہے جس کی ۳ ہزار کاپیاں لندن میں شایع ہوی ہیں اور اُس کے حاشیے پر اصل انجیل † ہے - نہ صرف امریکن مشنری سوسائٹیوں نے اس اخبار کو چلایا جیسا کہ میں نے اپنے

* ایلنس انڈین میل (Allen's Indian mail) سنہ ۱۸۵۲ صفحہ ۸۶۹ - اسی رسالہ میں (سنہ ۱۸۵۸ صفحہ ۹۴۳) یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اجمیر کے اکثر سر بر آوردہ طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک رسالہ دو کالموں میں اردو و ہندی کا شایع کریں ' اسی میں بمبی کے رسالہ موسوم راست گفتار کا ذکر ہے - اس اخبار کے وجود کا مجھے اس سے قبل تک علم نہ تھا اور لکھا ہے کہ اس میں منجملہ اور مضامین کے ایک مضمون دوسا بھائی فرامجی پارسی کا لندن کے سینٹ پال کے حالات کے متعلق ہے —

† اس نسخے کے چند صفحات میرے پیش نظر ہیں ' میری رائے میں بڑی احتیاط سے یہ نسخہ معقول ہندوستانی عبارت میں شائع ہوا ہے جسے اہل ہند آسانی سے سمجھہ سکتے ہیں : —

سنہ ۱۸۵۳ کے لکچر میں بیان کیا تھا بلکہ ہر فرقے کے پراتستنت مشنریوں کے مضامین بھی فراخ دلی سے شایع کئے جاتے تھے - اس رسالے کا مقصود تبلیغ مذہب اتنا نہ تھا جتنا کہ دیسیوں میں علم کی اشاعت - ہمیں امید ہے کہ وہ پھر اسی طرح دوبارہ شائع ہونے لگے گا جس طرح دہلی گزٹ جس کا مدیر سال بھر کے وقفے کے بعد اس قابل ہو گیا کے اس نے اپنے برباد شدہ مکان کی از سر نو تعمیر اور مطبع کی تجدید کرلی اور مطبوعات کی اشاعت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے —

صوبۂ پنجاب فساد سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے اثر پذیر نہ ہوا - وہاں ادبی اشاعت میں خلل نہیں پڑا - میرے دوست سید عبداللہ نے حال میں میرے پاس ایک فہرست دوسو مختلف مطبوعات کی بھیجی ہے جو لاہورسے شائع ہوئی ہیں- ان میں نئے دیوان ہیں ؛ نیز تفتہ کی ایک تضمین ہے گلستاں کی نظموں پر- امانت کا ایک مرثیہ اور مخزن العشق مصنفہ تلسی رام اور غنچۂ آرزو (ان آخری دو کتابوں کی حقیقت سے میں ناواقف ہوں) غالباً یہہ منظوم افسانے * ہیں لیکن کوہ نور جو لاہور سے ہفتے میں دوبار شائع ہوتا ہے بدستور جاری ہے اور اب دس جلدوں تک اس کی نوبت پہنچ گئی ہے- میرے روبرو ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع کا پرچہ ہے جو سولہ صفحے کی چھوٹی تقطیع پر دو کالموں میں ہے لیکن اس میں خاص طور پر کوئی

* غنچۂ آرزو میر وزیر علی صبا کا دیوان ہے (ع) -

بات دلچسپی کی نہیں ہوتی —

مجھے معلوم نہیں کہ دہلی کا بڈھا بادشاہ باوجود بغاوت کے ان نتائج کے جو اس کے لئے باعث تباہی ہوئے اور جس میں اس کی شرکت بحیثیت سرغنہ متصور کی جاتی تھی اب بھی شعر و سخن سے شوق رکھتا ہے یا نہیں۔ بہرحال وہ اپنی قلیل المدت حکومت کے زمانے میں شاعری کا شغل رکھتا تھا۔ ذیل میں اس کے تین شعر درج ہیں جن کا انگریزی اخبارات کے ذریعے سے ہمیں علم ہوا ہے :—

مجھے حق کی قوت کی ستائش کرنے دو۔ عیسائی
اپنے ہی ہتھیاروں سے پسپا ہوئے نہ روس سے نہ روم
سے تمھیں کوئی مدد ملی۔ خود انگریزوں کے
کارتوسوں نے انہیں ہلاک کیا ہماری فوجوں نے
انہیں گھیر لیا اب ان کے لئے نہ نیند ہے نہ چین۔
ان کی موت فیصل شدہ امر ہے وہ صبح میں انجام
پائے یا شام میں *

---

* اصل نظم حسب ذیل ہے جس میں بحر و معانی کے لحاظ سے تصحیح کی گئی ہے :—

دلا گواہی حق پہ کر تو نظر — نصاریٰ کی جوتی نصاریٰ کا سر
کچھ کام روم نے کیا اور نہ روس نے — انگریز کو تباہ کیا کارتوس نے
فوج نے آکر گھیرا ہے نیند گئی آرام گیا — جی کا جانا ٹھیرا صبح گیا یا شام گیا

اشعار مختلف بحروں میں ہیں

[یہ مہمل اشعار بہادر شاہ کے نہیں ہوسکتے - غدر کے زمانے میں بعض لوگ ان کے نام سے اس قسم کے اشعار لکھ کر مشہور کردیا کرتے تھے (عبدالحق)]

یہ اشعار جون یا جولائی سنہ ۱۸۵۷ میں لکھے گئے ہوں گے کیوں کہ اگست میں سراج الدین بالکل ناامید ہو گیا تھا اور اس نے ایک سیدھی سادی نظم میں نواب جھجر کو لکھا تھا کہ میں مکہ کو ہجرت کرنا چاہتا ہوں میں بڈھا ہوگیا ہوں اور میری صحت خراب ہے۔ دنیا اُلٹ پلٹ گئی، ہر جگہ بد عملی پھیلی ہے - کوئی کسی کا حکم نہیں مانتا اس لئے میں نے حج کرنے کا تہیہ کر لیا ہے * —

وہ حاجی تو نہ ہوا حکومت کا قیدی ہوگیا اور دہلی گزٹ نے اس کے اپنے محل کے دروازہ سے جو لاہوری دروازے کے نام سے موسوم ہے رنگون جلا وطن کئے جانے کی خبر شائع کی جہاں وہ کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوکر ۴ دسمبر گذشتہ کو پہنچا - اس اندوہ ناک سفر میں اس کی ملکہ بیگم زینت محل ایک اور بیوی بیگم تاج محل اور اس کے فرزند جواں بخت و شاہ عباس اور شاہی خاندان کے چند اراکین اور بہت سے حوالی موالی اس کے ساتھ تھے —

بعض تصانیف ہندوستانی زبان کی تعلیم کے متعلق شایع ہوئی ہیں جن میں غلام محمد کا مکالمہ بھی ہے - کلکتہ سے اجمیر کے مسٹر ایس، ڈبلیو فیلن† S. W. Fallon نے ایک انگریزی

---

* ایلنس انڈین میل سنہ ۱۸۵۸ ع صفحہ ۲۵۶ -

† یہ مستشرق وہی ہے جس نے میری کتاب " تاریخ ادب ہند " کا ترجمہ بہ امداد کریم الدین کیا -

هندوستانی لغت قانونی و تجارتی اصطلاحات * کی شایع کی - یہ بہت مفید کتاب ہے جس کی ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جس میں تاریخی و لسانی لحاظ سے انگریزی کا هندوستانی سے مقابلہ کیا گیا ہے - لندن میں ریورنڈ مسٹر اسمال (Rev. Mr. Small) نے مسٹر ایست وک (Mr. Eastwick) کی هندوستانی قواعد کا جدید نسخہ مفید اضافوں کے ساتھہ شایع کیا ہے † —

همارے مدرسے کے طلبہ کے استفادے کے خیال سے ایبی برترانڈ (Abbe Bertrand) نے پیرس میں میری کتاب کا مروپ کی ایک فرهنگ شائع کی ہے —

حضرات! دوسری تصانیف جن کا ذکر مجھے آپ سے کرنا ہے رومن یعنی انگریزی حروف میں ہیں - مشہور ڈاکٹر گلگریست هندوستانی قواعد کے موجد کو اس صدی کے آغاز میں سب سے پہلے یہہ خیال گزرا کہ هندوستانی کو انگریزی حروف میں بالالتزام لکھا جائے- حروف علت کے متعلق انہوں نے انگریزی زبان کے رسم خط کو اختیار کیا جو انگریزی کے لئے تو بہت مناسب ہے لیکن یورپ کے دوسرے ممالک کی اقوام کے لیے کارآمد نہیں ہے - اس امر پر زبردستی اصرار کیا گیا

---

* An English -Hindustani law & commercial Dictionary &c. Calcutta, 1858 –

† ملاحظہ ہو اعلان جو میں نے جرنل ایشیاٹک دسمبر سنہ ۱۸۵۸ع میں اس مصنف کے متعلق کیا تھا –

ھےکہ u کی آواز بجاےخفیف کےA ؛ ee کی آواز بجاےطویل i ؛ اور oo کی آواز بجاےطویل u کےمتصور کی جاے۔ فرانسیسی زبان میں بجاے ایک کے دو حروف علت استعمال کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا —

Pundeet بجاے Pandit کے اور Sutee بجاے Sati کے اس سے زیادہ کوئی بات مضحکہ خیز نہیں ھو سکتی کہ فرانسیسی زبان میں مشرقی الفاظ لکھنے کے لیےانگریزی رسم الخط کوبرتا جاے - یہہ وھی صورت ھوئی کہ انگریزی اصوات کے مطابق لاطینی الفاظ تحریر کئے جائیں —

خوش قسمتی سے یہہ رسم الخط ، سر ولیم جونس کے مجوزہ رسم الخط کے مقابلے میں متروک کردیا گیا - یہہ لاطینی رسم الخط یورپ کے دوسرے ممالک کی عادات سےزیادہ مطابق اور ایشیا والوں کے لیے زیادہ سہل ھے —

اس لیے بجاے اس کے کہ ھندستانی حروف علت و دو حروف علت کی بلی ھوئی آوازوں کے لیے a کی بجاے u ؛ ee کی بجاے i ؛ oo کی بجاے ue ؛ oo کی بجاے e ؛ uo کی بجاے o جیسا کہ گلکریسٹ نے تجویز کیا ھےان آوزوں کو حقیقتاً a ، a ؛ i ، i ؛ u ، u ؛* e ، ai ؛ o ، au سےتعبیر کیا جاتا ھے- لیکن یہ اعتراض

(*) یا دو اصل حروف علت کے لئے a ، i ، u اور انھیں حروف پر ایک علامت لگا کر جلی آواز جس کا ذکر بعد میں آےگا -

کرنا پڑے گا کہ انگریزوں کو نیز ان ہندوستانیوں کو بھی جو انگریزی داں ہیں اور جن میں سے اکثر نے گلکریسٹ کے مجوزہ رسم الخط کو اختیار کر لیا ہے اس میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی کیوں کہ وہ ایسے رسم الخط سے غیر مانوس ہیں۔ اس نئے طریقے میں ایک اور دشواری حروف علت کی کھنچی ہوی آواز کے لئے ایک مقررہ نشان لگانے کی ہے جو قدیم طریقے میں نہیں ہے - دونوں طریقۂ املا میں حلق اور تالو سے نکلنے والے حروف صحیح جن کا عربی کا ع اُس حرف علت سے ظاہر کیا جاتا ہے جس سے اُس کے تلفظ کا اظہار ہوتا ہے اور اُس کے نیچے ایک نقطہ دے دیا جاتا ہے - شین انگریزی رسم الخط کے لحاظ سے sh سے اور نون غنہ کو ایک نقطے یا شوشے سے۔

انگریزی حکومت سے لازماً ہندوستانی ادب پر قوی اثر پڑے گا اور وہ صورت بدل کر آدھا تیتر آدھا بٹیر بن جائے گا یعنی آدھا ہندوستانی آدھا انگریزی - انگریزی ترجمے اور انگریزی تقلید کی کثرت ہو جائے گی - بہت سے ہندوستانی عیسائی ہو جائیں گے اور اُن کا خاص ہندی عیسائی ادب ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لاطینی حروف تہجی کی لازماً ترقی ہوگی اور وہ غالباً دوسری دو اقسام کے حروف پر سبقت لے جائیں گے - اس طرح ہندوستانی کی یہ خصوصیت اور بھی مسلم ہو جائے گی کہ وہ ہندوستان کی عام زبان ہے اور کم از کم

دوسری زبانوں کے بعض اجزا کو جو مختلف صوبہ جات میں بولی جاتی ہیں اپنے میں جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے -

لندن میں ۲۰ مئی گزشتہ کو زیر صدارت لارڈ سالسبری ایک جلسے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک انجمن جس کا نام کرسچین ورنیکولر ایجوکیشن سوسائٹی آف انڈیا Christian Vernacular Society of India (انجمن عیسائیان ہند برائے تعلیم السنۂ ملکی) ہو قائم کی جائے اور وہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں درس گاہیں قائم کرے جن میں عیسویت کے اصول اس ملک کی زبان میں سکھائے جائیں اور وہ کتابیں عیسائی مذہب کو ملحوظ رکھ کر مرتب کی جائیں- شرکا میں مہاراجہ دلیپ سنگھ سابق بادشاہ لاہور جو عیسائی ہوگئے ہیں ' لارڈ جان رسل (John Russel) ' سر چارلس تریلویلین جو اب صوبۂ مدراس کے گورنر ہیں اور بہت سے ممتاز اشخاص شامل تھے - صرف ہندوستان ہی میں یوروپین لوگوں نے اپنے حروف تہجی رائج نہیں کئے ہیں بلکہ جاوا امبائن (Amboyne) اور ملحقہ جزیروں کے عیسائیوں نے جن کو ڈچ مشنریوں نے عیسائی بنایا تھا ' ملائی زبان کی تحریر کے لئے لاطینی حروف اختیار کر لئے ہیں * ملگاچیس Malgachas نے

* ڈاکٹر کری اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ صرف امبائن میں ۲۰ ہزار دیسی لاطینی حروف میں لکھی ہوئی بائبل استعمال کرتے ہیں - ملاحظہ ہو " یادداشت دربارۂ استعمال رومن حروف برائے السنۂ ہند " صفحہ ۱۷

بھی اب لاطینی حروف کے استعمال کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے - بات یہ ہے کہ خود اہل مشرق نے یورپ والوں کو اس راستہ پر لگایا ہے - عرب ہسپانی زبان کو عربی حروف میں لکھتے تھے اہل شام اکثر عربی کو سریانی حروف میں لکھتے ہیں اور ارمنی اور یونانی ترکی زبان لکھنے کے لئے اپنے حروف تہجی سے کام لیتے ہیں - یہودیوں کا بھی یہی حال ہے جو عربی ' جرمن اور ہسپانی زبانوں کو عبرانی حروف میں لکھتے ہیں - رسالہ "یاد داشت دربارہ استعمال حروف رومن برائے السنۂ ہند" میں ایک خط موسومہ سر چارلس تریویلین کا شائع ہوا ہے جس میں مرزا پور کے پادری ماتھر Rev. Mathur نے یہ اطلاع دی ہے کہ لاطینی حروف ہندوستان میں اس درجہ مقبول ہیں کہ نہ صرف صوبہ مغربی و شمالی کے ہندوستانی ہی اسے پسند کرتے ہیں جنھوں نے انگریزی سیکھی ہے بلکہ اور سب وہ لوگ بھی جن کا تعلق مشنریوں سے ہے - یہ حروف تہجی انگریزی متصور نہیں کئے جاتے بلکہ صوبۂ شمالی و مغربی کے عیسائیوں کے حروف تہجی سمجھے جاتے ہیں - متعدد دیہی مدارس میں ان کا رواج ہو چکا تھا اور بغاوت سے قبل ۶ ہزار ہندی نوجوانوں نے اسے اختیار کرلیا تھا - منجملہ ان کے دہلی کالج میں بھی یہ رواج پاچکے تھے جہاں ۲۶۰ طلبہ اس زبان کو نئے یورپین لباس میں لکھنے پڑھنے

کے عادی ہوگئے تھے —

انجیل اور کل بائبل کے بہت سے نسخے ان حروف میں شائع * ہوئے اس طریقے پر جو کتابیں شایع ہوتی ہیں ان میں "پلگرمس پراگرس" (Pilgrim's Progress) کا ایک خلاصہ ریورنڈ مسٹر باولی (Rev. Mr. Bowley) کا ہے - ایک مکمل ترجمہ اس کتاب کا بابو ہری نے مرتب کیا ہے - یہ صاحب ہندو مصنف ہیں جو اپنے متعدد ادبی تصانیف اور بعض عیسوی کتب کی وجہ سے بہت مشہور ہیں † —

ان کتابوں میں سے انجیل کے نسخے زیادہ کار آمد ہیں جو لندن بائبل سوسائٹی دوہرے کالم میں شایع کر رہی ہے - ایک کالم میں ہندوستانی اور دوسرے میں انگریزی - اس کے بیس ہزار نسخے طبع کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ

---

* سابق میں اور اب بھی انجیل اور کل بائبل کے نسخے فارسی اور دیوناگری حروف میں شائع ہوے - اس وقت لندن کی بائبل سوسائٹی ایک ہندوستانی نسخہ انجیل کا تیار کر رہی ہے جس میں رومن حروف کے ساتھہ ساتھہ فارسی حروف میں بھی تحریر ہے - اس کی نگرانی مسٹر ہورن Mr. Horn کے تفویض ہے جن کا تعلق چرچ مشنری سوسائٹی سے ہے - آگرہ سے یہ صاحب بھیجے گئے ہیں موخرالذکر نسخہ نیز وہ نسخہ جو مسٹر ماتھر کی زیر نگرانی رومن حرف میں شائع ہوا ہے دونوں جدید ہیں ' اسی لحاظ سے سابقہ نسخہ کے مقابلے میں یہ زیادہ صحیح اور ٹھیٹ ہندوستانی زبان میں ہے —

† ان کی ایک فہرست " یاد داشت بابتہ استعمال حروف رومن بہ السنۂ ہند " سنہ ۱۸۵۸ صفحہ ۵۵ و مابعد پر موجود ہے —

ایک فرہنگ ہندوستانی الفاظ کی ہوگی جو ہندوستانی حصے میں استعمال کئے گئے ہیں - اس کی نگرانی مسٹر کاٹن ماتھر (Mr. Cotton Mathar) کے تفویض ہے جو ایڈ سکومب میں ہندوستانی پروفیسر ہیں —

کیتھولک مشنریوں نے بھی لاطینی حروف اختیار کر لئے ہیں - میرے پاس ایک مذہبی سوال و جواب کا رسالہ ہے جو سنہ ۱۸۵۴ ع میں بمبئی میں حسب الحکم وکار اپاستلک آف پٹنہ نہایت عمدہ ہندوستانی زبان میں طبع ہوا ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ عیسوی خیالات کا لاطینی * الفاظ میں اظہار کرنا ہندوستانیوں کے لئے بالکل اجنبی اور غیر موزوں ہے برخلاف اس کے عربی سے جو الفاظ مستعار لئے گئے ہیں وہ کثرت استعمال کی وجہ سے مشرق میں ان خیالات کے اظہار کے لئے نہایت موزوں اور مناسب خیال کئے جاتے ہیں —

ہندوستانی مطبوعات لاطینی حروف میں عام طور پر مشنریوں نے اپنے مدارس اور ہندوستانی عیسوی اداروں کے لئے تیار کی ہیں - بہر حال ان میں بھی بعض ایسی کتابیں ہیں جن کا تعلق دنیاوی ادب سے ہے مثلاً رومن حروف میں لکھی ہوئی " باغ و بہار " اور اُردو کی " گلستاں " - اس کے علاوہ " باغ و بہار " کا رومن حروف میں لکھا ہوا نسخہ جس کی

* مثلاً الفاظ ذیل :- کیتھولک اکلیشیا ' ایس کاب ' سکریمنٹ ' بپتسمہ ' پاسکا ' الٹر ' ہوستی ' اندل جنس —

مسٹر مڈیر ولیمس (Mr. Monier Williams) نے نظر ثانی کی ھے' زیر طبع ھے - نیز " پریم ساگر " کا ایک نسخہ جو منجملہ ان ھندوستانی تصانیف کے ھے جن کی اشاعت مسٹر ایڈورڈ بی ایسٹ وک نے کی ھے اور ان میں یہ کتاب شہ کار ھے - وہ بھی اس وقت زیر طبع ھے - مسٹر ایڈ ورڈ بی ایسٹ وک کا احسان ھے کہ انھوں نے دیوناگری حروف میں اس کا ایک نسخہ شائع کیا اور انگریزی میں بہت اچھا ترجمہ کیا - میرے لایق شاگرد ایے برترانڈ (Abbay Bertrand) رومن حروف میں لکھا ھوا ایک نسخہ " کامروپ " کا شائع کررھے ھیں تاکہ جو لوگ میرے زیر تعلیم رہ کر ھندوستانی حروف پڑھنے کی زحمت گوارہ نہ کر سکیں وہ مستفید ھوسکیں اور اس نظم کے مفہوم کے سمجھنے میں انھیں آسانی ھو —

ابتدائی تصانیف جو رومن حروف میں لکھی گئی تھیں وہ بھی اب شائع ھو چکی ھیں - اس ضمن میں مجھے مسٹر ولیمس اور ماتھر کی کتاب Easy Introduction to the Study of Hindustani (آسان طریقۂ حصول تعلیم ھندوستانی) کا ذکر کرنا چاھئے - جس میں قواعد کے علاوہ اقتباسات مع فرھنگ اور مکالمات درج ھیں* لاطینی حروف میں روزیریو (Rosario) تامسن (Thampson) کی لغات پہلے

---

* ملاحظہ ھو جنرل ایشیاٹک دسمبر سنہ ۱۸۵۸ -

سے موجود ہیں ان کے علاوہ متعدد ابتدائی کتب مثلاً Students' Assistant (معین طلبہ) ہندوستانی ریڈر وغیرہ بھی لاطینی حروف میں ہیں - پروفیسر ڈی فاربس ایک لغت اور لغت کا ایک خلاصہ رومن حروف میں تیار کر رہے ہیں - یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ملکۂ انگلستان نے اب فارسی حروف تمغوں اور دوسرے کتبوں میں استعمال کرنے کی ممانعت کردی ہے- مسٹر ٹکر (Tucker) سابق کمشنر بنارس جو ایک مشہور و معروف شخص ہیں اور جو اس وقت کر سچین ورنیکیولر ایجوکیشن سوسائٹی (انجمن تعلیم عیسائیاں بہ السنۂ ملکی) کے سکرٹری کی حیثیت سے کام انجام دے رہے ہیں جس کا ذکر میں اس سے قبل کر چکا ہوں ' لارڈ استینلی کے بیان کے مطابق اس امر پر مصر ہیں کہ گورنمنٹ گزٹ ضوابط و قوانین لاطینی حروف میں طبع ہوں فارسی حروف میں نہ ہوں - نیز دیسیوں کو اجازت دی جاے کہ ہندوستانی عدالتوں اور دوسرے سر رشتہ جات میں اپنی درخواستیں اور دستاویزات ہندوستانی زبان لیکن لاطینی حروف میں تحریر کی ہوئی پیش کر سکیں —

حضرات! ہندوستانی حروف تہجی کے ترک کرنے کا رجحان علانیہ پایا جا رہا ہے- نئے طریقے میں یقیناً دشواریاں ہیں لیکن اس میں فوائد بھی ہیں - میرے خیال میں اس

کے رواج کے لئے جو امر بہت زیادہ مزید ہے وہ یہ ہے کہ هندوستانی تحریر کے لئے کوئی یکساں حروف تہجی نہیں ہیں کیوں کہ وہ مقامی حالات اور اشخاص کے مذاق کے لحاظ سے مختلف طریقوں پر فارسی اور شاستری یا دیوناگری حروف میں تحریر کی جاتی ہے- فارسی حروف بھی هندوستانی زبان کے لئے ایسے ہی اجنبی ہیں جیسے لاطینی' اور هندوستانی حروف فارسی یا عربی الفاظ کو همارے حروف سے زیادہ اچھی طرح ظاهر نہیں کر سکتے —

لاطینی حروف میں لکھنے کی تحریک کی ابتدا انگلستان و هندوستان میں هوئی' اس کا اثر فرانس پر بھی پڑا - ایک ایک بذلہ سنج سائنس داں جو شاعر و عالم بھی ہے اس نے فلورس دی لیند — (هندوستان کے پھول) کے نام سے ایک عمدہ منظوم ترجمہ فرانسیسی زبان میں راماین کے ایک حصے اور بعض دوسری نظموں کا کیا ہے اور ترجمہ کے ساتھ اصل کو لاطینی حروف میں دیا ہے جو نہایت صحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے- اس شخص نے اس اشاعت سے نیز اپنی تصنیف اوریئنٹلزم راندیو کلاسک (علوم مشرقیہ بہ حیثیت کلاسک) سے سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچایا ہے کہ فرانس میں مشرقی زبانوں خصوصاً سنسکرت کے مطالعے کا مذاق پیدا هو گیا ہے - اس لئے نہ صرف پیرس میں جہاں هر شخص کو اس مطالعے کا موقع حاصل ہے

بلکہ دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی جن کے منجملہ لورین کا قدیم دارالسلطنت بھی ہے، اس کی تحریک پر عمدہ مثال قائم ہو چکی ہے، کیوں کہ وہاں سنسکرت کی صرف و نحو رومن حروف میں شائع ہوئی ہے اور عنقریب سنسکرت کی لغت انھیں حروف میں شائع ہوگی —

اس صدی کے آغاز سے جس شخص نے کامیابی کے ساتھ مشرقی ادب کا مذاق عام طور پر پھیلا دیا تھا، افسوس کہ ایسے فاضل کے وجود سے ہم حال میں محروم ہو گئے- یہ شخص ہندوستانی کو لاطینی حروف میں لکھے جانے کا شدید مخالف تھا- میری مراد جان شیکسپیر سے ہے جن کا اس موقعے پر کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو ہندوستانی زبان میں میرے اُستاد تھے، جس طرح مشہور ایس ڈی - ساسی میرے عربی و فارسی کے اُستاد تھے —

جے - شکسپیر ۱۴ اگست سنہ ۱۷۷۴ ع کو استینٹن ہرلڈ (Staunton Harold) میں پیدا ہوئے جو لیسٹر کا ایک قصبہ ہے - یہاں ان کے اجداد کئی صدیوں سے سکونت گزین تھے اور ان کے ہاں یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ لوگ اسی نام کے شاعر کے خاندان سے ہیں اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے یہ شاعر اسٹریٹ فورڈ آن اے ون میں جو ہاروک شاعر کا قصبہ ہے اور اس قصبے سے متصل ہے، پیدا ہوئے تھے - لیکن یہ ولیم شیکسپیر

William Shakespeare کی اولاد میں سے نہ تھے اور وہ یقیناً اس خاندانی نام کے آخری وارث نہ تھے جیسا کہ بعض اخبارات کا بیان ہے کیونکہ مشہور اور دردانگیز المیہ نگار نے کوئی اولاد ذکور نہیں چھوڑی —

جان شیکسپیر کم عمری ہی کے زمانے سے مشرقی السنہ خصوصاً عربی فارسی وہندستانی کے حصول کی جانب متوجہ ہوے - سنہ ۱۸۰۵ ع میں بحری فوجی کالج میں السنۂ مشرقی کی پروفیسری کے لئے نامزد کئے گئے - اس خدمت کے موقوف ہو جانے کے بعد وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوعۂ ایڈسکومب میں هندوستانی کی پروفیسری کی خدمت پر مامور ہوے - سنہ ۱۸۳۲ ع تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اس کے بعد اولاً رچرڈ ہاٹن اس جگہ پر مامور ہوے جو اسی مدرسے کے ایک طالب علم اور سرگریوس کے بھائی تھے جو ہمارے انسٹیٹیوٹ کے رکن ہیں - اس کے بعد ان کی بہن کے لڑکے مسٹر باولس کی ماموری عمل میں آئی بالآخر کرنل رولینڈسن (Col. Rowlandson) مامور ہوے جواب تک اس خدمت پر فائز ہیں - رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام پر وہ اس کے لائبریرین مقرر ہوے اور اس اعزازی خدمت کو انھوں نے اپنی وفات تک انجام دیا —

سنہ ۱۸۲۵ ع میں وہ پھرس آے اور اس سال کے موسم

سوسائٹی میں میرے سلسلۂ تعلیم میں شریک ہوئے - میں نے ان کی ایم - دی ساسی سے ملاقات کرائی انہوں نے اس سے قبل صرف ان کی تصانیف کے ذریعے سے ان سے واقفیت حاصل کی تھی اور ان کی علمیت کی وہ بے انتہا قدر کرتے تھے - ہم دونوں ارگین تھول گئے جہاں عام قبرستان میں ان کے حقیقی بھائی کی قبر تھی - ان کا بھائی افواج برطانیہ کا اسسٹنٹ کمیسری جنرل تھا اور گھوڑے سے گرنے کے صدمے سے ہلاک ہوا - اس کی قبر کی لوح سے ان حالات کا پتا چلتا ہے - جے - شیکسپیر پیرس میں صرف اسی وقت آئے تھے - مجھے خاص طور پر انگلستان میں ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا - ان کی پہلی تصنیف '' اسپین کے عربوں کی تاریخ '' ہے جو عربی سے ترجمہ کی گئی ہے - یہ تصنیف اسپین کی مجلس عربین اینٹی کوٹی آف اسپین (اندلس کے عربی آثار) میں لندن کے جے ' سی ' مرفی نے سنہ ۱۸۱۶ میں طبع کرائی تھی - اس کے بعد انہوں نے اپنی ہندوستانی کی صرف نحو" "ہندوستانی کے انتخابات" "ہندوستانی لغت" اور" مقدمۂ تعلیم ہندوستانی" متعدد بار طبع کرائے - انہوں نے شادی نہیں کی تھی لینگلی پرائری واقع ایشبی ڈی لا سے زوش میں جو زمین انہوں نے چند سال قبل خریدی تھی وہیں ۸۴ سال کی عمر میں ۱۰ جون سنہ ۱۸۵۸ کو ان کا انتقال ہوا انہوں

نے ۲ لاکھہ پچاس ہزار پونڈ ترکہ چھوڑا - یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس رقم کے منجملہ انہوں نے ڈھائی ہزار پونڈ اسٹریٹ فورڈ آن اے ون کے مکان کی ترمیم و نگہداشت کے لئے چھوڑے جہاں شیکسپیر پیدا ہوا تھا - اپنی زندگی میں بھی تقریباً اسی قدر رقم انہوں نے اس کام پر صرف کی تھی - اس مرتبہ انہوں نے خاص طور پر یہ وصیت کی تھی کہ سوان آف ایون کے منتظمین سے اس امر کا فیصلہ کرلیا جائے کہ وہاں ایک شیکسپیر میوزیم قایم کیا جائے - اس کے علاوہ انہوں نے ٦٠ پونڈ سالانہ اس مکان کے چوکی دار اور زائرین کے کتاب معائنہ کی نگہداشت کے لئے وصیت کئے تا کہ جو لوگ وہاں آئیں وہ اس کتاب میں کوئی شعر یا جملہ اپنے نام کے ساتھہ لکھہ جائیں —

اس قدر کثیر دولت جو اس مستشرق نے چھوڑی وہ اس کی هندوستانی ادبی تصانیف خصوصاً لغت کی کامیابی کی وجہ سے جمع هوی تھی - یہ لغت چار مرتبہ طبع هوئی اور هر بار کئی هزار تعداد میں - یہ مزید ثبوت هندوستانی زبان کی عام مقبولیت اور اهمیت کا هے اور اس سے یہ بھی معلوم هوتا هے کہ انگلستان و هندوستان دونوں ملکوں میں اس کی کیسی قدر هے - شیکسپیر کی تصانیف گراں قیمت هیں اور اپنی نوعیت میں منفرد بھی نہیں هیں - اسی طرح کی

اور تصانیف بھی ھیں جن کی اشاعت بھی شیکسپیر کی تصانیف کے ساتھہ ساتھہ بہت کامیابی سے ھوئی ھے —

حضرات! ھمیں ھندوستان کی زمانۂ حال کی اس دل پذیر زبان کا مطالعہ کرنا چاھئے اور جس طرح شیکسپیور نے اپنی صرف و نحو میں حسن کے دو شعر نقل کئے ھیں جو اس موقع کے حسب حال ھیں ھمیں بھی اس کا اتباع کرنا چاھئے - وہ شعر یہ ھیں :—

سخن کے طلب گار ھیں عقل مند سخن سے ھے نام نکویاں بلند
سخن کی کوئی قدر مردان کار سخن نام ان کا رکھے برقرار



دسواں خطبہ

(مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۸۹۱ ع)

سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم نے انگریزی عمل داری کو زیرو زبر کرنے کے بجائے اُس کو اور زیادہ مستحکم کردیا - آج انگریزی حکومت کا ہندوستان میں کوئی حریف نہیں جو مقابلے پر آسکے اور بظاہر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل میں انگلستان اور ہندوستان آپس میں چولی دامن کی طرح وابستہ رہیں گے - بقول شیکسپیر :

"چیری کے دو دانوں والے پھل کی طرح جو بظاہر باہم دگر علحدہ نظر آتے ہیں مگر دراصل اُنہیں فصل میں وصل کا لطف حاصل ہے ، بالکل اِسی طرح جیسے دو جھاڑیاں کسی ایک تلے پر ملذھی ہوئی ہوں چاہے اُن کے جسم دو ہوں مگر دل ایک ہے" —

ہمیں پوری توقع ہے کہ ہندوستان میں امن و امان قایم ہونے کے بعد عہد جدید کی ادبی تحریکیں جنھیں قومی حیثیت

حاصل ہے خوب پھلے پھولیں گی - ہمارا روے سخن خصوصاً ہندوستانی زبان کی طرف ہے جو اِس ملک کے طول و عرض میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہندوستان کی آبادی میں ۵ کروڑ کی مادری زبان ہے- اِس موقع پر مئی سنہ ۱۸۵۹ ع میں میں نے جو تقریر کی اُس کے بعد مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ اردو اور ہندی مطبعے از سر نو سرگرمی سے کام کررہے ہیں اور ان زبانوں کے متعدد اخبارات بھی شایع ہونا شروع ہوگئے ہیں —

چنانچہ سورت میں جہاں سے کبھی کوئی اردو کا اخبار شایع نہیں ہوا تھا اور جہاں سوائے ایک قدیم طرز کے فارسی اخبار کے اور کوئی اخبار نہ تھا، مئی سنہ ۱۸۶۰ ع سے باقاعدہ ایک اردو ہفتہ وار جاری ہوا ہے- اس کی زبان نہایت فصیح ہے- اس کے چند پرچے مدیر نے از راہ کرم میرے پاس بھی بھیجے ہیں - یہ اصل میں میرزا لطف اللہ کی میرے حال پر نوازش کا نتیجہ ہے - موصوف اپنی دل چسپ خود نوشت کی بدولت یورپ میں پہلے سے روشناس ہوچکے ہیں- ہاں اس سورت کے اخبار کا نام "منظور الاخبار" ہے - ممکن ہے اس میں خود مدیر کے نام کی رعایت ملحوظ ہو- ان کا نام محمد منظور ہے- یہ مطبع قادری میں چھپا ہے - اس مطبعے میں اردو کی اور دوسری کتابیں بھی طبع ہوچکی ہیں- * اس کی تقطیع چھوٹی

* ان میں ایک "قاعدۂ صرف و نحو" بھی ہے —

ہے - حجم بارہ صفحوں کا ہے اور ہر اتوار کو شایع ہوتا ہے - اس کے سر ورق پر اردو کا ایک شعر لکھا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے —

"منظور الاخبار معلومات کا آئینہ اور گہر ہائے وعظ و ارشاد کا چمن ہے"

میرے پیش نظر جو پرچے ہیں ان میں اشتہارات کے علاوہ سورہ الحمد کی چند آیات ہیں جن میں انجیل مقدس کی جھلک نظر آتی ہے - اس کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں اور مشرقی ممالک کی خبریں ہوتی ہیں پھر یورپ کے علوم حکمت پر تبصرے ہوتے ہیں اکثر مضامین کا خاتمہ اشعار پر ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے ایشیا کے ادب میں شعر و شاعری غالب ہے - یہ لوگ معمولی معمولی چیزوں کو بھی شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ بیان کرنے کے عادی ہیں اور ادنی ادنی باتوں کو اپنے حسن بیان سے آراستہ کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے چنانچہ اس اخبار میں ایک ملاح اور اس کی کشتی کے ڈوبنے کا ذکر اسی انداز میں کیا گیا * ہے —

اس کے علاوہ اس میں بعض نہایت دل چسپ تاریخی اور جغرافیہ کے متعلق مضامین ہیں - ایک مضمون دہلی کے آخری

* یہاں عبارت کے ایک ٹکڑے کا فرانسیسی ترجمہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے —

بادشاہ کے فرزند کی نسبت ہے - اس میں کہاوتیں ' متفرق اشعار، مرثیے ' غزلیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں - اکثر نمبروں کے ساتھہ اُن کے ضمیمے بھی ہیں —

اجمیر میں ایس' ڈبلو فیلن نے جو وہاں کے مدرسۂ اعلیٰ کے نگرانکار اور ضلع اجمیر کے ناظر مدارس ہیں ' ایک لیتھو مطبع اور ایک ہندوستانی اخبار جاری کیا ہے —

اس علاقے میں اُردو زبان کا یہ پہلا اخبار ہے - اس کی ادارت دو ہندو حضرات سوہن لال اور اجودھیا پرشاد کر رہے ہیں - یہ دونوں اجمیر کالج کے طلباے قدیم ہیں جہاں اُنہوں نے انگریزی زبان پر پورا عبور حاصل کیا - ان کی اُردو تحریر میں سادگی اور لطف بیان کے ساتھہ ساتھہ ہندوستانیت اور انگریزی اثر دونوں موجود ہیں - اس اخبار کا نام "خیر خواہ خلق" ہے - یہ ہفتہ وار شایع ہوتا ہے اور چھوٹی تقطیع کے آٹھہ صفحات پر مشتمل ہے - روز مرہ کی عام خبروں کے علاوہ اس میں مختلف عنوانات پر بھی مضامین ہوتے ہیں - مثلاً اس میں ایک مضمون ہندوستانیوں کو اسلحہ سے محروم کرنے' دوسرا ذات پات کے عام توہمانہ خیالات اور جبریہ تبدیل مذہب کے متعلق شایع ہو چکے ہیں - لیکن حکومت نے اس اخبار کے مدیروں کی آزادانہ روش کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا چونکہ بغاوت کے بعد سے ہندوستان میں آزادی باقی

نہیں رہی لہذا حکومت نے اس اخبار کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا —

مجھے اچھی طرح علم نہیں کہ آیا آگرے کا "ہندوستانی گزٹ" دوبارہ چھپنا شروع ہوا یا نہیں - ہاں ایک رسالہ "مفید خلایق" کے نام سے شایع ہو رہا ہے - اس کے مدیر شیو نراین ہیں جو دہلی کالج کے قدیم طالب علم ہیں- شورش عظیم سے پہلے یہ اس کالج میں پروفیسر کی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں- اُنھوں نے انگریزی سے کئی ایک اُردو میں ترجمے بھی کئے ہیں- اس کے علاوہ پشاور میں ایک طبی ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے - اس کا نام "اخبار طبابت" ہے - اس رسالہ کا نصب العین یہ ہے کہ ہندو بید اور مسلمان حکیموں کے لئے چاہے وہ اپنا نج کا کام کرتے ہوں یا انگریزی حکومت میں ملازم ہوں، تبادلۂ خیالات کا ایک ذریعہ بہم پہنچایا جاے اور طبابت اور جراحت کی معلومات میں اضافہ کیا جاے - اِس لئے کہ یورپی نقطۂ نظر سے ان کا علم بہت پستی کی حالت میں ہے —

اس زمانے میں نئی تصنیفات کی تعداد بہت کم ہے - حال میں ایک دل چسپ رسالہ "تاریخ بغاوت ہند" کے نام سے شایع ہوا ہے جس میں سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر کے حالات تفصیلی طور پر موجود ہیں مسٹر فیلن کی بدولت، جن کا

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں اس کی ۱۳ جلدیں جو سنہ ۱۸۵۹ع اور سنہ ۱۸۶۰ع میں شایع ہوئیں، میرے پاس موجود ہیں، یہ اہم رسالہ مکند لال کی جانفشانی کا نتیجہ ہے جو دہلی کالج کے قدیم طلبہ میں سے ہیں اور آج کل آگرہ میڈیکل کالج میں سب اسسٹنٹ سرجن اور علم التشریح کے مدرس ہیں۔ پنڈت شیو نراین نے اسے طبع کیا ہے —

سید احمد خاں نے ابھی حال میں اِسی مضمون کا ایک رسالہ شایع کیا ہے۔ موصوف آثارالصنادید کے مصنف ہیں جس کا ترجمہ میں آج "کل ژورنال ایشیا تک" (Journal Asiatique) میں شایع کر رہا ہوں - میں نے سنا ہے کہ اِس مذکورۂ صدر رسالہ کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے - انگریزی میں اس کا نام An account of the loyal Mahomedans In india (وفادار ہندی مسلمانوں کی سرگزشت) ہے —

مسٹر فیلن نے مجھے ایک اور کتاب بھی بھجوائی ہے جس کا نام " رسیدن شہ" ہےیہ شیو نراین کی ایک انگریزی اخلاقی کہانی کا ترجمہ ہے - اس کا تمثیلی طرز بیان مشرقی مذاق کے بالکل مطابق ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس قسم کی ادبیات ہماری ذہنیت سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں ایک خاص حسن و لطف ہے - بقول ایک فارسی شاعر: —

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

علاوہ ازیں مہا راجہ اپروا کرشن بہادر نے جو دھلی کے آخری شہنشاہ کے درباری شاعر تھے اور جن کا شمار اُردو کے مشہور مصنفین میں ہوتا ھے ' ھندو تہذیب کے ویدانتی عہد پر ایک کتاب لکھی ھے - اس موضوع پر آج تک کسی یورپی محقق نے قلم فرسائی نہیں کی —

حکومت مدراس نے نیل کی کاشت اور یورپی ڈھنگ پر اس سے رنگ نکالنے کے متعلق ایک رسالہ مقابلہ کے بعد لکھوایا ھے چنانچہ اس موضوع پر دو رسالے موصول ھوے ان میں ایک پر انعام دیا گیا - بعد میں اس کا اُردو تامل اور تلگو ' میں ترجمہ کیا گیا - ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۰ع کی تجویز کی رو سے گورنمنٹ نے ترجمے کے اخراجات منظور کئے —

صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات نے سنہ ۱۸۵۹ ع اور ۱۸۶۰ ع میں بعض کتب شائع کرائی ھیں - میرے پیش نظر الہ آباد کے ایک کتب فروش کی فہرست ھے جو ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۶۰ ع کی چھپی ھوئی ھے - اس کے دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ اس میں ۱۶۰ کتابیں بالکل نئی ھیں جن میں اُردو ھندی کی کتابوں کے علاوہ اُردو سے انگریزی ھندی سے انگریزی اور اُردو سے فارسی کی شرحیں ھیں - موخرالذکر کتب کے کچھہ نسخے یورپ آسکتے تو یقیناً وہ بہت کارآمد ھوتے- ان میں "گلستاں" "بوستاں" "انوار سہیلی" اور ابوالفضل

کے اقتباسات شامل ہیں- زیادہ تر کتابیں ہندوستانی لوگوں کی ابتدائی تعلیم کی غرض سے لکھی گئی ہیں - بعض کتابیں صوبۂ شمالی مغربی کے نظم و نسق کے متعلق بھی ہیں مثلاً کلید گنج امتحان مال اور دستورالعمل - یہ دونوں کتابیں امرتسر کے رابرٹ کسٹ (Robert Cust) نے نہایت محنت سے انگریزی میں لکھی ہیں - اول الذکر محصولات کی بیاض ہے جسے رام پرشاد نے اردو کا جامہ پہنایا ہے - اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں - آخری ایڈیشن جو میرے پاس ہے لکھنؤ میں سنہ ۱۸۵۹ ع میں طبع ہوا ہے- دوسری کتاب مالیات کے رسمی قانون سے بحث کرتی ہے اس کا ترجمہ منشی حکم چند نے انگریزی سے اردو میں کیا - یہ بھی بمقام لکھنؤ سنہ ۱۸۵۹ ع میں طبع ہوئی ہے —

ان دونوں کتابوں کے علاوہ اور دوسری کتابیں اور ترجمے رابرٹ کسٹ نے از راہ کرم مجھے بھیجے ہیں - ان میں بعض نہایت دل چسپ اردو اور فارسی کی کتابیں شامل ہیں جو شاہی محل کی تاخت و تاراج کے بعد نیلام کی گئیں - ان کتابوں کی فہرست میں بعض ایسی تصانیف بھی ہیں جو میرے میں علم میں نہ تھیں —

مسٹر فیلن جنھوں نے قانون و تجارت کی ہندوستانی لغت تیار کی ہے اب علاقۂ مارواڑ کے ہندی گیت بھی جمع کر رہے ہیں

جو عنقریب شائع ہوں گے - وہ ساتھہ ہی ہندی اور اردو کے محاورے بھی یک جا کر رہے ہیں - جب یہ کتابی شکل میں شائع ہوں گی تو روبک (Roebuck) کی محاوروں کی کتاب سے کہیں زیادہ بڑی کتاب پر مشتمل ہوں گے —

مسٹر Fitz E. Hall نے حال ہی میں سنگھاسن بتیسی کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے - موصوف نے مجھے لکھا ہے کہ عنقریب وہ اپنی یورپ و امریکہ کی سیاحت بعد کے ادب ہندی کی تاریخ طبع ہونے کے واسطے دے دیں گے - وہ کہتے ہیں کہ اس میں دو ہزار ہندی شعرا کے حالات درج ہیں - میں نے اپنی کتاب "تاریخ ادب اردو و ہندی" میں جو حالات جمع کئے ہیں اُن کی اس کتاب سے تکمیل ہو جائے گی —

لیکن ایچ' جی ریورٹی نے ایک نہایت مفید کتاب "خزینۂ اصطلاحات انگریزی و ہندوستانی" شائع کی ہے اور ڈبلو رائٹ پروفیسر ڈبلن یونیورسٹی نے ایک انگریزی ہندوستانی لغت تیار کی ہے - اس کی تدوین میں بہترین ماخذوں سے کام لیا گیا ہے اور موصوف نے اصل کتابوں سے ذاتی طور پر پورا استفادہ کیا ہے —

مثل مشہور ہے کہ موسیقی شاعری کی بہن ہے - چنانچہ بے محل نہ ہوگا اگر میں گانے بجانے کی ایک صبح گاہی صحبت کا ذکر کروں جس کے متعلق مدراس کے اخباروں میں آج کل

بڑے جوش سے ذکر کیا جارہا ہے —

یہ بزم موسیقی دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع میں منعقد ہوئی۔ مشہور شاعر دیا رام کے ایک شاگرد نے جو فن موسیقی کے بڑے ماہر ہیں لوگوں کی سمع نوازی کی۔ ماہر فن ہونے کے علاوہ وہ مصنف بھی ہیں - چند نچہ دیا ولاس اور دوسرے گیتوں وغیرہ کے مجموعے اُس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں - اس کی نظمیں میں مذہبی، ماتمی، عشقیہ سب رنگ موجود ہیں بعض میں ہندوستانی مناظر قدرت کی تصویر کھینچی گئی ہے اور بعض میں قدیم ہند و راج کماروں اور پرانے معبودوں کے روایتی قصے ہیں - ان گیتوں کی زبان نہایت فصیح ہے اور شاعرانہ آب و رنگ کی بدولت اُسے عوام میں شرف قبول بھی حاصل ہے —

ہندوستانی قدیم کتب میں جو حال میں چھپی ہیں " بیتال پچیسی " قابل ذکر ہے - اس کتاب میں مسٹر ڈنکن فوربس نے بڑی محنت سے لغات کے معنی بھی درج کر دیے ہیں، نیز اسی کے ساتھ ہی۔ بارکر مرحوم کا بین السطور ترجمہ بھی ہے جس کی مدد سے طالب علم کو اس قدیم کتاب کے سمجھنے میں زیادہ زحمت نہ ہوگی —

اب ذیل میں میں جن ہندوستانی کتابوں کا ذکر کروں گا، ان میں صرف انہیں کا ذکر کروں گا جو لاطینی رسم خط میں

لکھی گئی ہیں - میں نے اپنے پچھلے لکچر میں جس انجیل کا ذکر کیا تھا اس کے تیس ہزار نسخے طبع ہو چکے ہیں - اس کی ترتیب میں ایک صفحے پر اردو ترجمہ اور دوسری طرف انگریزی ہے- یہ ترجمہ سنہ ۱۸۶۰ ع میں شایع ہوا مسٹر کاٹن ماتھر نے اس کے مشکل لغات کے معنوں کا ضمیمہ تیار کیا ہے جو عنقریب شایع ہوگا - یہ ترجمہ انجمن انجیل برطانوی و ممالک غیر کی طرف سے بنارس میں " مجلس ترجمہ " نے شایع کیا ہے - غالباً M. Martyn کے ترجمہ سے بھی اس میں مدد لی گئی ہے مگر وہ اس سے کہیں بہتر ہے- کیونکہ وہ براہ راست یونانی زبان سے منتقل کیا گیا ہے ' کہا جاتا ہے کہ اس سے پیشتر اس کے تین اِڈیشن نکل چکے ہیں —

اس ترجمے کا اسلوب بیان وہی ہے جو خالص اردو زبان کا طرز انشا ہونا چاہئے اور اسے عام طور پر مقبولیت حاصل ہے - میں تہ دل سے مترجمین کی خدمت میں مبارک باد کا ہدیہ پیش کرتا ہوں- منجملہ اور دوسرے الفاظ کے "ابراہام" "پطرس" "یروسلم" " سوریا " وغیرہ اجنبی معلوم ہوتے ہیں اور ترجمے میں اچھی طرح نہیں کھپتے - مجھے یہ الفاظ اس جگہ اس لئے نا پسند ہیں کہ تمام مشرقی مسیحی ممالک میں انہیں" ابراہیم " " پطروس " " یروشلم " اور " شام " کہتے ہیں- مقدس انجیلی محاورات و اصطلاحات کی نسبت میں

اس وقت اس قسم کی تنقید نہیں کرنا چاہتا جو کسی دوسرے موقع پر میں نے " سوال و جواب نامہ " (Catechisn) مطبوعہ بمبئی کے مرتب پر عاید کی تھی کہ اس نے بے وجہ ایسے لاطینی محاورے استعمال کئے ہیں جو اہل مشرق کے لئے چیستان کا حکم رکھتے ہیں مگر کہیں کہیں اس قسم کی لغزشیں اس ترجمے میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ' بپتسما ' اور ' هلبیسیا ' کی بجائے عربی الفاظ "معمودیت" یا " اعتماد " اور " بیعت " مشرقی ممالک کے مسیحیوں میں عام طور پر لکھے جاتے ہیں ' دوسرے اصطلاحی لفظوں کے اُردو مترادفات قابل فہم ہیں ــ

لندن کے اخبار " ٹائمز " نے گذشتہ جنوری کی ۲۶ تاریخ کے نمبر میں اردو زبان کی انجیل کا ذکر کیا ہے جو لاطینی رسم خط میں ہے۔ اس سے کے پہلو بہ پہلو انگریزی متن ہے۔ آر۔سی ماتھر کی سعی و فکر سے یہ کتاب تیار ہوی ۔ موصوف نے اپنے طویل دوران قیام ہند میں اردو زبان پر کافی عبور حاصل کر لیا ہے ۔ " انجمن انجیل برطانیہ و دیگر ممالک " کے ہاں جو اصل ترجمے کا علمی نسخہ موجود ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل میں لکھنؤ کے ایک مشہور مصنف محمد مخدوم بخش کا بڑا حصہ ہے موصوف کا نام " تذکرہ گلشن بے خار " میں ہم عصر شعرا کی فہرست میں موجود ہے ــ

انگریز مبلغین عیسائیت صرف مقدس عبادت کی کتابوں کا اردو ترجمہ تقسیم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس زبان میں وعظ و تلقین بھی کرتے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان ہندوستان کے ہر گوشے میں سمجھی جاتی ہے - چنانچہ مقامی اخبارات میں کلکتہ کے اسقف کے وعظ کا ذکر نہایت جلی حروف میں لکھا گیا ہے جو اس نے ان لوگوں کے روبرو کیا تھا جنھوں نے بریلی میں گزشتہ ماہ نومبر میں عیسائی مذہب قبول کیا ہے۔

خالص ادبی کتابوں میں جو حال میں شائع ہوئی ہے "باغ و بہار" کے دو ایڈیشن قابل ذکر ہیں - یہ بھی لاطینی رسم خط میں ہیں - ایک ایڈیشن ڈنکن فوربس کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے اور دوسرا مونیر ولیم نے تیار کیا ہے جو اب آکسفورڈ یونیورسٹی میں ولسن کی جگہ پر سنسکرت کے پروفیسر ہے —

"مدراس جرنل" کے آخری نمبر میں لاطینی رسم تحریر پر دو نہایت دلچسپ مضامین نکلے ہیں- پہلا مضمون دراصل والٹر ایمٹ، ڈبلو- اے بیلی اور ایم- نارمن کی اُس رپورٹ پر مشتمل ہے جو اُنھوں نے اردو الفاظ کی لاطینی تحریر کے متعلق مرتب کی ہے- دوسرا مضمون پادری کالڈول (Rev. Dr. Caldwel) کا ہےجو تامل زبان کے مشہور عالم ہیں - اس کا موضوع

بحث یہ ہے کہ اردو حروف کی صوتیاتی خصوصیات کو لاطینی حروف سے کیوں کر ادا کیا جاسکتا ہے ۔ میں خود اپنے پچھلے لکچر میں اس مسئلے کی نسبت اپنی راے ظاہر کر چکا ہوں ' اس واسطے اب پھر دوبارہ اسے نہ چھیڑوں گا - اس میں مطلق شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ لاطینی حروف کی کتابیں تاجروں اور ان لوگوں کے لئے جو اردو زبان سے سطحی واقفیت رکھنا چاہتے ہیں مقابلتاً زیادہ سہل ہوتی ہیں - یہ بھی درست ہے کہ فارسی رسم تحریر ناقص ہے - اس میں چھوٹے حروف علت مطلق نہیں اور دیو ناگری خط میں عربی فارسی الفاظ کے مخارج بخوبی ادا نہیں ہو سکتے جو مسلمانی اردو میں بھرے پڑے ہیں- چنانچہ مذہبی نقطۂ نظر سے ہندوستانی کی دو تقسیمیں ہو گئی ہیں - ایک اردو یا دکھنی ہے جو عام طور پر مسلمانوں کی زبان ہے اور بہ نسبت ہندی کے زیادہ دل چسپ ہے جو ہندوؤں کی زبان سمجھی جاتی ہے اور دوسری ہندی —

اسلامی ہند کے فارسی خط کے نقائص اور لاطینی خط کی خوبیوں کو مدراس کے غلام علی نے اپنے ایک مضمون میں اچھی طرح سے واضح کیا ہے - موصوف متعدد مکالموں اور کتابوں کے مصنف ہیں - ان دونوں رسوم خط کے فرق کو بتلانے کے لئے انھوں نے پہلو بہ پہلو اردو زبان کی مثالیں دی ہیں جنھیں

بعد میں مونیر ولیم نے ۲۵ اکتوبر کے "تائمز" میں اپنے خط میں ھو بہو نقل کر دیا ھے - اس مقابلہ سے صاف ظاھر ھوجاتا ھے کہ ھمارا رسم تحریر یقیناً عربی رسم تحریر سے اعلیٰ مرتبہ رکھتا ھے - مشہور مستشرق اے- اسپرنگر نے اِس ضمن میں ایک جگہ لکھا ھے کہ " ایسی تحریر کے پڑھنے سے مسرت ھوتی ھے جس میں سب حروف علت موجود ھوں اور نقطوں کو گننے کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے - فارسی رسم خط ' باوجود اس کے عادی ھونے کے انسان کو تھکا ڈالتا ھے اور اس کے لئے بڑی توجہ کی ضرورت ھوتی ھے " —

ابھی حال میں ملک ھندوستان ایک نہایت روشن خیال مدبر اور لاطینی رسم خط کے بڑے حامی (خصوصاً اُردو کے واسطے) کی خدمات سے محروم ھوگیا - میری مراد سر ترویلین (Sir Ch. Trevelyan) کی ذات گرامی سے ھے- موصوف مدراس سے انگلستان واپس آگئے ھیں - ھمیں پوری توقع ھے کہ وہ اپنا جوش اور حسن سلوک ھندوستانیوں کے ساتھہ باقی رکھیں گے - موصوف کو ھندوستانیوں سے جس قدر ھم دردی ھے اتنی ھی اُن کی دلپذیر زبان سے انھیں دلچسپی ھے —

کچھہ عرصے سے سیاحت یورپ کے لئے ھندوستانیوں کی تعداد میں برابر اضافہ ھورھا ھے - ھر جہاز پر آپ کو انگلستان جانے والے ھندوستانی نظر آئیں گے- بعض سیر تفریح

کی خاطر ' بعض علم طب و قانون کی تحصیل کی غرض سے اور بعض اس لئے آتے ھیں کہ انگلستان کے طریق تعلیم کا مطالعہ کریں - خود انگلستان میں اُردو زبان کا چرچا دن بدن بڑھ رہا ھے ' اس لئے کہ اس زبان کی اھمیت کا لوگوں کو احساس ھوتا جاتا ھے - آکسفورڈ یونیورسٹی میں اُردو کی مسند قایم ھوگئی ھے جس کا منشا یہ ھے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جاے چنانچہ جے چیمبرس (J. Chambers) اس جگہ پر آجکل رونق افروز ھیں- کیمبرج میں بھی اس کی پروفیسری (چیر) قایم کر دی گئی ھے اور اس کے لئے گذشتہ ۲۸ نومبر کو میجر سٹیفن (J. G. Stephen) نام زد کئے گئے - ان کے مقابلے میں سید احمد نے بھی اس جگہ پر تقرر کی کوشش کی - سید احمد پہلے سے ایف فالکونر (F. Falcponer) کی جگہ لندن کے یونیورسٹی کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رھے ھیں- * بہتر ھوا گر کیمبرج یا آکسفورڈ میں کہیں ایک پروفیسر رکھا جاے جو اردو کا صحیح تلفظ اور تحریر و تقریر کی مشق کراے -

---

* اس جگہ کے لئے میجر ایم ' ایس ' اٹلے ' بھی کوشاں تھے جن کی نسبت میں تھوڑا سا ذکر کر دینا چاھتا ھوں - موصوف میرے لکچروں میں شریک رہ چکے ھیں اور ان کی بعض تصانیف سے معلوم ھوتا ھے کہ انھیں اردو زبان پر کافی عبور حاصل ھے - ملاحظہ ھوں موصوف کے خطوط بنام لارڈ اسٹینلی جو انھوں نے اردو زبان اور ادب کے متعلق لکھے ھیں - اور جو مارننگ کرانیکل کے ۲۸ مارچ ' ۱۲ اور ۲۵ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کے پرچوں میں شایع ھوے ھیں -

جیسے کہ ہمارے ہاں (پیرس کے مدرسۃ السنہ میں) ایک زمانے میں دی ساسی (De sacy) کے ساتھہ ساتھہ مصری فاضل رفائل مونا شس اہل زبان ہونے کی حیثیت سے عربی کا تلفظ وغیرہ سکھاتے تھے —

انگلستان کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں نیز لندن میں اردو زبان کی تعلیم کو ناگزیر سمجھہ کر رائج کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈبلن یونیورسٹی ' اسکاچستان کی یونیورسٹیوں اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کی طرف جلد توجہ کی جائے گی - ولوچ (Woolwich) کی شاہی عسکری اکاڈمی میں اُردو زبان کا پروفیسر مقرر کرنے نیز ایڈس کول (Addiscowl) کمپنی کے ہندی کالج کو اس کے ساتھہ ملحق کرنے کی تجویز کی گئی ہے —

ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتب خانہ کا نگران کار ہندوستانی زبان کے ماہر ڈاکٹر جے۔ بیلنٹائن کو مقرر کیا گیا ہے - علوم سنسکرت میں موصوف کی معلومات اپنے پیش رووں ولکنسن اور ولسن سے کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں - چنانچہ ان کی متعدد مشہور تصانیف سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے —

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آئندہ سے ان انگریزوں کے لئے جو ہندوستانی افواج میں نوکری کرنا چاہتے ہیں یہ لازمی قرار پایا ہے کہ اُردو کے تین امتحانات جن سے پہلے سے

وہ واقف نہیں ' انگریزی زبان میں ترجمہ کریں - اس کے ساتھ انہیں نظم و نسق کے متعلق کسی عبارت کا اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو اور ہندی میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے - یہ ترجمہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندوستانی آدمی بھی اس کی عبارت کا مفہوم سمجھ سکے - اس امتحان میں کسی ایک انگریزی خط کا اردو میں فی البدیہ مطلب بھی دریافت کیا جاتا ہے- ساتھ ہی امتحاناً ہندوستانیوں کے ساتھ اردو زبان میں گفتگو کرائی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا ہندوستانیوں کو سمجھنے اور اپنے مفہوم کو انہیں سمجھانے کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں —

میرے پچھلے لکچر کے بعد سے اب تک متعدد فاضل راهیء ملک عدم ہو چکے ہیں جنھیں ان مشہور زبانوں پر پورا عبور حاصل تھا جو آج ہماری جاذب توجہ ہیں- ان میں سب سے پہلے ایچ ' ایچ ولسن کا نام آتا ہے- یہ اپنے عہد کا نہایت متبحر عالم تھا - ایم ' جے موہل نے پیرس کی ایشیا تک سوسائٹی کی سنہ ۱۸۶۰ع کی رپورٹ میں اس کی سوانح حیات پوری تفصیل اور صحت سے درج کر دی ہیں - میں نے بھی " ریویو اوریانتال" میں ایک مضمون اس کے علمی کارناموں کی نسبت شایع کیا ہے* - اس وقت میں اس کا ذکر ہندوستانی زبان

* اکتوبر سنہ ۱۸۶۰ع

کے ماہر کی حیثیت سے کرنا چاہتا ہوں - اُس نے ہندی مصنفین سے معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچا کر اپنی کتاب " ہندو فرقے" شایع کی - اسی طرح اس کی کتاب "قانون و مالیات کی ہندی مصطلحات " بھی قابل ذکر ہے - ان کتابوں کی وجہ سے میری دانست میں اسے ہندوستانی زبان کا ماہر کہنا بے جا نہ ہوگا —

گزشتہ ماہ مئی میں دو انگریز مستشرق جنھوں نے اپنی تحقیقات کے باعث خاصا امتیاز حاصل کرلیا تھا ، ہمیں عین جوانی میں داغ جدائی دے گئے - میری مراد ولیم ایچ مارلے اور کاکبرن تامس سے ہے جنہیں اس زبان سے خاصا لگاو تھا - آخرالذکر نے میرے درسوں میں بھی شرکت کی تھی -

میں اس موقع پر ان دو شخصوں کا بھی ذکر کردوں جو عمر بھر ہندوستان کے سچے بہی خواہ رہے - ہم سب لارڈ میکالے کے نام سے واقف ہیں - یہ مورخ ، خطیب ، مضمون نگار اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں ، ان کا انتقال ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو ہوا - انھوں نے اپنی زندگی کا کچھہ زمانہ خاص ہندوستان میں گذارا - وہ اس ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور ساتھہ ہی اس کی مرفہ الحالی کے لئے عمر بھر کوشاں رہے - " سپریم کونسل " کے رکن رہ چکے تھے - انھیں ہندوستانی قوانین مدوّن کرنے کی خاص خدمت تفویض ہوئی - وہ اپنی عمر میں صرف

تعزیرات کی تکمیل کر سکے۔ یہ دراصل ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے - اس تعزیرات کا نقص یہ ہے کہ قابل عمل نہیں اور اس وجہ سے اسے حرف غلط سے زیادہ وقعت نہیں حاصل ہوئی —

دوسرے مونسٹورٹ الفنسٹن کی ذات گرامی تھی - وہ سنہ ۱۷۷۸ ع میں پیدا ہوے اور سنہ ۱۸۵۹ ع میں ان کا انتقال ہوا - وہ موجودہ صوبۂ بمبئی کے گورنر لارڈ الفنسٹن کے چچا ہوتے تھے - میں سمجھتا ہوں ان کے تدبر و جہاں بانی کی داستاں کا اس وقت اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے - ہمارا واسطہ اس وقت صرف ان کی اردو دانی اور علم پروری سے ہے - انھوں نے اردو زبان کے فروغ دینے میں بڑی مدد کی- علمی دنیا میں وہ سنہ ۱۸۰۹ ع میں بہ حیثیت سفیر کابل اور اپنی کتاب " تاریخ ہند " کے باعث شہرت حاصل کر چکے ہیں - ان کی تاریخ اگرچہ غیر مکمل ہے مگر پھر بھی اس کی قدر دانی کا یہ حال ہے کہ اس کے اب تک متعدد اڈیشن شایع ہوچکے ہیں - مدتوں صوبۂ بمبئی کے گورنر رہے - محمد ابراہیم مقبہ نے سنہ ۱۸۲۳ ع میں اپنی ہندوستانی صرف و نحو پر ایک کتاب ان کے نام پر معنون کی ہے اور اس کا نام " تحفۂ الفنسٹن " رکھا ہے — اس ہندوستان پرست شخص کی نسبت ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو کسی نے امریکی مورخ "پریسکاٹ" کی نسبت کہا ہے کہ : بہت —

" جس کسی سے اس کی ملاقات ہوئی تو یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کا گرویدہ نہ ہوگیا ہو' جس کسی نے اُس کا نام لیا ہمیشہ تعریف کے سلسلے میں لیا "

میں اس سال " باغ و بہار " فارسی اور لاطینی ہر دو رسم تحریر میں پڑھاؤں گا - یہ کتاب خالص اردو زبان میں لکھی گئی ہے- ساتھہ ہی " کامروپ کے کارناموں" کی تحسین الدین والے ایڈیشن سے تشریح کروں گا - یہ کتاب دکنی زبان میں ہے - حضرات ! میں اپنے کسی پچھلے درس میں" باغ و بہار " کا خلاصہ پیش کرچکا ہوں (سنہ ۱۸۵۳ ع) - دوسری کتاب ایک افسانے پر مبنی ہے جسے گیتے ناقابل فہم بتاتا ہے - یہ افسانہ اصل میں ہندوستان کی سرزمین سے وابستہ ہے ' مگر ایران اور ہندوستان میں مسلمانوں نے متعدد افسانے اسی کے اسالیب کو مستعار لے کر لکھے ہیں- عربی قصہ " سند باد جہازی " اس سے بہت ملتا ہے - اس میں Ulysses کی جان جوکھوں اور کارناموں کے حالات بھی نظر آتے ہیں - میں مختصراً اسے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں - آپ خود اس کے متعلق اندازہ کرسکیں گے —

اس نظم کی ابتدا ایک طرح کی دعا سے ہوتی ہے جس میں آپ عشق مجازی و حقیقی دونوں کی جھلک پائیں گے - ہمیں جو مشرقی ادبیات کا مطالعہ کرنا اور سمجھنا چاہتے ہیں اس

طرز کا عادی ہو جانا چاہئے

مصنف نے اپنی دعا چند جملوں پر ختم کی ہے جن میں لفظ عشق کی تشریح کی گئی ہے - لفظ "عشق" کے ہر حرف میں ایک معنی بتائے گئے ہیں - پھر اس کے بعد فوراً قصہ شروع کر دیا گیا ہے - قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا جو ملک اودھ پر حکومت کرتا تھا - وہ مسلمان نہیں تھا جس طرح آج کل اس علاقے کے نواب ہیں - وہ "رام" کی اولاد میں تھا، مگر شاعر نے اس کا نام نہیں بتایا کہ کیا تھا - وہ ہمیشہ اس کا ذکر مہاراجہ پت (پتی) کے نام سے کرتا ہے - اس کے کوئی اولاد نہیں تھی - اولاد کی خاطر اُس نے اپنے دارالسلطنت اودھ پور میں فقیر فقراء کو خوب خیرات تقسیم کرائی - دیس دیس کے درویش اس کے ہاں جمع رہتے تھے - بالآخر ایک درویش نے اُسے "شری" کے پھل کا تحفہ دیا اور رانی سے اُسے کھانے کی درخواست کی - رانی کا نام "سندر روپ" تھا اُس نے یہ پھل چکھا اور معاً اُسے اس کا اثر محسوس ہوا - اس کے ساتھ اعلیٰ عہدہ داروں کی چھ بیویوں نے بھی اس پھل کو چکھا - وہ سب کی سب بھی حاملہ ہو گئیں - رانی کے ہاں جب ایک شہزادۂ روشن جبیں تولد ہوا اُسی روز اُن سبھوں کے ہاں بھی لڑکے پیدا ہوئے - شہزادے کا نام "کام روپ" تجویز ہوا - اس مبارک گھڑی کے بعد کئی

* یہاں مثال کے طور پر عبارت ہے —

دن تک خوشی کے شادیانے بجے اور سونے چاندی کے ڈھیر بطور نذرانہ بادشاہ کو پیش کئے گئے - رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوئیں - نوخیز لڑکوں اور خوش ادا ناچنے والیوں نے اپنے ناچ رنگ سے اہل محفل کے دلوں کو خوب گرمایا - پنڈتوں نے شہزادے کا جنم پتر دیکھ کر بتایا کہ بارہ سال کی عمر میں اس کا دل محبت کی کسک سے آشنا ہوگا اور ساتھ ہی اسے بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا - اس سے بادشاہ کے دل کو بڑی تشویش ہوئی - دن رات اسی اُدھیڑ بن میں رہتا - چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ شہزادے کو بارہ سال کے سن تک ایک قصر عالی شان میں اُن چھہ بچوں کے ساتھہ رکھا جائے ' جو اُس کے ساتھہ تولد ہوے تھے - اس محل کے چاروں طرف باغات تھے - یہاں ہر وقت اس کی حفاظت کی جاتی تھی - کامروپ اور اس کے چھہ ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کا بھی پورا خیال رکھا گیا - جب شہزادے نے عمر کے پانچویں سال میں قدم رکھا تو اُسے ننھی سی سونے کی تختی پر لکھنا سکھایا گیا - اسے پہلا سبق فن حکومت پر دیا گیا - وزیر کے بیٹے "مترچند" کو انتظام ملکی ' بادشاہ کے طبیب کے بیٹے "کنول روپ" کو فن طب' اور جوہری کے بیٹے "مانک" کو ہیرے جواہرات کی پرکھہ سکھائی گئی - دربار کے منجم کے بیٹے "اچھا راج" کو اختر شناسی اور دینیات کی تعلیم

دی گئی۔ بادشاہ کے نقاش کے بیٹے "چتر مان" کو فن نقاشی سکھایا گیا اور درباری گویے کے بیٹے "رس رنگ" کو فن موسیقی کی تعلیم دی گئی - یہ سب بچے خوش وقتی سے اپنا وقت صرف کرتے، کبھی پڑھتے لکھتے، کبھی سیر تفریح کو جاتے اور کبھی شکار کھیلتے - مگر قسمت کا لکھا مٹائے نہیں مٹتا۔ جب شہزادہ نے بارھویں سال میں قدم رکھا تو ایک دن ہونے والی بات، گرمی بڑی شدت کی تھی، کامروپ کی آنکھ لگ گئی - خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک دلفریب باغ میں بیٹھا ہے- اس باغ میں ایک شہزادی رہتی تھی جو اپنے حسن و جمال میں نظیر نہیں رکھتی تھی- اس کا نام کلا تھا- وہ سرندیپ کے راجہ کی بیٹی تھی، اس کی گردن ہنس کی سی، منہ کنول کا سا اور قد و قامت شیرنی کے مثل تھا، اس کے پاؤں میں گھنگرو پڑے ہوئے تھے - جب وہ چلتی تھی تو ان سے آواز نکلتی تھی - اس کے ہاتھوں پر حنا لگی ہوئی تھی، سر کے بال جواہرات سے آراستہ تھے، اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں کو مسی نے باکیف بنا دیا تھا - اس کی حسین سہیلیاں باغ کے گھنے درختوں میں چہلیں کرتی پھرتیں اور وہ سب کی سب سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھیں - یہ عجیب بات ہے کہ ادھر تو کامروپ نے کلا کو خواب میں دیکھا - اور ادھر کلا نے شہزادے کو خواب میں دیکھا -

دونوں ایک دوسرے پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئے ۔ عشق کے تیر نے دونوں کو گھایل کیا - پہلے ان دونوں نے اپنا اپنا احوال ایک دوسرے کو سنایا اور پھر وہ دونوں ابدی محبت کی زنجیر میں جکڑ گئے ۔

کامروپ کی آنکھ کھلی تو وہ بوکھلایا ہوا سا تھا ، اس کے دل میں کلا کے سوا کسی کی جگہ نہیں تھی - اس کی نظروں کے سامنے اس کی تصویر پھرتی تھی اسے اس کی میٹھی سریلی آواز رہ رہ کے یاد آتی تھی - باوجود ان تمام باتوں کے "کامروپ" کے ذہن سے اس پری جمال کا نام بالکل محو ہو گیا - اسے کلا کے خط و خال بخوبی یاد تھے - وہ تو اس کے دل میں ایسے نقش ہو گئے تھے جیسے پتھر پر لکیر - ادھر کلا کی بھی یہی حالت تھی - شہزادے کے ہم جلیسوں نے جب اس کا یہ حال دیکھا اور جب انہیں اس کی اندرونی کیفیت کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوے - شہزادے کی آنکھیں ہر وقت آنسوؤں سے تر رہتی تھیں - کوئی اس سے بات کرتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ سنتا ھی نہیں - بالآخر بڑی کوششوں سے "متر چند" نے شہزادے کے دل کا بھید معلوم کر لیا - اسے شہزادے سے بڑا اُنس تھا - بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اسی تدبیر پر عمل کرنے کی ٹھانی جو وہ پہلے بھی ایک دفعہ کر چکا تھا - اس نے حکم دیا کہ

اس کی ساری دولت خیرات میں بے دریغ لٹا دی جائے ملک ملک کے پردیسیوں کو دعوتیں دی جائیں - جب پردیسی لوگ اُس کے ہاں جمع ہوے تو اُس نے ان سے فرمائش کی کہ کامروپ کے روبرو اپنی اپنی سرگزشت بیان کریں - اسی سلسلہ میں ایک برھمن بھی آیا - یہ برھمن اس مندر کا نگران تھا جہاں کلا خواب کے بعد پوجا کرنے گئی تھی - کلا نے اس برھمن سے درخواست کی کہ وہ اس کی خاطر گم گشتہ شہزادہ کو ڈھونڈہ لاے - یہ برھمن اودہ پور کے چودھری کے سامنے جب پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ تو کون ھے ؟ برھمن نے جواب دیا کہ مجھے سُمت کہتے ھیں اور سرندیپ میں ھردوار کا جو مندر ھے اس میں میری پرورش ھوئی ھے ' کامروپ نے جب یہ سنا تو بےساختہ وہ چلا اُٹھا کہ ھاں ! سرندیپ اسی ملک کا نام ھے جہاں میں پہلے پہل درد محبت کی کسک سے آشنا ھوا تھا - برھمن نے جواب دیا کہ میرے بادشاہ کا نام کامراج ھے - کامروپ یہ نام سنتے ھی ھکا بکا سا رہ گیا - یہ ھو نہ ھو اُسی پری جمال کے باپ کا نام ھے جو اسے خواب میں نظر آئی تھی تھوڑی دیر بعد یہ راز کھل گیا کہ کلا نے اس برھمن کو بھیجا ھے تاکہ اس شہزادے کو کہیں سے ڈھونڈہ لاے جس نے اس کے دل کو سپنے میں موہ لیا تھا - چنانچہ بادشاہ راجپت نے کامروپ کو مع اس کے چھہ رفیقوں کے سُمت کے

همراه سرندیپ جانے کی اجازت دے دی، تاکہ وہاں پہنچ کر وہ پری جمال کلا سے شادی کی بہ نفس نفیس درخواست کر سکے - پنڈتوں نے روانگی کی نیک گھڑی مقرر کی- شہزادہ اپنی ماں سے رخصت لینے کی غرض سے گیا - ماں نے نیک شگون کے لئے اس کے ماتھے پر دھی کا نشان لگادیا اور اس کے بعد وہ اپنے سفر پر روانہ ہوگیا - پہلے وہ سب مقام ھگلی گئے- اس مقام پر سے سرندیپ نظر آتا ہے' بلکہ سُمت نے دور سے وہ مندر بھی دکھا دیا جس میں کلا پوجا کیا کرتی ہے - اسی دوران میں سمندر میں بلا کا طوفان اٹھا - اُن کا جہاز موجوں کے تھپیڑوں سے پاش پاش ہوگیا - ہمارے آٹھوں مسافر جہاز کے ایک ایک تختے پر بیٹھے رہ گئے اور سمندر کی لہریں اُنہیں کبھی ادھر اور کبھی اُدھر لئے پھرتی تھیں —

کچھہ عرصے کے بعد کامروپ کا تختہ کنارے پر آلگا - وہ خشکی پر اُترا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں سوائے جنگل کے کچھہ نہیں - جنگلی پھل کھا کر رات میں وہ ایک درخت پرچڑھ گیا- دوسرے دن پھرتا پھرا تا ایک باغ میں میں پہنچا' یہہ باغ تریا راج رانی راوتا کا باغ تھا - یہاں کسی آدمی کو آنے کی اجازت نہیں تھی - کامروپ کی خوش قسمتی کہ اُس نے راوتا کو اپنا گرویدہ بنا لیا - اس کی یہہ حالت تھی کہ وہ خود کلا کو اس نئی صحبت میں بھی بھول چلا تھا - ایک رات کلا خواب میں آئی

اور اس نے کامروپ کو خوب لعنت ملامت کی اور کہا کہ وہ عزت، سچائی اور انصاف کے اصول سے بالکل بے گانہ ہے - اس خواب کے بعد کامروپ راوتا کے باغ سے نکل بھاگا - کچھ دور چل کر وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا - ایک پری اُسے کوہ قاف اٹھالے گئی - کوہ قاف دیووں اور راکششوں کا مسکن ہے - اس پری کا جو کامروپ کو اٹھا کر لے گئی تھی ایک چاہنے والا تھا اس کے سینے میں آتش حسد بھڑک اُٹھی - ایک دن موقع پاکر وہ کامروپ کو اُٹھا لے گیا اور اُسے سمندر میں پھینک دیا - سمندر کی موجیں اسے کبھی ادھر لے جاتیں اور کبھی اُدھر - بالآخر وہ سرندیپ کے ایک جزیرہ کے کنارے آلگا - اس جزیرے میں "تسپا" رہتا تھا - اس جزیرے والوں کی یہہ خصوصیت ہے کہ اگر وہ کسی بھولے بھٹکے مسافر کو پکڑ پاتے تو اس سے سواری کا کام لیتے - چنانچہ 'کامروپ" کے ساتھہ بڑی یہی واقعہ پیش آیا، ایک شخص اس کے کاندھے پر سوار ہوگیا اور کوڑے مار مار کر اسے ہانکنے لگا - اتفاق کی بات ایک دن کامروپ کو کچھہ انگور مل گئے - اس نے ان کا عرق نکال کر شراب بنائی اور اہل جزیرہ کو پلائی - اس جزیرے والوں کو شراب کا چسکا لگ گیا تو ایک دن ان سبھوں نے خوب جی بھر کر پی - کامروپ اور ان بد قسمت لوگوں نے جو اس سے پہلے یہاں گرفتار ہوچکے تھے اس موقعے کو غنیمت سمجھا - جس

جس نے شراب پی تھی ' اس کی عقل توٹھکانے رھی نہیں تھی' پھر کیا تھا ' ان لوگوں نے دھت بد مستوں کو چن چن کر قتل کیا اور پھر خود آزاد ھوکر بھاگ نکلے' ان میں سے ایک شخص نے جب شہزادۂ کامروپ کو دیکھا تو وہ اس کے پاؤں پر آکر چمٹ گیا - یہ شخص "مترچند" وزیر کا بیٹا تھا - جو کامروپ کا جگری دوست تھا - اُسے ایک دیو اٹھا لے گیا تھا - بہت دنوں وہ ایک غار میں رھا اس کے ساتھ جو دوسرے ' غار میں تھے انہیں سب کو دیو چٹ کر گئے مگر اسے چھوڑ دیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اپنی جان کی زیادہ فکر اور پروا نہیں تھی - راکشسوں کو اس کی یہ ادا پسند آئی - انھوں نے اسے رھا کر دیا - اور ایک نے اپنے سر کے تھوڑے سے بال دیے اور کہا کہ جب کبھی تجھے کوئی مصیبت پیش آے تو ان بالوں کو جلانا اور وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائے گا کامروپ اور متر چند آپس میں باتیں کر رھے تھے کہ ایک طوطا اُڑ کر شہزادے کے ھاتھہ پر آ بیٹھا ' جیسے وہ پہلے سے اُس سے واقف تھا - طوطے کی ٹانگ میں ایک دھاگا بندھا ھوا تھا - اس کے کُھلتے ھی وہ طوطا آدمی بن گیا - ان دونوں دوستوں نے پہچان لیا کہ ھو نہ ھو یہ "اچھاراج" ھے - اس نے اپنی سرگزشت یوں بیان کی کہ اسے ایک پری اُٹھا لے گئی - اپنی خوشی سے اُس نے اسے طوطے کی صورت میں تبدیل کردیا اور اس کی ٹانگ میں

ایک طلسمی دھاگا خوب مضبوطی سے باندھ دیا۔ ایک دن وہ پری کو دھوکا دے کر اُس کے پاس سے آ آیا۔ اب یہ تینوں دوست چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک برھمن سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ برھمن نے ان تینوں نوجوانوں سے خطاب کیا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں؟ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ "کامروپ" اسی رانی کا بیٹا ہے جسے اُس نے پر اسرار پھل کھلایا تھا جس کے بعد اُس کے اولاد ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اُسے اس جزیرے کے جنگل میں سنگ کیمیا ھاتھ لگ گیا تھا مگر چونکہ اس نے افلاس کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرلیا تھا اس لئے وہ اس کے لئے بےکار چیز تھا اس نے وہ کامروپ کے حوالے کر دیا اور کہا "لے، اس پتھر کو سنبھال کے رکھنا۔ اگر تو اس سے لوھے کو چھوئےگا تو وہ سونا ھوجائے گا۔ سونے سے دنیا کے سارے معاملات بسہولت سلجھہ جاتے ھیں اور اس سے آدمی کو کامیابی نصیب ھوتی ھے۔ اس پتھر کے چھونے سے جو سونا بنے گا وہ جس کسی کے قبضے میں ھوگا عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا"۔

تینوں دوست چلے جا رھے تھے کہ آگے پہنچ کر انھیں ایک اور نیا مسافر ملا۔ یہ مسافر "چترمن" نقاش تھا۔ طوفان کی موجوں نے اس کے تختہ کو "سرندیپ" کے ساحل پر پہنچا دیا تھا۔

سرندیپ کے راجہ "کامراج" پدرِ "کلا" کو جب اس

کی هنر مندی کی اطلاع هوئی تو اُس نے اسے اپنے شاهی محل کو نقش و نگار سے آراستہ کرنے کے لئے نوکر رکھہ لیا - اِس دوران میں وہ سخت بیمار هوگیا - راجہ نے علاج کی غرض سے اسے ایک طبیب کے حوالے کیا - اتفاق دیکھئے کہ یہہ طبیب کنول روپ نکلا جو کامروپ کے ساتھیوں میں سے تھا - اس کی سرگزشت بہت طویل هے اس لئے یہاں هم نظر انداز کرتے هیں۔ مختصر یہ هے کہ وہ جب سرندیپ پہنچا تو بحیثیت طبیب حاذق، دربار میں اس کا تعارف کرایا گیا - کامراج نے اس سے کہا کہ "کلا" کے مرض کی تشخیص کرو - اس نے بتایا کہ "کلا" کا مرض کامروپ کی محبت کے سوا کچھہ نہیں - کنول روپ نے جب کلا کے مرض کی تشخیص کرلی تو "چتر من" سے کہا کہ وہ چند تصویریں بنائے جن میں کامروپ اور اس کے چھہ رفیق اور "سُمت" برهمن موجود هوں - اور ایک تصویر ایسی هو جس میں یہ سب کے سب سرندیپ کے لئے روانہ هو رهے هوں - "کلا" نے جب ان تصویروں کو دیکھا تو اُس کے دل کو بڑی تسلی هوئی اور اس کی حالت سنبھل گئی - راجہ کامراج یہ حال دیکھکر بہت خوش هوا - اُس نے سوئمبر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اُس کی شہزادی اپنا شوهر منتخب کر سکے - یہ طریقہ راجکماروں میں پرانے زمانے سے چلا آتا هے - چنانچہ برهمن "سمت" نے جب کامروپ

کو یہ حال سب کہہ سنایا تو اُس نے اپنے دوست اچھراج سے کہا کہ وہ طوطا بن کر کلا سے کہہ آئے کہ کامروپ فقیر کے بھیس میں سوئمبر کے موقع پر آئے گا - کلا کو اچھراج پر پورا اعتماد اس لئے تھا کہ اُس کی شبیہہ کامروپ کے چھہ ساتھیوں کی تصویر میں موجود تھی —

چنانچہ جب سوئمبر رچایا گیا تو کلا نے موتیوں کا ھار کامروپ کے گلے میں ڈال دیا - اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اسے اپنا شوھر بنانا چاھتی ھے - کامراج کامروپ کو سچ مچ فقیر سمجھا - اُسے بڑا غصہ آیا اور اُس نے حکم دیا کہ کامروپ کے گلے میں سے ھار اُتار لیا جائے اور اسے اور اس کے رفیقوں کو تالاب میں پھینک دیا جائے - تھوڑی دیر بعد سنگ کیمیا اور دیو کے بالوں کے ذریعے سے کامروپ شہزادے کی طرح زر و جواھر سے لدا ھوا اور بڑھیا لباس زیب تن کئے ھوئے کامراج کے سامنے آیا - کامراج کو جب سارا حال معلوم ھوا تو اُس نے بڑی خوشی سے کامروپ کو دامادی میں قبول کیا - چنانچہ اس طرح کامروپ اور کلا کے خواب پورے ھوتے ھیں اور اُن کی سرگزشت ختم ھوتی ھے —

حضرات ! ایک اعتبار سے اس قصے میں ھمارے لئے علم الانسان کی معلومات پوشیدہ ھیں - ممکن ھے کہ اس مضمون کی خاص کتابوں میں ، ھمیں اس قدر مواد نہ

ملے جلتا کہ اس قصے سے ۔ اس قسم کی خیالی کہانیاں ہمیں اہل مشرق کی زندگی سمجھنے میں بہت مدد دے سکتی ہیں اور مزید تحقیق کے کام میں سہولت پیدا کر سکتی ہیں۔

ہمارے ان نوجوانوں کے لئے جو بے کاری میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ مشرقی زبانوں کا مطالعہ نہایت دلچسپ شغل ہو سکتا ہے ' بقول کوپر :—

" عدم شغل اور آرام ایک بات نہیں

وہ دماغ جس کا کوئی خاص شغل نہیں ہو عموماً گُلفت میں رہتا ہے " —

میں اپنے اس درس کو ایرانی شاعر عطار کے اس قول پر ختم کرتا ہوں جو آپ کو " منطق الطیر " میں ملے گا —

" دنیا ' دار المحن ہے ' اُس کی تاریکی کو صرف شمع علم سے راستہ مل سکتا ہے ۔ انسان کی رہبری یہاں علم و حکمت کے لعل کی روشنی سے ہوتی ہے اور علم و حکمت سے ہی انسان کے دل میں وسعت پیدا ہوتی ہے " ۔



گیارھواں خطبہ

۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ ع

جن صاحبوں کو ھندوستان کے ساتھہ انس ھے انھیں یہ دیکھکر مسرت ھوگی کہ اب وھاں ھر طرف ادبی اور علمی مشاغل کی ترقی رو نما ھو رھی ھے - سنہ 1857 ع کی شورش کے دوران میں اردو زبان کی کتابوں کی اشاعت بالکل رک گئی تھی مگر اب پھر کثرت سے کتابیں طبع ھو رھی ھیں - اردو کی اشاعت میں انگریزی حکومت بھی حتی‌المقدور مالی امداد کر رھی ھے اور ھر طرح سے اس کی ھمت افزائی میں کوشاں ھے- اس کی وجہ یہ ھےکہ اردو زبان ھندوستان میں حرفت و تجارت اور سیاست میں بہت کام آتی ھے -اس کے علاوہ ھندوستان میں جتنے یورپین اور یوریشین ھیں وہ اسی زبان کے توسط سے اھل ھند کے ساتھہ تعلقات پیدا کرتے ھیں - ظاھر ھے اس صورت میں حکومت کا فرض ھے کہ اس زبان کی پرورش اور ترقی میں کوشاں ھو - ساتھہ ھی ھمیں یہ بھی مد نظر رکھنا چاھئے کہ اگرچہ اکثر تعلیم یافتہ ھندوستانی انگریزی زبان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ھیں

مگر باوصف اس کے وہ شاید بقول شیکسپیر یہ کہنے کی جرأت نہ کریں گے کہ " میں اپنی بولی سے باز آیا " -

صوبۂ شمال مغربی میں اُردو اور ھندی دونوں زبانوں کے اخبارات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ھے اور ان کی تعداد اور اھمیت اس کے لگ بھگ ھو چلی ھے جو سنہ ۱۸۵۷ ع سے پہلے انھیں حاصل تھی - ان صوبجات کے ناظم تعلیمات مسٹر ایچ - اسٹورٹ ریڈ نے ازراہ عنایت ان سترہ اخباروں کی فہرست مجھے بھیج دی ھے ' جو اس سال کے شروع سے شائع ھو رھے ھیں - ممکن ھے اس سال میں اور ایک آدھ کا اضافہ ھوا ھو - ان سترہ اخباروں میں گیارہ اردو کے ھیں اور چھہ ھندی کے - ان میں سے آتھہ آگرہ میں طبع ھوتے ھیں ' دو اجمیر میں ' دو اتاوہ میں اور ایک لدھیانہ میں ' ایک میرتھہ میں ' ایک جونپور میں ' ایک سہارن پور میں ' ایک الہ آباد میں اور ایک کانپور میں - تعجب ھے کہ اس فہرست میں دھلی کا نام کہیں نہیں ملتا - شورش سے پہلے وھاں آتھہ اخبار شایع ھوا کرتے تھے مگر ان میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رھا - یہ سب کے سب شورش کے دوران میں ختم ھوگئے - مگر امید ھے کہ اس سال کے دوران میں پھر نئے سرے سے دوسرے اخبار جاری ھوں گے یا یہ کہ پرانے اخباروں کے مدیر دوسرے ناموں سے نئے اخبار نکالیں گے -

آگرہ کے نورالابصار اور بدھی پرکاش کئی سال سے جاری ہیں اور ان کی نسبت میں پہلے کہیں ذکر بھی کر چکا ہوں۔ مفید خلائق بھی چل رہا ہے۔ اس کے مدیر شیو نرائن جی کا شمار اردو کے اچھے لکھنے والوں میں ہے، اب یہ کرتے ہیں کہ اردو کے پہلو بہ پہلو ہندی زبان کے مضمون بھی شایع کرتے ہیں۔ ہندی کے مضامین سروپ کارک کے عنوان کے تحت ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان ہندوؤں کو خوش کریں جو مسلمانوں کی زبان سے اپنی زبان کو تحریر کے ذریعہ الگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان اخباروں کے علاوہ آگرہ میں "بغاوت ہند" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اور نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کے مدیر مکند لال ہیں۔ آگرہ کے اور دوسرے نئے اخبار حسب ذیل ہیں —

آفتاب عالمتاب، یہ اردو کا اخبار ہے۔ اس کے مضامین ہندی رسم خط میں سورج پرکاش کے نام سے شائع ہوتے ہیں ایک ہندو جن کا نام گنیش لال ہے اس کی ادارت کرتے ہیں۔

"اخبار حیدری" اور "اخبار حسینی" دونوں اردو کے اخبار ہیں۔ پہلے کے مدیر مرزا علی حسینی حیدری ہیں اور دوسرے کے سید حسین علی جو دلی کالج میں پروفیسر ہیں اور انہوں نے الف لیلہ کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے —

اجمیر کے دو اخبار "جگ لبھہ چنتک" اور "خیر خواہ

خلایق" میں پہلا اخبار هندی کا هے اور اس کے مدیر سوهن لال هیں- دوسرا اردو کا هے اور اس کے مدیر کا نام اجودهیا پرشاد هےجو اس وقت اردو کےمشہور لکھنےوالوں میں شمار هوتے هیں- انهوں نے علم الحساب اور دوسرے موضوعوں پر متعدد کتابیں تصنیف کی هیں—

اتاوه سے پندره روزه گزت شائع هوتا هے جس کا نام "پرجاهت" هے- یه مطبع "مصدر التعلیم" میں طبع هوتا هے- اس کے اردو ایڈیشن کا نام محبت رعایا هے اور انگریزی ترجمه جو اس کے ساتھه شائع هوتا هے اس کا نام People's Friend هے- اس کے مدیر حکیم جواهر لال هیں- انهوں نے متعدد کتابیں تصنیف کی هیں اور انگریزی زبان سے ترجمه بھی کئے هیں- اس گزت کو آگره کے گزت "اخبار النواح" کا قایم مقام سمجھنا چاهئے- "اخبار النواح" بھی حکیم جواهر لال هی کے زیر ادارت نکلتا تها- ان دونوں اخباروں کا مقصد یه رها ہے که اپنے مضامین کے ذریعه سے اخلاقی اصول کی نشر و اشاعت کی جاے اور مختلف ملکوں کی ٹھیک ٹھیک خبریں درج کی جائیں اور یوں هی سنی سنائی باتوں کو بطور سند نه پیش کیا جاے—

لدهیانه کا هفته وار اخبار "نور علی نور" [69] اب نهیں شائع هوتا- اس کی جگه اخبار "مجمع البحرین" نکلنا شروع

ہوا ہے ۔ اس کے مدیر اصغر حسین ہیں ۔

جونپور سے "نسیم جونپور" شائع ہوتا ہے ۔ اس کے مدیر سید مظفرالدین ہیں ۔ سہارنپور سے "وکٹوریہ گزٹ" نکلتا ہے ۔ اس کے مدیر ایک انگریز ہیں اور اگرچہ اس کے نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید انگریزی کا اخبار ہے ، لیکن نہیں ، یہ اخبار نہایت شستہ اُردو زبان میں نکل رہا ہے ۔ الہ آباد سے امین الاخبار عزیزالدین خاں کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے ۔ موصوف کا شمار مشہور و معروف مسلمانوں میں ہوتا ہے ۔ کانپور سے اخبار "شعلۂ طور" جمنا پرشاد کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے ۔ یہ اخبار روزانہ ہے ۔

افسوس کہ ان سب اخباروں کی اشاعت بہت تھوڑی ہے ۔ اور صوبۂ شمال مغربی کی تین کروڑ تیس لاکھ آبادی میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو انہیں پڑھتے ہیں ۔

ہندوستان کے اور دوسرے صوبوں کے اردو اخباروں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں ۔ میں صرف آپ صاحبوں کو اس قدر بتا سکتا ہوں کہ سنہ ۱۷۹۰ع میں سورت سے ایک اُردو اخبار نکلتا تھا جس کا نام "منظور الاخبار" تھا ۔ اب آج کل اس کا نام "نجم الاخبار" ہے ۔ اتفاق سے کلکتہ کے اُردو گائڈ (Urdu Guide) کا ایک نسخہ مجھے مل گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہفتہ وار ہر جمعہ کے روز شائع ہوتا ہے ۔

سنہ ۱۸۶۰ ع کی ابتدا تک صوبۂ شمالی مغربی میں ۴۹ مطبع کام کر رہے تھے - اس تعداد میں مرزا پور مشن اور Medical Press کے مطبع بھی شامل ہیں - مسٹر ایچ - اسٹوزت ریڈ نے جو میرے لئے معلومات فراہم کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سال گزشتہ ۳۸۹ مطبوعات اس صوبہ سے شائع ہوئیں - اور یہ مطبوعات کل ۵۴۳ ۹۵۳ نسخوں پر مشتمل تھیں - ان میں ۴۶ مطبوعات جو ۹۰۰ ۳۵۱ نسخوں پر مشتمل تھیں نظامت تعلیمات کی طرف سے طبع ہوئیں - باقی ۳۴۱ مطبوعات جو ۹۴۳ ; ۲۰ نسخوں پر مشتمل تھیں انہیں ہم حسب ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں —

(۱) ابتدائی مدارس کی کتابیں جیسے قاعدے، صرف و نحو، فصاحت و بلاغت کی کتابیں - ۳۸ کتابیں اس قسم کے تحت آتی ہیں - ان کے کل مطبوعہ نسخوں کی تعداد ۴۸۷۰۰ تک پہنچتی ہے -

(۲) مذہب و اخلاق، فلسفہ اور دیو مالا سے متعلق ۱۰۵ کتابیں طبع ہوئیں - کل نسخوں کی تعداد ۱۲۷۷۰۰ ہے -

(۳) فلکیات اور اختر شناسی پر ۱۵ مطبوعات - نسخوں کی تعداد ۷۰۵۰ -

(۴) شعر و شاعری پر ۴۱ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۱۸۰۴۴

(۵) تاریخ پر ۹ کتابیں کل نسخوں کی تعداد ۳۵۵۰ -

(۶) اصول قانون اور فقہ پر ۵۵ کتابیں - کل نسخوں کی
تعداد ۲۶۲۲۹ -

(۷) طب پر ۷ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۵۳۰۰ -

(۸) جغرافیہ پر ۷ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۲۸۴۰ -

(۹) علم الحساب، اقلیدس اور جبر و مقابلہ پر ۴۰ کتابیں
کل نسخوں کی تعداد ۱۸۵۰ -

(۱۰) جنتریاں ۲۰ - کل طبع شدہ نسخوں کی تعداد ۱۷۳۲۵ -

(۱۱) قواعد ڈاکخانہ - اس کے صرف ۴۰۲ نسخے طبع کئے گئے -

اس فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ پر مطبوعات کی تعداد بہت کم ہے - انسانی علم کی اس شاخ کو شاید ہندوستانی لوگ زیادہ اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے - شاید ان کے نزدیک بھی تاریخ کی تعریف وہی ہے جو یہاں یورپ میں کسی نے جل کر کی ہے کہ تاریخ چند غیر معتبر روایات کا مجموعہ ہے جسے انفرادی تعصبات کے رنگ و روغن کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے —

حال کی اردو مطبوعات میں مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند کو بڑی اہمیت حاصل ہے - یہ بڑی تقطیع پر ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے - ہندوستانی فاضلوں کی جماعت نے اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے - مسٹر ایچ - اسٹورٹ ریڈ نے بھی اس کی تکمیل میں بڑی مدد کی اور صوبۂ شمال مغربی

کے لفٹننٹ گورنر جی- ایڈمنسٹن صاحب نے خود بہ نفس نفیس اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی ہے - اس سال کے ختم سے پہلے مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند شائع ہو جائے گا اس واسطے کہ نئے تعزیری قوانین کا یکم جنوری سے نفاذ شروع ہوگا - ہندوستان سے میرے نام اس کا ایک نسخہ بھیجا گیا ہے جس کے متعلق مجھے اطلاع تو آگئی ہے مگر ابھی تک وہ پہنچا نہیں- اس کے علاوہ جمع الذفائس اور عجائبات صنعت شعاری کے نسخے بھی بھیجے گئے ہیں مگر ابھی تک مجھے نہیں پہنچے - آخر الذکر انگریزی کتاب The Phenomena of Industrial Life and conditions of industrial success سے خوشہ چینی کرکے لکھی گئی ہے - اس کتاب میں ہندوستان کے موجودہ معاشی حالات کو پیش نظر رکھا گیا ہے —

ناصر خاں نے ڈاکٹر W. Anderson کی مدد سے ڈاکٹر Abercrombie کی کتاب " Inquiries on the intellectual Powers " کو اردو جامہ پہنایا ہے - اسی ترجمہ کا نام "رہنمائے حکمت" رکھا ہے - اس کا پہلا حصہ اسی سال آگرہ سے شائع ہوگیا —

ہمیں یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ صرف صوبۂ شمال مغرب ہی میں اردو زبان کی ترقی کی کوششیں ہورہی ہیں بلکہ اردو کی ترقی میں سارا ہندوستان شریک ہے- چنانچہ حال ہی میں لاہور میں پنڈت رام دیال نے مدرسے کے بچوں کے لئے

ایک کتاب لکھی جس کا نام " ورتنت وفادار سنگھہ اور غدار سنگھہ" رکھا ہے - سورج بھان نجر نے "وقائع بابا نانک" لکھی ہے- ایک اور ہلدواجودھیا پرشاد نے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی ہے- یہ دوسری کتابیں بھی تصنیف کرچکے ہیں- مولوی کریم الدین نے جن کی نسبت میں اپنے پچھلے خطبوں میں ذکر کرچکا ہوں پنجاب کا جغرافیہ لکھا ہے - ان مذکورہ بالا چاروں کتابوں میں پہلی دو سنہ ۱۸۶۰ ع میں طبع ہوئی ہیں اور آخری دو سنہ ۱۸۶۱ ع میں - یہ کتابیں مجھے امرتسر کے پر جوش مستشرق مسٹر روبرٹ کسٹ نے حال میں بھیجی ہیں- فرانسیسی سفیر مقیم کلکتہ موسیو لمبار (Lombard) نے از راہ نوازش میرا تعارف مسٹر روبرٹ کسٹ سے کرادیا چنانچہ موصوف نے اردو کی تقریباً بیس کتابیں مجھے روانہ فرمائی ہیں - ان میں بیشتر خود موصوف کی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں - ان میں پنجاب کا اردو نقشہ بھی شامل ہے - یہ تقریباً ایک مربع گز ہے اور لاہور کے مطبع کوہ نور میں سنہ ۱۸۶۰ ع میں طبع ہوا ہے ــــ

اردو زبان کے ادبی اور علمی مشاغل کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں آپ صاحبوں کے سامنے مسیحی مبلغین کی انجمنوں کی کارگزاری کی نسبت کچھہ نہ کہوں - جیسا کہ میں اپنے پچھلے خطبے میں

کہہ چکا ہوں کہ "برطانیہ اور ممالک غیر کی انجمن انجیل" نے انجیل کا جو دلپذیر ترجمہ گزشتہ سال شائع کیا اسے یقیناً اردو زبان کی چوٹی کی کتابوں میں سمجھنا چاہئے - یہ ترجمہ اس لئے اور بھی عمدہ اور معتبر ہے کہ ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے اس کام میں ہاتھ بٹایا ہے - کہا جاتا ہے کہ اس ہندوستانی فاضل کو اپنی زبان اردو کے علاوہ انجیل مقدس پر پورا عبور حاصل تھا- اس ترجمے کی ترتیب میں سلیقے کو ملحوظ رکھا گیا ہے - اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ لوگ بھی اسے پسند کریں گے جو کہتے ہیں کہ مسیحی انجمنیں بالعموم انجیل مقدس کو غیر مسیحی لوگوں اور جاہل عیسائیوں کے سامنے نہایت بھونڈے طریقے سے پیش کرتی ہیں- اس ترجمے میں حواشی کا بھی التزام کیا گیا ہے- ان حواشی میں ہم مضمون عبارتوں اور استعاروں کی تشریح کی گئی ہے- اس کے ساتھ واقعات کی تاریخیں' مختلف ترجموں کے فرق اور بعض جگہ عبرانی یا یونانی کی لفظ بہ لفظ عبارتیں درج ہیں- ہر باب کے شروع میں اُس باب کے زیر بحث موضوع کا خلاصہ اور اسی طرح ہر صفحے پر زیر بحث مضمون کے اشارے موجود ہیں - جہاں جہاں نئے موضوع شروع ہوتے ہیں وہاں خاص خاص نشان کردیے گئے ہیں جن کی حیثیت وہی سمجھنی چاہئے جو مختلف جملوں کو جدا کرنے کے نشانات کی ہے- یہ

کام نہایت دیدہ ریزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس سے انجمن اور مسٹر ماتھر دونوں کی شہرت کو چار چاند لگیں گے جنھوں نے انتہائی جانفشانی سے اس کی چھپائی کا انتظام کیا ۔

ان مبلغین مسیحیت کی مختلف مطبوعات کے متعلق میں تفصیل سے ذکر نہیں کرونگا اس واسطے کہ پھر مضمون بہت طویل ہوجائیگا ۔ یہ لوگ انجیل مقدس کی تعلیمات کی بڑے جوش سے نشر و اشاعت کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے مسلمان فقرا کی طرح "شاہ" کا لقب استعمال کرنا ٹھیک ہوگا کیونکہ واقعی یہ سب لوگ روحانی بادشاہ ہیں ۔ انھوں نے یہ بادشاہی اپنے جذبات کو مغلوب کر کے حاصل کی ہے ۔ ان کی بعض مطبوعات نہایت دلچسپ ہیں چنانچہ ایک مذہبی افسانہ "نیا کاشی کھنڈ" کے نام سے طبع ہوا ہے ۔ یہ ہندی میں ہے ۔ اس افسانے کی تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ شہر بنارس کا ایک بوڑھا باشندہ اس فکر میں غلطاں پیچاں ہے کہ کسی تدبیر سے اس مقدس شہر کے سارے باشندے مسیحی مذہب قبول کرلیں اگر ایسا ہو جائے تو ان کے شہر کی قسمت جاگ جائے ۔ اس عالم فکر میں وہ خواب دیکھتا ہے کہ اس کی دلی تمنا بر آئی ۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دیکھتا ہے کہ ایک کتب خانہ ہے جہاں جاکر اس نے "نیا کاشی کھنڈ" کا ایک نسخہ خریدا ۔ اس کتاب میں اسے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی ۔ اس میں ایک

ہندو اور اس کے بیٹے کے درمیان جس نے مسیحی مذہب قبول کر لیا تھا فرضی گفتگو کا حال درج تھا - چنانچہ اس گفتگو کے دوران میں مسیحیت، اسلام اور بت پرستی کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیحی مذہب ہی انسان کی نجات کا ضامن ہے - ساتھ ہی ہندوؤں کے بعض ناکارہ رسوم اور ذات پات کے نقصانات واضح کئے گئے ہیں —

مذہبی قسم کی مطبوعات میں جو حال میں شائع ہوئی ہیں اور جن کا مجھے علم ہے، حیات پال (پولس) قابل ذکر ہے- اصل میں یہ کتاب مسٹر آر-کسٹ نے انگریزی میں لکھی تھی پھر اسکا پنڈت سورج بھان نجر* اور اجودھیا پرشاد نے اردو میں ترجمہ کیا - اس میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں اس نامور شخص کے سفر کے متعلق معلومات درج ہیں اسی قسم کی ایک کتاب سچے اوتار کے متعلق لکھی گئی ہے؛ ایک حقیقی تثلیث اور نری مورتی کے متعلق ہے، ایک کتاب میں مسیحی مبلغ اور ہندو جاتری کے درمیان مباحثہ ہے، ایک میں قرآن اور انجیل کی تعلیمات

---

* یہ نام اسی خطبے میں پہلے بھی آیا ہے وہاں بھان لکھا ہے- یہاں چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے - نیز نام کے آخری جز میں بھی کچھ غلطی ہو گئی ہے پہلے نجر لکھا ہے یہاں نیجر ہے (مترجم) —

کا مقابلہ کیا گیا ہے - ایک میں حضرت محمد (صل اللہ علیہ و سلم) اور حضرت مسیح کی تعلیمات کا فرق بیان کیا گیا ہے - ایک کتاب میں اسلام کی ابتدا ' عروج اور زوال پر تبصرہ ہے - ان کتابوں کے علاوہ اور بہت ساری انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں جو فرانسیسی میں بھی موجود ہیں * " حضرت سلیمان کی کہاوتوں " اور " پہاڑی وعظ " کا اردو نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے —

بمبئی کی مسیحی انجمن بھی اپنے کام میں مشغول ہے - اس انجمن نے اردو زبان میں ۲۳۰ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں - اردو کے علاوہ اس صوبے کی دوسری زبانوں میں بھی ان کی مطبوعات ہیں - اس انجمن کا رسالہ " بامداد " برابر نکل رہا ہے جس کی نسبت میں اپنے سنہ ۱۸۵۹ والے خطبہ میں ذکر کرچکا ہوں —

اس قسم کی تبلیغی کتب کو طبع کرنے کے علاوہ مبلغین مسیحیت ملک کے طول و عرض میں کلیساؤں کی بنائیں ڈال رہے ہیں اور مدرسے قائم کر رہے ہیں - یہ سب کچھ ان انجمنوں اور ان افراد کی فیاضی کا طفیل ہے جن سے ہندوستان کی تبلیغی انجمنوں کا

---

† مثلاً "Life of Mahammad" ; "The goldmake,s village"
" Account From Universal History " -

تعلق ہے- میں سمجھتا ہوں اس ضمن میں اِس کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مسٹر "لیوپولٹ" کو جن کا تعلق چرچ مشن (Church Mission) سے ہے ۵ ہزار پونڈ کی رقم بطور عطیہ پیش کی گئی ہے تاکہ اس سے وہ شہر بنارس میں ایک مدرسہ قائم کریں جہاں اُردو زبان کے ذریعہ سب تعلیم دی جاے —

جن ہندوستانیوں نے مسیحی مذہب قبول کیا ہے ان میں اچھی خاصی تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے اور ان میں بعض اُردو زبان کے انشا پرداز بھی ہیں - مسلمان لوگ حضرت مسیح کو عیسیٰ کہتے ہیں اور ہندو لوگ عیسیٰ کو سیوا (مہادیو) سے تعبیر کرتے ہیں - مسیحی دین کی اکثر یورپی اصطلاحوں کو اُردو میں نہایت سلیقے سے سمو لیا گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان میں سامی اور یافسی دونوں قسموں کی زبانوں کے عناصر پاے جاتے ہیں - دونوں زبانوں کی ترکیبیں اس میں نہایت خوبی سے کھپ جاتی ہیں - اسلامی اور سنسکرتی عناصر سے مل کر اُردو کی شاعری میں بڑی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے - یہاں تک کہ انگریزی طرز کی نظمیں اس میں لکھی جاسکتی ہیں - اور انگریزی مناجات کی لے تک

اُردو بولوں میں اچھی طرح کھپ سکتی ھے * —

۱۰ اگست گزشتہ لکھنؤ میں یوسف خاں بہادر کا انتقال ھوا - یہ عسائی ھونے کے ساتھہ ھی اُردو زبان کے بڑے عمدہ انشا پرداز تھے - ان کا لقب "کملی پوش" مشہور تھا - موصوف واجد علی شاہ بادشاہ اودہ کے توپ خانے میں تقریباً ۳۰ سال خدمت انجام دے چکے تھے - انھوں نے اردو میں سیر و سفر کے نام سے اپنا سفر نامہ لکھا ھے - یہ سفر نامہ دھلی میں سنہ ۱۸۴۷ع میں شائع ھوا - استورٹ ریڈ نے اس سفر نامہ کا مقابلہ Morier کی کتاب "Haji Baba in England" سے کیا ھے - اس ضمن میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ھے کہ یوسف خاں بہادر ھندوستانی نہیں تھے بلکہ اطالوی تھے - یہ مسلمان بھی نہیں تھے - بلکہ کیتھولک مسیحی تھے - اور مرتے دم تک کیتھولک عقاید پر قائم رھے - اصل میں ان کا نام Delmerich تھا اور کہا جاتا ھے کہ ان کا فلورنس کے مشہور

* ستمبر سنہ ۱۸۵۲ کے خیر خواہ ھند میں ایک ھندوستانی مبلغ شرمان کی نظم نکلی ھے جو تین اور چار ارکان میں لکھی گئی :—

ھم سجدہ کرتے بہ آداب
سراھتے تیری عطا

کہ تو خدا باپ تا ابد
غیر فانی حاکم رھتا

Medicis خاندان سے تعلق تھا * - کوئی پندرہ سال ہوے کہ یوسف خاں بہادر سیاحت کی غرض سے انگلستان ' فرانس ' اسپین ' پرتگال ' اور جرمنی گئے تھے - واپسی پر " ترکی " اور عربستان کے راستے سے ھندوستان واپس آے- میں نے ابھی جس سفرنامہ کا ذکر کیا ھے وہ دراصل انھیں ملکوں کے حالات پر مشتمل ھے - انھوں نے یہ سفرنامہ خود اُردو میں لکھا تھا —

میں نے ابھی جن مذھبی کتابوں کا ذکر کیا ان میں ایک اور کتاب کو شامل کرنا ضروری ھے - یہ ھندی سے اردو میں ترجمہ ھے - ساتھہ ھی نہایت قابل قدر حواشی بھی ھیں- کتاب کا موضوع ھندوؤں کے چھہ فلسفیانہ مسلکوں کی تردید ھے - اس کتاب کا مصنف ایک برھمن ھے جس نے مسیحی مذھب اختیار کر لیا تھا - اسے اپنے مضمون پر پورا تبحر معلوم ھوتا ھے - یہ کتاب ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ھے- مشہور مستشرق Fitz Edward Hall نے اس کو چھپوانے کا انتظام کیا اور اس پر فلسفیانہ تنقید لکھی - یہ کتاب اور یہ تنقید دراصل اس کام کی تکمیل کرتے ھیں جسے Colebrooke اور دوسرے ماھرین ھندیات نے شروع کیا تھا —

وہ کتابیں جو دوبارہ طبع ھوئی ھیں ان میں " تحفۃ اخوان الصفا " کا ھندی اڈیشن قابل ذکر ھے - کلکتہ ' ھگلی '

* اودھ گزٹ (Indian Mail September 1861) -

بمبئی ' اور دھلی میں متعدد مرتبہ یہ کتاب طبع ہو چکی ھے - مگر یورپ میں اب تک یہ مکمل نہیں چھاپی گئی - یہ کتاب " باغ و بہار " کی طرح سول امتحانوں کے نصاب میں داخل ھے - ڈاکٹر ریو نے بڑی محنت اور کاوش سے " باغ و بہار " کو پھر طبع کرایا ھے - موصوف آج کل یونیورسٹی کالج میں پروفیسری کے عہدہ پر ممتاز ھیں - مجھے یہ فخر حاصل ھے کہ وہ بھی میرے خطبات سن چکے ھیں - میرے قدیم دوست اور مہربان Duncan Forbes نے اس کی طباعت کا انتظام کیا - موصوف نے اردو پر اور اردو میں متعدد کتابیں تصنیف کی ھیں —

مسٹر E. H. Rogers نے ایک کتاب "How to speak Hindustani" لکھی ھے - یہ کتاب نہ صرف فوجی لوگوں کے لیے بے حد مفید ھے جن کے لئے خاص طور پر یہ تصنیف کی گئی ھے بلکہ ان انگریز بیرسٹروں کے لئے بھی نہایت کارآمد ھے جن کا ارادہ ھندوستان میں وکالت کرنے کا ھے - ھندوستان میں آج کل مقامی عدالتیں ھر جگہ قائم ھو رھی ھیں - ان نوجوان انگریزوں کے لئے جن کی اپنے وطن میں قدر نہیں ' یہ موقع ھے کہ وہ اس وقت ھندوستان میں اپنی قسمت آزمائیں - لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ھندوستان جانے کا ارادہ کریں یہ ازبس ضروری ھے کہ وہ دیسی لوگوں کی زبان کو مطالعہ کے ذریعہ

سیکھہ لیں - انہیں هندوستانی لوگوں کے ان محاوروں کو جاننا چاهئے جو هر وقت گفتگو میں استعمال هوتے هیں - مسٹر روجر کی کتاب میں ان کے متعلق پوری معلومات مل سکتی هے - موصوف پہلے Lawrence Asylum کے ناظم تھے اور آج کل Chatham کے Indian Depots میں هندوستانی کے استاد هیں —

هندوستانی صرف و نحو پر انگریزی لاطینی فرانسیسی پرتگالی اور جرمن زبانوں میں جو کتابیں نکل چکی هیں ان میں دو کا اور اضافہ هوا هے - میری مراد Duncan Forbes کی کتاب سے هے - اس میں صرف و نحو کے ساتھہ چھوٹی سی لغت بھی هے - یہ کتاب اردو میں هے مگر اس کا رسم خط رومن هے - دوسری کتاب Monier Williams کی "Hindustani Primer" هے - یہ بھی رومن رسم خط میں لکھی گئی هے - اس میں بھی ابتدائی صرف و نحو کے ساتھہ ساتھہ کثیرالاستعمال الفاظ کے معنی اور کہاوتیں درج هیں - اگرچہ موصوف آج کل اکسفورڈ یونیورسٹی میں سنسکرت زبان کے پروفیسر هیں مگر انهیں هندوستانی زبان سے جو همیشہ سے شغف اور لگاؤ رها هے وہ بدستور قائم هے —

مسٹر سی - ماتھر کی هندوستانی انگریزی لغت دوبارہ چھپ چکی هے - اس میں انجیل مقدس کی ساری اصطلاحوں

کے معنی دیے ہیں - جو صاحب اس کتاب کو خریدنا چاہیں خرید سکتے ہیں - خود انجیل مقدس کا جو اڈیشن موصوف نے تیار کیا تھا جس میں ایک طرف اردو ترجمہ ہے، وہ ان کا بڑا کارنامہ سمجھنا چاہئے - اس ترجمہ کی قدر و قیمت میں اس لغت کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہوجائے گا- ہندوستانی اور یورپین دونوں اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے - بالخصوص وہ یورپین جو ہندوستانی زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا بڑی خوشی کے ساتھہ خیر مقدم کریں گے - انہیں ہندوستانی زبان سیکھنے میں اس سے بڑی سہولت ہوگی اگر وہ ذراسی بھی استعداد رکھتے ہیں تو اس کی مدد سے بآسانی آگے چل سکتے ہیں —

آپ صاحبوں پر اب یہ روشن ہوگیا ہوگا کہ ہندوستان میں رومن رسم خط کا آہستہ آہستہ استعمال بڑھ رہا ہے - خود ہندوستانیوں میں ایسے اشخاص موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ عام طور پر انگریز لوگ جو رومن رسم خط استعمال کرتے ہیں اسے تھوڑی بہت تبدیلیوں کے بعد ہندوستان میں رائج کیا جا سکتا ہے - بابو شیو پرشاد نے جو بڑے فاضل آدمی ہیں اور "شملہ اخبار" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں اور متعدد کتابیں تصنیف کرچکے ہیں، حال میں کلکتہ میں ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں اردو کے رسم خط سے بحث کی

ہے۔ ان کا خیال ہے کہ زبان کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ رومن رسم خط اختیار کرلیا جاے اور ولسن نے جو طریقہ رائج کرنے کی کوشش کی تھی اس میں بعض ضروری تبدیلیاں کردی جائیں —

آپ سبھوں کو غالباً معلوم ہوگا کہ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع دھلی کالج کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ اس کے کتب خانے کو مشعلوں کے نذر کردیا گیا تھا۔ اور اس کالج کے نیک دل پرنسپل کو قتل کردیا گیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے اس کالج کی آمدنی وقف تھی جو اب تک موجود ہے۔ چنانچہ اس وقف آمدنی سے چاندنی چوک میں ایک دوسرا کالج قائم کیا گیا ہے جسے ہم پرانے کالج کا قائم مقام تصور کرسکتے ہیں۔ اس کا نام " دھلی انسٹیٹیوٹ " رکھا گیا ہے۔ ابھی اسے قائم ہوے ایسا زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر اس میں ۴۰۰ طلبہ کے قریب تعلیم پا رہے ہیں۔ بعض مخیر اشخاص اور گورنمنٹ کی فیاضی کی بدولت اس کالج کے کتب خانہ میں آج تقریباً ۱۲ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ایک عجائب گھر بھی قائم کیا جارہا ہے۔ چنانچہ وائسراے لارڈ کیننگ کی سفارش پر اس کی امداد کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی سے دیئے جانے منظور ہوگئی۔ اس عجائب گھر میں ایک قدم شریف

(پتھر جس پر رسول مقبول کے قدم کا نشان ہے) - یہ پہلے ایک صندوق میں بند تھا اس صندوق کی نگرانی پر ایک آدمی مامور تھا جسے ۵۰ روپے ماہوار دیے جایا کرتے تھے - ایک قدم حضرۃ فاطمہ (رض) کا ہے - اور دہلی کے آخری بادشاہ کے حمام خانہ کی ایک چوکی بھی ہے - ہندوستان Materia Medica کی مختلف جڑی بوٹیاں بھی یہاں موجود ہیں - ہندوستانی عطریات ' صنعت و حرفت کے نمونے ' سنگ مر مر اور سنگ موسیٰ کی بنی ہوی اشیا ' مصوری کے نمونے ' موسیقی کے آلات ' صندل اور ہاتھی دانت کی صندوقچیاں زمرد و جواہرات کے ڈبے ' لکھنو کے مٹی کے کھلونے ' بچوں کے کھلونے اور شال اور مختلف انواع کے دیسی کپڑے اس عجائب گھر میں ہیں —

کلکتہ یونیورسٹی جس کا اثر پشاور اور کٹک تک ہے آج کل اچھی حالت میں ہے - بمبئی میں جو حال میں یونیورسٹی قائم ہوئی ہے اس کی حالت بھی قابل اطمینان ہے - اس یونیورسٹی کا آخری سندی امتحان گذشتہ ستمبر کے مہینہ میں ہوا تھا - امتحان میں ۱۵ طلبہ نے شرکت کی تھی جن میں سے ۷ کامیاب ہوے - اس امتحان کے نصاب میں Rev. M Mitchell کی اطلاع کے مطابق " باغ و بہار " جس کا میں اپنے ہر خطبے میں عادتاً ذکر کرتا ہوں " اخلاق ہندی "

جو ھتوپدیش کا اردو ترجمہ ہے 'میر حسن کی مشہور مثنوی "سحرالبیان" اور دیوان ناسخ شامل تھے - لطف اللہ سپرنگر جن کی "خود نوشت سوانح عمری" بڑی مقبول ہوئی کہتے ہیں کہ ناسخ اردو زبان کے بہترین شعرا میں سے ہوا ہے-

Haileybury اور Addiscombe کی درس گاہوں کے بند ہونے سے میری دانست میں ہندوستانی زبان کے شوق مطالعہ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا - میں جس زمانہ میں اپنے درس پیرس میں شروع کرتا ہوں اسی زمانہ میں ولوچ (Woolwich) کی فوجی اکادمی کے طلبہ بھی اپنا اردو کا درس شروع کرتے ہیں - اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسہ کے طلبہ ولوچ کے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں - لیکن ان کی تعلیم دوسرے طلبہ سے مختلف ہے - چونکہ بعد میں ان کا ارادہ ہندوستان میں فوجی خدمات پر جانے کا ہوتا ہے اس لئے خاص طور پر ان کے لئے علحدہ استاد مقرر کئے جاتے ہیں جو انہیں اردو اور دوسری مشرقی زبانیں سکھاتے ہیں جن کی انہیں آئندہ زندگی میں ضرورت پڑے گی-

ایسٹ انڈیا ھاؤس کا کتب خانہ Board of Control (بورڈ آف کنٹرول) کی عمارتوں میں منتقل ہوچکا ہے - اس کتب خانے میں مشرقی علوم و ادب پر چوبیس ہزار کتابیں موجود ہیں - ان میں ۸ ہزار قلمی نسخے ہیں -

میرا خیال ہے کہ ان کتابوں میں اردو کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں مطبوعہ اور قلمی نسخے دونوں شامل ھیں - ان قلمی نسخوں میں قرآن کا وہ مشہور قلمی نسخہ بھی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ھے کہ حضرت عثمان (رض) کے ھاتھہ کا لکھا ھوا ہے - یہ کوفی خط میں ہے - اس پر متعدد مشرقی بادشاھوں کے دستخط اوران کی مہریں ثبت ھیں جس کی وجہ سے وہ ایک بے بہا اور نادر چیز سمجھی جاتی ہے- قرآن کی چند سورتیں حضرت علی(رض) کے ھاتھہ کی لکھی ھوئی اس ذخیرۂ کتب میں ملتی ھیں - اس کے سر ورق پر تیمور صاحب قِران کی مہر ثبت ہے اور شاہ جہاں کے ھاتھہ کی لکھی ھوئی چند سطریں ھیں - ان چند سطروں میں یہ تحریر ہے کہ اس نے ڈیرہ ھزار مہر میں اس نسخہ کو خریدا —

ایسٹ انڈیا ھاؤس کا عجائب گھر آج کل Fife House میں ہے جو Whitehall -Yard میں واقع ہے - اس میں جب داخل ھوتے ھیں تو پہلے کمرہ میں ولنگٹن ' کلایو ' ھیسٹنگز اور ان انگریزوں کے مجسمے نصب نظر آتے ھیں جنھوں نے تاریخ ھند میں کارھاے نمایاں کئے ھیں - یہاں ھر کمرے کی ایک خصوصیت ہے- ایک میں ھندوستان کی دھاتیں ھیں' ایک میں سونے چاندی کا کام ہے ' ایک میں ھیرے جواھرات

هیں ' ایک میں ریشمی کپڑے اور زیورات ' اور ایک میں آلات کشاورزی و جہاز رانی هیں - ان میں سب سے زیادہ دلچسپی اور بصیرت وهاں حاصل هوتی هے جہاں هندوستان کے مختلف نسلوں کے لوگوں کے مجسمے رکھے هیں- انہیں دیکھہ کر هندوستانیوں کے رسم و رواج کی نسبت معلومات میں اضافہ هوتا هے - اسی طرح هندوستانی پرندوں اور مختلف قسم کے جانوروں کی نہایت محنت و احتیاط سے تقسیمیں کی گئی هیں اور انہیں الگ الگ رکھا گیا هے۔ مستر الیٹ کے پاس امراوتی کے مرمرین بتوں کے کچھہ تکڑے تھے وہ بھی یہاں موجود هیں - یہ بت بدھ مت کی تاریخ پر روشنی ڈالتے هیں —

میں سمجھتا هوں اس جگہ موقع نہیں کہ میں اس عالیشان عمارت کے متعلق کچھہ کہوں جو وزیر هند کے دفتر کے لئے بنائی گئی هے - اس کا طرز تعمیر غیر گوتھکی اور خالص اطالوی هے - آج کل ازمنۂ وسطیٰ کے طرز کو پروتستنت ملکوں میں بھی پسندیدگی سے دیکھا جاتا هے —

پیرس میں بدستور هندوستانی درسوں میں لوگ آتے هیں - یہ سچ هے کہ تعداد بہت زیادہ نہیں مگر جو آتے هیں وہ عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ هیں - میرے درسوں میں بیرونی ممالک کے مشہور لوگوں میں سے جو کبھی

تشریف لاکر مجھے سرفراز فرماتے ہیں، میں مہی پت رام روپ رام کا خاص طور پر ذکر کروں گا - یہ برہمن ہیں اور ساتھ ہی نہایت بامذاق آدمی ہیں - صوبۂ بمبئی میں انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر ممتاز ہیں - موصوف قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے دیسی تعصبات کی مطلق پروا نہیں کی اور انگلستان کے انتظام تعلیم کی تحقیق کے لئے اتنی دور آئے ہندوستان جاتے ہوے وہ پیرس میں کچھہ دن ٹھیرے تھے - میں نے سنا ہے کہ جب وہ احمد آباد واپس پہنچے تو تعلیم یافتہ ہندوستانیوں اور اس شہر کے اعلیٰ یورپین طبقے نے ان کے خیر مقدم میں ایک جلسہ منعقد کیا - اس جلسہ میں سفر سے واپسی کی مبارک باد دی گئی - ایک دیسی شاعر نے کہا کہ روپ رام کے سفر یورپ نے یہ ثابت کردیا کہ ہندو لوگوں کو سفر کرنے میں جو تین بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا یعنی اخراجات ' آب وہوا کی سختی اور اپنے دھرم اور رسوم کی پابندی نہ کرسکنے کا ڈر ' یہ تینوں دشواریاں ایسی نہیں جن پر قابو پانا انسانی امکان سے باہر ہو-

حضرات ! اس خطبے کا خاتمہ میں اس مبارک باد پر کرتا ہوں کہ ہندوستانی واقعی خوش نصیب ہیں - ملکہ نے ان کے لئے لارڈ کیننگ کا جانشین جن کا زمانۂ حکومت آئندہ ماہ مارچ میں ختم ہو رہا ہے ' لارڈ الجن کو منتخب کیا ہے -

لارڈ الجن بڑے مشہور مدبر ہیں- موصوف نہایت ہر دل عزیز ہیں اور ہر کوئی ان کی عزت کرتا ہے - موصوف کینیڈا اور چین میں اپنی ذہانت اور اپنی بلند حوصلگی کا ثبوت دے چکے ہیں - ان کے والد فنون لطیفہ کے بڑے قدر داں تھے انہوں نے برٹش میوزیم کو بعض نہایت قابل قدر تحفے عطا کئے- اگر موصوف نے انہیں سیلمت سیلمت کر نہ رکھا ہوتا تو ممکن تھا کہ ان میں سے بعض تباہ ہو جاتے- لارڈ الجن کی والدہ اپنے خلوص، تقوے اور فیاضی میں مشہور ہیں - موصوفہ کی اعلی قابلیت اور علم دوستی کا انگلستان بھر میں چرچا ہے - مجھے اس بات کا فخر ہے کہ موصوفہ میرے کرم فرماؤں میں سے ہیں اور آج تک ان کے الطاف کریمانہ میرے حافظے نے فراموش نہیں کئے - مجھے پوری توقع ہے کہ لارڈ الجن لارڈ ہنٹنگ کی طرح ہندوستانیوں کے ساتھ دوستانہ برتاو کریں گے اور اپنے حسن انتظام اور دل گستری سے ان کے دلوں کو مسخر کرلیں گے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ وہ اپنے زمانۂ قیام میں ہندوستانی لوگوں اور حکومت برطانیہ کے درمیان نہایت خوش گوار تعلقات قایم کر دیں گے جس کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرنا ان کے لئے تقدیر الہی معلوم ہوتی ہے —

بارھواں خطبہ

(یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۲ ع)

حضرات ! گزشتہ ایک سال میں ہندوستان جنت نشان کی زبان میں کافی ترقی ہوئی ہے - اس باب میں مستشرقین اور خود ہندوستان کے علماء و فضلاء نے بڑی جانفشانی کا ثبوت دیا - انھوں نے اردو کے مطالعہ کے لئے بعض سہولتیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کے ادب میں بیش بہا نئے اضافے بھی کئے- بقول بلویر (Bulwer) " ادب ہی وہ سب سے بڑی آسمانی نعمت ہے جس کا شمار مذہب کے بعد ہونا چاھئیے — "

راجندر لال متر نے ہندوستان سے اردو کے نئے اخبارات و رسائل کے متعلق میرے لئے بعض معلومات بہم پہنچائی ہیں- میں پہلے اسی کی نسبت کچھ عرض کروں گا - دراصل مجھے میجر جیمس کا مرہون منت ہونا چاھئیے کہ ان کے ذریعہ سے راجندر لال متر کے ساتھ میرا غائبانہ تعارف ہوا - میں ذیل کی سطروں میں ان اخبارات و رسائل کے نام گناتا ہوں جن

کے متعلق پچھلے خطبات میں میں نے ذکر نہیں کیا —

(۱) جام جہاں نما - یہ ایک اردو کا اخبار ہے جو کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے - اس میں سوائے سرکاری یا انفرادی اعلانوں کے اور کچھ نہیں ہوتا - اسی نام کا ایک اخبار میرتھہ سے نکلا کرتا تھا جس کی نسبت میں اپنے ۲۹ نومبر سنہ ۱۸۶۳ع کے خطبہ میں ذکر کر چکا ہوں - میرتھہ والے اخبار میں ادبی رنگ غالب تھا - کلکتہ کا جام جہاں نما ٹائپ میں چھپتا ہے اور میرتھہ کا جام جہاں نما ہاتھہ سے لکھہ کر چھاپا جاتا تھا —

(۲) ایک اخبار بریلی سے نکلنا شروع ہوا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھہ صرف روھیلکھنڈ کی خبریں ہوتی ہیں - اس کا نام "روھیلکھنڈ اخبار" ہے - یہ مہینے میں دوبار شایع ہوتا ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحوں پر مشتمل ہے —

(۳) بمبئی سے کشف الاخبار سنہ ۱۸۶۱ع سے نکلنا شروع ہوا ہے - یہ ہفتہ وار ہے اور ہر بدھ کے روز شائع ہوتا ہے - یہ چھوٹی تقطیع کے ۸ صفحوں پر مشتمل ہے - لکھنؤ کے منشی امان علی اس کے مدیر ہیں - ہر نمبر کے شروع میں ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے جس میں اس نمبر کا پورا پروگرام لکھا ہوتا ہے —

(۴-۵) پنجاب گورنمنٹ کی ابتدائی تعلیم کی رپورٹ میں

ایک اخبار کا ذکر کیا گیا ہے جس کا نام "سرکاری اخبار" ہے - میں اس رپورٹ کی نسبت آگے چل کر پھر ذکر کرونگا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ پنجاب کے علاقے میں یہ اخبار بہت مقبول ہے- پنجاب کے وسیع صوبے کے دور دراز اضلاع میں اس کے ذریعہ سے سرکاری اعلانات وغیرہ پہنچتے رہتے ہیں- ایک اور ماہوار اخبار ہے جو اٹاوہ سے نکلتا ہے، اس کا نام " محب رعایا " ہے مسٹر اے - ہیوم کی سر پرستی اور دیسی لوگوں کی ادارت میں یہ اخبار نکلتا ہے —

(۲) ان اخبارات کی فہرست کے ساتھ میں ایک مجموعۂ مضامین کا بھی ذکر کئے دیتا ہوں جو حال ہی میں گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا - اس کا نام "معلم العملہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرکاری عملہ کے لئے ضروری معلومات بہم پہنچائی جائیں - سدا سکھہ اس کے مولف ہیں- اس کا دوسرا نمبر مجھے ملا ہے - اس میں پان کی کاشت سررشتۂ تعلیم کے مسائل مالیات، ہندوستان کے جغرافیہ رام چندر کی کہانی اور کتب خانے قایم کرنے کے طریقوں پر معلومات درج کی گئی ہیں —

میرے گزشتہ سال کے خطبے کے بعد اس سال کے دوران میں اردو زبان کی متعدد نئی کتابیں شائع ہوئی ہیں - ان سب کے ذکر میں طوالت ہوگی - البتہ ان میں جو اہم ہیں

ان کا یہاں ذکر کروں گا - ادبی لحاظ سے ان میں سب سے زیادہ اہم سودا کا انتخاب ہے۔ ناصر خاں نے یہ انتخاب شائع کر کے اردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہے- سودا جدید اردو کا مشہور شاعر ہوا ہے لیکن باوجود اپنی شہرت کے اس کا کلام کس مپرسی میں پڑ گیا تھا - ایک اور دوسری کتاب کے متعلق میں پچھلے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں - ایچ - اسٹورٹ ریڈ نے مجھے اس کا ایک نسخہ بھیجا ہے- * اس کتاب کا نام "منتخبات اردو " ہے - یہ انتخاب کریم الدین نے کیا ہے - موصوف وہی ہیں جنھوں نے میری کتاب " تاریخ ادب اردو " کا ترجمہ کیا ہے - منتخبات اردو کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کے لئے لکھی گئی ہے- اس میں الف لیلہ میں سے سند باد جہازی کا دلچسپ قصہ بھی لیا گیا ہے - اگرچہ الف لیلہ کے سب نسخوں میں یہ قصہ موجود نہیں ہے- تحفۂ اخوان الصفا کے بعض حصے بھی طبع ہوے ہیں - یہ کتاب تمثیلانہ رنگ میں لکھی گئی ہے- اس کا ترجمہ میں نے فرانسیسی میں کیا ہے جو آج کل "مجلۂ شرقی" (Revuexde Orient) میں شائع ہو رہا ہے- فردوسی کے شاہ نامے کا اُسی بحر میں اردو ترجمہ کیا گیا ہے اور اس ترجمے کے ۹۰ صفحے ہیں - درد کی غزلوں کے اقتباسات ہیں - درد اردو

---

* مطبوعہ لکھنؤ - سنہ ۱۸۶۱ ع - پہلی جلد میں ۱۶۲ صفحے ہیں اور ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں - دوسرا حصہ مجھے اب تک نہیں ملا —

زبان کے بہترین شاعروں میں سے ہوا ہے - گلستان اور اخلاق جلالی کے بھی اقتباسات ہیں ان کے علاوہ Pazruyiah کی خود نوشت سوانح کے بعض حصے شائع ہوے ہیں - اس رسالے میں اخلاق و فلسفہ کی تعلیم سے بحث کی گئی ہے اور اس میں یونانی خطابت کی جھلک پائی جاتی ہے - اس کا خلاصہ یہ ہے : اس قصہ کے ہیرو نے طبابت کو اپنا پیشہ اختیار کر لیا تاکہ اس کی وساطت سے خلق اللہ کی خدمت کر سکے - وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے جس میں بعض اخلاقی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے - چنانچہ وہ کہتا ہے : " جو شخص خود اپنی روحانی زندگی کی پروا نہیں کرتا اور اپنی اولاد کی خاطر دولت جمع کرتا ہے اس کی مثال اس عود کی سی ہے جو خود جلکر دوسروں کو جو قریب بیٹھے ہوں خوشبو پہنچاتا ہے یا اس شمع کی سی ہے جو اس لئے جلتی ہے کہ ضیافت کے سب شرکاء تک اس کی روشنی پہنچ سکے-" بیٹے نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا ' بلکہ اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا - اس نے اپنے نفس کو فلسفیانہ غور و فکر کا خوگر کر لیا - اسے یہ معلوم ہوگیا کہ واقعی دنیاوی جاہ و دولت بجلی کی چمک کی طرح بہت جلد غائب ہو جانے والی چیز ہے - اس کی مثال ایسی ہے جیسے ابر کا سایہ یا جیسے ایک خواب - چنانچہ ساری عمر اس نے مذہبی فلسفی کی زندگی بسر کی اور ہمیشہ

اس کو اس ابدی مسرت پر اعتقاد رہا جو نیکی کا نتیجہ ہوتی ہے —

ان نئی مطبوعات میں فارسی زبان کے ترجمے بھی شامل ہیں- ہندی میں بھی فارسی سے ایک ترجمہ ہوا ہے- بہاری لال نے گلستان کے آٹھویں باب کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے - بعض ترجمے فارسی اور اردو میں ہیں اور بعض ہندی اور سنسکرت میں - آخر الذکر کی مثال " بھوج پر بندھ سار" - ہندی میں سنسکرت متن کی شرح دی گئی ہے- اسی طرح "بدھی ودیا دیت" کو پیش کیا جاسکتا ہے - شری لال نے سانسکرت اشلوکوں کی ہندی شرح لکھی ہے ۔ ان کے علاوہ " منو دھرم سار" ہے - یہ بھی ہندی اور سانسکرت دونوں میں ہے - اس میں منو کے قوانین کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے - اسی سال کے دوران میں "خلاصۂ تواریخ" کا ایڈیشن شائع ہوا ہے- یہ تاریخ غلام علی کی لکھی ہوئی ہے - اس میں ان اسلامی بادشاہوں کا ذکر ہے جو انگریزی حکومت کی ابتدا اور اس کے نشو و نما کے دوران میں ہندوستان میں ہوئے ہیں - اسی مصنف نے سلطان ٹیپو کے عہد کی تاریخ قلمبند کی ہے - وہ خود ٹیپو کے ہاں ملازمت کرچکا تھا - موسیو پال دے گوار دی کے پاس اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے اور انھوں نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے - موصوف پانڈی چری

میں جج کے عہدے پر ممتاز رہ چکے ہیں - آج کل ان کا قیام شہر بایون (Bayonne) میں ہے صرف و نحو پر بھی اردو میں متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں جن کی نسبت معلومات حاصل کرنا مستشرقین یورپ کے لئے از بس ضروری ہے- مثال کے طور پر " اردو مرتند " کو لیجئے پنڈت بنسی دھر نے اسے ہندی زبان میں تالیف کیا ہے - پنڈت جی اس عہد کے ان مصنفین میں سے ہیں جو ہر قسم کے موضوع پر قلم فرسائی کرسکتے ہیں انھوں نے علم معیشت پر ایک کتاب لکھی ہے اور ایک جغرافیہ پر لکھی ہے جس کا نام " بھوگول سار " رکھا ہے - ہندی میں جغرافیہ کو "بھرت کھنڈ" کہتے ہیں- بابو شیو پرشاد نے ہندوستان کا عام جغرافیہ لکھا ہے اور اسے ہندی اور اردو دونوں میں شائع کیا ہے - اس جغرافیہ کے خلاصے کا نام "چھوٹا جام جہاں نما " رکھا ہے 'متھرا پرشاد ' نے Maun کی کتاب معلومات عامہ (Lessons in Genearl Knowledge) کا ہندی ترجمہ شائع کیا ہے -

' تھامسن کالج ' رڑکی کے مطبع کی ہندوستان میں وہی حیثیت سمجھنی چاہئے جو انگلستان میں ' ایٹن ' کے مطبع کو حاصل ہے - اس مطبع سے ہندوستانیوں کے واسطے نہایت کارآمد مطبوعات شائع ہوتی رہتی ہیں- یہ سچ ہے کہ یہ مطبوعات ادبی نہیں ہیں - جہاں سے متعدد خطوط کے مجموعے شائع ہوچکے ہیں جیسے ' دستور الارقام ' (؟) - اسے منشی ' میاں

جان ' نے ترتیب دیا ہے منشی ' میاں جان ' کے اشعار کا ذکر تذکروں میں موجود ہے - ان کا تخلص ' انیس ' ہے - میں نے ابھی جس بیاض کا ذکر کیا وہ دوسری انشا کی بیاضوں کی طرح نہیں جن میں تشبیہوں اور استعاروں کی بھر مار سے عجب انداز تحریر اختیار کیا جاتا ہے اہل مشرق کو یہ انداز تحریر بہت پسند ہے - لیکن اس کے بالکل برخلاف اس بیاض میں ایسے خطوط کے نمونے درج کئے گئے ہیں جو کاروباری خطوط اور عرض داشتوں میں مستعمل ہوتے ہیں یہ مسٹر اسٹورٹ کی فارسی بیاض سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے- اسی سلسلہ میں ہم اس جغرافیہ کا بھی ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس میں ساگر کے زرخیز ضلع کے نقشے اردو اور دیوناگری دونوں رسوم خط میں درج کئے گئے ہیں - ان نقشوں کی ترتیب بھئی رام نے کی ہے - اس کے علاوہ ایک رسالہ گانوؤں کے خسرے تیار کرنے کے متعلق ہے- اس رسالے کو پنڈت رام پرشاد نے ترتیب دیا ہے اور اس میں کرنل بوالو کی بڑی حد تک تقلید کی ہے - ایک رسالہ سڑکیں تعمیر کرنے کے متعلق اور ایک رسالہ ڈاک بجلی کے نام سے تار برقی کے متعلق شائع ہوا ہے —

ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا مطالعہ یورپین لوگوں کے لئے مفید ہوگا - مثلاً ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس

کا نام " آئینۂ اہل ہند " ہے - اس میں ہندوستان کے باشندوں کی صنعتوں اور ان کی رسوم سے بحث کی گئی ہے - اس کتاب کے مصنف کا نام کرشن راؤ ہے - اس میں مصنف کی تصویر بھی ہے اور بعض مقامات پر عبارت کو واضح کرنے کے لئے بھی مثال کے طور پر تصاویر مندرج ہیں - یہ تصویریں حسن ذوق پر دال ہیں - میں اس وقت آپ کے سامنے اور دوسرے رسالوں کا ذکر نہیں کروں گا جو علم ریاضی ' تعمیرات اور میکانک کے متعلق شائع ہوے ہیں —

چند ہفتے ہوے مجھے اردو اور ہندی کتابوں کا ایک پارسل ہندوستان سے ملا ہے - یہ کتابیں میرے کرم فرما مسٹر آر - کسٹ نے بھیجی ہیں جو لاہور میں جوڈیشل کمشنر ہیں - میں نے ابھی جس شہر کا نام لیا یعنی لاہور وہ ایک تاریخی شہر ہے - اور مسٹر ایچ تھارنٹن نے اس شہر کی تاریخ پر ایک نہایت دلچسپ مضمون لکھا ہے - مسٹر تھارنٹن سول سروس کے آدمی ہیں - ان کتابوں میں ایک " بیتال پچیسی " ہے - اسے " بکرم ولاس ' بھی کہتے ہیں - یہ لاہور میں طبع ہوئی ہے اور اس میں نہایت خوبصورت تصاویر ہیں - ایک کتاب " سبھا ولاس " (لطف معاشرت) ہے - اس قسم کے نام دراصل ہندی میں بہت عام ہیں - مگر یہ کتاب جو مجھے بھیجی گئی ہے ہندی اشعار کے انتخاب پر مشتمل

ھے - ایک کتاب " تشریح ظہوری" ہے- اس میں ملاّ ظہوری کی "سہ نثر" کو اردو میں پیش کیا ہے- سہ نثر ظہوری کتاب "نورس" کا دیباچہ ھے جو تین ابواب پر مشتمل ھے " نورس" بیجا پور کے سلطان ابراھیم شاہ کی مشہور نظم ہے - ایک " تعزیرات ھند" کا نسخہ ہے - یہ لاھور کا چھپا ھوا ہے - انگریزی سے یہ ترجمہ نہایت سلیقہ کے ساتھہ کیا گیا ہے - اس کا انداز تحریر قریب الفہم اور موضوع کے عین مناسب ہے مسٹر ایچ- ایس ریڈ نے اس ترجمہ میں بڑے اھتمام سے کام لیا ہے - موصوف ھندوستان کی مروج و مقبول زبان اردو کے بڑے پر جوش حامیوں میں ھیں - ایک نسخہ ضابطۂ فوجداری کا اردو ترجمہ ہے - یہ ترجمہ الہ آباد سے سنہ ۱۸۶۲ ع میں شائع کیا گیا - اس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۱۴ صفحے ھیں —

ان کتابوں میں جو مجھے بھیجی گئی ھیں بعض فلسفیانہ مباحث سے متعلق ھیں - مثلاً " سدھانتا سنگرھا " جو قدیم نیایا فلسفہ کے اصول پر لکھی گئی ہے : " اپدیش پشپوت " اردو کی کتاب " گلدستہ اخلاق " کا ھندی ترجمہ ہے —

ان کتابوں میں ھندی کی ایک کتاب " شدہ درشن درپن" کو اھمیت حاصل ھے - اس کتاب میں ھندؤں کے فلسفہ کے چھہ ضابطوں کو بیان کیا گیا ہے اس کے مصنف نیمیا نولا کنتھہ شاستری گور ھیں- آپ بنارس کے ایک مشہور

پلدت هیں اور اب آپ نے مسیحی مذهب قبول کرلیا هے - جیسا کہ ان کے نام کے پہلے جزو سے ظاهر هوتا هے- یہ کتاب دو جلدوں میں هے - ایڈورڈ فٹز هال جو هندی علوم کے بڑے ماهر هیں، اس کتاب کی بہت تعریف کرتے هیں موصوف کے نام سے سنسکرت کی متعدد تصنیفات شائع هو چکی هیں - آج کل آپ لندن کے کنگز کالج میں اُردو کے پروفیسر هیں - مسٹر ڈنکن فوربس کی علحدگی کے بعد آپ نے اس خدمت کو منظور فرمایا هے - آپ نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا هے اور بعض بعض مقامات پر رد و بدل بھی کیا هے اور حواشی درج کئے هیں - یہ ترجمہ ایک جلد میں هے- اسی سال کلکتہ میں طبع هوا هے اور اس کا نام A Rational Refutation of the Hindu Philosophical Systems (یعنےهندو نظام فلسفہ کی عقلی تردید) هے —

انگریزی سے ترجموں کی تعداد آے دن بڑھتی جاتی هے - اس جگهہ میں صرف چند کی نسبت ذکر کروں گا - ٹاڈ کی کتاب " Hints of Self-improvement " کا اردو میں ترجمہ هوا هے اور اس کا نام "تعلیم النفس' رکھا گیا هے- هندی میں بھی اس کتاب کا اصل سے ترجمہ هوا هے اور اس هندی ترجمہ کا نام " سکشا منجری " هے- ' شیو پرشاد' نے ' من بہلاؤ' کے نام سے ایک کتاب هندی میں شائع کی هے اس میں انگریزی

نثر اور نظم دونوں کے ترجمے ہیں —

روبنسن کروسو کے دلچسپ قصے کا اردو ترجمہ پہلے ہی ہو چکا ہے - یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ہے - پنڈت بدری لال نے اس کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے اور حال ہی میں بنارس میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے - یہ کتاب نہایت ضخیم ہے اور اس میں جابجا تصاویر بھی ہیں —

" دستور المعاش " کا اس سال دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے - ڈبلن کے لاٹ پادری (Arch-bishop) ڈاکٹر وھاتھلے جو ہمارے ' انسٹیٹیوٹ ' کے ارکان میں سے ہیں ان کی کتاب "معاشی حالات" (MoneyMatters) میں تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد چھپی ' لیڈلی ' نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے - پنڈت بنسی دھر نے اسی کتاب کو ہندی جامہ پہنایا ہے - موصوف ان لوگوں میں ہیں جو کام کے آگے تھکنے کا نام نہیں جانتے —

میرے نزدیک ان سب نئی کتابوں میں " سراپا سخن " ایک نہایت اہم کتاب ہے - مسٹر فنز ' ایڈورڈ ھال' کی عنایت سے مجھے اس کا ایک نسخہ مل گیا ہے- یہ ایک تذکرہ ہے - اور یہ نہایت وسیع زمانے پر حاوی ہے - غالباً اودھ کے آخری تاجدار کے تذکرے کے بعد اس کا نمبر دوسرا ہے- اس میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ پانچ ہزار نثر و نظم لکھنے والوں

کے حالات قلمبند کئے گئے تھے مگر سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کے دوران میں معلوم ہوتا ہے اس کے سب نسخے ضائع ہوگئے تھے اور اب وہ ایک نایاب چیزوں میں سے ہے - "سراپا سخن" میں جو حالات جمع کئے گئے ہیں وہ سنہ ۱۸۵۲ ع تک آکر ختم ہو جاتے ہیں - یہ تذکرہ گزشتہ سال پہلی مرتبہ لکھنؤ میں طبع ہوا اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور سات سو سے زاید مصنفوں کے حالات اس میں موجود ہیں - جن میں سے اکثر ہم عصر ہیں - آپ یہ دیکھیں گے کہ اکثر تذکروں میں ان میں سے بہت سے شعرا کا کوئی حال نہیں ملتا ہے - اس تذکرے میں خاص کر کے 'لکھنو' اور صوبۂ اودہ کے شعرا کا حال بڑی تفصیل سے ملتا ہے - اس واسطے کہ اس کے مصنف کا وطن لکھنو ہے اور یہاں کے متعلق اسے کافی واقفیت حاصل ہے - اودہ میں مصنفوں اور بالخصوص شعرا کی بڑی کثرت ہے - اودہ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے دربار سے چار سو شعرا کو تنخواہیں ملتی تھیں اور واجد علی شاہ خود بھی شاعر تھے -

اس تذکرے کے مصنف کا نام محسن ہے - یہ حقیقت کے بیٹے اور وزیر * کے پوتے ہیں - محسن کے باپ اور دادا دونوں

* مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے - محسن وزیر کے پوتے نہیں تھے بلکہ ان سے کسی قسم کا رشتہ بھی نہ تھا - البتہ وہ وزیر کے شاگرد تھے اور اس کا ذکر خود انھوں نے اپنے تذکرے میں کیا ہے - ان کے دادا کا نام عرب شاہ تھا - رشک اور عشقی ان کے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اردو کے مشہور شاعروں میں سے ہوئے ہیں۔ محسن کے خاندان کے دو بزرگوں، رشک اور عشقی نے ان کی پرورش کی تھی۔ رشک بھی شعر کہتے تھے اور عشقی نے شعرائے اردو کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔ 'محسن' نے اپنا تذکرہ دراصل عشقی ہی کے کہنے پر لکھنا شروع کیا تھا۔ اس تذکرہ کو لکھتے وقت اس کے پیش نظر پندرہ دوسرے تذکرے تھے اور جیسا کہ اس نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں لکھا ہے، اس نے سیکڑوں دیوانوں اور بیاضوں کی مدد سے اپنے کام کی تکمیل کی۔ چنانچہ انہیں دیوانوں اور بیاضوں میں سے اس نے تقریباً ۹ ہزار اشعار اپنے تذکرہ میں نقل کئے ہیں۔ دوسروں کے اشعار کے ساتھ ساتھ خود اپنے اشعار بھی نقل کئے ہیں اس واسطے کہ محسن خود اعلیٰ درجے کے شاعروں میں ہیں۔ اپنے تذکرے کے دیباچے میں محسن نے انگریزی حکومت کی بہت کچھ مدح سرائی کی ہے جس کے سایۂ عاطفت میں پھر سے هندوستان میں علم وفن اپنی پوری بہار پر ہیں اور ساری مخلوق امن و عافیت کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف کار ہے۔

خاندان کے بزرگ نہ تھے۔ عشقی ان کے دوست تھے اور رشک سے ان کو تلمذ تھا۔ ان کو رشک، اور وزیر دونوں کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ مولف خطبات کو ان صاحبوں کے تعلقات کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ (عبدالحق)

محسن کا تذکرہ اور دوسرے تذکروں کی طرح بے مزہ نہیں ہے - اور دوسرے تذکروں کی طرح اس کا ہر باب منتخب کلام کا بے ترتیب انبار نہیں جن میں اگر کوئی ترتیب ہوتی ہے تو وہ محض ردیف کی لیکن اس تذکرے میں مضامین کے اعتبار سے اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے - اور جس شاعر کے وہ اشعار ہیں اس کی زندگی کے مختصر حالات درج کئے ہیں - اس تذکرے میں یہ خوبی ہے کہ مضمون کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے - چنانچہ سر، بال، چہرہ، پیشانی، آنکھیں، ناک، رخسار، منہ، ہونٹ، دانت، زبان، تھڈی، کان، گردن، شانے، ہاتھ، انگلیاں، ناخن، پاؤں، دل، اور روح وغیرہ پر الگ الگ اشعار نقل کئے گئے ہیں - اگر کسی باب میں سر کا ذکر ہے تو اس باب کا خاتمہ لفظ "سر" پر ہوگا اور اگر کسی باب میں بالوں کا ذکر ہے تو اس کا خاتمہ لفظ "مُو" پر ہوگا - اسی طرح ہر باب میں یہی التزام کیا ہے - یہ سب اشعار غزلوں کے ہیں - غزل میں عشق مجازی اور عشق حقیقی دونوں ملے جلے ہوتے ہیں - مشرقی شعراء کے ہاں عورت کی شخصیت خدا کا پرتو ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ ان دونوں کو اپنے بے تکے تخیل سے ایک دوسرے میں ضم کر دیتے ہیں - ٹینیسن نے جو آج کل انگلستان کا سب سے بڑا شاعر ہے کس خوبی سے اس مضمون کو باندھا ہے - وہ کہتا ہے —

تجھے مشکل ہی سے خاکی کہا جاسکتا ہے اور نہ تو پورے طور پر ملکوتی ہی ہے - تیرے حسن کو الفاظ کے توسط سے نہیں ظاہر کیا جاسکتا ' تیرے عنبرین لہلہاتے ہوئے بال * اس کنول کے پھول کے مثل ہیں جن میں سے ہوکر سورج غروب ہوتے وقت جھانکتا ہے —

ان سیکڑوں مصنفوں میں جن کا اس تذکرہ میں ذکر ہے سب کے سب شاعر ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ غالباً ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں شاعر کہا جاسکتا ہے - ان میں بیشتر تک بندی کرتے ہیں - ان کی شاعری ہمارے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں - قدیم یونانی شاعر کالی ماک کا قول ہے کہ " خدائے شعر کا دیدار ہر کس و ناکس کو میسر نہیں آسکتا " —

سراپا سخن سے مجھے بعض ایسی تصانیف کا علم ہوا ہے جن کے متعلق شاید مجھے کہیں اور معلومات نہ ملتیں - مثلاً بعض ایسے دیوان اور تذکرے ہیں جن کا ذکر اس میں موجود ہے اور مجھے پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعے سے ان کا علم ہوا - جب میں نے اپنی کتاب " تاریخ ادب ہندی

---

* میں نے لفظ (Flaxen کے بجائے Amber) کردیا ہے اس واسطے کہ اہل مشرق عورت کے بالوں کو عنبر سے تشبیہ دیتے ہیں - اس میں رنگ اور خوشبو دونوں کی مناسبت کا خیال پیش نظر ہوتا ہے —

وارد و" سنہ ۱۸۲۹ع میں شائع کی تھی تو اس وقت ان دیوانوں اور تذکروں سے میں قطعاً لاعلم تھا - اُس وقت صرف سات تذکروں کی مدد سے میں نے اپنی کتاب کی تکمیل کی - آج میرے علم میں ۳۵ تذکرے ہیں اور یقیناً ان کے علاوہ بھی اور ہوں گے جن تک میری دسترس نہیں ہوئی چنانچہ آج میرے پاس بہت کافی مواد موجود ہے جسے میں اپنی کتاب کی تکمیل کے لئے استعمال کر سکتا ہوں —

سراپا سخن کے علاوہ جس میں ادب اردو کی تاریخ کے لئے بہت مواد موجود ہے میرے پرانے شاگرد مسٹر جے - ان - کارتر نے ایک اور کتاب بھیجی ہے جو مرہٹی زبان میں ہے - مگر اس میں ہندی کے چوٹی کے شاعروں کا حال مفصل موجود ہے - یہ کتاب سنسکرت اور دوسرے ماخذوں کی خوشہ چینی کے بعد لکھی گئی ہے * - میں افسوس کے ساتھہ آج آپ صاحبوں کو یہ خبر سناتا ہوں کہ مسٹر جے - ان - کارتر کا حال ہی میں انتقال ہوگیا - موصوف بمبئی کی ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے - موصوف نے ازراہ عنایت جو مرہٹی کی کتاب بھیجی ہے اس میں ۵۲ شعرا کا حال موجود ہے - ان میں سے ۳۰ شاعر ایسے ہیں جن کی نسبت میرے پاس پہلے کوئی معلومات موجود نہیں تھیں

* "کوی چرتر" مصنفہ جنا ردن رام چندر جی - مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۶۰ع

یوریپین جماعتوں کی طرف سے اردو زبان کی مطبوعات میں " Calcutta Religious Tract Society " کی متعدد شائع کردہ کتابیں قابل ذکر ہیں - ان میں بعض کی نسبت میں یہاں ذکر کرتا ہوں - (۱) مسیحیت اور اسلام کا موازنہ (۲) بعض اشخاص کے مسیحیت قبول کرنے کا بیان (۳) پھامنی اور کرن کا قصہ ، وغیرہ —

پادری اون صاحب (Rev. Owen) نے شورش عظیم سے پہلے انجیل مقدس کی تفسیر اردو زبان میں مکمل کرلی تھی - شورش کے دوران میں ان کی اور دوسری کتابوں کے ساتھ یہ بھی ضائع ہوگئی - چنانچہ موصوف نے اسے پھر از سر نو لکھنا شروع کیا - اب عنقریب وہ شائع ہونے والی ہے - ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایک مسلمان عالم سید احمد * غازی پوری انجیل مقدس کی تفسیر اسلامی نقطۂ نظر سے لکھ رہے ہیں - انہوں نے اپنے ذاتی مطبع میں اس کی چھپائی کا انتظام بھی کرلیا ہے - یہ کتاب قسط وار چھپے گی - اور رسالے کی صورت میں صفحہ کے ایک طرف انگریزی ہوگی اور دوسری طرف اردو ترجمہ اور تفسیر کا ہر رسالہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہوگا - ہندوستانیوں کی

---

* اس سے مراد سر سید احمد خاں ہیں جو اس زمانے میں غازی پور میں تھے (عبدالحق) -

اس قسم کی کوششیں ہمیں یورپی تاریخ کے اس زمانہ کی یاد دلاتی ہیں جب کہ مسیحیت کے سیلاب کے سامنے یونانی اور رومی مذہبی رسوم پاش پاش ہو رہی تھیں اور مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتی تھیں —

مسٹر ڈنکن فوربس نے اپنی اردو لغت کا دوسرا ایڈیشن شایع کر دیا ہے۔ اس ایڈیشن میں اردو کے الفاظ کو دیوناگری خط میں بھی لکھ دیا ہے - انھوں نے یہ کام کمال احتیاط اور دیدہ ریزی کے ساتھ کیا ہے جب ہندی الفاظ فارسی رسم خط میں لکھے جاتے ہیں تو ان کی ہیئت ایسی بدل جاتی ہے کہ انہیں بعض اوقات پہچاننا دشوار ہو جاتا ہے نیز موصوف نے "باغ و بہار" کا چوتھا ایڈیشن فارسی رسم خط میں نکالا ہے۔ (نسولیس Nassau Lees) کے مشورے کے مطابق اس کتاب کے بعض ایسے فقروں کو خارج کر دیا ہے جو ذوق سلیم کی نظر میں کھٹکتے تھے * —

"باغ و بہار" کے وہ ایڈیشن جو لاطینی رسم خط میں

---

* بہت اچھا ہوا اگر موصوف اپنے معاون کار 'چارلس ریو' کی مدد سے "اخوان الصفا" کا بھی اسی طرح ایک ایڈیشن شائع کریں اور اس میں سے بعض حصوں کو خارج کر دیں۔ میری رائے میں صفحہ ۱۸ پر جہاں غیر فطری عشق و محبت کا ذکر ہے اسے ضرور خارج کر دینا چاہئے - بد قسمتی سے یہ خیال اہل مشرق کے ہاں بہت عام ہے —

شایع ہوے ہیں ہاتھوں ہاتھ بک رہے ہیں - سنہ ۱۸۳۶ع میں ایک پرتگالی پی- ایس- دی روزا ریو نے اس کا ایک ایڈیشن ہندوستان کے دارالسلطنت کلکتہ میں طبع کرایا تھا - موصوف نے ایک لغت بھی لکھی ہے جس میں انگریزی الفاظ کے معنی اردو اور بنگالی میں درج کئے ہیں- افسوس ہے کہ موصوف کا حال ہی میں کلکتہ میں انتقال ہو گیا - مونیر ولیمس نے چارلس ٹریولین کی فرمائش پر "باغ و بہار" کے اسی ایڈیشن کو تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ طبع کرایا ہے - مجھے بھی ہندوستانیوں کی طرح بڑی مسرت ہے کہ سر چارلس ٹریولین پھر دوبارہ ہندوستان تشریف لے گئے ہیں - ڈنکن فوربس نے بھی لاطینی رسم خط میں اُردو کے پہلو بہ پہلو اس کا ایک ایڈیشن نکالا ہے - اس سے پہلے ایڈیشن کی طرح اس میں بھی متن کے مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے —

"باغ و بہار" کی نسبت میں اپنے سنہ ۱۸۵۳ع کے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں - اس جگہ پھر ایک امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو پہلے بھی عرض کر چکا ہوں- وہ یہ ہے کہ اسلامی قصوں میں آپ ہمیشہ دیکھیں گے کہ تبلیغ اسلام کی جانب کسی نہ کسی پیرایہ میں ضرور اشارہ کیا جاتا ہے - اور غنائی شاعری ' تصوف ' عشق مجازی اور ہمہ اوست کے مسائل سے آگے نہیں بڑھتی- قصوں میں اسلامی

عقاید اثباتی نوعیت کے ساتھہ پیش کئے جاتے ھیں اور اسلام کی جانب غیر مسلموں کو نہایت موثر انداز میں رجوع کیا جاتا ھے ۔ مثلاً باغ و بہار میں جہاں بخارا کے تاجر کا ذکر ھے کہ اسے کیوں کر دختر وزیر کی وساطت سے مصائب سے نجات ملتی ھے ' تو وھاں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ تاجر دوگانہ شکرانے کا روبقبلہ ھو کر پڑھنے لگا ۔ وزیر کی لڑکی یہ حرکات و سکنات دیکھہ کر متعجب ھوتی ھے اور اس تاجر سے دریافت کرتی ھے کہ وہ یہ کیا کر رھا ھے ؟ تاجر جواب دیتا ھے : " جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھہ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھہ پر مہربان کیا اور اوسے زندان سے خلاص کروایا ' اس کی ذات لاشریک ھے ' اس کی میں نے عبادت کی اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا ۔ یہ بات سن کر کہنے لگی ' تم مسلمان ھو ؟ ۔ میں نے کہا شکر الحمدللہ ۔ بولی میرا دل تمہاری باتوں سے خوش ھوا میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ ۔ میں نے دل میں کہا الحمدللہ کہ یہ ھمارے دین کی شریک ھوئی ۔ غرض میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ' اور اس سے پڑھوایا "۔

ایک اور جگہ بصرے کے تاجر کا اسی طرح ذکر ھے اس کے بھائیوں نے قتل کرنے کی نیت کی تھی ۔ وہ جب بے ھوشی سے ھشیار ھوا تو سرانديپ کی شہزادی اور اس کی خواصیں

اس کے چاروں طرف جمع تھیں۔ شہزادی مہربانی سے بولی: "اے عجمی! خاطر جمع رکھ، کُڑھ مت، اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے"۔ اس پر تاجر نے پکے مسلمان کی حیثیت سے کہا:— "قسم اُس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے"۔ کچھ دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ شہزادی نے تاجر کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس سے پوچھنے لگی:—

"اے جاہل! ہمارے بڑے بت میں کیا برائی دیکھی جو غائب خدا کی پرستش کرنے لگا؟ میں نے کہا انصاف شرط ہے، ٹک غور فرمائیے کہ بندگی کے لایق وہ خدا ہے جس نے ایک قطرے پانی سے تم سار کا محبوب پیدا کیا، اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو بت کیا چیز ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر سنگ تراشوں نے گھڑکر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا۔ جن کو شیطان نے ورغلایا ہے وے مصنوع کو صانع جانتے ہیں۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اُس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اور ہم مسلمان ہیں، جس نے ہمیں بنایا ہے ہم اسے مانتے ہیں، اُن کے واسطے دوزخ، ہمارے لئے بہشت بنایا ہے۔ اگر بادشاہزادی ایمان خدا پر لاوے، تب اس کا مزا پاوے، اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے"۔

اس ضمن میں میں یہ بڑی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی کتب عقاید و تفاسیر کے متعلق مسیحی دینیات کے علماء کو پوری واقفیت رکھنی ضرور ہے - ہمیں چاہئے کہ ان بیانات کو جو انجیل اور مسیحیت کے متعلق اسلامی عقاید میں ملتے ہیں بیکار سمجھ کر ٹھکرا نہ دیں۔ در اصل ان میں ہمیں بہت ساری یہودی اور نصرانی روایات ملیں گی - میں اس باب میں مسٹر راڈول کا ہم خیال ہوں جنھوں نے حال ہی میں قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، کہ قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بدولت جو تغیرات پیدا ہوے انہیں فی الحقیقت دنیا کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ قرآن کا بیشتر حصہ ان روایات پر مشتمل ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے اور ان کے ملک میں مشہور تھیں۔ توریت کی تالمودی اور یہودی روایات اور وہ قصے جو عرب و شام کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مشہور تھے قرآن میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ موجود ہیں - اس کے علاوہ جعلی انجیلوں کے بیانات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن میں شامل کرلئے - بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان جعلی انجیلوں کا علم تھا - انہیں در اصل مسیحی مذہب کی دیو مالا سے زیادہ وقعت نہ دینی چاہیے تھی مگر

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تخیل کو یہ مبالغہ آمیز قصے ایسے پسند آے کہ انھوں نے انھیں سچ جان کر قابل قبول سمجھہ لیا - میرا خیال ھے کہ باوجود ان تمام باتوں کے ھمیں قرآن کو قطعی طور پر جھوٹ نہیں سمجھنا چاھئے - تاریکیوں میں بھی کہیں نہ کہیں روشنی کی جھلک موجود ھوتی ھے - سیل اور رودول کی طرح میں بھی سینٹ آگستن کے اس مقولہ کا قائل ھوں کہ "دنیا میں کوئی ایسا جھوٹا عقیدہ نہیں جس کی تہ میں تھوڑا بہت سچ نہ موجود ھو" * —

قرآن بھی ھمارے حواریوں (Saints) کی کتابوں کے مثل آیات پر مشتمل ھے - پھر آیات کی بھی دو قسمیں ھیں - محکمات اور متشابہات - مجھے یہ تقسیم بہت پسند آئی - کیا اچھا ھو اگر توریت و انجیل کے لئے بھی اس تقسیم کو اختیار کر لیا جاے - خاص کر انجیل کے متعلق اگر ھم یہ تقسیم قبول کر لیں تو بہت آسانی ھو جاے - انجیل میں بعض جملے ایسے ھیں (خوش قسمتی سے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ھے) جنھیں انسانی عقل و فہم سمجھنے سے قاصر ھے اور ان کی کوئی معقول تاویل بھی ممکن نہیں - وہ کٹر عیسائی جو انجیل کو الہامی کتاب سمجھتے ھیں ان جملوں کو پڑھ کر بڑے سٹ پٹاتے ھیں - ھمارے نزدیک یہ بہت اچھا

* Quæstiones evangelicæ, x1, 40

هو اگر هم کھلم کھلا کہہ دیں کہ هم ان جملوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر هیں اس لئے کہ وہ بے معنی هیں - یا تو یہ هے کہ همارا علم اس قدر محدود هے کہ هم ان مخصوص مطالب کو نہیں سمجھہ سکتے یا یہ کہ بعد کے تصرفات یا ابتدائی انجیل نویسوں کی غلط نقل کی وجہ سے بعض مبہم جملے انجیل کے متن میں شامل هو گئے اور بعد میں آنے والوں نے انجیل کے احترام و تعظیم کی خاطر کوئی تبدیلی کرنا گوارا نہ کی۔ میرے خیال میں یہ بہتر هوگا اگر هم صرف آیات بینات کو شمع هدایت بنائیں - یہ بھی ضرور نہیں کہ مہمل جملوں کو خواہ مخواہ معنے پہنائے جائیں - ممکن هے کہ خدا کو یہی منظور هو کہ وہ اسی طرح رهیں - بہر حال همیں اس باب میں سینٹ پال کے مقولہ کو یاد رکھنا چاهیے کہ " لفظ باعث هلاکت هوتا هے مگر لفظ کی روح (یعنی اس کا اصلی منشا) زندگی عطا کرتا هے" —

بہر حال مسیحی مبلغین کے لئے یہ از بس ضروری هے کہ وہ قرآن کا مطالعہ کریں اگر واقعی وہ مسلمانوں کو اپنے مذهب کی طرف راغب کرنا چاهتے هیں- ورنہ مسلمانوں کو مسیحی تعلیمات کی جانب متوجہ کرنا بہت دشوار هے - قرآن میں انجیل و توریت کے الهامی کتابیں هونے کے متعلق بہت ساری آیتیں ملتی هیں- خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں

کتابوں کی صداقت کو تسلیم کیا ہے - ولیم میور نے جن کی کتاب "حیات محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کل بڑی مقبول ہو رہی ہے، قرآن کی ان سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جن میں انجیل و توریت کے آسمانی کتابیں ہونے کے متعلق تصدیق ہوتی ہے - * وہ لوگ جو اس مضمون سے بے خبر ہیں انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوگا کہ قرآن نے بارہا توریت و انجیل کی صداقت تسلیم کی ہے —

اب ہم پھر ہندوستان کی جانب رجوع کرتے ہیں —

مجھے کپتان فلر کی مرتب کردہ رپورٹ کا ایک نسخہ حال ہی میں ملا ہے - اس میں پنجاب کے سررشتۂ تعلیم کے متعلق پوری معلومات جمع کر دی گئی ہیں - اس رپورٹ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۰ - ۱۸۶۱ ع میں ۳۷ ہزار، ۲ سو ۸۰ طالب علم اُردو زبان میں تحصیل علم کرنے میں مشغول ہیں- اور اُردو کی صرف و نحو کی تعلیم باقاعدہ دی جاتی ہے - اور فارسی سے زیادہ زور اردو کی صرف و نحو پر دیا جاتا ہے - فارسی زبان کا میں نے مقابلتاً اس لئے ذکر کیا کہ ہندوستانی لوگ اور خصوصاً ہندوستانی مسلمان فارسی زبان کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور اسے اپنی کلاسک زبان

* The Testimony borne by the Coran on the Jewish and Christian Scriptures. Agra, 1856.

خیال کرتے ہیں اسی طرح تحصیلی مدارس میں ہندو اور مسلمان طلبا کی کل تعداد چھہ ہزار تین سو ہے۔ اس میں سے ۴ ہزار تین سو طالب علم اُردو زبان پڑھتے ہیں اور صرف ۲ ہزار نو سو چونتیس طلبا فارسی پڑھتے ہیں۔ دیہاتی مدارس کا بھی یہی حال ہے۔ کل طلبہ کی تعداد ۲۲۱۶۵ ہے اس میں سے ۲۱۱۲۰ اردو پڑھنے والے ہیں اور ۱۴۲۳۷ فارسی پڑھنے والے۔ نارمل اسکولوں میں جہاں اُستادوں کی تعلیم ہوتی ہے، طالب علموں کی کل تعداد ۴۵۱ ہے۔ اس میں سے ۱۴۱۶ اردو پڑھتے ہیں اور صرف ۵۲ ہندی پڑھتے ہیں۔ اور فارسی پڑھنے والوں کی تعداد ۳۹۳ ہے اضلاع کے مدارس میں طلبا کی تعداد ۲۳۱۹ ہے۔ اس میں سے ۱۸۴۶ اُردو پڑھنے والے اور ۴۷۲ فارسی پڑھنے والے ہیں —

ہندوستانی مدارس میں انجیل پڑھانے میں اب کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ چنانچہ بنگال کے ایک ہندو اخبار میں اس مسئلہ کی نسبت ان الفاظ میں اظہار خیال کیا گیا ہے :-

"جس طرح نیشکر کی ہر پور میں جڑ سے چوٹی تک رس بھرا ہوتا ہے اسی طرح انجیل کے ہر صفحے میں تعلیم کے جواہر ریزے پنہاں ہیں" —

صوبہ شمال مغربی کی حکومت قابل مبارک باد ہے کہ اس نے دیسی لوگوں کی تعلیم کی طرف خاص شغف ظاہر کیا۔ اس صوبے کے مدارس میں محض انگریزی زبان اور یورپی

علوم ھی کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے بلکہ خود دیسی لوگوں کی زبان اور اُن کے علوم کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ھے - چنانچہ حکومت کی سرپرستی میں سنسکرت کی کتابوں کے ھندی میں ترجمے کرائے گئے ھیں - ان ترجمہ کرنے والوں کی یہ کوشش ھے کہ جہاں تک ممکن ہو سنسکرت کے اصلی الفاظ اور محاوروں کو ھندی ترجمے میں کھپایا جاے اس سے یہ ھوتا ھے کہ ترجمے کی مدد سے سنسکرت کی عبارت بآسانی سمجھ میں آجاتی ھے - اس قسم کے ایک ترجمے کی کتاب میرے پاس ھے - جیمس آر بلنٹائن کے مشورہ اور ھدایت کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا ھے - سنسکرت کتاب ھتوپدیش کی یہ پہلی فصل ھے - اور پنڈت بدری لال نے اس ترجمے میں وہ حصے چھوڑ دئے ھیں جنھیں طالب علموں کی کتاب میں رکھنا کسی طرح مناسب نہ تھا -

حال ھی میں کلکتہ میں ایک انجمن قائم ھوئی ھے جس کا مقصد یہ ھے کہ شام کے وقت علمی اور ادبی مجالس منعقد کرے تاکہ ھندوستانی اور یورپین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط بڑھا سکیں - اس میں دونوں کا نفع مد نظر ھے - ھندوستانی یورپین لوگوں کے میل جول سے بہت سی ایسی باتیں سیکھ سکتے ھیں جن سے وہ مطلق بےخبر ھیں - یورپین لوگ اگر ھندوستانیوں کے ساتھ میل جول بڑھائیں تو اس سے انھیں ان کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے میں آسانی ھوگی اور ھندوستانی زبان و ادب کا ان میں ذوق پیدا ھوگا —

هندوستان میں تعلیم نسواں کی طرف بھی توجہ کی جا رهی هے - شهر دهلی میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے چار مدارس کھولے گئے هیں - لڑکیوں میں بھی علم کا شوق پیدا هو چلا هے - ایک پانچواں مدرسہ اور حال‌هی میں قائم کیا گیا هے اس مدرسے میں‌صرف تیموری‌خاندان‌کی‌شہزادیاں داخل هوسکتی هیں اس وقت ۵۰ شہزادیاں تعلیم پارهی هیں- شهر بنارس‌میں باحیثیت هندوؤں‌کی ایک انجمن قائم کی گئی هے جس کا مقصد یه هے کہ هندو عورتوں میں تعلیم کو رواج دیا جاے - اس کے ساتھہ ساتھہ انجمن کے پیش نظر یه بھی هےکہ هندی زبان‌میں لڑکیوں کے لئے کتابیں‌چھاپی جائیں- کتاب صرف اس وقت انجمن کی طرف سے چھاپی جاتی هے جب کہ انجمن کا صدر اور ارکان کی اکثریت اس کتاب کے متعلق اپنی‌پسند کا اظہار کردے* - بمبئی میں ایک دولتمند پارسی مانک جی کرستجی نے اپنے خاندان کی لڑکیوں کو یورپی طرز کی تعلیم دینا شروع کی هے - موصوف نے یه اعلان کیا هے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصے کولڑکیوں کے مدرسہ کے لئے وقف کردیں گے - ان کا ارادہ هےکہ اس‌میں ایک مدرسہ قائم کریں اور تعلیم دینے کے لئے ایک انگریز استانی کو رکھیں -

* Delhi Journal; Delhi Gazette (Allen's Indian Mail, Nov. 27, 1862)

ان کی دو صاحبزادیاں بھی اپنے ہم وطنوں کی ہمدردی میں اس مدرسہ میں کام کریں گی- بمبئی کے گورنر لارڈ الفنسٹن نے اس تجویز کی پورے طور پر ہمت افزائی کی ہے- لارڈ موصوف نے اس مدرسہ کی تجویز کے متعلق فرمایا کہ دنیا میں جہاں کہیں عورتوں کو تعلیم دی گئی ہے وہاں لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت بڑھ گئی ہے اور خود مردوں کے اخلاق پر عورتوں کی تعلیم کا اچھا اثر پڑتا ہے - ہم یورپ میں مشکل ہی سے ان عورتوں کی حالت زار کا اندازہ کر سکتے ہیں جو محلسرا کی زندگی میں بہت جلد اپنا حسن و شباب کھو چکتی ہیں اور ان کے چاہنے والے ان کی طرف سے بے پروائی برتنا شروع کر دیتے ہیں بقول ایک شاعر :—

پژمردہ اور ذلیل

گلچیں نے انہیں توڑ کر ایک طرف بے پروائی سے پھینک دیا تازگی فنا ہوگئی اور ان کا حسن کمھلا گیا —

اب وہ قابل نفرت چیزیں ہیں- سبھوں نے انہیں چھوڑ دیا اب ان کا ہر قدم بربادی کی جانب اُٹھ رہا ہے —

میری طرح جن صاحبوں کو گزشتہ ماہ ستمبر میں ان دونوں پارسیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے وہ غالباً میرے اس دعوے کی تائید کریں گے کہ مانک جی کو اپنی بیٹیوں کے انگریزی تعلیم دلانے میں پورے طور پر کامیابی ہوئی - یہ

پارسنیں پہلی ہندوستانی عورتیں ہیں جو یورپ آئی ہیں۔ وہ ہندوستانی میں جو ان کی مادری زبان ہے اور انگریزی اور فرانسیسی میں بلا تکلف گفتگو کر سکتی ہیں۔ مسٹر مانک جی پہلے پہل سنہ ۱۸۴۱ ع میں یورپ آے تھے۔ اس دفعہ وہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھہ دوبارہ آے ہیں تاکہ لندن جاکر ان کے قیام و تعلیم کا انتظام کریں۔ لندن میں پہلے سے کئی ایک پارسی موجود ہیں جو نہایت دولتمند ہیں۔ موصوف لندن سے واپسی پر پیرس میں چند روز تھیرے تاکہ اپنی صاحبزادیوں کو شہر پیرس کی سیر کرائیں ۔

حضرات! ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اردو زبان دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ چنانچہ بمبئی گزٹ مورخہ ۲۷ فروری سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بنگال اور بہار و اُڑیسہ کے زمینداروں اور دوسرے باشندوں نے وائسراے گورنر جنرل بہادر کو ایک عرضداشت بھیجی ہے جس میں یہ درخواست کی ہے کہ جدید ہائی کورٹ میں اردو زبان میں کاروائی کی جاے ــــ

اودہ کے صوبے میں صرف ان وکلاء کو وکالت کی اجازت ملتی ہے جو اور دوسری شرائط کے ساتھہ اردودانی کی شرط بھی پوری کریں۔ ان کا امتحان بول چال اور تحریر دونوں میں لیا جاتا ہے تاکہ ان کی اردودانی کی پوری تصدیق ہو جاے۔

حال میں متعدد اشخاص کو حکومت برطانیہ نے اسٹار آف انڈیا (ستارۂ ہند) کا خطاب عطا کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو تقریبیں ہوئیں ان میں اردو زبان ہی میں تقریریں کی گئیں۔ اسی طرح نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع میں مہاراجہ کشمیر کی گدی نشینی کے موقع پر جموں میں جو دربار منعقد ہوا اس میں مسٹر ڈیوس نے اردو میں تقریر کی۔ مسٹر ڈیوس اس موقع پر گورنمنٹ ہند کے نمایندہ تھے۔ جب موصوف نئے راجہ کے سینے پر تمغے لگا چکے تو راجہ نے بھی ان کی تقریر کا جواب اردو میں دیا —

ہندوستان کے ایک دوسرے حصے بنگال میں جس وقت سر جے' پی گرانٹ سابق لفٹنٹ گورنر یورپ واپس جا رہے تھے کلکتہ کے باشندوں نے ۱۶ اپریل کو ایک جلسہ منعقد کیا جس میں موصوف کی ہر دلعزیزی اور خلوص کا اظہار کیا۔ جلسہ کی صدارت راجہ رادھا کانت دیو بہادر نے کی۔ موصوف بڑے فاضل آدمی ہیں اور ایک ضخیم سنسکرت کے لغت کے مصنف ہیں۔ اس موقع پر موصوف نے جو تقریر کی وہ اردو میں تھی۔ ان کی تقریر کے بعد راجہ کالی کرشن بہادر کھڑے ہوے۔ موصوف بھی مشہور مصنف ہیں اور آپ نے گے (Gay) کی کہاوتوں کا اردو نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ نے بھی حسب موقع اردو میں تقریر کی نہ کہ بنگالی میں۔

ہندوستان کے اخباروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر جان گرانٹ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا - اس میں تشکر و احترام کے جذبات کا اظہار تھا - اور اُن گرانقدر خدمات کا ذکر تھا جو موصوف نے اپنے زمانے میں صوبۂ بنگال کی کیں - یہ سپاس نامہ تجویز کی شکل میں جلسہ میں متفقہ طور پر منظور ہوا - اس کے بعد راجہ اپروا کرشن نے اردو میں تقریر کی اور یہ تجویز پیش کی کہ کلکتہ میں کسی جگہہ سر جان گرانٹ کا مجسمہ نصب کیا جائے —

Haileybury کے کالج کی جگہہ Woolwich کی فوجی اکاڈمی میں مشرقی علوم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا - یہاں مسٹر کاٹن ماتھر ہندوستانی زبان کی تعلیم دیتے تھے - مگر اب لندن کے (King's College) کنگس کالج میں مشرقی علوم کا ایک علاحدہ شعبہ قایم ہوا ہے Haileybury کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متعدد اشخاص نے ملکی نظم و نسق اور علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا تھا - امید ہے کہ وہی روایات اب بھی قایم رہیں گی - King's College کے مشرقی شعبے میں مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال اردو زبان کی تعلیم دیتے ہیں اور مسٹر بلنتائن سنسکرت پڑھاتے ہیں - اس شعبے میں صرف درس ہی نہیں ہوں گے بلکہ یہیں سے تحریری اور زبانی امتحانوں کے بعد قابلیت کے اعتبار سے سند ملے گی - اس سند

کی بدولت ہندوستان میں سرکاری خدمات بآسانی مل سکیں گی

میں اپنے پچھلے خطبوں میں ذکر کر چکا ہوں کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں بھی اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے - سنہ ۱۸۵۶ ع میں ڈبلن یونیورسٹی میں بھی اردو فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہو گئی ہے - لندن کے یونیورسٹی کالج کی طرح ڈبلن میں بھی ایک ہندوستانی عالم مولوی اولاد علی ان زبانوں کی تعلیم دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں —

حضرات! ہمیں چاہئے کہ اپنے سامنے ایک اعلیٰ علمی نصب العین رکھیں- دوسرے ممالک کے لوگ ہم فرانسیسیوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ سارا عالم فرانسیسی بولتا ہے مگر فرانسیسی سوا ے اپنی زبان کے اور کوئی زبان نہیں بولتے* ہمارا فرض ہے کہ اس الزام کو اپنے سر سے دور کرنے کی کوشش کریں - ہمیں غیر زبانیں بولنے کی عادت ڈالنی چاہئے - اور غیر زبانوں سے میری مراد صرف یورپی زبانیں ہی نہیں بلکہ مشرقی زبانیں بھی ہیں - ہمیں اپنے پڑوسیوں (انگریزوں) سے اس باب میں سبق لینا چاہئے —

---

*" فرانسیسی کا خیال ہے کہ سب لوگوں کو چاہئے کہ اس کی زبان سیکھیں خود اس کا یہ فرض ہے کہ سوائے اپنی زبان کے اور کوئی دوسری زبان نہ بولے " (G. P. R. James, the Forgery, chapter 28) —

مسٹر جان میور نے جو مسٹر ڈبلو - میور کے بھائی ھیں، یہ خوب کیا کہ ۴۰ ھزار روپے کی رقم اپنے شہر اڈنبرا کی یونیورسٹی میں سنسکرت ادب اور تقابلی لسانیات کی "چیر" قایم کرنے کے لیے وقف کردی - حکومت کی طرف سے اس رقم میں اور اضافہ کیا جاے گا اور اس طرح یہ ممکن ہوگا کہ سنسکرت کی تعلیم کے پہلو بہ پہلو یہاں اردو کی بھی تعلیم شروع ھو جائے - ھمیں پوری توقع ہے کہ یہ انتظام جلد مکمل ھو جاے گا اور لسانیات کو ترقی دینے کی ایک شکل پیدا ھو جاے گی - یہ علم کیا بہ اعتبار اپنی دلچسپی اور کیا بہ اعتبار اپنے مفید ھونے کے نہایت اھمیت رکھتا ہے - اس سے فلسفۂ تاریخ اور دینیات دونوں مستفید ھو سکتے ھیں - چنانچہ میرے اس دعوے کا اگر آپ ثبوت تلاش کرنا چاھیں تو وہ مکس ملر کے "لکچروں" میں موجود ہے - موسیو سیڈٹ ھلیر نے ان لکچروں کا خلاصہ ھمارے سامنے پیش کیا ہے لسانیات کے متعلق میں اس وقت صرف ضمناً اتنا کہنا چاھتا ھوں کہ ھمارے زمانے کے ماھرین لسانیات نے صرف و نحو کے اعتبار سے زبانوں کو تین خاندانوں میں تقسیم کیا ہے - ایک انفرادی (Monosyllabis) دوسری لاحقی (Agglutinatine) تیسری تصریفی (Amalgamic)

پہلی قسم کے تحت چینی زبان آتی ہے - دوسری قسم کے

تحت ترکی اور دوسری تورانی زبانیں اور تیسری قسم کے تحت آریائی زبانیں آتی ہیں۔ ان میں ایرانی اور انڈو آریائی زبانیں سب شامل ہیں۔ اُردو زبان دوسری اور تیسری قسموں کے تحت آتی ہے اس میں تورانی اور ایرانی عناصر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ صرف و نحو کے اعتبار سے اُردو زبان ایرانی ہے اور الفاظ کے اعتبار سے سامی * —

موسیو دیو پان نے جو انسٹیٹیوٹ کے رکن اور سینٹ کے ممبر ہیں اور ایک فاضل شخص ہیں اپنی کتاب "اقوام کی پیدائشی قوت" میں ہندوستان کے متعلق ایک باب رکھا ہے۔ اس باب کا عنوان "تصویر ہند" ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت ۱۸ کروڑ ۷۰ لاکھ ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان میں تقریباً ۲۰ کروڑ نفوس کے درمیان جو چیز ایک مشترک رشتے کا کام دیتی ہے وہ اردو زبان ہے۔ یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبۂ زمین میں بولی جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ آج یہ بیس کروڑ انسانی نفوس برطانیہ کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس انتظام میں یقیناً مشیئت ایزدی کو دخل ہے۔

* 'گارساں دتاسی' کی اس رائے کو آج ماہرین لسانیات تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن ہمیں یہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جس زمانے میں اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی اس وقت لسانیات کی ابتدا تھی۔ تقریباً ۸۰ سال کی تحقیق نے پرانے نظریوں کو بالکل درہم برہم کر دیا ہے (مترجم)

تیرھواں خطبہ

۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ ع

حضرات !

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اس سال کے خطبے میں میں آپ کے روبرو یہ اعلان بلا تکلف کر سکتا ہوں کہ ہندوستانی ادب دن بدن ترقی پر ہے - میں اپنے اس دعوے کی تائید میں اس سرکاری رپورٹ کو پیش کرتا ہوں جو اس سال ماہ مئی میں شائع ہوئی ہے - اس رپورٹ میں ان زبانوں کے متعلق معلومات ملتی ہیں جن کا سیکھنا سول سروس کے نوجوان ملازموں کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے - خاص کر کے ان کے واسطے جو صوبۂ شمال مغربی ' اودھ یا پنجاب میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں - سول سروس کے امتحان کی ایک کونسل ہے - اس کونسل کے صدر وزیر مالیات سر چارلس تریولین ہیں - اور دوسرے ارکان میں آر - ایم بنرجی اور مولوی عبداللطیف کے نام قابل ذکر ہیں - اس کونسل نے وزیر ہند سر چارلس وڈ کے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ سول سروس کے اُمیدواروں کا ہندوستان کی صرف دو زبانوں یعنی اُردو

اور هندی میں امتحان لینا چاهئیے- ان دو زبانوں کے جاننے سے سول سروس کی ضروریات پوری هو سکتی هیں - اب تک یہ قاعدہ تها کہ صوبۂ شمال مغربی، اودہ اور پنجاب میں جانے والے اُمیدواروں کی هندی اور فارسی میں جانچ هوتی تهی اور بنگال جانے والے اُمیدواروں کا اُردو اور بنگالی میں امتحان لیا جاتا تها —

سر چارلس ٹریولین نے انڈیا آفس میں سرکاری ملازموں کے متعلق جو یہ تجویز کی هے اس سے علوم مشرقیہ کو بہت نفع پہنچے گا - موصوف ان سب لوگوں میں هر دلعزیز هیں جو هندوستان سے محبت رکھتے هیں - موصوف کی تجویز کے موافق سول سروس کے ابتدائی امتحان میں ۱۸ سے لے کر ۲۱ سال کی عمر والے شریک هو سکتے هیں - کامیابی کے بعد انهیں آکسفورڈ یا کیمبرج بهیجا جاتا هے تاکہ وہ دو سال اس علاقے کی زبان کی تحصیل کریں جہاں ان کا تقرر کیا جائے گا - اس علاقے کی زبان کے ساتهہ جہاں ان کا تقرر هوگا هندوستانی لازمی طور پر سب کو سیکهنی هوتی هے - چنانچہ آکسفورڈ اور کیمبرج دونوں یونیورسٹیوں میں هندوستانی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا هے- آکسفورڈ میں کیپٹن جے - چیمبرس اور کیمبرج میں میجر جے - جی سٹیفن هندوستانی پڑهاتے هیں -

فوجی خدمت کرنے والوں کے لئیے ایشیائی زبانوں کے

سیکھنے کے متعلق قواعد زیادہ سخت نہیں ہیں- یہ بھی ممکن ہے کہ فوجی خدمت سے کوئی اپنے تئیں سول میں یا سیاسیات میں منتقل کرالے - لیکن صیغۂ سیاسیات کی خدمت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ ہندوستانی کے سخت امتحان میں کامیابی نہ حاصل کرلی جاے - باوجود اس کے کہ فوج میں بھرتی ہونے سے قبل ہندوستانی زبان کا امتحان ہر اُمیدوار کو دینا ہوتا ہے لیکن اگر وہ فوج سے سیاسیات میں منتقل ہو تو اس وقت پھر اس کا امتحان ہوتا ہے - زبان کے علاوہ اُمیدوار سے ہندوستان کے قوانین' تاریخ اور بالخصوص ان عہدناموں کے متعلق سوالات پوچھے جاتے ہیں جو دیسی رئیسوں کے ساتھہ برطانیہ نے کئے ہیں - وہ افسر جو اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں - انھیں سرکاری طور پر ایک سو اسی روپے دیے جاتے ہیں تاکہ وہ کسی منشی سے خاص طور پر بعد میں سبق لے سکیں * —

سر چارلس ٹریویلین نے ہندوستانی زبان کےلئے انعام مقرر کیا ہے - اس سے بھی ہندوستانی کی اہمیت میں اضافہ ہوگا - یہ انعام پانچ سو روپے کا ہے- یہ انعام اس اُمیدوار کو ملےگا جو اُردو زبان میں حسب ذیل موضوع پر بہترین مضمون لکھے — "یونانی علوم کا بغداد کے عباسی اور قرطبہ کے اموی

* Allen's Indian Mail Nov. 1863.

خلفاء کے زمانہ میں اثر اس کے ساتھہ وہ اثر بھی بتلایا جائے جو عربوں نے قرون مظلمہ کے بعد یورپ کے نشاۃ ثانیہ پر ڈالا ہے - ان باہمی اثرات سے بطور نتیجہ یہ ثابت کیا جائے کہ اب اس وقت پختہ کار اہل یورپ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے میل جول سے کیا حالات مترتب ہوں گے '' —

مضمون یکم اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ ع کو کمیشن کے پتے پر کلکتہ بھیج دینا چاہئے جو خاص طور پر اس مضمون کی جانچ کے لئے نامزد کیا گیا ہے- اس کمیشن میں '' ایڈورڈ بی کاول'' کے علاوہ دو ہندو عالم بھی شامل ہیں- اس ضمن میں میں سر چارلس وڈ کے قول کا نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں - سر چارلس تریولین بھی ان کے ہم خیال ہیں اور میں بھی متعدد مرتبہ انہیں خیالات کا خود اعادہ کر چکا ہوں - لیکن سر چارلس وڈ نے انہیں خیالات کو نہایت خوبی اور واقف کاری کے ساتھہ پیش کیا ہے - وہ کہتے ہیں —

''پٹنہ سے لےکر پیشاور تک سارے شمالی ہند کی زبان ہندوستانی ہے - شہروں میں ، قصبات میں ، گاؤں میں سول اور فوجی مرکزوں میں ، درباروں میں اور سرکاری دفتروں میں ہر کہیں یہ سمجھی جاتی ہے - ہر تعلیم یافتہ شخص اور ادنی سے لے کر اعلی تک سب ہی اسے استعمال کرتے ہیں - جس طرح اطالوی زبان کی اہمیت اٹلی میں ہے یا انگریزی کی انگلستان

میں ہے بس وہی حیثیت ہندوستانی کی شمالی ہند کے وسیع علاقوں میں ہے " —

پھر وہ کہتے ہیں —

" ہندی سے دراصل مراد وہ دہقانی بولیاں ہیں جو شمالی ہند میں بولی جاتی ہیں - سول سروس کے نوجوانوں کو جو ہندی سکھائی جاتی ہے وہ برج کی بھاشا ہے- یہ وہ بولی ہے جو متھرا اور بندرابن کے آس پاس بولی جاتی ہے- ہندی کا پنجابی سے بس اسی قسم کا تعلق ہے جو Somersetshire کی بولی Northumberland کی بولی سے ہے - ان ہندی بولیوں کا (ہندوستانی اردو) سے وہی تعلق ہے جو اصلی انگریزی زبان کا مذکورہ صدر بولیوں سے ہے- ہر کہیں آپ دیکھیں گے کہ گاؤں والے بلا تکلف ہندوستانی میں بات چیت کرتے ہیں - اگر کسی کو ہندوستانی زبان پر پوری قدرت حاصل ہو تو وہ بہت جلد آسانی کے ساتھ ہندوستان کی ہر مقامی بولی کو سیکھہ سکتا ہے " * —

---

* سر چارلس فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی نہ تو دفتری زبان ہی باقی رہی اور نہ لوگ اس میں گفتگو کرتے ہیں اور اب دن بدن اس زبان کے تحصیل کرنے والوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے - موصوف نے یہ بات اس واسطے بیان کی ہے تاکہ وہ اپنے ان ساتھیوں کو قائل کریں جو فارسی زبان کو صوبۂ شمال مغربی کے مدارس میں لازمی قرار دینے کے حق میں ہیں —

مسٹر منٹگمری مارٹن نے اپنی کتاب " مشرقی ہند "
میں اور بھی واضح طور پر یہ بات ثابت کی ہے کہ صوبہ شمال
مغربی کی زبان سوائے ہندوستانی کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔
دہلی، آگرہ، الہ آباد، لاہور اور اودھ کے ملحقہ علاقوں میں
بھی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ ہندی بہار اور صوبہ متوسط
کی زبان ہے، لیکن ہندوستانی اردو یا دکھنی ہندوستان کے
ہر بڑے شہر میں سمجھی جاتی ہے —

اس سے آپ حضرات پر یہ روشن ہوگیا ہوگا، جس کی نسبت
میں بار بار آپ کی توجہ مبذول کرا چکا ہوں، کہ ہندوستانی
زبان ہندوستان میں عام طور پر مروج ہے - گزشتہ سال آپ
کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں " کلکتہ "
کے اس جلسہ کی مثال پیش کی تھی جس میں سر جان پی
گرانٹ کو الوداع کہتے وقت اظہار خلوص و ہمدردی کے
لئے متعدد ہندو مقررین نے ہندوستانی زبان میں تقریریں
کیں نہ کہ بنگالی میں جو صوبۂ بنگال کی زبان ہے - اسی طرح
کلکتہ کے ایک اور جلسہ میں جو اس غرض سے منعقد کیا گیا
تھا کہ انگلستان کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں سے اظہار
ہمدردی کی جائے، مختلف مقررین نے ہندوستانی میں
تقریریں کیں - فرینڈ آف انڈیا (Friend of India) میں اس
کا ذکر ہے کہ راجہ نرائن سنگھ نے اس جلسہ میں تجاویز کی

تائید اردو زبان میں کی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں انگلستان کی اس فیاضی کا ذکر کیا جو ہندوستان میں قحط کے موقع پر ظاہر ہو چکی ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ اب ہماری باری ہے کہ ہم اپنے محسنوں کی اعانت کے لئے اٹھیں جنھوں نے اپنی فیاضی سے مصائب و خطرات سے نجات دلائی۔ اگر اس وقت ہم کچھ کریں تو یہ کوئی بڑا احسان نہ ہوگا بلکہ ہمارا ایسا کرنا اس فرض کی ادائی ہوگی جو ہم پر واجب ہے۔ ہمارے اور انگلستان کے تعلق میں اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جو ہم پر اس قوم نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک مسلم بات ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت رفع کرنا اور اس کی اعانت کرنا ہر صاحب مقدور کا فرض ہے —

اس جلسہ میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب نے شرکت کی اور ہر شخص جذبۂ خدمت سے متاثر تھا۔ بقول شاعر پوپ

”مذہب و نجات کے معاملے میں ہر کوئی اختلاف رکھتا ہے لیکن صرف ہمدردی ہی ایسی چیز ہے جو ساری دنیا کو متحد کر دیتی ہے“۔

شہزادہ ویلز کی شادی کے موقع پر ہندوستان میں ہر جگہ جلسے منعقد ہوئے اور ان میں ہندوستانی زبان میں تقریریں کی گئیں۔ ۱۸ مئی کو کلکتہ میں ایک جلسہ ہوا جس میں منشی امیر علی نے اردو میں نہایت فصیح و بلیغ

تقریر کی۔ مقامی اخباروں میں اس تقریر کا انگریزی ترجمہ شایع ہو چکا ہے - اس جلسہ میں شہزادہ اور ان کی بیوی کے لئے ایک تحفہ پیش کرنے کی تجویز منظور ہوئی —

اس بات کا ایک مزید ثبوت کہ ہندوستانی ہندوستان کی مروجہ زبان ہے، ہمیں اس سے ملتا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے ہندوستان میں یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ اگر کسی رجمنٹ میں ترجمان (Interpret) کی ضرورت ہو تو اس افسر کو یہ خدمت دی جاسکتی ہے جس نے صرف ہندوستانی زبان میں امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے- لیکن یہ ایسی صورت میں ہوگا جب کہ اور کوئی بہتر شخص نہ ملے جو ہندوستان کی سب زبانیں جانتا ہو - تاہم اس سے آپ کو ہندوستانی زبان کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے —

ہندوستان کے سکوں پر ان کی قیمت لکھنے کا جب مسئلہ درپیش تھا تو یہ فیصلہ ہوا کہ ہندی اور اُردو حروف میں اسے لکھنا چاہئے - یہ سکے ہندوستان کے سب صوبوں میں استعمال کئے جاتے ہیں —

ہندوستانی صرف ہندوستان ہی میں نہیں بولی جاتی ہے - مشرق قریب کے بندرگاہوں اور افریقہ کے ساحل پر بھی لوگ اس زبان کو استعمال کرتے ہیں- مسٹر شیفر نے، جو شاہ المانیہ کے خاص ترجمان (interpret) تھے اس زبان کو

عدن میں سنا اور مسٹر ژول اپیر نے جو ہمارے انسٹیٹیوٹ کے معزز رکن ہیں اس زبان کو بصرہ میں بولتے سنا - میں نے تجارتی سامان کی رسید دیکھی جو بندرگاہ لاموپر زنجبار کے قریب جہاز پر لادا گیا تھا اور عدن بھیجا گیا - یہ رسید ناگری رسم خط میں تھی جو عام طور پر بنئے لوگ اپنی خط و کتابت میں استعمال کرتے ہیں - میں نے حال ہی میں رنگون ٹائمز میں ایک انگریزی مشن کا ذکر پڑھا جو آوا کرنیل پیر کے زیر سرکردگی گیا تھا - یہ مشن تجارتی معاہدے کی غرض سے بھیجا گیا تھا - چنانچہ راجہ کے لڑکے نے اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار ہندوستانی زبان میں کیا اس واسطے کہ اسے انگریزی نہیں آتی تھی * —

سول سروس کے امتحان کے لئے حسب ذیل ہندوستانی کی کتابیں نصاب میں رکھی گئی ہیں : انتخابات باغ و بہار؛ اخوان الصفا ؛ سیر المتاخرین - آخر الذکر کتاب میں عہد مغل کے زوال اور انگریزی حکومت کی ابتدا کا حال ہے - اس کتاب کا مصنف ایک مشہور مسلمان ہے جو ذاتی طور پر کلایو ، وارن ہیسٹینگز اور دوسرے انگریزی اعیان حکومت سے واقف تھا - اس کتاب کی زبان نہایت سلیس ہے —

ہندی کے نصاب میں حسب ذیل کتابیں رکھی گئی ہیں :

---

* انڈین میل جون سنہ ۱۸۶۳ -

انتخاب پریم ساگر، سنگھاسن بتیسی، اور شاید راج نتی اور کالی داس کی راماین۔ میں نے یہ معلومات مولوی عبداللطیف سے حاصل کی ہیں —

ان کتابوں کے علاوہ خطوط، سرکاری دستاویزیں، عرضداشتیں، احکام اور تعزیرات ہند کے اقتباسات بھی سول سروس کے اُمیدواروں کو پڑھنے ہوتے ہیں —

سنہ ۱۸۶۲ ع میں ہندوستان میں دیسی مطابع نے مختلف قسم کی چھہ سو کتابیں طبع کیں اور بارہ نئے رسائل و اخبارات جاری ہوے *۔ ہندوستانی مطابع کی اہمیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکومت بنگال نے کلکتہ میں ایک سرکاری رپورٹ کنندہ مقرر کیا ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ ارباب حکومت کو عوام الناس کے خیالات سے ہفتہ وار اطلاع دے تاکہ حکام کو اپنی رعایا کی خواہشات اور ان کی ضرورتوں کا علم ہوتا رہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رپورٹ کنندہ کی حیثیت 'سنسر' کی ہے۔ اس کے ساتھ ایک پنڈت اور ایک مولوی کام کرتا ہے —

کلکتہ سے لے کر پیشاور تک آپ شمالی ہند کے کسی بڑے شہر

---

* سرکاری رپورٹ کے مطابق سنہ ۱۸۵۸ ع میں صرف صوبۂ شمال مغربی میں اردو ہندی کے ملاکر ۲۲ اخبارات تھے۔ ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو ہفتہ وار شائع ہوتے تھے

میں جائیے ہر جگہ لیتھو گرافی پریس دکھائی دیں گے۔ مجھے اس کی اطلاع ملی ہے کہ سنہ ۱۸۵۹ ع میں صرف شہر کلکتہ میں بیس مطابع تھے * —

گذشتہ سال میں نے پنجاب کے دو اخبارات کا ذکر کیا تھا - اس وقت میرے پاس ان کے نمونے پہنچ گئے ہیں - آپ کو یاد ہوگا یہ دو اخبار " سرکاری اخبار " اور " مذہب رعایا " ہیں - اول الذکر کا جس جگہ نام لکھا جاتا ہے اس کے اوپر برطانیہ عظمیٰ کے آلات حرب کا طغرہ موجود ہے - یہ اخبار لاہور میں سرکاری لیتھو پریس میں چھپتا ہے - یہ رسالے کے طور پر چھوٹی تقطیع میں طبع ہوتا ہے - ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں - پنڈت اجودھیا پرشاد اس کے اڈیٹر ہیں جو متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں - یہ ہر مہینے کی پہلی کو نکلتا ہے - اس بات کو بھی خاص طور پر لکھا جاتا ہے کہ اس رسالے کے کاتب کا نام محمد علی خطاط ہے - پہلی اکتوبر کے نمبر میں دوسری چیزوں کے علاوہ 'راولپنڈی' کے نارمل اسکول کے نتائج امتحان سہ ماہی ۱۸۶۲ ع درج ہیں - پہلی نومبر کی اشاعت میں ملتان کے اسکول کے افتتاح کا حال لکھا ہے - یہ رسم ۲۴ اکتوبر کو منائی گئی تھی - اس کے تکمے

* اس کی Selections from the Records of Bengal Govt., 23 فہرست میں ملے گی -

کے طور پر ایک اور اخبار شائع ہوتا ہے جس کا نام ہی "تتمۂ سرکاری اخبار" ہے - اسے صوبۂ پنجاب کا پولیس گزٹ سمجھنا چاہئے —

'مذہب رعایا' مہینے میں دو بار نکلتا ہے - مجھے اس اخبار کا ایک نمبر ملا ہے جو ۲۸ فروری سنہ حال کا ہے - یہ بھی چھوٹی تقطیع میں دو کالم پر چھپتا ہے - یہ لیتھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھپتا ہے - جہاں تک کہ اخبارات کا تعلق ہے ایسی مثال ہندوستان میں اور نہیں ملے گی - ٹائپ میں نسخ رسم خط استعمال ہوتا ہے - ہندوستان میں نسخ کا مطلق رواج نہیں- نستعلیق عام طور پر مروج ہے - اس اخبار کے سر ورق پر ایک شعر ہوتا ہے * اس اخبار کے مدیر کا نام جواہر لال ہے - ان کا نام شاید آپ پہلے بھی سن چکے ہیں - یہ اخبار مطبع صدرالعلم میں بمقام اٹاوہ طبع ہوتا ہے —

ہندوستانی کے جو جدید اخبار نکلنا شروع ہوئے ہیں ان میں سے میں آپ کی توجہ "خیر خواہ خلق" کی جانب مبذول کراتا ہوں - یہ اس اخبار سے علحدہ ہے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں یعنی "خیر خواہ خلائق" اور جو اجمیر سے

* یہاں فرانسیسی میں شعر کا مطلب دیا ہے کہ معنف سے آدمی ادنی درجہ سے اعلی درجہ پر پہنچ سکتا ہے —

نکلتا ھے - " خیر خواہ خلق " مہینہ میں دو مرتبہ آگرہ میں سکندرہ کے چھاپے خانہ سے شائع ھوتا ھے- یہ چھوٹی تقطیع میں صرف ایک ورق پر دو کالم میں چھپتا ھے - یہ بالکل مذھبی قسم کا اخبار ھے - اس کا مقصد دین مسیح کی نشر و اشاعت ھے - اس کے سر ورق پر یہ الفاظ لکھے رھتے ھیں —

" خدا کا خوف دانائی کی ابتدا ھے اور مذھبی آدمی کے نزدیک علم اور احتیاط ھم معنی ھیں " - سیاسی خبروں کے علاوہ اس میں مذھبی ' تاریخی ' علمی اور ادبی مضامین ھوتے ھیں اور کبھی کبھی لیتھو میں تصاویر بھی ھوتی ھیں - ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ ع کے تتمے میں بڑے دن کے درخت کی ایک تصویر دی ھے اور اس کا مطلب سمجھایا ھے —

ایک اخبار " لوک متر " ھے - یہ ھندی کا رسالہ ھے اور دیوناگری رسم خط میں شائع ھوتا ھے - اور آگرہ میں سکندرہ کے مطبع میں چھپتا ھے جہاں " خیر خواہ خلق " چھپتا ھے - یہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۶۳ ع سے نکلنا شروع ھوا ھے - چھوٹی تقطیع میں دو کالم پر ھوتا ھے - یہ رسالہ ماھانہ ھے - اس رسالہ کا مقصد وھی ھے جو " خیر خواہ خلق " کا - ایک ھندوؤں میں اور دوسرا مسلمانوں میں مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے شائع کیا گیا ھے - اس کے مدیر کا نام پردۂ خفا میں ھے - لیکن اس کے مضامین کے معیار اور

سنسکرت دوھوں اور ھندی چوپائیوں کے حوالے سے معلوم ھوتا ھے کہ یقیناً وہ کوئی ھندو عالم ھوں گے جنھوں نے مسیحی دین قبول کر لیا ھے --

مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں پہنچی کہ آیا اس سال کلکتہ سے کوئی نیا اخبار یا رسالہ شائع ھوا یا نہیں ؟ - گزشتہ سال تو چار اردو کے اخبار وھاں سے نکلتے تھے ---

اب ھم اخبار و رسائل کے علاوہ اور دوسرے ادبی مشاغل کی نسبت کچھہ کہنا چاھتے ھیں - ایک مشہور کتاب جو حال میں شائع ھوئی ھے انجیل مقدس کی شرح ھے * - یہ سید احمد صدر امین غازی پور کی تصنیف ھے - موصوف اس وقت اردو زبان کے اعلیٰ ترین انشا پردازوں میں ھیں اور میں نے انھیں کی کتاب " آثار الصنادید " کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ھے - موصوف آج کل مذھبی مباحث میں مصروف ھیں - غالباً چند سال قبل وہ ایسا نہ کر سکتے اس واسطے کہ بادشاہ دھلی نے اپنی رعایا کو ممانعت کر دی تھی کہ وہ عیسائی مشنری لوگوں سے کسی قسم کا بحث مباحثہ نہ کریں † - گزشتہ سال میں نے تذکرتاً کہا تھا کہ عنقریب یہ کتاب نکلنے

---

* Mohomedan Commentary of the holy Bible, Gazipur, 1278 H, 1862.

† Friend of India

والی ہے۔ اس کا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے۔ مصنف نے از راہ عنایت یہ حصہ مجھے ارسال فرمایا ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں۔ اس کتاب کا اصلی نام تبئین الکلام فی تفسیر التوریت والانجیل علی ملۃالاسلام" ہے۔

میں سمجھتا ہوں آپ کے لیے اس کتاب کے سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ میں اس کے چند اقتباسات اس وقت آپ صاحبوں کے سامنے پیش کروں + ۔

اس کتاب کا یہ پہلا حصہ شہر غازی پور میں مصنف کے خاص ذاتی مطبع میں چھپا ہے۔ اور موصوف نے خود اس کے سارے اخراجات برداشت کئے ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ بھی ہے۔ یہ حصہ دراصل تمہید کے طور پر ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پوری کتاب کی وسعت کیا ہوگی۔ سید احمد کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی معلومات گہری ہیں اور انہیں صرف قرآن اور توریت و انجیل ہی پر کافی عبور نہیں ہے بلکہ دوسری مشرقی تصانیف سے بھی وہ پورے طور پر واقف معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر تعجب اس امر پر ہے کہ موصوف نے یوروپین تصانیف سے بھی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے جگہ جگہ

+ اس جگہ اقتباسات کا فرانسیسی ترجمہ ہے ---

پر حوالے دیئے ہیں - یہ کتاب وسیع مطالعے اور تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے - مجھے زیادہ تر خوشی اس بات سے ہے کہ یہ کتاب اس زبان میں ہے جس کی تعلیم یہاں میرے ذمہ ہے - میرا تو خیال یہ ہے کہ اس قسم کے مطالب شاید پہلی مرتبہ کسی مسلمان نے اردو میں فکر و تحقیق کے ساتھہ پیش کئے ہیں - غالباً یہ کہنا بڑی غلط نہ ہوگا کہ شاید ہی مشرق کی کسی زبان میں اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے اس نوعیت کے مطالب کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہو —

اس پہلی جلد میں دس ابواب ہیں- پہلے باب میں انبیاء کے مشن اور انسانیت کے لئے ان کی ضرورت کو ثابت کیا ہے - دوسرے باب میں وحی اور کلام الٰہی کی اصلیت بتائی ہے - سید احمد اپنی بحث میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انجیل مقدس میں تعلیم وحی حضرت مسیح کی زبان سے ادا کی گئی ہے —

تیسرے باب میں توریت، صحف الانبیاء، زبور اور انجیل کے متعلق اظہار خیال ہے- چوتھے باب میں ان آسمانی کتابوں کی نسبت جو مسلمانوں کے عقاید ہیں انہیں بیان کیا ہے - پانچویں باب میں ان آسمانی کتابوں سے بحث کی ہے جو بائیبل میں شامل ہیں- اس باب میں ان سب مقدس کتابوں کی صحیح فہرست درج ہے جن میں سے بعض کو مسیحی کلیسا

تسلیم کرتا ھے اور بعض کو ماننے سے انکار کرتا ھے - اس فہرست میں بعض کتابیں ایسی ھیں جنھیں مسیحی کلیسا " گم شدہ " یا جعلی بتاتا ھے - مصنف نے ان کتابوں میں سے ہر ایک کی نسبت جو رائے ظاھر کی ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ انھوں نے ان مسائل پر کافی غور و فکر کیا ھے —

چھٹے باب میں سید احمد نے مسلمانوں کے اس طریقۂ تحقیق کا ذکر کیا ھے جو وہ آسمانی کتابوں کی صداقت پرکھنے کے لئے استعمال کرتے ھیں - وہ طریقہ یہ ھے کہ ھمیں باوثوق لوگوں کے ایک سلسلہ کا علم ھونا چاھئے جن کا تعلق صاحب کتاب کی ذات تک پہنچتا ھو - چنانچہ سید احمد نے خود اپنی مثال اس موقع پر دی ھے - وہ کہتے ھیں کہ ۲۸ مشہور اور باوثوق اشخاص کے سلسلے کے توسط سے اُن تک قرآن کریم رسول اللہ (صلعم) سے پہنچا ھے —

ساتویں باب میں ان تصرفات کا ذکر ھے جو انجیل و توریت میں ھوئے ھیں - یہ خیال عام طور پر مسلمانوں میں رائج چلا آتا ھے - دراصل مصنف نے نہایت صفائی اور ھوشیاری سے اس نازک مسئلے پر بحث کی ھے - اس باب کے پڑھنے سے ان کے علمی تبحر کا پتا چلتا ھے - مصنف نے آٹھ قسم کے تصرفات کا ذکر کیا ھے اور ان سبھوں کو مثالوں کے ذریعہ سے واضح کیا ھے - پھر اس کے بعد انجیل مقدس کی مختلف کتابوں کے قدیم

قلمی نسخوں پر موورخانہ تبصرہ کیا ہے اور ہر محل تفصیل سے اپنے مطالب کی تشریح کی ہے —

آٹھویں باب میں سید احمد نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ آیا انجیل مقدس کی مختلف کتابیں اصلی وحی کی تعلیم کے مطابق ہیں یا یہ کہ ان میں بعد میں تصرفات ہوئے ہیں - چنانچہ مصنف نے اس مسئلے کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ وہی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے -

نویں باب میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان لوگ انجیل مقدس کے ترجموں کو کس حد تک صحیح سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اعتماد کر سکتے ہیں - میرے خیال میں یہ باب اس کتاب میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے- شروع میں مصنف نے کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی دشواریوں پر عام افکار پیش کئے ہیں اور پھر اس کے بعد انجیل مقدس کے ان ترجموں پر پوری غیر جانبداری کے ساتھ تبصرہ کیا ہے جو مشرق اور مغرب میں اب تک کئے گئے ہیں - اسی ضمن میں ان ترجموں کا بھی ذکر آگیا ہے جو مختلف انجمن ہائے اشاعت انجیل کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں - مثلاً ان عبرانی اور عرب ترجموں کا بھی ذکر ہے جو میرے استاد سلوسٹر دے ساسی (Silvestre de Sacy) نے اور میں نے اصلی قدیم نسخوں سے مقابلے کے بعد شائع کرائے ہیں- اس کے علاوہ مصنف نے ان سب

هندوستانی ' فارسی ' عربی اور انگریزی ترجموں کا ذکر کیا هے جو ان تک پہنچ سکے - اس باب کو لکھتے وقت مصنف کے پاس ۱۸ زبانوں کے ترجمے اور دو قلمی نسخے موجود تھے - ان قلمی نسخوں میں ایک عبرانی زبور کا تھا جس کا Mazni نے عربی ترجمه بھی کیا هے - غالباً یه نسخه سولھویں یا سترھویں صدی عیسوی کا لکھا هوا هے - اس میں اور عام ' زبور ' میں اختلافات بھی پائے جاتے هیں - دوسرا قلمی نسخه چاروں Evangiles پر مشتمل هے اور عربی زبان میں هے - یه روم کے سنه ۱۱۷۱ ع والے ایڈیشن سے ملتا جلتا هے اور میرے خیال میں غالباً اس کی نقل هے - اس باب کے آخر میں لسانی خاندان کے اعتبار سے ان زبانوں کا نقشه دیا هے جن میں انجیل مقدس کا ترجمه شائع هوچکا هے یا عنقریب هونے والا هے - یه نقشه " Bible of every land " سے نقل کیا هے - السنه کی جو تقسیم اس موقع پر کی هے وه بجائے خود علمی دلچسپی سے خالی نهیں —

دسویں باب میں' جو اس کتاب کا آخری باب هے ' مصنف نے اُن اسلامی احکام کا ذکر کیا هے جن سے قدیم آسمانی کتب کے بعض حصے منسوخ هوگئے هیں - آخر میں دو ضمیمے هیں پہلے ضمیمے میں ان مشہور واقعات کی تاریخیں درج هیں جن کا انجیل مقدس میں ذکر آیا هے - یه تاریخیں نامور انگریز

عالم دیلہات یوشر (Usher) کے حوالے سے لی گئی ھیں دوسرے ضمیمے میں تیرہ سو ھجری (مطابق ۱۸۸۲ عیسوی) تک سن ھجری اور سن عیسوی کی مطابقت قائم کی ھے ۱۳۰۰ ھجری تک اس واسطے کہ عام طور پر مسلمانوں کا عقیدہ ھے کہ اس سال کے بعد جو عہد آے گا وہ دنیا کا آخری عہد ھوگا۔

غرض کہ مصنف نے اپنی کتاب کی اس تمہید میں ذاتی اپج اور اجتہاد سے کام لیا ھے - نہ صرف مسلمانوں بلکہ خود عیسائیوں کے لئے اس میں بعض باتیں نئی اور سبق آموز ھیں۔ یہ کتاب یقیناً انجیل کی ایک نہایت مکمل شرح ھوگی۔ تمہید کے پڑھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ مصنف کو ھماری مقدس کتب پر پورا عبور حاصل ھے اور ان کی نظر سب ضروری معلومات پر پوری طرح حاوی ھے - اس کتاب میں وہ معلومات جو ھمیں مختلف جگہ جستہ جستہ ملتی ھیں، ایک جگہ اکٹھا مل جائیں گی - ھاں، ساتھ ھی ھمیں یہ امر فراموش نہ کرنا چاھئے کہ مصنف ایک مسلمان ھے - اور قرائن سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کا مقصد یہ ھے کہ مسیحی اور اسلامی تعالیم میں میل پیدا کرے - لیکن مجھے اندیشہ ھے کہ غالباً اس کے ھم مذھب لوگ اس کی رواداری کی باتوں کو بری نظر سے دیکھیں گے - دوسری جانب عیسائی لوگ غالباً کبھی اس بات کی صداقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ قرآن بھی

ایک آسمانی کتاب ہے - ہوگا یہ کہ مسلمان کفر کے فتوے دیں گے اور عیسائی مصنف ان کے علمی اور صلح پسندانہ خیالات کے ساتھ اتفاق کرنے سے انکار کریں گے - خیر ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ دوسرے لوگ اس کتاب کو کس نظر سے دیکھیں گے - ہماری اپنی راے یہ ہے کہ مصنف نے یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی علمی خدمت کی ہے - اس کتاب کے پڑھنے سے مصنف کی روادارانہ ذہنیت کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے - موصوف اپنے مذہب اسلام پر قائم رہنے کے ساتھ ساتھ اسلامی عقاید کی جس قدر بھی مسیحی تاویل ممکن ہے کرنے پر آمادہ ہیں - جہاں کہیں وہ حضرت مسیح کا ذکر کرتے ہیں تو بالکل اسی طرح کرتے ہیں جیسے کوئی عیسائی کرے گا - اس کتاب میں جگہ جگہ آپ کو ''حضرت عیسیٰ'' 'سیدنا عیسیٰ '' کے الفاظ ملیں گے - خود قرآن میں بھی حضرت مسیح کے لئے ''روح اللہ '' کا لفظ استعمال ہوا ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ موجود ہے جو انجیل مقدس کو پڑھتا ہے اور اس کی تعلیمات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - انجیل کی متعدد کتابوں کے اردو میں ترجمے موجود ہیں - آج کل ڈاکٹر ماتھر مرزا پور میں ایک مکمل ایڈیشن فارسی رسم خط میں تیار کر رہے ہیں- موصوف نے لاطینی حروف میں سنہ ۱۸۶۰ ع میں اس ترجمے کو شائع

کیا ھے - لیکن اب مزید اصلاحات کے بعد وہ یہ دوسرا ایڈیشن تیار کر رھے ھیں جو لندن والے ایڈیشن کی طرح "انجمن اشاعت انجیل برطانیہ و ممالک غیر" کی طرف سے شائع ھوگا- حال میں صوبۂ شمال مغربی کے مشنریوں نے یہ تجویز منظور کی ھے کہ اُردو زبان میں انجیل کا ایک ایسا ترجمہ تیار کرنا چاھیئے جو تمام ھندوستان میں بے چون و چرا تسلیم کیا جاے- مجھے اس میں ذرا شبہ ھے کہ آیا یہ تجویز عنقریب عمل میں آسکے گی —

حال میں جن مصنفین کی نئی مطبوعات شائع ھوئی ھیں ان میں مولوی کریم الدین کا نام سب سے پہلے قابل ذکر ھے میں سمجھتا ھوں آپ سب ان کے نام سے واقف ھوں گے - موصوف نے اس سال چھہ تصانیف شائع کی ھیں - لاھور کے مسٹر رابرٹ کسٹ' کی عنایت کی بدولت یہ سب میرے پاس بھیجی گئی ھیں —

پہلی کتاب "تسہیل القواعد" اُردو زبان کی ھے یہ صرف و نحو کی کتاب نئے طریقہ پر لکھی گئی ھے اور پنجاب کے مدارس میں رائج ھے - یہ کتاب اسی نوعیت کی ھے جیسے میری کتاب "ھندوستانی زبان کے مبادیات" ھے - آپ کو معلوم ھوگا کہ میں نے حال ھی میں اس کا ایک نیا ایڈیشن نکالا ھے-

دوسری کتاب "کریم اللغات" ھے - اس میں عربی اور

فارسی الفاظ کے اردو میں معنی دیے ہیں - یہ کتاب پنڈت اجودھیا پرشاد کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے —

تیسری کتاب "انشاے اُردو" ہے - اس کے چار حصے ہیں- پہلے حصے میں خط نویسی کے نمونے دیے ہیں جو بزرگ اور خرد ' خرد اور بزرگ اور ہم عمر اور ہم مرتبہ لوگوں کے درمیان ہونی چاہئے - دوسرے حصے میں عرائض نویسی کے نمونے ہیں - تیسرے حصے میں دفاتر اور عدالتوں کے خطوط کے نمونے ہیں- چوتھے حصے میں کاروباری خطوط کے نمونے ہیں —

اس کتاب میں سب ضروری معلومات خط و کتابت کے متعلق موجود ہیں - عمر' رشتے' اور رتبے کے لحاظ سے جو القاب و آداب ہندوستانی میں استعمال ہوتے ہیں وہ سب اس کتاب میں مصنف نے جمع کر دیے ہیں * دوستوں کو لکھنے کے جو آداب ہیں وہ بھی سب بیان کئے ہیں اس کے علاوہ شیخ ' سید ' خان ' مغل ' منشی ' پنڈت اور سرکاری ملازموں کے القاب و آداب ہیں —

اسی قسم کی ایک کتاب ہندی میں بھی لاهور سے شائع ہوئی ہے - اس کا نام پتر ملک ہے —

ایک اور کتاب "پند سود مند" لاهور سے منشی محمد عظیم کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے اس میں قدیم اور جدید

---

* یہاں القاب و آداب کے فرانسیسی ترجمے دیے ہیں -

مصنفوں کے ڈیڑھ سو مقولے نقل کئے گئے ہیں۔ ان ڈیڑھ سو میں سو وہ نصائح ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ہندوستانی میں جو مقولے مروج ہیں وہ عام طور پر کہاوتیں ہیں ―

لاہور سے ایک اور کتاب نکلی ہے جس کا نام "خط تقدیر" ہے۔ یہ کتاب اخلاق پر ہے اگرچہ نثر میں ہے لیکن جابجا اشعار بھی ہیں۔ اس کتاب کے سرورق پر ایک شعر بطور طغریٰ لکھا ہوا ہے ―

مولوی کریم الدین نے فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دیوان حافظ کا ایک انتخاب شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے "سعدی" کا دیوان مع اس کی سوانح کے طبع کرایا ہے۔ یہ واضح رہے کہ "دیوان سعدی" کے کلکتہ والے ایڈیشن کے نسخے اب کم یاب ہوگئے ہیں اور اس کے اصل قلمی نسخے تو بالکل ہی نایاب ہیں ―

ہندوستانی کی اور کتابیں جو مجھے بھیجی گئی ہیں ان میں سنہ ۱۸۶۳ع کی ایک جنتری ہے۔ پنڈت سورج بھان نے اس کو لاہور سے شائع کیا ہے۔ پنڈت جی ہندوستانی کے مشہور انشاپردازوں میں ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس جنتری میں بہت مفید معلومات درج ہیں۔ شروع میں اکیس کالموں میں ہندوستان کے مروج عہدوں کے مطابق ہر ماہ کے دنوں کا حساب ہے۔ پھر چاند کے دن کا حساب، دنوں کا

مختلف موسموں میں طول، سورج اور چاند کے مختلف مہینوں میں طلوع ہونے کے اوقات وغیرہ درج ہیں - ہر مہینے کو دو صفحوں پر ختم کیا ہے - پہلے صفحے پر مذکورہ تفصیلات ملتی ہیں اور دوسرے پر خاص خاص دنوں کا حال ہے - پھر مسیحی، اسلامی، فصلی، یزدجردی سنین اور نوروز، سمت وغیرہ کے متعلق معلومات جمع کی ہیں - چاند کی گردش، منحوس ایام، مدارات کی تقسیم، اوقات کا تعین، ہوا کے رخوں کی پہچان، اندھیری کے پندرہ دنوں (بدی) اور چاندنی کے پندرہ دنوں (سدی) کے متعلق تفصیل ہے - منطقۃ البروج کی علامات اور ان کے سب نام فارسی اور دیو ناگری رسم الخط میں ہیں - ہاتھ دیکھ کر آئندہ کے متعلق پیشین گوئی کرنے کے طریقے، وبا، اندھے پن اور زہریلے جانوروں کے کاٹنے کے علاج بھی بتائے ہیں —

میں تعزیرات کے ہندوستانی ترجمہ کی نسبت ذکر کر چکا ہوں - یہ کام مولوی عبداللطیف خاں نے انجام دیا جن کا ذکر آچکا ہے - موصوف نے آر - کسٹ کی ایک کتاب "کلیج سوالات قانون فوجداری" کے نام سے ترجمہ کیا ہے - یہ کتاب نہایت مفید ہے - اس کے علاوہ "پنجاب کا قانون دیوانی" "رہنمائے مجسٹریٹ" بھی قابل ذکر ہیں - آخر الذکر اسکپ وک (Skipwick) کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے - اس قسم کی

اور بھی چند کتابیں شائع ہوئی ہیں سنہ ۶۲ - ۱۸۶۱ء کی پنجاب کے نظم و نسق کی رپورٹ ہے - پنڈت اجودھیا پرشاد نے اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے - یہ رپورٹ ان لوگوں کےلئے اہمیت رکھتی ہےجو اس صوبے کے حالات سے ٹھیک ٹھیک واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں - کیپٹن فلر نے اس صوبے کی تعلیمی رپورٹ انگریزی میں پیش کی تھی - اس کا بھی اردو ترجمہ لالہ رام جس نے کیا ہے - اور دوسرے بعض رسالے قابل ذکرہیں جیسے " دستور العمل مدارس تعلیم المعلمین" "رسالۂ نظام شمسی" وغیرہ - "حقایق الموجودات کا (جسے چھوٹی سی دائرۃ المعارف سمجھنا چاہئے) ہندی میں ترجمہ ہو گیا ہے " جامع اللغات" سمندر اور دریاؤں کا نقشہ : رسالہ چھاپا —

نئی کتابوں میں عبدالواسع ہانسوی اور دیوی پرشاد کی فارسی کی صرف و نحو قابل ذکر ہے - آخر الذکر ایک مشہور ہندو عالم ہیں - - بریلی کالج کے قدیم طالب علم ہیں - آج کل ضلع فرخ آباد میں انسپکٹر مدارس ہیں - موصوف نے ضلع فرخ آباد کی اردو میں تاریخ لکھی ہے اور ایک کتاب " مظہر قدرت " لکھی ہے جس میں مذہبی مسائل سے بحث کی ہے - موصوف نے حال ہی میں صرف و نحو کے علاوہ ایک لغت بھی لکھا ہے جس میں مختلف السنہ مثلاً ' اردو ' ہندی ' فارسی ' عربی ' بنگالی اور انگریزی کے الفاظ کے معنی ہیں اور ساتھ

ھی ان الفاظ کی مشق کے لئے مثالیں بھی دی ھیں —

مجھے حال میں دو ھندی کتابوں کا حال معلوم ہوا ھے جن کے متعلق ذکر کرنا شاید آپ صاحبوں کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ھوگا - ایک " بھکتی بودک " ھے اور دوسری "سھسرا رتری سنکشیپ " ھے - اول الذکر میں سو مذھبی قصے ھیں - انھیں " چے پارسنز " نے ایک جگہ جمع کیا ھے - دوسری کتاب بنگالی کا ترجمہ ھے - یہ ترجمہ پنڈت بدری لال نے کیا ھے - موصوف ھندی کی متعدد کتابوں کے مصنف ھیں —

اس سال پہلی جنوری کو گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے نئی مطبوعات کی جو فہرست شائع ھوئی ھے اس میں بعض کتابیں قابل ذکر ھیں - اس ضمن میں آپ صاحبوں کو یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ھوں کہ اگرچہ صوبۂ پنجاب میں پنجابی بولی جاتی ھے لیکن سرکاری دفتروں اور مدارس میں ھندوستانی (اردو اور ھندی) استعمال ھوتی ھے —

اس فہرست کی بعض کتابیں یہ ھیں " جغرافیۂ جہاں " " جام جہاں نما " " تاریخ عالم " " تاریخ اودہ " " تاریخ گوشۂ پنجاب "

میں نے جن کتابوں کے ابھی نام لئے ھیں ان میں تقریباً سب انگریزی زبان سے ترجمہ کی گئی ھیں - دراصل یورپین لوگوں کے لیے یہ بات باعث فخر ھونی چاھئے کہ ان کی

کتابیں ہندوستان میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ان کے ترجمے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ 'ولسن' نے رگ وید پر جو تمہید لکھی تھی اس کا شیوپرشاد نے ہندی میں ترجمہ کر دیا ہے - موصوف اس زمانہ کے مشہور انشا پردازوں میں ہیں اور تیس کتابوں کے مصنف ہیں - وہ ہندی اور اردو دونوں میں لکھتے ہیں - انھوں نے سکھوں کے عروج و زوال کی تاریخ اور منو کے قوانین پر قلم فرسائی کی ہے - اس کے علاوہ سنسکرت اور انگریزی زبان سے متعدد ترجمے کیے ہیں - اس سال اور جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی فہرست یہ ہے - "کورس اردو" "پند نامۂ عیال داراں" "مفتاح القواعد" "کلید گنج مال" "زبدۃ الحساب" اور "ہدایت نامۂ جاگیر داراں" -

میں نے آپ صاحبوں کے سامنے جن مطبوعات کا ذکر کیا ہے اس سے آپ پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ ان کی بدولت اہل ہند میں تعلیم کا چرچا بڑھتا جا رہا ہے اور دن بدن مغربی علوم میں اہل ہند ترقی کر رہے ہیں - یہ بات قابل افسوس ہے کہ اب تک بہت کم ہندوستانی اپنی تعلیمی تکمیل کی غرض سے یورپ آئے ہیں- اس میں مسلمانوں کے لیے تو کوئی دشواری نہیں ہے لیکن ہندوؤں کے لیے ولایت آنا بے دین ہونے کے مرادف سمجھا جاتا ہے- باوجود اس کے بعض ہندو ہمت کر کے

سمندر پار آئے ہیں- مثلاً مہی پت رام روپ رام * ہیں جنھوں نے ذات باہر ہونے کے خطرے کی مطلق پروا نہیں کی اسی طرح کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج کے ایک طالبعلم بابو ستندرا ناتھہ ٹگور بھی انگلستان تعلیم کی غرض سے آئے اور سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہوکر واپس گئے - موصوف آج کل بمبئی میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ پر مامور ہیں -

ہندوستان بھر میں اس وقت تین یونیورسٹیاں ہیں - ایک کلکتہ میں دوسری بمبئی میں اور تیسری مدراس میں - ان یونیورسٹیوں کے انتظامات نہایت عمدہ ہیں اور ان میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد تعلیم پا رہی ہے - کلکتہ یونیورسٹی کو قائم ہوئے اب چھہ سال ہوئے ہیں- اس دوران میں ۲۲۵ طلبہ کا یونیورسٹی ڈگری کے لیے داخلہ ہوا ہے - گزشتہ دو سال میں تقریباً دو سو طالبعلم ایف - اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے - ان کے علاوہ ۸۹ نے ڈگری حاصل کی ' مخصوص شعبوں میں ۲۰ سول انجینئری میں اور ۲۱ طبابت میں اور ۲۷ وکالت میں کامیاب ہوئے - یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان امتحانات میں مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں اور عیسائی بھی پیچھے ہیں -

گزشتہ سرکاری امتحانات میں ۱۳۳۴ امیدواروں نے

* خطبہ ۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ ع —

شرکت کی - ان میں سولہ سے لے کر بیس سال کی عمر کے امید واروں میں ۷۱ عیسائی اور ۴۶ مسلمانوں نے شرکت کی- ان امتحانات میں صوبہ سرحد لاهور اور کولمبو تک کے طلبہ شرکت کرتے هیں - ان میں انگریزی کے علاوہ ایک اور زبان لازمی هوتی هے - امید وار کو اختیار هے کہ وہ جو زبان چاهے منتخب کرے - چنانچہ ۱۰۲ طالبعلموں نے هندوستانی کو منتخب کیا ' ۳۰ نے سنسکرت کو اور ۶ نے فارسی کو —

*

ابتدائی تعلیم بھی دن بدن ترقی کر رهی هے- صرف صوبۂ بنگال میں ۸۱۶ ابتدائی مدارس موجود هیں - ان مدارس میں تقریباً ۵۰ هزار طلبہ تعلیم پا رهے هیں - صوبۂ بمبئی میں ۶۸۰ ابتدائی مدارس هیں اور ان میں ۳۹ هزار سات سو پچاس طلبہ تعلیم پا رهے هیں صوبۂ مدراس میں ۵۷۹ مدراس هیں جن میں ۲۳ هزار نو سو پینسٹھہ طلبہ هیں - صوبہ جات شمال مغربی میں ' جہاں صرف هندوستانی بولی جاتی هے ' تعلیم کی ترقی هو رهی هے - ابتدائی مدارس کی تعداد ۱۰ هزار اسی هے جن میں طلبہ کی تعداد ایک لاکھہ ۷۴ هزار چھہ سو اُناسی هے *-

آگرہ میں سنہ ۱۸۵۰ ع میں ایک کالج قائم هوا هے جسے سینٹ جان کالج کہتے هیں - اس کالج میں نو جوان هندوؤں

---

* Indian Mail ستمبر سنہ ۱۸۶۳ ع

کو مغربی ادب اور علوم کی تعلیم دی جاتی ہے - مسیحی روا داری کے اصول کے مطابق ہر ذات کے ہندو کا اس کالج میں داخلہ ہو سکتا ہے - اب تک کوئی خاص دشواری اس طرز عمل کی وجہ سے نہیں پیش آئی تھی لیکن ابھی حال میں ایک شدر ذات کے لڑکے کو کالج میں داخل کرنے سے دقت پیش آرہی ہے - یہ لڑکا مہتر کا ہے جس نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے - چنانچہ بطور احتجاج کالج کے ۲۰۰ ہندو طالب علموں نے علاحدگی اختیار کر لی ہے - اس قسم کا کوئی واقعہ آگرہ کے دوسرے کالج میں جس کا نام وکٹوریہ کالج ہے، اب تک نہیں پیش آیا - اس کالج میں گذشتہ ستمبر میں ۳۵۱ طالب علم تھے - ان میں ۳۱۴ ہندو، ۲۵ مسلمان اور صرف ۱۲ عیسائی تھے - اس کالج میں مختلف درسوں کی تعداد ۳۵ ہے - ۱۸ کا تعلق شعبۂ انگریزی سے ہے اور ۱۷ کا شعبۂ مشرقی سے - موخر الذکر میں ۱۱ ہندوستانی (اردو اور ہندی)، ۴ فارسی، ایک عربی اور ایک سنسکرت کا درس ہوتا ہے * —

میری معلومات اودھ کی قدیم مملکت کے متعلق بہت محدود ہیں - اس کے بر خلاف پنجاب کے حالات دریافت کرنے کے لیے میرے پاس کافی مسالا موجود ہے - یہ پانچ دریاؤں کا وسیع

---

*Indian Mail – نومبر سنہ ۱۸۶۳ء

علاقہ چو پندرہ سال قبل ایک زبردست آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا تھا آج سلطنت برطانیہ کا ایک حصہ ہے اور تعلیمی لحاظ سے خوب ترقی کر رہا ہے - کیپٹن فلر نے حال ہی میں جو تعلیمی رپوٹ پیش کی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۲ اور سنہ ۱۸۶۳ ع میں باوجود مالی حالت کی خرابی کے ۵۴ مدرسے نئے قایم ہوئے ہیں اور طلبہ کی تعداد میں ۷ ہزار پانچ سو دس کا اور اضافہ ہوا ہے - چنانچہ گزشتہ سال کے پہلی جنوری کے اعداد و شمار کے مطابق اس صوبے میں ابتدائی مدارس کی تعداد دو ہزار چھتیس تک پہنچ چکی ہے اور طلبہ کی کل تعداد ۹۰ ہزار ہے - ان میں سے ۵ ہزار آتھہ سو چونتیس هندوستانی کے ذریعہ سے انگریزی زبان سیکھہ رہے ہیں - لڑکیوں کے مدارس کی تعداد ۱۰۳ ہے - ان میں تعلیم پانے والیوں کی تعداد ۲ ہزار دو سو چوبیس ہے - گزشتہ سال کے مقابلے میں یہ تعداد دگنی ہے - ان مدارس کے علاوہ معلموں کی تعلیم کے مدارس ہیں - لاهور میں معلموں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک کالج قایم ہوا ہے جس میں تعلیم پانے والوں کی تعداد دو سو ہے ــ

لاهور کا میڈیکل کالج بہت اچھی حالت میں ہے - گزشتہ سال اس میں ۵۰ طالب علم تھے جن میں سے ۳۰ نے جولائی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کر لی ہوگی -

بمبئی کا صوبہ تعلیمی ترقی میں کسی طرح دوسرے صوبوں سے پیچھے نہیں ہے - بمبئی یونیورسٹی کے پاس اس وقت Haileybury کا پورا کتب خانہ آ گیا ہے - اس کتب خانے سے مشرقی علوم کی تحقیق میں بہت مدد ملے گی - کاؤس جی جہانگیر نے ' جو بمبئی کے ایک متمول پارسی ہیں اور جنھیں انگریز لوگ ان کی دولت کے باعث " نقدہ " (Ready Money) کے نام سے موسوم کرتے ہیں ' اس یونیورسٹی کی عمارتوں کے لیے ایک لاکھ روپیہ کی رقم بطور عطیہ دی ہے - موصوف نے مبلغ ۵ ہزار روپے کا انعام اس پارسی بیرسٹر کے لیے مقرر کیا ہے جو بمبئی ہائی کورٹ میں امتیاز حاصل کرے گا -

بمبئی میں ہندوستانی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسہ قایم ہوا ہے اس کا نام ''Alexandra Native Girls' English Institution " ہے - اس کا افتتاح گزشتہ سال پہلی ستمبر کو ہوا - یہ مدرسہ " مانک جی کرست جی " کے مکان میں واقع ہے - ہمیں توقع ہے کہ چار ہزار روپے کے علاوہ جو اس مخیر اور فیاض شخص نے دیے ہیں اس کے اور دوسرے احباب بھی مالی امداد کریں گے تا کہ اس مدرسے کی اپنی عمارت علحدہ بن جائے -

ایک اور پارسی ہیں جنھوں نے لڑکیوں کی انگریزی

تعلیم کے لیے چار ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے اور ایک دوسرے شخص نے چار ہزار کی رقم سنسکرت مدرسے کے لیے دی ہے۔ دو پارسیوں نے مل کر بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو پانچ ہزار روپے دیے ہیں۔ اس رقم سے سالانہ ایک سونے کا تمغہ اس طالب علم کو دیا جائے گا جو بہترین مضمون "ہندوستان میں مغربی علوم" پر لکھے گا۔ "جمشید جی جی بھائی" نے پونا میں ایک کالج قایم کرنے کے لیے ایک لاکھ کا عطیہ دیا ہے۔ دو اور پارسی ہیں جنھوں نے مل کر ایک لاکھ کا وعدہ کیا ہے۔ ایک اور پارسی ہیں جنھوں نے گجرات میں تعلیمی ترقی کے لیے ۵۰ ہزار کی رقم کا عطیہ دیا ہے۔

آج کل ہندوستان میں فوٹوگرافی کا ہر جگہ رواج ہو رہا ہے۔ ہندوستانی لوگ اس کے اصول اور طریقے بڑے شوق سے سیکھ رہے ہیں۔ 'الہ آباد گزٹ' دیکھنے سے معلوم ہوا کہ 'رڑکی' کے تامسن کالج میں ایک ماہر فوٹوگرافی بھی رکھا جائے گا تاکہ وہ دیسی طلبہ کو اس کے اصول و مبادیات سکھائے۔ غرض کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں فوٹوگرافی کا چرچا ہے۔ ترا ونکور میں ڈبلو ٹیلر کی کتاب 'قدیم ہند کی عمارتیں' سنگتراشی اور مصوری کو باتصویر شائع کیا گیا ہے۔ ڈبلو ٹیلر کو اس کتاب پر راجا ترا ونکور کی طرف سے انعام بھی مل چکا ہے۔—

ھندوستانیوں میں یوروپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جاتا ھے اسی قدر وہ ھمارے تہذیب و تمدن اور ھمارے اصول مذھبی سے قریب تر ھوتے جاتے ھیں - ھندوستان میں تبلیغ مسیحیت کو جو کامیابی حاصل ھو رھی ھے اس سے ھر عیسائی کو خوشی ھونی چاھئے * جامی نے اپنی یوسف زلیخا میں ایک جگہ کہا ھے کہ " سچائی کو دن دونی ترقی اور فروغ ھوتا ھے " - کیتھولک مجبوراً اپنی عبادت ھندوستانی گرجوں میں بھی لاطینی زبان میں کرتے ھیں لیکن پروتسٹنٹ اور 'انگلی کن' ھندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں میں اپنی عبادت کی دعائیں پڑھتے ھیں - انھوں نے یہ کوشش کی ھے کہ ھندوستانی زبان میں انگریزی دعاؤں کی لے کو منتقل کرلیں لیکن یہ انگریزی لے ھندوستانی لوگوں کو ذرا نہیں بھاتی - بعض مشنری یہ کوشش کر رھے ھیں کہ ھندوستانی راگوں کے مطابق اپنی دعاؤں کو ادا کریں اور ایک حد تک انھیں اس میں کامیابی بھی ھوئی ھے - چنانچہ ھندوستانی راگوں کو جو قدیم زمانے سے ھندوستان میں چلے آرھے ھیں، یوروپین علامات میں لکھہ لیا گیا ھے - ان راگوں کے متعلق دیسی ماھرین موسیقی سے پوری معلومات حاصل کی گئی ھیں - چنانچہ

---

* Indian Mail مورخہ ۶ جون سنہ ۱۸۶۳ ع -

اس قسم کے گیتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا ہے† - هندوستانی موسیقی میں تحریری علامات نہیں استعمال ہوتیں - ان راگوں کو یورپین علامات کے ذریعے تحریر کیا گیا ہے - ان میں سے بعض راگ تو خاص طور پر اسی کے لیے موزوں کئے گئے ہیں لیکن بیشتر ان میں وہ ہیں جو ہندوؤں میں قدیم زمانے سے چلے آتے ہیں- یہ دن، سال اور موسموں کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور ان کے نام الگ الگ ہیں - مسلمانی گیت ہندو گیتوں سے مختلف ہوتے ہیں- ان میں سے بعض شجاعت علی خاں کے توسط سے حاصل ہوئے ہیں - موصوف پہلے مسلمان تھے اور اب مسیحی دین قبول کر لیا ہے - آج کل وہ کلکتہ کے دیسی گرجے میں پادری کی حیثیت سے کام کرتے ہیں ہندوا ور مسلمانوں کے گیتوں میں نہ صرف راگ اور سُر کا فرق ہوتا ہے بلکہ ان کا اتار چڑھاؤ بالکل مختلف ہوتا ہے - ہندوؤں کے گیتوں میں اشعار کو بولوں کی مقدار سے موزوں کرتے ہیں جیسے یونانی یا لاطینی میں اور مسلمانی گیتوں میں بولوں کی تعداد کا لحاظ کیا جاتا ہے - یہ دوسرا طریقہ زیادہ سادہ ہے *

---

† بنارس - سنہ ۱۸٦۱ع ' "The Hindustani Choral Book" چے پارسن چے کرسچین اور " ایچ کالنس ' نے اس کتاب کو تیار کیا ہے - هندوستانی میں " سور سنگرہ " قابل ذکر ہے - مجھے یہ کتابیں ' ناٹمہ ' کے مرسیو لیون بیرو نے بھیجی ہیں —

* دیکھو میری کتاب Rhetorique et Prosodie des langues des l'Orient Musulman

انگریزی مشن جو هندوستان میں کام کر رہے هیں انهیں خوب کامیابی هو رهی هے اور هر روز هندوستان میں مسیحی دین کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافه هو رها هے- ۱۸۶۲ ع میں بنگال، صوبۂ شمالی مغربی، صوبۂ بمبئی اور صوبۂ مدراس میں عیسائیوں کی کل تعداد ایک لاکھ، اتھاره هزار آٹھه سو نوے تھی - مشنریوں کی تعداد جو تبلیغی کام کر رهے تھے ۴۱۸ تھی اور کل هندوستان میں ۸۹۰ کلیسا تھے - گزشته سال جولائی کے مهینے میں ایک یورپین سیاح دهلی کے دیسی کلیسا میں اتفاق سے پهنچ گیا تھا - اس نے بیان کیا هے که اس نے وهاں عبادت میں شرکت کی - عبادت کی دعائیں اردو میں تهیں. اس کا بیان هے که اس کلیسا کے ذریعے سے انجیل مقدس کی نشر و اشاعت کا جو کام هوتا هے اس میں دیسی لوگ مرد، عورتیں اور بچے شرکت کرتے هیں اور دعاؤں کو گا گا کر پڑھتے هیں - چھوٹا ناگپور میں رانچی کے کلیسا کے متعلق بھی ایک دوسرے سیاح نے یهی بیان کیا هے - فرق اتنا هے که رانچی میں دعائیں هندی میں پڑھی جاتی هیں * - امرتسر میں کلیساء کی دیواروں پر حضرت مسیح کے "دس احکام" اور انجیل مقدس کے بعض دوسرے حصے هندوستانی میں لکھه دئے گئے هیں - صوبۂ شمال مغربی کے دوسرے شهروں

* دیکھو "Colonial Church chronicle" ماه اگست اور دسمبر سنه ۱۸۶۳ ع-

کا بھی بعینہ یہی حال ہے - ہر کہیں ہندوستانی زبان میں کلیسا کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں -

گزشتہ سال ۳ مئی کو لندن میں " انجمن برائے اشاعت علم مسیحی" کی طرف سے جو جلسہ ہوا تھا اس میں ہندوستان کے ان مسیحی مدارس کے متعلق بہت دلچسپ تفصیلات بیان کی گئی ہیں جن میں ہندو اور مسلمانوں کے بچے بلا تکلف تعلیم حاصل کرتے ہیں شملہ اور جبل پور میں حال ہی میں اس قسم کے مسیحی مدارس کھولے گئے ہیں - کلکتہ کے اسقف اور صوبہ متوسط کے ناظم تعلیمات نے جبل پور کے طلبہ کا امتحان لیا اور ان دونوں کا خیال ہے کہ ان کے جوابات قابل اطمینان تھے - اس طرح ناگپور کا مدرسہ بھی خوب ترقی پر ہے - لندن کے اس جلسہ میں کلکتہ کے اسقف کا ایک خط پڑھا گیا جس میں مذکور تھا کہ میں نے آگرہ ' الہ آباد ' بھاگل پور' کانپور اور بنارس کے کلیساؤں میں ہندوستانی زبان میں بپتسما کی رسم ادا کی- پھر بنارس کے ایک دیسی مسیحی مبلغ کا ذکر کیا ہے جو چار سال سے کلیسا کے ایک ادنیٰ عہدہ پر کام کر رہا ہے اور چونکہ اس کا کام قابل ستایش رہا ہے اس واسطے اس کو " واعظ " کے عہدہ پر ممتاز کر دیا گیا -

ہندوستان میں ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے

جنھوں نے مسیحی دین قبول کیا - بقول مور (Moore) :

جب کسی کٹر آدمی کا اعتقاد باطل عقیدے پر جم جائے اور وہ اسے محبوب رکھنے لگے تو آخر تک وہ اس پر قائم رہتا ہے —

بد قسمتی سے خود عیسائیوں میں جو باہم اختلافات ہیں ان کا ایشیائی لوگوں کی ذہنیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے - اگر یہ اختلافات ہندوستان میں رونما نہ ہوئے ہوتے تو آج مسیحی حلقہ زیادہ وسیع نظر آتا - ڈاکٹر کولنسو نے حال میں انجیل کی تعلیم پر جو افسوس ناک حملہ کیا ہے اس کا بھی بہت برا اثر پڑا - ڈاکٹر کولنسو کلیسا سے باغی ہو گئے ہیں - بد قسمتی سے وہ ہندوستان میں بہت شہرت رکھتے ہیں - انہوں نے علم الحساب کی متعدد کتابیں لکھی ہیں جو بہت مقبول ہوئی ہیں - چنانچہ اس ضمن میں کلکتہ کا اخبار '' بنگالی '' کہتا ہے کہ جب مسیحی تعلیم کے متعلق خود مشہور اہل یورپ کو شبہ ہے تو اس صورت میں ہندوؤں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے دین کو ترک کر کے عیسائی مذہب قبول کر لیں گے نہایت مہمل بات ہے - لیکن اس اخبار کے لکھنے والے کو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ ڈاکٹر کولنسو ممکن ہے ماہر علم حساب کی حیثیت سے لائق فائق ہوں لیکن علم دینیات میں وہ ماہر نہیں ہیں - انہوں نے انجیل کی تعلیم پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں انہوں نے کوئی نئی بات نہیں

کہی - سیکڑوں مرتبہ ان اعتراضات کے جوابات دیے جا چکے ہیں - یہ نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ ڈاکٹر کولنسو کے اعتراضات کا جواب ہمیں سید احمد کی شرح میں ملتا ہے جس کی نسبت میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی ذکر کر چکا ہوں - سید احمد نے بنی اسرائیل کی آبادی بڑھنے اور Juda اور حضرت یوسف کے زمانۂ مصر کے متعلق جو نکات پیدا کیے ہیں ان میں ڈاکٹر کولنسو کے اعتراضات کا شافی جواب پایا جاتا ہے —

ہندو اگرچہ اپنے مذہب کے معاملے میں نہایت قدامت پرست واقع ہوے ہیں لیکن یورپین اور مسیحی تہذیب کا ان پر بہت اثر پڑ رہا ہے - اب آہستہ آہستہ وہ اپنے اُن رسوم کو ترک کرتے جا رہے ہیں جو مسیحی معیار سے معیوب ہیں - چنانچہ بنگال کے بعض معزز ہندوؤں نے گورنر جنرل اور مجلس وضع قوانین کے سامنے ایک عرض داشت پیش کی ہے جس میں یہ استدعا کی ہے کہ تعداد ازدواج کو اسی طرح ہندوؤں میں قانوناً ممنوع قرار دیا جاے جس طرح ستی کی رسم ممنوع کردی گئی ہے - مجلس وضع قوانین کے آئندہ جلسے میں راجا دیونرائن سنگھہ ایک قرارداد پیش کرنے والے ہیں جس کی رو سے اس مشرقی رسم قبیحہ کا کلی انسداد مقصور ہے - یقیناً یہ بہت اچھا ہو اگر اس قسم کا قانون منظور ہوجاے لیکن اندیشہ یہ ہے کہ کہیں

اس قانون سے لوگوں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے - اس قسم کا قانون ایک عام مروجہ رسم کے بالکل خلاف ہوگا - جن مشنریوں کو ہندوؤں کو بپتسما دینا ہوتا ہے انہیں اس میں بڑی سہولت ہو جائے گی - اس لئے کہ مشنری ایسے لوگوں کو بپتسما دینے میں تامل کرتے ہیں جن کی متعدد بیویاں ہوتی ہیں --

ہندوستان میں جن لوگوں کو بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہے وہ جس طرح بیواؤں کے جلانے اور تعداد ازدواج کی مخالفت کر رہے ہیں اسی طرح اور بہت ساری رسوم قبیحہ ہیں جنہیں وہ حقوق نسواں کےلیے نقصان رساں سمجھتے ہیں - مثال کے طور پر ایک رسم کو لیجیے جو دراصل ہندوؤں کی رسم ہے لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی وہ عام طور پر رائج ہو گئی ہے - ہماری مراد عقد بیوگان کی ممانعت سے ہے - چنانچہ شاہجہاں پور میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کے ارکان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں - اس انجمن کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانیوں میں جو بری رسمیں پائی جاتی ہیں ان کی اصلاح کی جائے - اس انجمن کے گزشتہ اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی ہے اس میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ ارکان انجمن اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائیں اور قاضی سرفراز علی کو اس کے لیے خاص طور پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ ایک

دستور العمل لکھیں جس میں پردہ نشین خواتین کو بتایا جائے کہ کون کون سی نقصان رساں رسموں کی پابندی کے لیے وہ مجبور کی جاتی ہیں —

آپ حضرات مجھے معاف کریں کہ میں نے بعض مسائل کو بہت طول دے دیا - اب میں اپنے خطبے کو ختم کرنے سے پیشتر ان اصحاب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اس سال راھی ملک عدم ہوئے ہیں -

سب سے پہلے بادشاہ دھلی بہادر شاہ کا نام آتا ھے - مرحوم نے ۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع بمقام رنگون تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں داعیء اجل کو لبیک کہا - آپ سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے بعد سے برابر اپنی باوفا بیوی زینت محل کے ساتھ رنگوں میں زندگی بسر کررھے تھے - آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے جواں بخت بھی تھے * - محمد بہادر شاہ ثانی غازی سنہ ۱۸۳۷ ع میں سراج الدین کے لقب سے اپنے والد ماجد اکبر شاہ ثانی کے انتقال پر تخت دھلی پر جلوہ افروز ھوئے- بادشاہ ھونے سے قبل آپ مرزا محمد علی ظفر کے نام سے مشہور تھے - ظفر کی یاد بہت سے دلوں کو عزیز ھے - وہ تیموری خاندان کے آخری چراغ تھے - قسمت نے ان کے ساتھ یاوری نہ کی -

---

* میں نے اپنے ۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ م کے خطبے میں بادشاہ دہلی کے حالات تفصیل سے بیان کئے ھیں -

ادب کے شائقین کو ان کے ساتھہ اور بھی لگاو ہونا چاھئے اس واسطے کہ وہ نہایت اعلی پایہ کے شاعر تھے * ـــ

پچھلے اگست کی پہلی کو لندن میں مہارانی چند کنور کا انتقال ہوگیا - وہ پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھہ کی والدہ تھیں - باوجود اس کے کہ ان کے صاحبزادے دلیپ سنگھہ نے مسیحی دین قبول کر لیا لیکن مہارانی آخری دم تک اپنے آبا و اجداد کے مذھب پر قائم رھیں - ان کے انتقال پر دو سکھہ افسروں نے احتجاج کی کہ ان کی نعش کو جلا یا جاے اور راکھہ کو هندوستان بھیجا جاے تاکہ سکھہ دھرم کے مطابق وہ گنگا میں ڈالی جاے - لیکن یہ نہیں ھوا - ان کے بیٹے مہاراجا دلیپ نے اس کا اھتمام کیا کہ اس موقع پر کوئی رسم نہ برتی جاے نہ مسیحی اور نہ هندو -

پچھلے اگست کی ۲۱ تاریخ کو نواب سورت میر جعفر علی خاں بھی ملک عدم کو سدھار گئے - ان کا انتقال "سورت محل" (Surat palace) میں ھوا - ان کے ساتھہ ان کے دیرینہ رفیق مرزا لطف اللہ رھا کرتے تھے - موصوف اپنی "خود نوشت" کے باعث یورپ میں اچھی خاصی شہرت حاصل کر چکے ھیں - نواب مرحوم انگریزوں اور هندوستانیوں دونوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - وہ ایک نہایت ھی متخیر اور فیاض

---

* یہاں ظفر کے بعض اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ھے -

شخص تھے۔ آپ پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۴۴ع میں انگلستان تشریف لائے تھے - پھر دوبارہ سنہ ۱۸۵۴ ع میں آے تھے - اس مرتبہ پیرس بھی آے تھے۔ پیرس میں بعض لوگوں نے انھیں دیکھہ کر کہا تھا کہ وہ تیپو سلطان سے بہت مشابہ ھیں۔ مرحوم سے میری متعدد بار ملاقاتیں رھیں آپ نے مجھہ سے یہ بھی کہا تھا کہ سورت واپس ھونے پر اپنا سفرنامۂ یورپ شائع کریں گے۔ میں سمجھتا ھوں غالباً وہ اپنے اس ارادے کو پورا نہ کرسکے * -

آخر میں میں جان ویٹلی کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتا ھوں - آپ " مالی معاملات " کے مصنف تھے ۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ھوچکا ھے اور میں گزشتہ سال اس کا ذکر کرچکا ھوں - آپ ڈبلن کے لاٹ پادری (Archeveque) تھے آپ کا انتقال پچھلے اکتوبر میں ۸ تاریخ کو ھوا - ان کی ایک مشہور کتاب (Lessons on christian evidences) ھے - اس کتاب میں فلسفہ اور دینیات دونوں کے مسائل سے بحث کی ھے- یہ کتاب لارڈ سمر کی (Evidences of Christianity) سے بہت کچھہ ملتی جلتی ھے جو خود ایک زمانے میں ڈبلن کے مہا پادری رہ چکے تھے - اس آخرالذکر کتاب کا موسیو مارسلین فورسن ممبر کونسل نے نہایت شگفتہ فرانسیسی

---

* ملاحظہ ھو نواب صاحب مرحوم کا خط جو جنوری سنہ ۱۸۵۵ ع کے Revue de l' Orient میں شائع ھوا ھے —

میں ترجمہ کیا ہے * -

ہم لوگوں کو جنہیں ہندوستانی علوم سے دلچسپی ہے خود بخود ہندوستانیوں کے ساتھہ بھی ایک طرح کا لگاؤ پیدا ہوگیا ہے۔ اس بات میں ہم سب سر چارلس وڈ کے نمونے پر عمل کر رہے ہیں - موصوف وزیر ہند ہیں اور ہندوستانیوں کے بہی خواہ ہیں - آپ نے اعلان کیا ہے کہ انگریزی حکومت کے پیش نظر ہندوستان میں ہمیشہ یہ اصول رہے گا کہ ۱۸ کروڑ مخلوق کے نفع کا خیال رکھا جائے تاکہ تاج برطانیہ کے سایۂ عاطفت میں جو لوگ زندگی بسر رہے ہیں انہیں خوش حالی نصیب ہو - شاہی اعلان بھی اس اصول پر مبنی تھا - انگریزی عملداری میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب کے لئے یکساں قوانین ہوں گے اور کسی قسم کے امتیازات کا لحاظ نہیں کیا جائےگا - ہندوستان میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا نام " برطانوی ہندی انجمن " (British Indian Association) ہے - اس انجمن نے ہندوستانی میں اور دوسری مقامی زبانوں میں اس خیال کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصد ٹھیرایا ہے کہ انگریزی عملداری کے فوائد و برکات سے ہندوستانیوں کو آگاہ کرے - ابھی حال ہی میں کلکتہ میں اس انجمن کا ایک اجلاس

* یہ خطبہ چھپنے کے لیے دیا جا چکا تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ لارڈ ایلجن کا بمقام دھرم سالہ ۲۰ نومبر کو انتقال ہو گیا اور ان کی جگہہ سر جان لارنس کام کر رہے ہیں —

ہوا تھا جس میں راجہ رادھا کانت دیو بہادر نے صدارت فرمائی تھی۔ اس جلسے میں سر چارلس وڈ کی رعایا نوازی پر تشکر کا اظہار کیا گیا۔ راجہ صاحب ایک نہایت فاضل شخص ہیں۔ اس موقع پر راجہ کالی کرشن نے حسب معمول اُردو میں تقریر کی اور سر چارلس کی تعریف کی کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو اس کا موقع دیا کہ وہ مجسٹریٹ کے عہدے پر پہنچیں اور ملکی نظم و نسق کے اعلیٰ مراتب حاصل کریں۔ اور دوسرے متعدد لوگوں نے راجہ صاحب کے خیالات کی تائید میں تقریریں کیں اور صاحب وزیر ہند کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیے جانے کی قرارداد منظور ہوئی —

میں نے آپ صاحبوں کے سامنے ابھی جو واقعات پیش کئے ان سے یقیناً یہ اُمید بندھتی ہے کہ ہندوستان جو دنیا کے بہترین ملکوں میں سے ہے مسیحی تہذیب کی بدولت خواب غفلت سے بیدار ہوگا۔ دن بدن اس کے ادب کو فروغ ہوگا۔ دراصل ادب کا نشو و نما شروع ہوگیا ہے اور ہمیں پوری توقع ہے کہ جس طرح آج سارا یورپ اس کے قدیم ادبی شہکاروں کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اسی طرح وہ دن بھی عنقریب آنے والا ہے جب کہ اس کا موجودہ ادب بھی دنیا سے خراج تحسین حاصل کرے گا —

چودھواں خطبہ

۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع

حضرات!

گزشتہ سال سرکاری رپورٹوں کی بنا پر میں نے آپ صاحبوں سے بیان کیا تھا کہ ہندوستانی زبان کو خوب فروغ ہو رہا ہے - امسال پھر میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس زبان کی روز افزوں ترقی کی رفتار بدستور جاری ہے - اس ضمن میں سر چارلس تریولین خاص کر شکریے کے مستحق ہیں جن کی ان تھک کوششوں کی بدولت ہندوستانی کو یہ مرتبہ نصیب ہوا - موصوف کی دلی خواہش ہے کہ ہندوستانی زبان کی اصلاح کی جائے - وہ چاہتے ہیں کہ عربی فارسی کے مغلق الفاظ جو مسلمان فاتحین کے اثر سے ہندوستانی میں داخل ہوگئے ہیں، اس زبان سے خارج کر دیے جائیں، اس لیے کہ ہندی کے ایسے الفاظ کثرت سے موجود ہیں جو بآسانی ان عربی فارسی لفظوں کی جگہ لے سکتے ہیں - سر چارلس تریولین نے مجھے لکھا ہے کہ ہندوستانی زبان میں آج کل یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ انگریزی کے الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جائے-

اس رجحان سے ہندوستانیوں اور انگریزی قوم کے موجودہ تعلق کا پتا چلتا ہے- آپ کو معلوم ہے کہ ہماری افریقی مقبوضات میں وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی زبان کے بہت سارے لفظوں کو اپنی زبان میں بلا تکلف استعمال کرنا شروع کردیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ان لفظوں کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوسکتا - اسی طرح اہل ہند نے اپنے ہاں انگریزی زبان کے بہت سے لفظ رائج کر لیے ہیں - بعض اوقات تو ان کی اپنی زبان میں لفظ موجود ہوتا ہے جب بھی وہ ہم معنی انگریزی لفظ کو ترجیح دیتے ہیں - انگریز لوگ وقت کی بہت قدر کرتے ہیں - چنانچہ ان کے ہاں مثل مشہور ہے کہ "وقت دولت ہے" - اہل مشرق اس دولت کی زیادہ قدر نہیں کرتے - چنانچہ ہندوستان میں لفظ "ٹائم" کی اہمیت لفظ "سماں" یا لفظ "دور" سے مختلف سمجھی جاتی ہے * - اسی طرح لفظ "کنبہ" یا "خاندان" کی جگہ عام طور پر لفظ "فیملی" استعمال ہوتا ہے - گویا کہ آخر الذکر لفظ گھر بار کے مفہوم کو زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے - اس طرح مطبع کی جگہ "پریس" دھوم دھام کی جگہ "پریڈ" گنہگار کی جگہ "گلٹی" استعمال ہوتے ہیں- اور بہت سارے انگریزی

---

* ایک ہندوستانی خاتون اگر اپنے شوہر کو دفتر کے وقت یاد دھانی کرانا چاہتی ہیں تو یوں کہتی ہیں "تمہارے آفس جانے کا ٹائم ہے" —

الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں جنہیں اہل ہند خود اپنے لفظوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور بہتر سمجھتے ہیں - چنانچہ مرزا پور کا اخبار " خیر خواہ ہند " اس قسم کی ہندوستانی میں ہوتا ہے جس میں انگریزی الفاظ کثرت سے کھپائے جاتے ہیں - مشنریوں کی بیشتر تصانیف جو مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے لیے شائع ہوتی ہیں اسی طرز کی زبان میں ہوتی ہیں —

آگرہ کے ایک معزز مسلمان محمد مردان علی خاں نے ہندوستانی اخباروں کے اس طرز تحریر پر سخت افسوس ظاہر کیا ہے * - وہ لکھتے ہیں کہ اہل یورپ کی نظر میں ہندوستانی زبان کی کوئی وقعت نہیں ہے - وہ اسے محض ایک دفتری زبان سمجھتے ہیں - چنانچہ بنگال میں انگریزی اثر زیادہ ہونے کے سبب سے وہاں کی اردو پہچان نہیں پڑتی - اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ نہایت معزز انگریز ہندوستانی کے ایسے لفظ اور فقرے بلا تکلف استعمال کرتے ہیں جنھیں سن کر شرم آتی ہے - عربی مثل ہے کہ " الناس علیٰ دین ملوکھم " - اور دیکھا دیکھی انگریزوں کی ریس میں وہی الفاظ اور فقرے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں جو وہ ان کی زبان سے سنتے ہیں - اور بعض لوگ عربی کی ایک اور دوسری مثل کو

* اودھ اخبار ' ۷ جون سنہ ۱۸۶۳ م

اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں - وہ مثل یہ ہے - " کلام الملک ملک الکلام " —

بہر حال اب اس امر کا تو قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہندوستانی زبان کو ہندوستان بھر میں فوجی اغراض اور خط و کتابت کے لئے استعمال کیا جائے گا - اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ ہندوستانی (اردو) ہی ہمارے ملک کی زبان ہے، فوجی چھاؤنیوں میں، بازاروں میں، غرض کہ ہر کہیں یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے - دکن میں بھی اور بالخصوص حیدرآباد اور میسور میں اس زبان کا خوب چرچا ہے - ان علاقوں میں یہ زبان مسلمان سپاہیوں کے ذریعے سے پہنچی اور آج بھی انگریزی افواج میں جو ان علاقوں میں رہتی ہیں، یہی زبان بولی جاتی ہے - چنانچہ انگریز حکام اگر سپاہیوں کے عام مجمع کو خطاب کرنا چاہیں تو وہ ہندوستانی ہی میں ان کے آگے تقریر کرتے ہیں - اس کی ایک مثال یہ ہے کہ گزشتہ فروری کے مہینے میں جب سر ہنری مانٹگمری لفٹننٹ گورنر پنجاب دہلی سے لاہور واپس جاتے ہوے ریاست کپورتھلہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر موصوف نے مشن اسکول کے طلباء کے سامنے ہندوستانی میں تقریر کی اور اس تقریر کے دوران میں اس اسکول کی تعلیمی حالت کے متعلق اطمینان کا اظہار کیا - اس کی دوسری قابل ذکر

مثال یہ ہے کہ چند ماہ قبل وائسرائے ہند سرجان لارنس نے شملہ میں دربار منعقد کیا - یہ دربار اسی نوعیت کا تھا جیسا کہ لارڈ امہرسٹ کے زمانے میں سنہ ۱۸۲۷ع میں منعقد ہوا تھا - اس دربار میں سب پہاڑی راجاؤں نے شرکت کی اور نذرانے پیش کیے- یہ رسم اطاعت گزاری کے اظہار کی غرض سے ہوا کرتی ہے - راجاؤں کے ساتھہ ان کے درباری اور مشیرانِ کار بھی اس دربار میں آے اور ان کے بھڑک دار لباس پر سب کی نظریں اٹھتی تھیں - اس موقع پر سرجان لارنس نے ان سب معزز حاضرین کے روبرو ہندوستانی (اردو) زبان میں تقریر کی - ہندوستان کے اخبارات نے اُس کے متعلق ذکر کرتے ہوے لکھا ہے کہ سرجان شور کے سوا اور کسی وائسرائے نے اس سے قبل ہندوستانی زبان میں تقریر نہیں کی تھی - اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو لاہور میں وائسرائے نے ایک دوسرا دربار منعقد کیا - اس کا افتتاح بھی سرجان لارنس نے ہندوستانی زبان میں کیا - اس دربار میں چھہ سو راجاؤں اور جاگیرداروں نے شرکت کی تھی - ہندوستان کے اخبارات کا خیال ہے کہ پنجاب کی تاریخ میں سرجان لارنس کی یہ تقریر یادگار رہے گی - بعض اخباروں نے پوری تقریر نقل کردی ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ درج کیا ہے —

ایک مشہور ہندو فاضل شیو پرشاد نے اپنی

کتاب *"Itihas timir nacak" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ہندوستانی تمام اہل ہند کی مادری زبان ہے - ہندوستان کے ہر حصے میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے - چنانچہ فرانسیسی مقبوضات چندر نگر، پانڈی چری، کاریکل، ماھی ہر کہیں یہ زبان سمجھی جاتی ہے- اسی طرح پرتگیزی مقبوضات میں بھی اس زبان کے ذریعے سے کام نکالا جا سکتا ہے - آج کل پرتگیزی مقبوضات کے گورنر جنرل کے سکریٹری ایک فاضل مستشرق ہیں جن کا نام 'مرسیو وا کہنا ریورا' ہے —

میرے ایک پرانے شاگرد 'مسٹر ای سیسے' نے جو آج کل کاریکل میں جہاز کے ایک افسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں' میرے استفسار کا اپنے خط میں جواب دیا ہے - پانڈی چری کے ایک باشندے نے مجھے لکھا تھا کہ لوگ تاملی علاقے میں ہندوستانی مطلق نہیں سمجھتے- اس پر میں نے مسٹر ای سیسے سے اس باب میں پوری کیفیت دریافت کی - وہ جواب میں یوں لکھتے ہیں: " آپ کو پانڈی چری سے جس کسی نے یہ لکھا ہے کہ تاملی علاقے میں ہندوستانی بالکل نہیں سمجھی جاتی اس نے غلط بیانی کی ہے - میں نے ابھی حال میں کرومنڈل سے لے کر مالابار تک کوئی بارہ سو میل کا سفر کیا اثنائے سفر میں میں نے باوجود اس کے کہ تامل میری مادری زبان ہے'

---

* نام صاف طور پر سمجھ میں نہیں آیا - مترجم -

جان بوجھ کر لوگوں سے ہندوستانی میں گفتگو کی اور ہر جگہ میری بات سمجھی گئی - میرا خیال ہے کہ ہندوستانی زبان ہندوستان کے گوشے گوشے میں سمجھی جاتی ہے - اور دوسری زبانیں جیسے تامل، گجراتی، تلنگی، کرناتکی، ملیالم اور بنگالی وغیرہ محض مقامی حیثیت رکھتی ہیں اور اپنے اپنے مخصوص صوبوں کے علاوہ اور کہیں نہ بولی جاتی ہیں اور نہ سمجھی جاتی ہیں" - آپ کو معلوم ہوگا کہ کشمیر کی ریاست میں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے - ان پر ایک ہندو راجا حکومت کرتا ہے - اس کا دارالسلطنت سرینگر میں ہے - اس کے زیادہ تر اعلیٰ حکام بھی ہندو ہی ہیں - کشمیر کے ہندو مسلمان سب کشمیری زبان بولتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبان ریاست میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے - ہندوستانی کے علاوہ وہاں فارسی زبان کا بھی اچھا خاصا چرچا ہے -

جن انگریزوں کو ہندوستان میں رہ کر حکومت کے اعلیٰ فرائض انجام دینے ہیں ان کے لیے ازبس ضروری ہے کہ ہندوستانی زبان پر پوری طرح حاوی ہوں اور اسے بخوبی سمجھ سکیں - دیسی زبانوں کے امتحانات کے جو نئے قواعد وضوابط ۳ ستمبر کو شائع ہوے ہیں ان کی رو سے ہندوستانی زبان کے امتحان کے دو نصاب بنائے جائیں گے - ایک ان کے لیے ہوگا - جو فوج میں یا میڈیکل (طبی) شعبے میں جانا چاہتے

ہیں اور دوسرا ان کے لیے ہوگا جو ترجمان کی خدمت کے لئے کوشش کرنا چاہتے ہیں - ان قواعد کا نفاذ آئندہ ماہ فروری سے ہوگا - پہلے نصاب کے مطابق امتحان میں شرکت کرنے والوں کے لئے فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں ہندوستانی زبان کے چند اقتباسات پیش کیے جائیں گے جن کا انہیں سلیس زبان میں مطلب بیان کرنا ہوگا - دوسرے امتحان میں باغ و بہار اور پریم ساگر کے اقتباسات کو پڑھوایا جائے گا اور ترجمہ کرایا جائے گا - اس کے علاوہ انگریزی سے ہندوستانی میں ترجمہ کرنا ہوگا - امیدواروں کو فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں لکھے ہوے خطوط کا مطلب بھی بتانا ہوگا - اور ان دونوں رسم الخط میں املا بھی لکھنا ہوگا - اسی طرح اور دوسری دیسی زبانوں کے امتحانات ہوں گے جن کی نسبت مجھے اس موقع پر کچھہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے —

وہ امیدوار جو فوج کے محکمۂ رسد رسانی (کمسریٹ) میں خدمت حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں امتحان میں، سر چارلس وڈ کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق، ہندوستانی کی سرکاری تحریروں کا ترجمہ کرنا ہوگا، ترجمہ میں صرف و نحو کی پوری پابندی لازمی ہے اور انہیں سرکاری تحریروں میں سے املا بھی لکھایا جائے گا - اس کے علاوہ

انگریزی کا کوئی خط انہیں دیا جائے گا جس کا انہیں فوراً ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرنا ہوگا - مختلف طبقوں کے دو تین ہندوستانی اس موقع پر موجود رہیں گے - امیدوار کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ ان سب کو اپنا مطلب اچھی طرح سمجھا سکے —

اسٹاف کور (Staffcorps) کے امتحانات اب بجائے سالانہ ہونے کے ہر شش ماہی پر ہوا کریں گے - پنجاب کے صوبے کے امتحانات بھی فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام ہوں گے - اب دھلی بھی پنجاب کے صوبے میں شامل کردی گئی ہے - اس کا صوبۂ شمالی و مشرقی سے اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا - صوبۂ شمالی و مغربی کا دارالحکومت الہ آباد ہے اور اودھ کا صوبہ بھی اب اس صوبے میں ضم کردیا گیا ہے - ان امتحانات میں آج کل بڑی سختی کی جارہی ہے - چنانچہ ابھی حال میں گورنمنٹ ہند نے صرف اس بنا پر ایک اعلیٰ انگریز فوجی افسر کو بھوتان نہیں جانے دیا کہ وہ اس علاقے کی زبان کے امتحان میں ناکام رہا تھا * —

پچھلے سال جتنے اخبارات ہندوستانی زبان میں شائع ہو رہے تھے وہ بدستور اب بھی شائع ہو رہے ہیں - ہندوستانیوں میں روز بروز اخبار بینی کا چسکا بڑھتا جا رہا ہے - ان

* انڈین میل - ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۴ ع

اخبارات میں بالعموم خبروں کے علاوہ عام معلومات بڑھانے کے لئے مضامین بھی ہوتے ہیں - ان میں نئی نئی ایجادات اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے متعلق مضامین ہوتے ہیں جنہیں لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں - لکھنؤ کا "اودھ اخبار" اسی قسم کا ایک اخبار ہے * اس اخبار کی چند اشاعتیں میرے پیش نظر ہیں - اس میں خبروں کے علاوہ ادبی مضامین بھی ہیں - بعض مضامین دیوناگری رسم خط میں ہیں - یہ غالباً خاص کر ہندوؤں کے لئے لکھے گئے ہیں - ۲۱ مئی کی اشاعت میں "شفیلڈ" کی طغیانی کا حال لکھا ہے - یہ مضمون مسٹر ایڈورڈ ہنری پامر نے لکھا ہے - موصوف کیمبرج کے سینٹ جان کالج کے طالب علم رہ چکے ہیں - آپ نے ۲۴ سال کی عمر میں ہندوستانی زبان میں ایسی مہارت حاصل کرلی ہے کہ باید و شاید - یہ سید عبداللہ پروفیسر ہندوستانی لندن یونیورسٹی کے فیض صحبت کا اثر ہے - موصوف نہایت بے تکلفی سے ہندوستانی بول سکتے اور لکھہ سکتے ہیں - اگر ان کا رنگ اس قدر گورا نہ ہوتا اور انگریزوں کا سا نام نہ ہوتا تو انہیں ہندوستانی مسلمان کہنے میں کوئی

---

* یہ ہفتہ وار اخبار چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحوں کا ہوتا ہے - اس کی ادارت شیو پرشاد کرتے ہیں - میں موصوف کا پہلے ذکر کر آیا ہوں - وہ ہر موضوع پر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں -

شخص مطلق تامّل نہ کرتا - ہندوستانی کے علاوہ عربی اور فارسی کے قدیم ادب کی بھی موصوف نے تحصیل کی ہے - آگرہ کے ایک فاضل محمد مردان علی خان نے مسٹرایڈورڈ ہنری پامر کی فضیلت کا اعتراف اپنے اخبار کی ۷ جون والی اشاعت میں کیا ہے - وہ کہتے ہیں " میں نے کسی یورپین کو آج تک ہندوستانی زبان میں ایسا کمال حاصل کرتے نہیں دیکھا جو مسٹر پامر نے حاصل کیا ہے - موصوف کا طرز تحریر بھی نہایت شگفتہ ہے - جب سے میں سرکاری ملازمت میں ہوں، میں نے صرف دو چار یورپین ایسے دیکھے ہیں جو بلا تکلف ہندوستانی میں تقریر کرسکتے ہیں اور خود ہندوستانیوں کے لب و لہجے میں گفتگو کر سکتے ہیں - لیکن مسٹر پامر اس لئے اور بھی زیادہ قابل تعریف و مبارکباد ہیں کہ انگلستان کے اندر رہ کر انھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ہندوستانی زبان پر ایسی قدرت حاصل کرلی جو ان کے ہزارہا اہل وطن باوجود پوری کوشش کے حاصل نہ کرسکے - اگر موصوف کی طرح اور دوسرے انگریز بھی ہندوستانی زبان سیکھیں تو اس میں ہندوستان اور انگلستان دونوں کا نفع ہے - ہماری دعا ہے کہ مسٹر پامر بہت دنوں زندہ رہیں- موصوف ان چند انگریزوں میں سے ہیں جو ہندوستانی زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں- موصوف کے مضمون کو دیکھ کر

میں تو دنگ رہ گیا "- اس اخبار کی دوسری اشاعت میں پروفیسر عبداللہ' میر اولاد علی اور محمد وجاہت علی مدیر "اخبار عالم" میرٹھ * نے بھی مسٹر پامر کی زبان دانی کی تعریف کی ہے —

میں اب ہندوستانی کے جدید اخبارات کے نام گناتا ہوں۔ میرٹھ سے ایک اخبار نکلنا شروع ہوا ہے جس کا نام "نجم الاخبار" ہے - میرے پیش نظر اس اخبار کی چند اشاعتیں ہیں - صوبۂ شمالی و مشرقی کے ناظم تعلیمات مسٹر ایم کیمپسن نے از راہ عنایت یہ اخبار میرے پاس بھیجا ہے۔ میرے خیال میں صوبۂ شمالی و مشرقی کا یہ بہترین اخبار ہے - یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور چھوٹی تقطیع پر ۱۲ صفحوں میں چھپتا ہے - ہر صفحہ پر دو خانے (کالم) ہوتے ہیں —

آگرہ سے ایک اخبار نکلنا شروع ہوا ہے جس کا نام "بھارت کھنڈ امرت" ہے۔ اس اخبار کی مالک ہندوؤں کی معاشرتی و مذہبی اصلاح کی ایک انجمن ہے - اس اخبار کے بانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید مقدس کی الہامی تعلیمات زندگی کے چلن میں بہترین رہنما ہیں - اس مقدس کتاب کی تعلیم پر

---

* میں نے اپنے سنہ ۱۸۶۱ ء کے خطبہ میں اس اخبار کا ذکر کیا تھا - میں نے کہا تھا کہ اخبار "دارالسلام" نامی مطابع میں طبع ہوتا ہے - یہ غلط ہے- در اصل یہ اخبار مطبع نورالابصار میں چھپتا ہے -

تمام هندوؤں کو چلنا چاهیے اور اس کے اصول کو دل و جان سے ماننا چاهئے - اس اخبار کے بانیوں کے پیش نظر یه نظریه هے که وه اپنے هم مذهب بھائیوں کو قدما کے عقاید و اعمال کی سچائی اور ان کے رسوم و اطوار کی سادگی کی جانب راغب کریں اس انجمن کی طرف سے ایک رساله شائع هوا هے جس میں شادی بیاه کی لایعنی رسوم اور اسراف کے خلاف تحریک کی گئی هے - اس کا نام "امتناع اسراف شادی" هے - سنه ۱۸۶۳ع میں دهلی میں اس کے جواب میں ایک اور دوسرا رساله نکلا تھا جس کا نام "مفید انام" تھا -

اخبار "مدراس ٹائمز" کے مالک مسٹر ونز'گیلنو نے اس سال ماه جنوری میں یه اعلان کیا تھا که وه "ٹائمز آف ایشیا" کے نام سے اس اخبار کو پھر سے نکالنا شروع کریں گے - انهیں اس کا انتظار تھا که ٹائپ بن کر آجائے تو انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو، تامل، تلنگی، اور کنڑی کے اخبارات بھی جاری کر دیں- همیں پوری امید هےکه انهیں اس ارادے میں کامیابی هوئی هوگی اور ان کے زیر اهتمام ایک اور هندوستانی اخبار کا اضافه هوا هوگا- مدراس میں پہلے سے بھی ایک هندوستانی اخبار نکلتا هے جس کا نام "جامع الاخبار" هے - اس کے مدیر رحمت الله هیں - یه اخبار هفته وار هے اور هر دوشنبه کو شائع هوتا هے - یه ۱۶ صفحات پر مشتمل هوتا هے - هر صفحے

میں دو خانے ہوتے ہیں —

باوجود ہندوستانی لوگوں کی عدم توجہی کے وہ دن قریب آ رہا ہے جب کہ تعلیم کے عام ہونے سے ہندوستانی میں "رائے عامہ" پیدا ہوگی اور اس کی کسوٹی پر لوگ ہر چیز کو پرکھیں گے - ۲۷ فروری سنہ ۱۸۶۲ ء کے ٹائمز میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے اخبارات نکل رہے ہیں- ان میں سے بیشتر کی ادارت کے فرائض اچھے طریقے سے ادا کئے جاتے ہیں - ان میں سے بعض اخبارات کے مضامین دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ مضمون نگاروں کی نظر وسیع ہے اور وہ انگریزی ادبیات اور انگریزی فن صحافت سے واقفیت رکھتے ہیں - حکومت ان اخباروں کی کوئی مدد نہیں کرتی لیکن پھر بھی وہ سب اس کی حمایت میں مضامین شائع کرتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی لوگوں کے دلوں میں اہل یورپ کا احترام جاگزیں ہو گیا ہے - بقول گولڈ اسمتھ :

"ان کی چال میں غرور و تمکنت ہے - ان کی نظروں سے رعب ٹپکتا ہے - وہ دیکھو، نوع انسانی کے سردار آرہے ہیں"-

میں اپنے سالانہ خطبوں کا زیادہ تر مسالا مسٹر آرکسٹ سے جو لاہور میں رہتے تھے، حاصل کیا کرتا تھا - موصوف اب کچھ عرصے کے لئے یورپ آئے ہوئے ہیں- لیکن اور دوسرے احباب ہندوستان میں ایسے موجود ہیں جو ہندوستانی زبان

کی دن دونی ترقی کے راز کو سمجھتے ہیں اور اس کی ترقی کے لئے خود بھی کوشاں ہیں۔ انہیں احباب کے ذریعے سے مجھے نئی کتابوں کے متعلق معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے بعض صاحبوں کو یہ شکایت کرتے سنا ہے کہ ہندوستانی زبان کا سارا ادب تراجم سے زیادہ نہیں اس میں انگریزی کی نقالی کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ ہندوستانی لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ " انسانی طبیعت چور ہے "۔ انسان کو یہ صلاحیت حاصل ہے کہ وہ دوسروں کے خیالات کو لیکر اپنا جامہ پہنا دے زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسروں کے خیال کو لے کر اپنے طرز ادا کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔ لیکن میرے خیال میں یہ دعویٰ قطعی طور پر بے بنیاد ہے کہ ہندوستانی میں سرقے کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ مجھ سے پہلے ولسن جیسا عالم فاضل شخص بھی یہی خیال ظاہر کر چکا ہے۔ سنسکرت کے مشہور عالم مسٹر ایڈورڈ کاول نے ابھی حال ہی میں " کشامنجلی " کا نیا ایڈیشن نکالا ہے جو میرے پاس بھی آیا ہے۔ اس کتاب میں زمانۂ حال کے سب مشہور مصنفوں کے فلسفیانہ دلائل کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ ایک دوسری کتاب " دفتر بے مثل " مجھے بھیجی گئی ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا نام ایسا ہے کہ اس سے پہلے پہل آدمی دھوکے میں پڑ جاتا ہے لیکن یہ دراصل کلکتہ کے ایک معزز مسلمان کے اشعار کا انتخاب ہے۔ شاعر کا نام

مولوی عبدالغفور ہے اور وہ "نساخ" تخلص کرتے ہیں - واقعہ یہ ہے کہ تخلص بھی انکسار کے خیال سے اسی قدر دور ہے جتنا کہ خود کتاب کا نام - یہ کتاب اسی سال طبع ہوئی ہے اور ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے - یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے - "نساخ" کلکتہ کے مشہور و معروف عبداللطیف خاں بہادر کے قریبی رشتہ دار ہیں - انہوں نے فریدالدین عطار کے پند نامہ کا اردو نظم میں ترجمہ بھی کیا ہے- اس بیاض میں بعض بعض اچھے خاصے شعر ملتے ہیں - یہ عجب بات ہے کہ اہل مشرق میں نظم کا بمقابلہ نثر کے بہت زیادہ چرچا ہے - میں بعض ہندوستانیوں کو جانتا ہوں جو انگلستان میں رہتے ہیں، وہ بھی اپنی زبان میں برابر شعر و شاعری کیا کرتے ہیں- کسی دوسرے موقع پر میں نے سید عبداللہ کے اشعار کا ذکر کیا ہے - اس وقت میرے پیش نظر ایک دوسرے ہندوستانی فاضل میر اولاد علی کی غزلیات ہیں - ان کا تخلص بھی میر ہے - میر تقی کا بھی یہی تخلص تھا - "نساخ" نے بعض بعض جگہہ "ذوق" کا جواب لکھا ہے - "ذوق" اس وقت ہندوستان کے بہترین شاعر سمجھے جاتے ہیں - اسی لئے انہیں "خاقانیِ ہند" کا خطاب ملا ہے —

بابو شیوپرشاد کی محنت کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے ہندی میں ہندوستان کی مختصر تاریخ لکھی ہے . یہ تاریخ

مدرسے کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہے۔اس کا نام " Itihas timir nacak "
ہے - ان کا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو اردو رسم الخط میں بھی
شائع کریں - تاریخ تین حصوں پر منقسم ہے - پہلے حصے میں
ہندو اور مسلم عملداری کا حال ہے - اب تک یہی حصہ شائع
ہوا ہے جو خود مصنف نے از راہ کرم مجھے بھیجا ہے - دوسرے
حصے میں انگریزی عملداری کی ابتدا اور اس کی ترقی و
عروج کا احوال ہوگا اور تیسرے حصے میں ان تبدیلیوں کا
ذکر کیا جائے گا جو انگریزی اثر سے ہندوستانیوں کے رسوم و
رواج اور ان کے قوانین پر مترتب ہوئی ہیں - اسی تاریخ
میں 'شیو پرشاد' نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ 'الفنسٹن' اور
'مارشمین' کی تاریخیں غلطیوں سے خالی نہیں ہیں —

کپتان اے آر فلر ناظم سررشتۂ تعلیمات ' پنجاب نے از راہ
کرم مجھے اُردو کی ایک تاریخ ہند بھیجی ہے جو ان کے حکم
سے لکھی گئی ہے - اس کتاب کا نام " واقعات ہند " ہے - مولف
کا نام کریم الدین ہے - اس تاریخ کا زیادہ تر مواد انگریزی
اور ہندوستانی دستاویزوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ چند ماہ کا عرصہ
ہوا یہ کتاب لاہور میں طبع ہوئی۔ مولف موصوف نے ایک
جغرافیہ بھی مدرسوں کے لئے لکھا ہے- اس کا نام "مفتاح الارض"
رکھا ہے- محمد فاضل لاہوری نے اس کتاب کی کتابت کی اور پھر
لاہور میں لیتھو پر چھپی —

مولوی کریم الدین کی یہ دونوں کتابیں اور ان کے علاوہ ان کی اور دوسری تصانیف در اصل تراجم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہیں - مولوی کریم الدین اپنے اور دوسرے اہل وطن کی طرح اس بات کو کوئی عیب نہیں سمجھتے کہ کسی دوسرے مصنف کے خیالات کو بلا تکلف اپنی کتاب میں درج کر دیں - ہندوستان میں یہ آزادی عام طور پر علمی دنیا میں برتی جاتی ہے- مترجمین کو ان بین الاقوامی معاہدوں کی مطلق کوئی پروا نہیں ہوتی جن کے مطابق ان کا فرض ہے کہ وہ جب کسی مصنف کی کتاب سے کوئی مضمون لیں تو اس کا اعتراف کریں ممکن ہے یہ شعار ہندوستان کے مولفین و مصنفین کے لیے عارضی نفع کا باعث ہوتا ہو لیکن ذہنی ترقی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی مُضر بات نہیں ہو سکتی- میں سمجھتا ہوں مولوی کریم الدین آج کل جس نئی کتاب کو تالیف کر رہے ہیں اس کا نام خذ ما صفا ہے اس میں ضرور اس کا اعتراف کریں گے کہ انہوں نے دوسروں سے استفادہ کیا ہے - یہ کتاب حکومت پنجاب کے صرف سے طبع ہوگی جیسا کہ انہوں نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا ہے - نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں مختلف مصنفین کے خیالات کو یک جا جمع کر دیا گیا ہے —

پنجاب کے ناظم سر رشتۂ تعلیمات نے مجھے ان ہندوستانی

کتابوں کی ایک فہرست بھیجی ہے جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں - چنانچہ اس فہرست کی بعض کتابوں کی جانب میں آپ صاحبوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ان کتابوں میں سے لاہور میں حسب ذیل طبع ہوئی ہیں —

(۱) فلسفہ کے اصول پر ایک کتاب "اصول علم طبیعی" ہے - اس کی دوسری جلد کا نام "مخزن طبیعی" ہے جس میں فطرت کے اصول بیان کئے گئے ہیں —

(۲) گردھاری لال کی بھگوت گیتا کا ہندی ترجمہ - یہ کتاب ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے —

(۳) آشوب نامہ - یہ افسانہ ہے - اس میں بھگوان داس اور گوپال رام دو بھائیوں کا احوال درج ہے —

(۴) ہما - مہر حسن کی فارسی صرف و نحو ہے - اس عجیب و غریب پرندے کے نام کو موضوع کتاب سے بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا —

(۵) مفتاح النعیم - اس میں اصول انشا درج ہیں اور ساتھ ہی خطوں کی مثالیں بھی ہیں - خطوں کا طرز عام مشرقی خطوط سے ذرا مختلف معلوم ہوتا ہے —

لدھیانہ میں مندرجہ ذیل کتابیں چھپی ہیں :

متعدد کتابیں سنی اور شیعہ فرقہ کے عقاید اور مباحثوں سے متعلق ہیں - ان میں سے ایک کتاب کی ضخامت ۱۱۲۴ صفحے ہے -

"اشراقات عرشیہ" میں قصیدے اور نظمیں ہیں - یہ کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے - قصیدے اور نظموں کا انتخاب سید فرزند علی نے کیا ہے "باغ آدم" میں انبیا علیہم السلام کے حالات زندگی ہیں - "عجائب ربع مسکوں" میں میر خوند کی تاریخ حبیب السیر کا خلاصہ ہے —

دہلی میں مندرجۂ ذیل کتابیں چھپی ہیں —

(۱) "فغان دہلی" - اس میں سنہ ۵۷ ع کی شورش عظیم کے حالات درج ہیں اور یہ بتایا ہے کہ مغلوں کے دارالسلطنت کو اس پُر شور زمانے میں کِن کِن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا - یہ کتاب 'اکمل المطابع" میں چھپی ہے —

(۲) "دافع ہذیاں" - اس میں فارسی کی لغت "برہان قاطع" کی بعض غلطیوں پر تنقید ہے —

(۳) "دری کشا" - اس کتاب میں قدیم فارسی پر محققانہ نظر ڈالی گئی ہے —

(۴) "مہتاب معرفت" - اس میں بدھ مت اور ویدانت کے اصول کے مطابق عقل اور جذبات کی باہمی جنگ کی کیفیت درج ہے - یہ کتاب اخلاق کی تعلیم دیتی ہے - اصل سنسکرت سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے - نند داس نے اس کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے - جامعہ کیمبرج کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے —

آگرہ کے مسٹر شکل نے جو ایک پادری ہیں مجھے لکھا ہے کہ مکند لال کی کتاب "بغاوت ہند" کے باقی چھہ اجزا بھی شائع ہو چکے ہیں - اس کتاب کے شروع کے اجزا کی نسبت میں پہلے ذکر کر آیا ہوں * —

مرزا پور کے اخبار "خیر خواہ ہند" کی ماہ فروری کی اشاعت میں سرجان لارنس وائسرائے ہند کی زندگی کے حالات درج ہیں اور اس کے ساتھہ ان کی تصویر بھی ہے - یہ پرچہ مجھے سر چارلس تریولین کی عنایت سے حاصل ہوسکا - اس اشاعت میں متعدد ایسی کتابوں پر تقریظیں بھی ہیں جو مشنری، دیسی لوگوں میں دین مسیح کی نشر و اشاعت کی غرض سے طبع کراتے ہیں - ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ دیسی لوگوں میں مغربی علوم و تمدن کا چرچا بڑھ رہا ہے - مرزا پور سے ایسی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں جو ہندوستانیوں کے لئے بہت دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں جیسے تلسی داس کی رامائن - یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں ہے - ہندی کی کتابوں میں اس کو جو عام مقبولیت حاصل ہوئی وہ آج تک کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوئی - ہندی میں سنسکرت کی صرف و نحو پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے - پنڈت بدری لال نے

---

* دیکھو خطبہ سنہ ۱۸۶۱ ع -

ایک کتاب شائع کی ہے جس کا موضوع " قدیم ہند میں تعلیم نسواں " ہے ان کے علاوہ ایک اور قابل ذکر کتاب ' چراغ کلام " ہے - یہ کتاب بارہ اجزا پر مشتمل ہے -

اب آج کل خود یورپین لوگوں نے ہندوستانی ادبیات پر نئی نئی کتابیں لکھنا شروع کی ہیں - ان میں مشرقی طرز کی جھلک پائی جاتی ہے اور بعض وقت تو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ کہیں یہ کتاب کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی تو نہیں - اس وقت میرا روے سخن ان مشنریوں کی طرف نہیں ہے جو لا تعداد کتابیں تبلیغی سلسلے میں ہر سال شائع کرتے رہتے ہیں بلکہ میری مراد اُن ادبی اور علمی کتب سے ہے جو ان انگریزوں کی تصانیف ہیں جنھیں مشرقی السنہ سے دلچسپی ہے - اس قسم کی ایک کتاب " داستان جمیلہ خاتون " ہے - مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا لیکن دراصل یہ افسانہ خود مسٹر ایم کیمپسن کی تصنیف ہے - موصوف صوبۂ شمالی مغربی کے ناظم تعلیمات ہیں - ان سے قبل اس صوبہ کے ناظم تعلیمات مسٹر ایڈ تھے جن سے مجھے خصوصیت حاصل تھی - اگر کسی کو اصلی مصنف کا علم نہ ہو تو مشکل ہی سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ہندوستانی مسلمان کے قلم سے نہیں نکلی - اس میں ایسی ایسی تشبیہیں اور استعارے بلا تکلف استعمال کئے گئے ہیں جنھیں صرف

تھیٹ ہندوستانی ہی برت سکتا ہے - اس کے علاوہ اس کتاب میں عربی فارسی کے فقرے بھی جابجا آتے ہیں - میرا تو خیال ہے کہ غالباً خود ہندوستانیوں کو اصل مصنف کا پتا لگانے میں ذرا تامل ہوگا - ممکن ہے شبہ ہو تو اس سے ہو کہ اس کتاب کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں ہے اور اس کا خاتمہ انجیل مقدس کے ایک فقرہ پر ہوتا ہے —

یہ کتاب ہندوستانی مدارس کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہے- اس کے دیباچے میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کو جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں اخلاقی تعلیم نام کو نہیں ہوتی - اس کے بر خلاف عشق و نفس پرستی کے قصے انہیں پڑھائے جاتے ہیں - اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے انگریزی مدارس کی کتابوں کے طرز پر یہ کتاب لکھی گئی ہے - اس میں ایسے مضمون سے بحث کی ہے جسے پڑھ کر طلبا میں نیکی اور فرض شناسی کا شوق پیدا ہو اور بری باتوں سے احتراز کرنا سیکھیں - اس کتاب کا مقصد طلباء کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کو ابھارنا ہے - قصہ یہ ہے کہ کاشغر کے تخت کا وارث ایک نوعمر شہزادہ نوشہ ہوا - نوعمری کی وجہ سے سلطنت کا انتظام اس کے چچا انور کو تفویض ہوا - چچا کی نیت بدلی اور اس نے چاہا کہ نوشہ کو قتل کرا کے خود سلطنت غصب کرلے - اس کام کے لیے

اس نے ایک غلام کو جس کا نام حلبی تھا آمادہ کرلیا - حلبی نے اس کام کو انجام دینے کا وعدہ تو کر لیا لیکن خدا نے کچھہ ایسی نیکی اس کے دل میں ڈالی کہ بجائے قتل کرنے کے وہ نوشہ کو اپنے همراہ لے کر شیراز میں پناہ گزیں ہوا - شیراز کے وزیر کی لڑکی جمیلہ خاتون پر نوشہ کی نظر پڑی اور وہ اس پر دل و جان سے عاشق ہوگیا - اس کے بعد نوشہ اور حلبی کو عجیب وغریب مہمات پیش آئیں لیکن بالآخر اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی - اس نے انور کو شاهی محل کے ایک غار میں بند کردیا اور نوشہ کو تخت پر بٹھایا - پھر جمیلہ خاتون کی نوشہ سے شادی ہوئی اور وہ شیراز سے کاشغر آگئی —

سید احمد خاں کی تحریک پر ابھی حال میں بمقام کلکتہ مسلمانوں کی ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا نام " مجلس مذاکرۂ علمیہ اهل اسلام " رکھا گیا ہے - موصوف کا میں اپنے کسی پچھلے خطبے میں تعارف کرا چکا ہوں - آپ نے جو انجیل مقدس کی شرح لکھی ہے اس کا بھی میں ذکر کرچکا ہوں - آپ کی دوسری مشہور تصنیف " آثار الصنادید " ہے - سید احمد خاں نے ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۸۶۳ ع میں اس انجمن کے جلسے میں ایک تقریر کی جو میرے پیش نظر ہے - جلسہ عبداللطیف خاں بہادر کے زیر صدارت منعقد ہوا - سید احمد خاں نے اپنی

تقریر میں یہ خیال پیش کیا کہ جن اقوام نے علوم و فنون میں ترقی کی یا کر رہی ہیں، اس کا سب سے بڑا محرک خارجی اثر ہوا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اقوام دوسروں کے علوم و فنون سے استفادہ کر کے انہیں پایۂ تکمیل کو پہنچاتی ہیں۔ مسلمانوں نے شروع شروع میں علم و فلسفہ کے مبادیات یونانیوں سے سیکھے اور پھر اپنی محنت اور صبر سے علم و فلسفہ کو اوج کمال پر پہنچایا۔ جسے اس میں شبہ ہو وہ ان کی تصانیف دیکھے۔ ہندوؤں کی تصانیف قدیم زمانے سے مشہور چلی آتی ہیں لیکن انہیں بھی جو علم و بصیرت ملی وہ ہندوستان کے شمال و مغرب کی آریا قوم سے ملی۔ چنانچہ خود ان کی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔ خود انگریزوں نے جو آج دنیا میں تہذیب و تمدن کے علمبردار ہیں، دوسری اقوام سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ بعد میں خود انہوں نے صبر اور محنت سے حاصل کردہ علم کو بڑھایا اور اسے ترقی دی۔ موصوف اپنی تقریر سے مسلمانوں کو ان کے عہد ماضی کی ترقی یاد دلانا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ صدیوں تک علم و فن اور حکمت و دانش کے مالک تھے اور اب حال یہ ہے کہ وہ انتہائی اخلاقی پستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح موصوف نے ہندوؤں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ان کے بزرگوں نے بھی نئے نئے علم ایجاد کئے تھے اور آج یہ عالم ہے کہ ان پر بھی ہر طرف یاس و

وحرماں طاری نظر آتے ھیں - موصوف نے ھندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے یہ درخواست کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ھوں اور اپنے بزرگوں کی طرح علم و حکمت میں اپنا نام روشن کریں - موصوف نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ تجویز کیا کہ ھندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کمیٹی بنائی جاے جس میں مذھب و ملت کی مطلق کوئی تفریق نہ ھو، اور اس کمیٹی کے سپرد یہ کام ھو کہ وہ مغربی علوم وفنون کی کار آمد کتابوں کے ترجمے شائع کیا کرے- جہاں تک ممکن ھو مذھبی کتابوں کے ترجمے نہ کیے جائیں - ترجمے ھندی اور اردو دونوں میں ھونے ضروری ھیں تاکہ ھندو اور مسلمان ان سے استفادہ کرسکیں - اس کے علاوہ اگر ممکن ھو ھندوستان کی اور دوسری علمی زبانوں میں بھی ان ترجموں کو شائع کیا جاے —

اس تقریر کا خطاب چونکہ زیادہ تر مسلمانوں ھی کی طرف تھا اس لئے سید احمد خاں نے خاص کر ان سے استدعا کی کہ وہ اپنے دل میں حب وطن کا جذبہ پیدا کریں اور ان پر جو یہ الزام عاید کیا جاتا ھے کہ انھیں اپنے وطن سے محبت نہیں اسے غلط ثابت کردیں - اس کے علاوہ موصوف نے اس پر زور دیا کہ مسلمانوں کو چاھیے کہ اپنے ھم مذھبوں کو تحصیل علم کی طرف مائل کریں اس واسطے کہ قعر مذلت سے نکلنے کا بس

یہی ایک ذریعہ ہے - مسلمانوں پر جواب تک مصیبتیں آئی ہیں اور آج کل جن میں وہ مبتلا ہیں اس کی ذمہ داری خود ان پر عاید ہوتی ہے - ان مصائب و آلام سے نجات پانے کی بس یہی ایک صورت ہے کہ اب تک یورپ میں جو ترقیاں ہوئی ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اہل یورپ کی زندگی کی سطح کے برابر آجائیں - اس کا طریقہ یہ ہے کہ اہل یورپ کی علمی تصانیف کو پڑھنا چاہئے - اس سے کچھہ غرض نہیں کہ یہ کتابیں مسلمانوں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں اور ان میں بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو قرآن کی تعلیم کے خلاف ہیں - مسلمانوں کے نزدیک قرآن میں بقول موسیو بار تھلمی سینٹ ھلیر " نظم ' مناجات ' دعا ' قانون' وعظ ' رزمیہ' مناظرہ اور تاریخ سب ہی کچھہ موجود ہے " * - سید احمد خاں نے مسلمانوں کو ان کی تاریخ کی طرف توجہ دلائی کہ عرب لوگ باوجود اپنے دین و مذہب کے پابند ہونے کے فیثا فورث کی فلکیات کی تحقیقات میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے تھے - اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ لوگ اس کے بے دینی کے فلسفے کے قائل ہو گئے تھے - فلسفے کے غلط دلائل کے متعلق ایک فارسی شاعر نے ٹھیک کہا ہے :—

پائے استدلالیاں چوبیں بود

* Journal des Savants, December 1863

ہندوؤں نے بھی اپنی ایک انجمن مدراس میں قایم کی ہے - اس انجمن کے ارکان پر مسیحی اثر غالب معلوم ہوتا ہے - اس انجمن کا نام " ستھیا وید سماجم " ہے - اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں کو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی ترقی کی جانب توجہ دلائی جائے - اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے عام جلسوں میں تقریریں کرائی جائیں ' مباحثے منعقد ہوں اور مذہبی مسائل پر رسالے شایع کئے جائیں -

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کی صدارت سر جان لارنس وائسرائے ہند نے قبول کر لی ہے - اس انجمن کے ذریعے سے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو یورپ کے علما و فضلا سے ملنے کا موقع حاصل ہوگیا ہے - میری دانست میں اس سے ہندوستانی بہت کچھہ استفادہ کر سکتے ہیں —

سر جان لارنس وائسراے ہند کو اپنی رعایا کی تعلیم سے خاص شغف ہے - اس وجہ سے روز بروز نئے نئے مدارس قایم ہو رہے ہیں - موصوف کو اس کی خاص فکر ہے کہ ہندوستان میں تہذیب و تمدن کو فروغ نصیب ہو - لکھنؤ میں کیننگ کالج قایم ہوا ہے - اس کے قایم کرنے میں اودہ کے تعلقہ داروں اور برتش انڈین ایسوسی ایشن کا خاص حصہ ہے - اس کالج میں مغربی اور مشرقی دونوں قسم کے علوم پڑھاے جاتے ہیں - سرکاری کالجوں کی طرح کیننگ کالج میں بھی انگریزی

زبان کی بہترین تعلیم ہوتی ہے۔ یہاں انگریزی زبان کے شہ کار اور بالخصوص 'شیکسپیر' کے المیہ ناٹک پڑھائے جاتے ہیں اور ہندوستانی لوگ ان ناٹکوں کی خوبیوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان کی داد دیتے ہیں - یہ سچ ہے کہ 'شیکسپیر' ہر زمانے اور ہر ملک کا شاعر ہے۔ اس نے جو کچھہ لکھا ہے اس میں ایسی سادگی اور صداقت ہے کہ ہر ملک کے لوگ اس کے مطالب کو سمجھہ سکتے ہیں۔ خود 'شیکسپیر' کا یہ قول ہے کہ :—

"فطرت کے ذرا سے اشارے پر نوع انسانی میں رشتہ اور قرابت پیدا ہو سکتی ہے" * —

سوراب‌جی جمشید جی، جی جی بھائی نے سورت میں ایک کالج قایم کرنے کی غرض سے ۶۵ ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا ہے -

لاہور کا گورنمنٹ کالج باقاعدہ قایم ہو گیا - مسٹر جی لائٹنر اس کے صدر مقرر ہوے ہیں۔ موصوف اچھے مستشرق ہیں† -

برھام پور میں کئی سال سے گورنمنٹ کالج موجود ہے اب اس کی نئی عمارت تیار ہو رہی ہے یہ عمارت گوتھک طرز کی ہے۔ درسوں کے لئے چودہ کمرے رکھے گئے ہیں - ان کے علاوہ ایک کمرا بحث و مباحثہ کے لئے علاحدہ رکھا گیا ہے اور ایک دوسرے کمرے میں

---

* "One touch of nature makes the whole world kin" Troilus and cressida -

† انڈین میل فروری سنہ ۱۸۶۴ ع —

کتب خانہ رکھا جائے گا اس میں ۵۰ طالب علم بہ یک وقت بیٹھ کر کام کر سکیں گے —

ایک دولتمند پارسی نے ۵۰ ہزار روپے کا عطیہ اس لیے دیا ہے کہ اس سے ۵ ہندوستانی طلبا انگلستان کی جامعات میں جاکر تعلیم حاصل کریں اور وہاں سے ڈگریاں لائیں - ان میں سے بعض بیرسٹری پڑھیں گے اور اپنے وطن واپس آکر وکالت کا پیشہ اختیار کریں گے - بمبئی یونیورسٹی کو ایک مشہور و معروف ہندو پریم چند رائے چند نے دو لاکھ روپے کی رقم بطور عطیہ دی ہے تاکہ اس رقم سے کتب خانہ قایم کیا جائے - بمبئی میں ابھی حال میں محمد حبیب بھائی کا انتقال ہوا ہے - آپ نے بمبئی میں ایک کالج قایم کرنے کے لیے دو لاکھ روپے کی رقم چھوڑی ہے - ۱۵ اکتوبر کو سر بارٹل فریر گورنر صوبۂ بمبئی نے اس کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کا نام " دکن کالج " تجویز کیا - شہر بمبئی کے لئے جو ادارہ نہایت قابل قدر ہے وہ وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم اور وکٹوریہ گارڈن ہے جس کا افتتاح مسٹر جارج برڈوڈ کے زیر اہتمام ہوا ہے - موصوف بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کے معتمد ہیں - گورنمنٹ ہند کی طرف سے اس ادارے کے ناظم کی تنخواہ گیارہ سو روپے ماہوار مقرر ہوئی ہے - جب مسٹر برڈوڈ میوزیم اور باغ عامہ دونوں کو اپنی پیش نظر اسکیم

کے مطابق تنظیم دے چکیں گے تو غالباً وہ اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلیں گے اس صورت میں کسی جوشیلے نوجوان ماہر سائنس کے لئے موقع ہوگا کہ وہ ان کی جگہ پر کام کرے اور میوزیم اور باغ عامہ کو اور زیادہ ترقی دے —

الہ آباد میں جو سرکاری میوزیم اور کتب خانہ قایم ہوا ہے اس سے یقین ہے کہ ہندوستانیوں کو پورا فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا اور اس کی بدولت علم کی ترقی ہوگی - اس عجائب خانے کے حسب ذیل حصے ہوں گے ۱) قدیم ہندوستان کی تاریخ کے متعلق اشیاء (۲) ریشے' لکڑی اور دھاتیں (۳) زرعی پیداوار (۴) مصنوعات (۵) تاریخ طبیعی کے نمونے (۶) مشینوں کے نمونے —

خیال یہ ہے کہ لوگوں سے درخواست کی جائے گی کہ وہ اپنے کتب خانے بطور عطیات دیں - اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے سرکاری اداروں میں جو کتابیں ہیں انہیں بھی یہیں یکجا کر دیا جائے گا - جو یورپین ہندوستان چھوڑ کر وطن واپس ہونے کا قصد کریں گے ان سے بھی درخواست کی جائے گی کہ وہ بھی اپنی کتابیں اس کتب خانے کو عنایت فرمائیں —

بنگال کے گورنر آنریبل سیسل بیڈن کو ابھی حال میں اردو میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا جس میں یہ درخواست

کی گئی ہے کہ علی پور نیز دیگر مقامات میں جو زرعی نمایش سرکاری حکام کے زیر انتظام کی گئی ہے وہ ہر سال ہوا کرے * - ان نمائشوں کے سلسلے میں ایک بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن ہر جگہ صرف خواتین کے لیے مخصوص طور پر رکھا گیا اور انھوں نے اس میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا -

لاہور میں تعلیم نسواں کو خوب ترقی ہو رہی ہے - یہ تعلیمی تحریک بڑی حد تک 'بابا خان سنگھ' کی جد و جہد اور شغف کا نتیجہ ہے - آپ بابا نانک کی اولاد میں ہیں جنھوں نے سکھ مذہب قایم کیا تھا اور گرنتھ کا مذہبی قانون انھیں کا بنایا ہوا ہے- پنڈت رام دیال نے لڑکیوں کے لئے "پہلا قاعدہ" لکھا ہے اور ایک اور کتاب گرمکھی رسم الخط میں پنجابی لڑکیوں کے لئے لکھی ہے- اس کتاب کا نام "بال اپدیش" ہے -

کلکتہ میں بیتھم اسکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے پہلے سے موجود ہی ہے - یہ اسکول اپنے بانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے - اس کی بدولت بنگالی لڑکیوں کی تعلیم اور اخلاق پر بہت اچھا اثر پڑا ہے - کلکتہ میں نیز دوسرے مقامات پر ایسی یورپین خواتین موجود ہیں جو بطور خدمت یا کچھ تنخواہ لے کر زنانے میں جا کر ہندوستانی عورتوں کو تعلیم دیتی ہیں - میرے خیال میں ہندوستانی عورتوں کی تعلیم

* انڈین میل ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۴ ع -

کے لیے یہ طریقہ بہترین ہے - هندوستان کے شرفا کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مدرسوں میں بھیجنا پسند نہیں کرتے - اس کے علاوہ لڑکیوں کی بعض اوقات چار پانچ سال کی عمر میں شادی ہو جاتی ہے اور وہ تیرہ چودہ برس کی عمر میں مائیں بن جاتی ہیں- ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ مدرسے میں جاکر تعلیم حاصل کریں اس لیے ان کی تعلیم کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ گھر پر اس کا انتظام کیا جائے - اس میں ایک نقصان یہ ضرور ہے کہ مدرسے میں ایک دوسرے کو دیکھ کر جو شوق پیدا ہوتا ہے وہ گھر کی تعلیم سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا —

انگریزی مشنریوں کو هندوستانی مسلمانوں میں اتنی کامیابی نہیں حاصل ہوئی جتنی کہ ان کو ترکی میں حاصل ہوئی ہے - بہر حال ان کے اثر سے هندوستانی مسلمانوں میں مذہبی اصلاح کا خیال پیدا ہو گیا ہے - چنانچہ ایک " مسلم مشنری سوسائٹی " قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اصلاحی کام کرے - در اصل خود اس انجمن کا رجحان بہت کچھ مسیحی مذہب کی طرف ہے - عموماً مسلمان در اصل مسیحی تعلیم سے اس قدر دور نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے - کلکتہ کے مہا پادری ' کاٹن ' بھی میرے اس خیال کے موئد ہیں جیسا کہ

ان کی ہدایات سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے ماتحتوں کو ابھی حال میں دی ہیں * —

ہندوستانی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو مسیحی مذہب کی خوبیوں کو اپنے مذہب میں سمو رہی ہے - اس جماعت کے اصلی لیڈر سید احمد خاں ہیں جو غازی پور کے رہنے والے ہیں † - میں موصوف کی نسبت پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں - آپ ہی ہیں جنہوں نے انجیل کی تفسیر لکھی ہے اور ڈاکٹر کولینسو نے جو تورات پر اعتراضات کیے ہیں ان کا جواب دیا ہے - کلکتہ کے لاٹ پادری کاٹن کو یہ شکایت ہے کہ ان کا حلقۂ تبلیغ بہت وسیع ہے - لیکن اس کی وسعت بنارس تک نہیں پہنچتی جہاں ایک علحدہ پادری رہتا ہے - پورٹ لوئز میں '' انجمن کلیسا " (Church Association) نے ہندوستانی تارکین وطن کے لیے ایک کلیسا تعمیر کروایا ہے - یہاں ۲۷ اگست کو جو عبادت کی گئی اس کا ایک حصہ ہندوستانی زبان میں تھا - اس کے علاوہ متعدد دعائیں اور مناجاتیں بھی ہندوستانی زبان میں پڑھی گئیں —

مدراس کی انجمن حلقہ ہائے تبلیغ نے ہندوستانی تامل

---

* " A charge to the clergy of the Diocese and Province, Calcutta "-

† سر سید احمد خاں مرحوم غازی پور میں بہ سلسلۂ ملازمت سرکاری کچھ عرصہ رہے تھے — مترجم

اور تلگو زبانوں میں چھہ ہزار سے زائد رسائل چھپوائے ھیں تاکہ مسیحی مذھب کی نشر و اشاعت عوام الناس میں کی جائے- کلکتہ کے حلقے کی "ورناکلر کمیٹی" نے یہ فیصلہ کیا ھے کہ 'رڑکی' کے پادری 'ایچ شل' کی "صبح کی مناجات" اور "شام کی مناجات" کا ھندی میں ترجمہ کریں - اس انجمن نے دھلی کے پادری 'ونٹر' کو اردو کے دو سو با تصویر اشتہارات چھپوا کر بھیجے ھیں تاکہ وہ انھیں تقسیم کریں - ان اشتہارات کا ریورنڈ ایم سلھٹر نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ھے * —

'پیشاور' کی "چرچ مشنری سوسائٹی" نے رنجیت سنگھہ کے زمانے کے ایک شاھی قلعے کو اپنے مشن کا مرکز بنا یا ھے —

مہاراجا دلیپ سنگھہ جب حال ھی میں بمبئی سے گزرے تو انھوں نے ۱۰ اپریل کو ڈاکٹر ولسن کے گرجا میں ھندی زبان میں لکچر دیا اس لیے کہ حاضرین جلسہ میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت نہیں تھی جو انگریزی سمجھہ سکتے - مہاراجا اپنی والدہ کی آخری وصیت پوری کرنے کی غرض سے ھندوستان تشریف لے گئے تھے - وہ آخری وصیت یہ تھی کہ مرنے کے بعد ان کی لاش دریائے گوداوری کے کنارے نذر آتش کی جائے (†) -

---

* The Colonial Church Chronicle, January, 1864

† مہارانی کی وصیت کے مطابق ان کی لاش ھندوستان لائی گئی اور دریائے گوداوری کے کنارے پر نذر آتش کی گئی - چونکہ مہارانی صاحبہ سمندر پار جا چکی تھیں اس لیے کسی برھمن نے اس آخری رسم میں شرکت نہیں کی - صرف ان لوگوں نے جو ذات باھر سمجھے جاتے ھیں شرکت کی —

مہاراجا نے ۱۲ اپریل کو سب ہندوستانیوں کو Free general assembly institution میں مدعو کیا جنھوں نے مسیحی مذہب کو قبول کیا ہے - اس دعوت میں تقریباً ساڑھے چار سو آدمی شریک ہوئے جن میں مشنری اور ان کے خاندان کے لوگ بھی شامل تھے - اس موقع پر متعدد تقریریں ہوئیں - ڈاکٹر ولسن نے مہاراجا کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی اہمیت بتلائی اور یہ کہا کہ اس کا اور دوسرے ہندوستانیوں پر بھی بہت اچھا اثر پڑے گا - ایک دیسی مشنری نے دکن میں مسیحی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے متعلق تفصیلات بیان کیں - اور کئی دیسیوں نے تقریریں کیں - اسکول کی لڑکیوں نے ہندی میں گیت اور مناجاتیں گائیں اور آخر میں "گاڈ سیو دی کنگ" (خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے) گایا یہ آخری گیت بھی بجائے گجراتی یا مرہٹی کے ہندی زبان میں تھا * —

آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ مشنریوں کی جد و جہد ہندوستان میں بالکل بے کار نہیں گئی - گزشتہ سالوں میں ڈاکٹر ڈف کو خاص کر کامیابی حاصل ہوئی - موصوف پچھلے سال ہندوستان میں ۳۴ سال رہنے کے بعد انگلستان واپس

---

* ہندوستان سے واپسی پر قاہرہ میں امریکی مشنری اسکول کی ایک لڑکی پر مہاراجا فریفتہ ہوگئے اور اسکندریہ میں ان کی شادی ہوگئی مہاراجا کی بیوی کی عمر صرف سولہ سال ہے اس کی ماں قبطی ہے اور باپ جرمن ' جس کا نام ملر ہے —

آگئے ھیں - آپ کی مساعی کی بدولت ھندوستان کی مذھبی اور معاشرتی زندگی میں انقلاب پیدا ھو گیا - آپ نے اپنا پورا وقت ھندوستان میں مسیحی مذھب کی تبلیغ و اشاعت پر صرف کیا - الوداعی جلسوں میں ھندوستانیوں نے موصوف کے ساتھہ اظہار خلوص کیا موصوف نے ایک جلسے میں کہا کہ انہوں نے ھگلی کے ضلع میں چھہ اینگلو ورنکلر اسکول اپنے زمانۂ قیام میں قایم کئے - بقول گولڈ سمتھہ :—

"جب وہ کلیسا میں آتا تو اس کی شیریں کلامی اور خوش ادائی سے کلیسا پر رونق آجاتی - اس کی زبان سے جو صداقت کے الفاظ نکلتے ان کا دھرا اثر ھوتا تھا - وہ لوگ جو اس کا مذاق ازانے آتے اس کو دیکھہ کر چپ چاپ عبادت میں مشغول ھوجاتے"* -

اس سال متعدد لوگوں کے انتقال پر ملال سے ھندوستانی ادب کو نا قابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا - ڈاکٹر جیمس آر بلانتھن مدت سے جدید ھندوستانی زبانوں کو چھوڑ کر مقدس سنسکرت زبان کی تحقیق میں مصروف تھے - آپ نے ۱۶ فروری کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی - آپ جیمس میکل کے بھتیجے تھے - آپ نے ھندی اور بھاشا کی صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی اور دوسری کتاب ھندوستانی صرف و نحو

* Deserted Village

پر لکھی جس کے دو اڈیشن شائع ہو چکے * ان کے علاوہ ایک

کتاب " منتخبات ہندوستانی " (Hindustani Selections) کے

نام سے اور ایک دوسری کتاب ہندوستانی انشاء پر لکھی جس

کا نام" Hindustani, letters lithographed in the Nusk-tuleek and

Shikustuamez character " ہے - آپ کی ایک کتاب " Practical

Oriental Interpreter " ہے - اس میں انگریزی سے ہندوستانی

اور فارسی میں ترجمے کے طریقے اور مثالیں ہیں —

مسٹر بلانتین بالکل نو جوانی کے زمانے میں اڈنبرا کی

(Military and Naval Aacademy) میں ہندوستانی زبان کے

پروفیسر مقرر ہوے - کئی سال تک ہندوستان میں بنارس

کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا - پھر East India House

کے کتب خانے کے ناظم مقرر ہوگئے- موصوف سے پہلے ایچ - ایچ

ولسن اس خدمت پر تھے - ان سے پہلے Wilkins تھے' اور ان

سے قبل Fitz-Edward Hall تھےجو King's College میں ہندوستانی

کے پروفیسر تھے - مسٹر بلانتین اپنی موت سے قبل سنسکرت

کی ایک کتاب " مہا بھاشیا " کی اشاعت میں مشغول

تھے - یہ کتاب پانینی کی صرف و نحو کی شرح ہے - ان کا

ارادہ تھا کہ اسے چار جلدوں میں شائع کریں گے لیکن اپنی

* Elements of Hindi and Bhakha Grammar اور Hindustani Grammar and Exercises —

زندگی میں صرف ایک شائع کرسکے - پہلی جلد ۸۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور قدیم ہندوؤں کی کتابوں کی طرح لمبی تقطیع پر ہے - اس کتاب کی طباعت کے اخراجات حکومت ہند کی جانب سے دیے گئے —

گزشتہ مئی کے مہینے میں انجیرس Angers کے مقام پر موسیو فلکس بوترو کا انتقال ہوگیا - آپ کو علمی دنیا میں زیادہ شہرت اس لیے نہیں حاصل ہوئی کہ آپ نہایت ہی منکسرالمزاج شخص تھے- وہ لوگ جنھیں آپ کے ساتھ سابقہ رہا ان کے دل میں آپ کی ہمیشہ قدر اور عزت رہی - آپ کا شمار ان چند نفوس میں ہونا چاہئے جنھوں نے فارسی کی جگہہ ہندوستانی کو رواج دینے میں کوشش کی اور خود ہندوستانیوں کو نثر لکھنے کا شوق دلایا - ورنہ عام طور پر اب تک دستور یہ تھا کہ صرف نظمیں روز مرہ کی زبان میں لکھی جاتی تھیں اور نثر فارسی میں لکھی جاتی تھی - جس طرح اٹلی، فرانس، انگلستان، اور جرمنی میں لاطینی کی جگہہ ملکی زبانوں کو فروغ ہوا اسی طرح ہندوستان میں بھی ہندوستانی کی اہمیت فارسی کے مقابلے میں زیادہ بڑھنے لگی - یورپ میں جب کہ علمی دنیا میں محض لاطینی استعمال ہوتی تھی ' شعر کی زبان ہمیشہ قومی زبان رہی-

موسیو بوترو فرانسیسی نژاد تھے - وہ مقام ' مین ' میں

پیدا ہوے - سنہ ۱۸۲۴ ع میں وہ اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس ہندوستان چلے گئے - اس طرح انہیں اس کا موقع ملا کہ ہندوستانی زبان کی تحصیل کریں - بچپن کی عمر میں وہ ہندوستان آے اس لئے زبان سیکھنے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی - انہیں تحریر اور تقریر میں کوئی تکلف باقی نہ رہا تھا - سنہ ۱۸۳۴ ع میں انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا - سنہ ۱۸۴۰ ع میں حکومت کی طرف سے انہیں دہلی کے دیسی کالج کی صدارت تفویض ہوئی اور انہیں شہر دہلی کی "مجلس تعلیمی" کی معتمدی پر سرفراز کیا گیا - "مجلس تعلیمی" کے ماتحت جس قدر بھی مدارس تھے ان کی نظارت کا کام بھی انہیں کے سپرد تھا - سنہ ۱۸۴۱ ع میں وہ ایک کمیشن کے سکریٹری بناے گئے جس کے پیش نظر یہ کام تھا کہ ہندوستانی طلبا کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوے ایک ایسا نصاب تیار کیا جاے جس کے ذریعے مادری زبان میں (بالخصوص ہندوستانی زبان میں) تعلیم دی جا سکے - اس لیے کہ اس زمانے تک اعلیٰ تعلیم فارسی میں دی جاتی تھی اور بعض مدارس میں عربی یا سنسکرت کی وساطت سے - سنہ ۱۸۴۱ ع سے ۱۸۴۵ ع تک اس کمیشن نے بس یہ کام کیا کہ ہندوستانی میں تیس اعلیٰ پایے کی کتابیں لکھوائیں - یہ کتابیں مختلف موضوعوں پر تھیں -

طبعیات ، کیمیا ، ریاضی ، فلکیات ، آئین سازی ، معاشیات ، اور قانون کے موضوعوں کے علاوہ شعر و شاعری پر بھی کتابیں تیار کروائی گئیں - ورنہ اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ اشعار زیادہ تر قلمی نسخوں تک محدود رہتے تھے - موسیو بوترو نے خود تین کتابیں لکھیں - یہ کتابیں دراصل ان درسوں پر مشتمل تھیں جو وہ پروفیسر کی حیثیت سے پہلے اپنے طلباء کے سامنے بیان کرچکے تھے - پہلی کتاب " اصول قانون سازی " سے متعلق تھی دوسری " ہندوستان کی مالیات " پر تھی اور تیسری " حقوق شخصی " پر تھی * —

سنہ ۱۸۴۵ ع کے اواخر میں موسیو بوترو کی صحت بہت خراب ہو گئی تھی چنانچہ انھیں یہی مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے وطن فرانس چلے جائیں کیا عجب ہے کہ وہاں کی آب و ہوا ان کے لیے اکسیر ثابت ہو - موصوف کی ہندوستان سے روانگی پر جو الوداعی جلسے ہوے اُن میں گورنمنٹ ہند کے سب اعلیٰ حکام نے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ جب ان کی

---

* ان تینوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے- انھیں میں نے بڑی دشواری سے حاصل کیا - یہ تینوں کتابیں دہلی میں لیتھو پر چھپی ہیں - پہلی کتاب میں ۳۵۰ صفحے ہیں ، دوسری میں ۱۶۶ صفحے ہیں اور تیسری کتاب ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے -

صحت بہتر ہو جائے تو وہ اپنی خدمت پر واپس آجائیں۔ لیکن موسیو بوترو کی صحت کی حالت ایسی تھی کہ ان کے لیے ہندوستان واپس جانا دشوار تھا۔ وہ مقام انجیرس میں جاکر رہے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق آئی اور کچھ عرصے بعد ان کی صحت اچھی ہوگئی۔ انجیرس کے مجسٹریٹ کی لڑکی سے انہوں نے شادی کی اور اس کے بطن سے ان کے ایک صاحبزادہ تولد ہوا۔ مجھے پوری توقع ہے کہ ان کا صاحبزادہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا اور اپنی والدہ کی مرضی کو اپنا رہنما بنائے گا —

۱۷ جون کو انگلستان کے ایک مشہور و معروف مستشرق ریورنڈ ڈبلو کیورٹن کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی عمر انتقال کے وقت ۵۶ سال کی تھی۔ آپ نے خاص کر سامی زبانوں کی تحقیق میں اپنی عمر گذار دی۔ ان زبانوں کے مطالعے کے سلسلے میں آپ نے ہندوستانی زبان بھی سیکھی تھی۔ آپ نے عربی اور عبرانی زبان میں بہت مہارت پیدا کر لی تھی چنانچہ آپ نے ان دونوں زبانوں کی بعض مشہور کتابوں کے ترجمے کیے ہیں اور کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ ہی کی کوشش کی بدولت 'متی' کی انجیل کا سب سے قدیم متن دریافت ہوا اور St. Ignace کے خطوط کا اصل اور ترجمہ سب سے پہلے آپ ہی نے معلوم کیا۔ میڈم کیورٹن نے ان قدیم قلمی

نسخوں کے چربے خود اتارے ہیں —

گزشتہ ۷ اپریل کو بمقام 'جنیوا' موسیو آندرے ژانان کا انتقال ہوا - آپ میرے بہت قدیم شاگردوں میں سے تھے - آپ نے لسانیات پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں آپ برابر نو مہینے فریش رہے لیکن کبھی ایک حرف بھی اپنی تکلیف اور بیماری کے متعلق کسی دوست کے سامنے زبان سے نہیں نکالا- مرنے سے چند روز قبل جب آپ کو اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ تھوڑے دنوں کے دنیا میں اور مہمان ہیں' آپ نے اپنی ایک نظم احباب کے لیے چھپوائی جس کا عنوان " قاصد کا چل چلاؤ" تھا - یہ نظم وہ اپنے احباب کے لیے اپنی آخری یادگار چھوڑ گئے ہیں- اس نظم سے ان کے دل کی حالت کا پتہ چلتا ہے - اس نظم کا آخری بند یہ ہے :—

" موت سر پر کھڑی ہے لیکن پھر بھی تو خوش ہے '
مصائب کا ہجوم ہے لیکن تیری زبان سے اُف تک
نہیں نکلتی - تو باوجود رنج و الم کے مگن ہے -
روح القدس نے تجھے قوت اور صبر عطا کیا ہے -
عقیدے کے بل پر تو سب کچھ جھیل سکتا ہے - صلیب کا
اپنے دل میں خیال کر اور یوں کہہ : اے میری پیاری
روح '! ابھی ذرا اور انتظار کر اور یقین کو ہاتھ سے

جانے نہ دے *" —

گزشتہ اکتوبر کی ۱۰ تاریخ کو بمقام ایبٹ آباد میجر ایچ ' آر ' جیمس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - آپ پنجاب کے کمشنر تھے اور ہندوستانی زبان پر آپ کی نظر بہت وسیع تھی - آپ جنگ بہادر والیء ' نیپال ' کے ہمراہ ' پیرس ' تشریف لاے تھے اس وقت مجھے آپ سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا - آپ کے انتقال پر ملال سے سارے ہندوستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا - لوگوں کے دل میں آپ کی بڑی عزت تھی اور بالکل بجا تھی - آپ کی بدولت ہزارہا مخلوق کو فائدہ پہنچا اور ان کی مرفہ الحالی میں اضافہ ہوا - جس طرح فرانسیسی حکومت کے ماتحت ' الجیریا ' کی مرفہ الحالی دن دونی بڑھ رہی ہے بالکل اسی طرح برطانوی اقتدار کی بدولت ہندوستانیوں کی عام خوش حالی میں اضافہ ہورہا ہے - نوع انسانی کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہماری حکومت ' الجیریا ' میں قایم رہے اور برطانیہ کا جھنڈا ہندوستان میں لہراتا رہے - شیکسپیر نے تین صدی قبل جو اشعار لکھے ہیں وہ ہمارے حسب حال ہیں اور ان اشعار سے

---

* عجب اتفاق ہے کہ موسیو آندرے ژانان کے انتقال کے چند ہفتے کے اندر ان کا فرزند اور بھتیجا ' جنیوا ' کی جھیل میں ڈوب کر مر گئے - وہ سیر کو کشتی میں جارہے تھے کہ ہوا کی شدت سے ان کی کشتی اُلٹ گئی اور وہ دونوں ڈوب گئے —

اس شاعر کے مسیحی عقیدے اور همدردی کا پتا چلتا ھے —

" خدا کرے کہ انگلستان اور فرانس کی مملکتوں میں ایک دوسرے سے بغض و نفرت باقی نہ رھے - ان دونوں ملکوں کے ساحل باھمی رشک و حسد کے باعث زرد رنگ کے ھوگئے ھیں کیا اچھا ھو اگر ان دونوں ملکوں کے درمیان مسیحی دین کے سچے ماننے والوں کی طرح لطف و اتحاد پیدا ھوجاے اور دونوں پڑوسیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں - خدا کرے کہ ان دونوں کے دلوں میں یہ بات جم جاے - اور وہ کبھی ایک دوسرے کے خون میں اپنی تلوار کو رنگین نہ کریں * " —

* Henry V.th, act V. Sc. 4.

پندرھواں خطبہ

۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع

حضرات ! وہ زمانہ اب گیا گزرا جب کہ کہا جاتا تھاکہ جدید ہند کی قومی زبان درحقیقت توتی پھوتی بولی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی- ممکن ھے اس خیال کے حامیوں میں آپ کو چند لوگ ایسے ملیں جو یہ کہتے ھیں کہ ھندوستانی زبان میں یک جنسیت نہیں پائی جاتی - اسی وجہ سے وہ اس زبان کو ھیچ پوچ سمجھتے ھیں - لیکن اس خیال کی حمایت کے وقت وہ یہ بھول جاتے ھیں کہ خود یورپ کی زبانیں اور خاص کر انگریزی زبان متفرق عناصر کے امتزاج سے بنی ھے - پھر نہج لوگوں کا خیال ھندوستانی کی نسبت چاھے کچھہ بھی ھو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ سارے ھندوستان کی مشترک زبان بن گئی ھے - دن بدن جو اس کی ترقی ھو رھی ھے اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جا سکتی ھے- اس مسئلہ کی نسبت کپتان ایچ- مور (H. Moore) نے اپنی رائے سے مجھے مطلع کیا ھے - موصوف مرکزی حکومت میں

ترجمان کے عہدے پر فایز ہیں - آپ کے الفاظ یہ ہیں- " بلا شبہ کچھہ عرصے بعد ہندوستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کرلے گی - اسی زبان کے توسط سے لاکھوں اہل مشرق تبادلۂ خیالات کرتے ہیں - ریل کی وجہ سے جو اندرون ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے اور بھی ہندوستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو ملنے جلنے کا موقع ملا ہے - چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں - ہندوستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی ہے اس لیےکہ اس کی ساخت میں ہندی ' فارسی اور عربی کے عنصر شامل ہیں - اس زبان میں بدرجۂ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے مقاصد کو پورا کرے - میرے خیال میں ہندوستان کے قدرتی وسایل کی ترقی کے جس قدر امکانات ہیں اسی قدر ہندوستانی زبان کو فروغ حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں - ان قدرتی وسایل کی ترقی کی بدولت یورپ کے ہر ملک کے لوگ ہندوستان کھنچے چلے آرہے ہیں- کشمیر میں مجھے فرانسیسی لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا - یہ لوگ فرانسیسی کارخانوں کے ایجنٹ ہیں - ہندوستان کا شاید ہی کوئی بڑا شہر ایسا ہوگا جہاں فرانسیسی موجود نہ ہوں - پچھلے دس برس میں کلکتہ' بمبئی میں ان کی تعداد بہت

بڑھ گئی ہے * - بندرگاہوں میں جہاں ساری دنیا کے تجارتی جہاز نظر آتے ہیں وہاں فرانسیسی جھنڈا بھی کہیں نہ کہیں ضرور لہراتا نظر آتا ہے —

بابو راجندر لال متر نے اپنے مضمون "ہندی زبان کی ابتدا اور اردو کے ساتھ اس کا تعلق" † میں یہ بتلایا ہے کہ ہندوستانی کی ابتدائی صورت ہندی ہے جو عام طور پر ہندو لوگ بولتے ہیں مسلمانوں کی اُردو ہندی ہی سے نکلی ہے - میں نے ابھی حال میں بابو راجندر لال متر کی تصویر دیکھی جس سے ان کی خوش اخلاقی اور ذہانت کا پتا چلتا ہے - موصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں جس قدر زبانیں رائج ہیں ان سبھوں میں ہندی سب سے زیادہ اہم ہے - ہندی زبان جن لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی ہے وہ ہندو معاشرت کے مہذب ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں - ہندی مشرقی بہار سے لے کر کوہ سلیمان کے دامن تک اور

---

* بہت عرصے سے کلکتہ میں فرانسیسی کونسل (Consul) رہتا ہے - اب بمبئی میں بھی رہنے لگا - بمبئی میں موسیو اے تھینو کو ابھی حال میں حکومت نے نامزد کرکے بھیجا ہے - موصوف کو اردو زبان سے شوق ہے - کلکتہ کے کونسل موسیو لومبار ہیں - انہیں بھی اردو کی ترقی کا بڑا خیال رہتا ہے - دونوں صاحبوں نے ازراہ نوازش وعدہ کیا ہے کہ وہ میری تحقیق میں حتی المقدور مدد فرمائیں گے —

— Journal of the Asiatic Society of Bengal, No. 5, 1864. †

بندھیا چل سے لے کر ترائین تک ہر کہیں بولی اور سمجھی جاتی ہے - گورکھوں کے ذریعے سے اس زبان نے کمایوں اور نیپال تک رسائی پیدا کرلی ہے - ہندوستان کی مشترک زبان کی حیثیت سے پیشاور کے کوھستان سے لے کر آسام تک اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اس زبان نے اپنا سکہ بٹھا دیا ہے- ہزار سال کے عرصے میں اس زبان نے جلیل القدر ادب دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس کے ادب کا مقابلہ ہندوستان کی اور کوئی زبان کیا بلحاظ اپنی وسعت اور کیا بلحاظ اپنی قدامت نہیں کرسکتی - بابو صاحب نے بھی وھی بات کہی ہے جو میں بار بار آپ صاحبوں کے سامنے کہہ چکا ہوں کہ ہندی اور اُردو میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ اول الذکر کے سارے اسماء ہندی ہوتے ہیں اور ثانی الذکر کے اسماء میں عربی فارسی کا عنصر شامل ہوتا ہے افعال دونوں کے خالص ہندی ہیں اور دونوں کی صرف و نحو میں بھی کوئی بنیادی فرق نہیں ہے —

موصوف نے اس کے علاوہ یہ بات ثابت کی ہے کہ ہندی کے نوے فیصدی لفظ آریائی تقسیم السنہ سے متعلق ہیں - ان الفاظ کی صوتی اور تصریفی کیفیت سنسکرت سے مشابہ ہے - اس باب میں مکس ملر کی بھی یہی راے ہے - وہ کہتے ہیں ہندوستانی اس سنسکرت زبان سے نہیں نکلی ہے جس کی

مثالیں ہمیں ویدوں میں یا برہمنی ادبیات میں ملتی ہیں۔ وہ اس زبان کی ایک سر سبز شاخ ہے جس سے سنسکرت کا بھی تعلق ہے * - ہندوستانی میں اس قدیم ہندی زبان کا اثر بھی ملتا ہے جو سنسکرت سے پہلے بولی جاتی تھی۔ ہندی زبان فرانسیسی کی طرح نہیں ہے جو بالکل لاطینی رنگ میں رنگ گئی ہے - قدیم کلتکی (Celtic) زبان لاطینی کی یلغار کے آگے پسپا ہوگئی۔ ہندی کی اپنی خاص خصوصیات ہیں اور باوجود اس کے کہ سنسکرت کے الفاظ اور مشتقات اس میں مستعمل ہیں لیکن پھر بھی اس کے خد و خال صاف نمایاں نظر آتے ہیں۔ سنسکرت نے ہندوستان کی قدیم زبان کے ساتھہ وہی سلوک کیا تھا جو بعد میں عربی فارسی نے ہندی کے ساتھہ کیا -

فاضل بابو صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندی کے پاس اپنے حروف تہجی نہیں ہیں وہ غلطی پر ہیں - اس لیے کہ دیوناگری یا ناگری حروف ہندی کے اپنے ہیں بالکل اسی طرح جیسے یہ حروف سنسکرت کے اپنے ہیں - ہندوستانی زبان دو رسوم خط میں لکھی جاتی ہے - ناگری اور فارسی - لیکن یہ دونوں لکھنے کے طریقے ایک ہی بولی کے لیے نہیں استعمال ہوتے - ناگری رسم خط ہندوؤں کی ہندوستانی کے لیے اور فارسی رسم خط مسلمانوں کی ہندوستانی

* The Science of Language, t I, p. 63

کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مجھے بابو صاحب کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ اُردو کو بھی ہندی کی طرح ناگری رسم خط میں لکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ عربی فارسی الفاظ کو ناگری خط میں پڑھنا اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے کہ سنسکرت کے الفاظ کو فارسی رسم خط میں پڑھنا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ دیوناگری رسم خط مقدس سمجھا جاتا ہے اکثر ہندو فارسی حروف تہجی کو استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ خالص ہندی عبارت کو فارسی رسم خط میں بلا تکلف لکھتے ہیں * ۔ میں بابو صاحب کا اس باب میں ہم یہ خیال ہوں کہ ہندوستانی زبان کو لاطینی رسم خط میں لکھنے کا رواج دینا مفید نہیں ہوگا اس واسطے کہ لاطینی حروف کے ساتھ اور جو دوسری تحریری علامتیں رائج کرنا پڑیں گی ان کو سیکھنا موجودہ حروف تہجی کو سیکھنے سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہوگا —

نسولیز (Nassau Lees) نے جو سامی السنہ کے بڑے ماہر ہیں اور جن کی اعلیٰ درجے کی تصانیف مستشرقین میں قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی زبان کو رومن حروف میں لکھنا چاہیے۔ وہ وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ

---

* میرے پاس بہاری لال، کبیر اور دوسرے ہندی شعرا کے کلام کے قلمی نسخے فارسی رسم خط میں لکھے ہوئے موجود ہیں —

ہندوستانی زبان کا اپنا کوئی مخصوص رسم خط نہیں - فارسی رسم خط ہندی نژاد نہیں ہے اور دیوناگری رسم خط میں جو ہندوؤں میں بالعموم مروج ہے ' یہ صلاحیت نہیں کہ فارسی زبان کے عناصر کا بخوبی اظہار کر سکے - بابو صاحب نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ میں ابھی اوپر لکھہ چکا ہوں - میری بھی وہی راے ہے جو ان کی ہے لیکن اس کے ساتھہ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ شمال اور وسط ہند میں سنسکرت زبان دیوناگری خط ہی میں لکھی جاتی رہی ہے - اور یہ کہ سنسکرت سے قبل جو زبان شمالی ہند میں رائج تھی اس کا رسم خط کوئی اور تھا ' اس قسم کا اعتراض ہے جو فارسی مالیائی ' ترکی اور دوسری زبانوں پر بھی عاید ہو سکتا ہے جن کے حروف تہجی دوسری زبانوں سے مستعار لیے گئے ہیں - دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ عرض کیا جاے گا کہ دیوناگری رسم خط کے ذریعے فارسی حروف کو نہیں ادا کیا جا سکتا - یہ ٹھیک ہے لیکن دیوناگری رسم خط صرف ہندوؤں میں مروج ہے جو عربی فارسی کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں - ہندوستانی زبان چاہے وہ شمالی ہند کی اردو ہو یا دکن کی دکنی ہو ' فارسی رسم خط ہی میں لکھی جاتی ہے اس رسم خط سے سب مخارج اچھی طرح ظاہر کیے جا سکتے ہیں سواے ان مخارج کے جو زبان کو تالو سے ملاتے وقت نکلتے

ہیں *- دندانی حروف کو ان سے تمیز کرنے کے لیے خاص علامتیں استعمال کی جاتی ہیں † چنانچہ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فارسی رسم خط کے ذریعے ہندی کے سارے الفاظ لکھے جا سکتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ہندو لوگ بھی بآسانی اس رسم خط کو استعمال کرتے ہیں - میری رائے میں اردو کو ہر لحاظ سے ہندی پر فضیلت حاصل ہے - انگریزی اور اس کے ساتھ اردو دونوں برطانوی ہند کی سرکاری زبان کہی جاسکتی ہیں - یہ سچ ہے کہ بعض ہندوؤں کی یہ رائے تھی کہ صوبجات شمال مغربی کی عدالتوں میں بجائے اردو کے ہندی کو رائج کرنا چاہیے اس واسطے کہ بعض علاقوں میں ہندی بمقابلہ اردو زیادہ بولی جاتی ہے اور آگرہ کے متعدد مدارس میں ہندی کو ذریعۂ تعلیم تسلیم کر لیا گیا ہے نہ کہ اردو کو - چنانچہ ڈاکٹر ڈبلو انڈرسن (W. Anderson) نے جو اس علاقے کے ناظر مدارس ہیں، اس بات کو اپنی رپورٹ میں ظاہر کیا ہے - ہاں، اردو ان طبقوں کی زبان ہے جن پر اسلامی تہذیب کا اثر ہوا ہے - ڈاکٹر انڈرسن نے اپنی رپورٹ میں اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ صوبۂ شمال مغربی میں عربی فارسی اور سنسکرت کی تعلیم کا شوق دن بدن کم ہوتا جاتا ہے - بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارے ہندوستان میں یہی حال

* Cerebrals. † Dentals.

ہے- میں اس تاسف میں موصوف کا شریک ہوں - مجھے پوری امید ہے کہ موصوف وکٹوریہ کالج میں جو ہندوستان کی بہترین درس گاہوں میں ہے ' ان زبانوں کی تعلیم کو رائج کریں گے - اس کالج کے ساتھہ چار ابتدائی مدارس بھی ملحق ہیں —

میں اب اپنے چہیتے موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی ہندوستانی (اردو) کی ہندوستان میں اہمیت - گزشتہ جنوری کی ۷ تاریخ کو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے لاہور میں اپنی روانگی سے قبل ایک دربار منعقد کیا جس میں لاہور اور امرتسر کے مجسٹریٹوں کو خطابات دیے گئے جو وائسرائے کی طرف سے انہیں ملے تھے - جن لوگوں نے تعلیم نسواں میں سرگرمی کا ثبوت دیا تھا انہیں خلعت دیے گئے - اس موقع پر کئی راجا بھی موجود تھے اور مختلف ہندوستانی امرا اور سرکاری عہدہ داروں نے اس میں شرکت کی - لفٹننٹ گورنر نے اس موقع پر انگریزی میں نہیں بلکہ ہندوستانی زبان میں حاضرین جلسہ کو خطاب کیا * —

فروری کے مہینے میں لکھنؤ میں چیف کمشنر کے زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں اس نے اودھ کے تعلقہ داروں کے روبرو ہندوستانی میں طول طویل تقریر کی - یہ جلسہ

* Allen's Indian Mail, Feb. 23, 1865.

کیننگ کالج کے لیے کیا گیا تھا * —

مہاراجہ گوالیار نے گنگت راؤ سندھیا کو اپنا جانشین مقرر کرتے وقت ۲ اکتوبر کو ہندوستانی، فارسی اور مرہٹی زبانوں میں ان کا امتحان لیا - موصوف اس امتحان میں کامیاب رہے † —

گورمنٹ ہند نے نوجوان سول سروس والوں سے ہمت افزائی کا جو وعدہ کیا تھا اسے نہایت دریا دلی کے ساتھہ پورا کیا . چنانچہ جو سولین اپنے قیام کے ابتدائی زمانہ میں زبانوں کے امتحانات میں کامیاب رہے انہیں انعامات دیے گئے - فوجی افسروں کو مشرقی السنہ سکھانے کی غرض سے ترجمانوں کو مقرر کیا گیا ہے کہ انہیں ابتدائی باتیں بتائیں ترجمان کو اس کے بدلے میں علحدہ الاونس دیا جائے گا ‡ —

برطانوی ہند کے اعلیٰ عہدہ داروں میں کپتان فلر (Fuller) کو جو لاہور میں ناظم تعلیمات ہیں خاص کر ہندوستانی زبان کے ساتھہ دلچسپی ہے - آپ نے ہندوستانی کی متعدد قدیم نایاب کتب طبع کرائی ہیں اور خود بھی نئی کتابیں اس زبان میں لکھی ہیں اور لکھوائی ہیں - آپ کے زیر اہتمام نہ صرف یہ کہ ایک سالانہ رپوٹ مرتب کی جاتی ہے جس میں

* اخبار عالم - ۵ رمضان ۱۲۸۱ ہجری (۲ فروری سنہ ۱۸۶۵ ء) —

† Times of India, 28 Oct. 1865 :

‡ Indian Mail, 6 Nov. 1865.

پنجاب کے وسیع علاقےکی تعلیمی ترقی کی سالانہ روئداد درج هوتی هے بلکہ ساتھہ هی آپ ایک هندوستانی ماهوار رسالہ بھی شائع کراتے هیں —

لندن میں ایک مجلس هے جس کا نصب العین یہ هے کہ هندوستان کے متعلق اخلاقی ، معاشرتی اور مادی ترقی کے حالات جمع کرے اور ضروری معلومات بهم پهنچاے - گزشتہ ۲ مئی کو مسٹر کنیرڈ (Kinnaird) کے دولت خانے پر اس مجلس کے ارکان جمع هوے - اس موقع پر بعض هندوستانیوں کو بھی جلسے میں شریک کیا گیا - کلکتہ کے جان لانگ (Rev. John Long) بھی جلسے میں موجود تھے جو هندوستان میں مدت سے مسیحی مشن کا کام انجام دے رهے هیں - یورپ کے مختلف حصوں میں تین سال قیام کرنے کے بعد اب وہ پھر هندوستان جانے والے هیں - مدراس کے مسٹر تامسن نے وسط هند میں جو عام خیالات کی ترقی هوئی هے اس کی نسبت تذکرہ کیا - ڈاکٹر ڈاڈس (Dr. Dod3) نے کہا کہ هندوستان میں مسیحی مذهب کی خوب ترقی هورهی هے - اس پر ایک هندو نے جو اس جلسے میں موجود تھا ' ان کی تردید کی - یہ هندو اپنے قدیم دھرم پر قائم تھا —

ڈاکٹر جے - بی گلگرسٹ جو مشہور مستشرق گزرے هیں اور جنھوں نے هندوستانی ادب کی بڑی خدمت کی' ان کا انتقال

پیرس میں سنہ ۱۸۴۱ ع میں ہوا تھا - ان کی بیوہ نے بعد میں جنرل پپ (Pepe) کے ساتھہ شادی کرلی تھی - ابھی حال میں ان خاتون کا بھی انتقال ہو گیا - موصوفہ نے اپنے دیس کے مرکزی شہر ایڈنبرا کی یونیورسٹی کے نام ساڑے سات ہزار فرانک سالانہ کی آمدنی چھوڑی ہے اور اس رقم کے متعلق یہ وصیت کی ہے کہ اس سے تین وظیفے قایم کیے جائیں اور یہ وظیفے تین ہندوستانی طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ملنے چاہئیں - یہ تینوں طلبہ بنگال، مدراس یا بمبئی کے صوبے کے باشندے ہوں - ان تین صوبوں میں جتنے مشہور کالج ہیں ان کے طلبہ میں سے تین بہترین کو مقابلے کے ذریعے منتخب کرنا چاہیے اور ان کو یہ وظیفے ملنے چاہئیں —

ہندوستانی لوگ بھی اس بات میں پیچھے نہیں ہیں - مرشد آباد کے نواب ناظم نے مغربی تعلیم کو بنگالی مسلمانوں میں مقبول بنانے کی غرض سے چھہ سال کی مدت کے لیے چار وظایف دیے ہیں - یہ چاروں وظیفے اس طرح تقسیم ہوں گے - ایک نظامت کالج کے طالب علم کو، ایک مدرسے کے طالب علم کو، اور دو کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج کے طلبہ کو - موصوف کے تینوں صاحب زادے حسن علی مرزا، حسین علی مرزا، اور محمد علی مرزا تعلیم کی غرض سے انگلستان آئے ہوئے تھے اور اس ملک میں انھوں نے ایک سال قیام کیا - ان صاحب زادوں

کے همراہ سید وزیر علی اور کرنل سی هربرٹ تھے۔ صاحب زادوں میں دو اول الذکر انگریزی زبان میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے هیں —

هندوستانی زبان کی ترقی کا اظہار اس سے هوتا ھے کہ برابر هر سال اس زبان کے نئے اخباروں کی تعداد میں اضافہ هورها ھے - پچھلے سال نئے اخبارات غیر معمولی طور پر زیادہ نکلے هیں - چنانچہ صوبۂ شمال مغربی کے بعض شہروں میں جہاں سے ایک اخبار بھی نہ نکلتا تھا اب کئی نکلتے هیں - یہی حال پنجاب ' اودھ اور بمبئی کا ھے - افغانستان اور سندھ سے بھی اردو اخبارات نکلنا شروع هو گئے هیں - میں ذیل میں تفصیل بیان کرتا هوں : —

(۱) " سروپ هراک " آگرہ سے نکلتا ھے - یہ اخبار اردو کے " مفید الخلائق " کا هندی ترجمہ ھے - اس کے مدیر کا نام شیو نرائن ھے - "مفید الخلائق" کئی سال سے جاری ھے —

(۲) " دل کشا " - اردو میں فتح گڑھ سے شایع هوتا ھے —

(۳) " شعلۂ طور " - اردو میں کانپور سے شائع هوتا ھے —

(۴) " احسان الاخبار " - اردو میں بریلی سے نکلتا ھے - هفتہ وار ھے - مدیر کا نام احسان محمد ھے —

(۵) " آئینۂ هند " - اردو میں بریلی سے شائع هوتا ھے - مدیر کا نام هرداس سنگھہ ھے —

(۶) " تتو بودھنی پترکا "- ھندی میں بریلی سے شائع ھوتا ھے- مدیر کا نام گلاب شنکر ھے —

(۷) " رفاہ خلائق "- اردو میں شاھجہاں پور سے نکلتا ھے - اس کے مدیر کنور بہادر ھیں —

(۸) " نور نظر "- اردو میں بلند شہر سے نکلتا ھے - ھفتہ وار ھے - اس کے مدیر شیوپرشاد ھیں —

(۹) " مظہر العجائب "- اردو میں رڑکی سے شائع ھوتا ھے - ھفتہ وار ھے - مدیر کا نام نجف علی ھے —

(۱۰) " لارنس گزٹ "- میرٹھ سے اردو میں نکلتا ھے- ھفتہ وار ھے - اس کے مدیر اسمعیل خاں ھیں —

(۱۱) "میرٹھ گزٹ " ضمیمۂ اخبار عالم- یہ اخبار سنہ ۱۸۶۴ ع کے آخر سے نکلنا شروع ھوا ھے - یہ چار صفحات پر مشتمل ھوتا ھے - چھوٹی تقطیع پر ھر صفحے پر دو کالم ھوتے ھیں- یہ اخبار ھفتہ وار ھے - " دارالاسلام " کے مطبع سے طبع ھوتا ھے - میرے پیش نظر اس اخبار کے چار نمبر ھیں جو میرے نوجوان کیمبرج کے دوست ایچ پامر نے مجھے بھیجے ھیں- میں نے ان نمبروں کو شروع سے آخر تک پڑھا لیکن کوئی ایسی دلچسپ چیز نہیں نظر آتی جو قابل ذکر ھو - " اخبار عالم " میں دلچسپ مضامین برابر نکلا کرتے ھیں- چنانچہ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۱ ھجری (۱۹ جنوری

سنہ ۱۸۶۵ ع) کی اشاعت میں متعدد نئی ہندوستانی کتابوں کا اعلان ہے اور (سالار) سید عبدالغنی خاں کی ایک غزل ہے - موصوف سچین (گجرات) کے نواب زادہ ہیں اور " شوریدہ " تخلص کرتے ہیں * —

اس اخبار کی ۵ رمضان (۶ فروری) کی اشاعت میں نواب محمد زین العابدین خان کی پہلی غزل شائع ہوئی ہے- موصوف نواب رامپور کے داماد ہیں - 'عابد' تخلص کرتے ہیں - مدیر نے اس غزل کی بہت بڑھا چڑھا کر تعریف کی ہے لیکن مجھے اس میں کوئی نئی بات ایسی نہیں نظر آتی جو قابل ذکر ہو —

(۱۲) پچھلے سال آگرہ سے ایک قانونی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس کی اشاعت انگریزی (Agra Law Journal) اور اُردو دونوں میں ہوتی ہے † —

(۱۳) لاہور سے "پنجابی" نام کا ایک اخبار نکلنا شروع ہوا ہے - صوبۂ شمال مغربی کا ذکر میں اس وقت تک ختم نہیں کرسکتا جب تک کہ ڈاکٹر آر- سی ماتھر کی تصانیف کے متعلق ذکر نہ کردوں - موصوف مرزاپور سے "خیر خواہ ہند" ناگری اور فارسی رسوم خط میں برابر شائع کر رہے ہیں- اس اخبار کے بعض اہم اجزا کا انگریزی ترجمہ بھی کبھی کبھی شائع کر دیتے

* یہاں ان کے تین اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

† Indian Daily Mail, 5 Dec. 1864.

ہیں - مرزا سید عبداللہ نے مجھے اس اخبار کا حال میں ایک نمبر بھیجا ہے اس میں بعض اجزا مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوے —

(۱۴) اودھ کی قدیم سلطنت کی راجدھانی لکھنؤ سے ' ان اخبارات کے علاوہ جن کی نسبت میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ' اودھ گزٹ نکلنا شروع ہوا ہے۔ پہلے اس کا نام " اودھ گزٹ سما چار " تھا —

" اودھ اخبار " بدستور جاری ہے - اس اخبار کی متعدد اشاعتیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ مسٹر ای - ایچ پامر کی نوازش ہے کہ وہ مجھے یہ پرچے بھیج دیا کرتے ہیں۔ موصوف خود بھی کبھی کبھی اس اخبار میں مضامین لکھتے ہیں۔ اس میں " انجمن آگرہ " کے متعلق حالات درج ہوتے ہیں - اس انجمن کا نصب العین یہ ہے کہ مغربی علوم و فنون کو اہل ہند میں رواج دے - منشی نول کشور بھی اس انجمن کے رکن ہیں جو لکھنؤ کے مشہور مطبع کے مالک ہیں جہاں سے " اودھ اخبار " شائع ہوتا ہے - ایک اشاعت میں سندیلہ کے مدرسے کا احوال ہے - اس درس گاہ میں مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے - اس کی مالی حالت بھی بہت اچھی ہے - راجہ فتح چند نے اس درس گاہ کو قایم کیا تھا - راجہ صاحب کو ہندوستانی ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ آس پاس کے گاؤں کے آپ تعلقدار بھی

ہیں - آپ کا صدر مقام سندیلہ ہے - اس اخبار میں بعض اوقات عمدہ قسم کے اشعار پڑھنے میں آتے ہیں جن سے موجودہ عہد کے شعرا کا علم ہوتا ہے- چنانچہ ایک شاعر ہیں 'رانا' جو اکثر اس اخبار میں اپنا کلام بھیجتے ہیں- رانا نے اپنی موت کے متعلق ۱۲ فروری کے نمبر میں کچھ اشعار لکھے ہیں- ایک شاعر 'جوہر' ہیں جو اپنا کلام اس میں شائع کرتے ہیں- یہ جراءت کے شاگرد ہیں - اور دوسرے شاعر جن کا کلام شائع ہوتا ہے یہ ہیں : صفی' موجد اور فضا - ۲۴ جنوری کے نمبر میں ان میں سے اکثر شاعروں کا کلام شائع ہوا تھا اس لیے کہ یہ سال کی پہلی اشاعت تھی —

(۱۵) بمبئی کے جن اخباروں کا میں ذکر کرچکا ہوں ان کی فہرست میں ایک اور کا اضافہ ہوا ہے- اس کا نام "روضۃ الاخبار" ہے - یہ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے —

(۱۶) مفرح القلوب - یہ اخبار افغانستان * میں مقام شکار پور سے شائع ہوتا ہے - اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور ملکی زبان پشتو ہے لیکن ہندوستانی یہاں عام طور پر سمجھی جاتی ہے - چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں سے ایک اردو اخبار نکالنے کی ضرورت محسوس ہوئی-

---

* مصنف سے غلطی ہوگئی ہے - شکارپور سندھ میں ہے - یہاں کی زبان پشتو نہیں بلکہ سندھی ہے - (عبدالحق)

(۱۷) کراچی سے جو سندھ کا بندرگاہ ہے ' فارسی زبان میں ایک اخبار نکلتا ہے جس میں ہندوستانی کے مضامین بھی فارسی کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اس اخبار کا نام " مطلع خورشید " ہے - یہ اخبار بہت دنوں سے شائع ہو رہا ہے لیکن مجھے اس کا ابھی حال میں علم ہوا ہے - اس اخبار کے مدیر مرزا محمد شفیع ہیں جو ایک مطبع کے مالک ہیں —

مدراس سے اردو کا اخبار " صبح صادق " برابر شائع ہو رہا ہے - یہ ہفتہ وار ہے اور ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا ہے - یہ بڑی تقطیع پر ہوتا ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہوتے ہیں- اس کے مدیر عبدالرحمن شفاف ہیں - اس کی متعدد اشاعتیں میری نظر سے گزری ہیں - ان میں سے ایک میں ہندوؤں کی غیر اخلاقی اور وحشیانہ رسوم پر تنقید ہے - ان رسموں میں سے ایک " چرک پوجا " ہے - جس طرح ستی کی رسم کو خلاف قانون قرار دیا گیا ہے ' اسی طرح اس کو بھی خلاف قانون قرار دینا چاہیے - اس مضمون میں بعض ہندو فقیروں اور مالابار کی برہنہ عورتوں کے حالات درج ہیں - اس رسم کو شاستروں کی تعلیم کے خلاف بتایا گیا ہے - ہندو عورتوں کو اگر بالکل نوعمری میں بیاہ نہ دیا جائے تو عمر بھر وہ بن بیاہی رہتی ہیں اور ان کو دیوتاؤں کے نذر کر دیا جاتا ہے - یہ سب

عورتیں فحش میں مبتلا ہوتی ہیں۔ اس اخبار میں سیفی کا ایک مضمون نظر سے گزرا۔ یہ اچھا خاصا لکھ لیتے ہیں۔ یہ مضمون امام حسن اور امام حسین کی شہادت کے متعلق تھا۔ اس کے علاوہ غالب کی ایک غزل اس میں درج تھی جس کی ردیف "پاؤں" ہے۔ مدیر نے مسٹر پامر کے ان مضامین پر تبصرہ لکھا ہے جو موصوف نے "اودھ اخبار" اور "اخبار عالم" کے لیے لکھے تھے۔ تبصرے میں مسٹر پامر کے طرز انشا کی تعریف کی گئی ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کیا اچھا ہو اگر گورنمنٹ ایسے یورپینوں کو مدراس کے سررشتۂ تعلیم میں اعلیٰ خدمات پر مقرر کرے تاکہ ان سے نفع حاصل کیا جاسکے۔ ایسے اشخاص کا اثر مدارس پر بہت مفید ہوگا اس لیے کہ وہ ہندوستانی عربی اور فارسی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں —

حضرات! ان اخباروں کا ذکر کرنے کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ انگریزی کے ایک رسالے "پنجاب ایجوکیشنل میگزین" کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں۔ یہ رسالہ انگریزی زبان میں نکلتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی زبان کے فروغ اور ترقی کے لیے نشر و اشاعت کا کام کرے۔ گزشتہ جنوری سے یہ رسالہ ماہوار نکلتا ہے۔ اس کے پانچ نمبر یہاں پہنچ چکے ہیں۔ اس میں تعلیمی خبروں اور مشوروں کے علاوہ پر مغز مضامین ہوتے

ہیں اور مہینہ بھر کے ادبی مشاغل کی کیفیت درج ہوتی ہے اس کے علاوہ پنجاب کی علمی انجمنوں کی روئدادیں اور تعلیمی نصابوں کی رپورٹیں ہوتی ہیں —

پہلی اشاعت میں بعض مضامین ایسے ہیں جو ہماری دلچسپی کے ہیں - مثلاً عربی حروف تہجی پر ڈاکٹر لٹنر (Dr. Leitner) کا مضمون ہے - اس کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی کے میٹریکولیشن کے اردو امتحان کے سوالات اور جوابات درج ہیں - بیشتر سوالات آرائش محفل اور اخوان الصفا میں سے ہیں - خاتمے پر ادبی اور علمی انجمنوں کی روئدادیں ہیں اور تعلیم سے متعلق بعض ادھر اُدھر سے اقتباسات ہیں -

اخبارات کے علاوہ اس سال جو کتب شائع ہوئی ہیں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے * - ان کتب میں بعض یقیناً ایسی ہیں جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ کی علمی دنیا میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی - ان کتابوں میں سے بیشتر آگرہ میں طبع ہوئی ہیں - ان کی فہرست ڈاکٹر ڈبلو - انڈرسن (W. Anderson) نے مجھے ازراہ عنایت بھیجی ہے - بعض کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئیں - موصوف

---

* کتابوں کی تعداد میں ہر سال اس قدر اضافہ ہو رہا ہے کہ حکومت نے، جیسا کہ دو سال کا عرصہ ہوا اس کے متعلق اعلان بھی کیا تھا اور مسٹر وھیلر (Wheeler) نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی ' یہ ارادہ کر لیا ہے کہ نئی مطبوعات کی اطلاع حاصل کرنے کا پورا انتظام کرے -

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں پنجاب میں ناظم تعلیمات ہیں۔ میں ان میں سے بعض کی نسبت آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔ میں دیدہ و دانستہ مذہبی کتابوں کا اس وقت ذکر نہیں کروں گا اس لیے کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے*۔

M. W. Anderson اور Rev. H. W. Shackell نے مجھے "مجموعہ القواعد" کے نسخے بھیجے ہیں۔ اس کے مصنف منشی راجا رام ہیں جن کی تصویر سر ورق پر ہے۔ موصوف ہندوستانی لباس زیب تن کیے ہوے ہیں اور اہل مشرق جیسے بیٹھا کرتے ہیں اسی طرح بیٹھے ہوے ہیں اور حقہ ان کے سامنے رکھا ہے۔ یہ کتاب ہندوستانی مدارس کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں مفید معلومات مصنف نے جمع کر دی ہیں۔ اس میں اکبر آباد (آگرہ) اور صوبۂ شمال مغربی کے بعض دوسرے شہروں کا ذکر ہے۔ امیر چند کے سفر نامہ سے بعض اقتباسات کشمیر اور لاہور کے متعلق بھی درج کر دیے ہیں۔ ہندوستان کے مہاراجوں اور نوابوں کے ناموں کی فہرست ہے اور اب تک ہندوستان میں جتنے گورنر جنرل رہ چکے ہیں ان کے متعلق

---

* مرزا پور کے اخبار "خیر خواہ ہند" میں ان ہندوستانی کتابوں کا ذکر ہے جو مسیحی مبلغین کی جانب سے طبع ہوئی ہیں۔ ان میں ایک ہندوستانی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس میں موسیقی کی علامات وغیرہ بھی درج ہیں۔ یہ دعائیں بعض تو ہندوستانی ہی میں لکھی گئی ہیں اور بعض انگریزی یا جرمن سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ لڈاوہ کے Rev. S.H. Ullman نے یہ ترجمے کیے ہے۔

معلومات ہیں - اس کے علاوہ پہاڑوں، سمندروں، ہواؤں، بارش اور انگلستان سے ہندوستان کی جو تجارت ہوتی ہے اس کا حال ہے - بغض، حسد، غرور، جہالت اور وقت کی قدر و قیمت کے متعلق اخلاقی پند و نصائح ہیں- اگرچہ کتاب کے مصنف خود ہندو ہیں لیکن خانگی زندگی کے متعلق انہوں نے جو مشورے دیے ہیں ان سے مسلمانوں کی خانگی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے - ایک فارسی کتاب "کیمیائے سعادت" شائع ہوئی ہے اس کے مصنف امام غزالی ہیں - قصۂ دابشیلم Dabischalim اور "کلیلہ و دمنہ" کا خلاصہ بھی شائع ہوا ہے -

اس کتاب میں بعض ایسی باتیں ملتی ہیں جو غالباً کہیں اور نہیں ملیں گی مثلاً ان سب شہروں کے نام ہیں جنہیں مسلمان مقدس سمجھتے ہیں - ساتھ ہی ان کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں - اس ضمن میں اجمیر، ملتان، دہلی، آگرہ، الہ آباد، پانی پت، تھانیسر، کشمیر، لکھنؤ وغیرہ کے حالات درج ہیں - مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ہردوار اور بنارس کے نام بھی اس فہرست میں شامل ہیں اس لیے کہ ان مقامات میں اورنگ زیب نے مساجد بنوائی تھیں - اس کے ساتھ ایک فہرست ان مقامات کی ہے جو برہمنی ہند کے نزدیک مقدس خیال کیے جاتے ہیں - اس کے بعد پان کی کاشت اور آموں کے باغ لگانے کے متعلق معلومات ہیں سب سے

زیادہ دلچسپ وہ حصہ ھے جہاں بادشاہ دھلی کے اس اعلان کی نقل ھے جو سنہ ۱۸۵۷ ء کی شورش کے موقع پر اس نے هندوستان کے راجاؤں اور رئیسوں کے نام بھیجا تھا * —

دیوان گویا بھی طبع ھوگیا - 'گویا' لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے جن کا ابھی حال میں انتقال ھوا ھے - ان کا دیوان پہلی مرتبہ کانپور میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ھوا - یہ ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ھے —

فارسی کے مشہور شاعر حافظ کے دیوان کا اردو ترجمہ آگرہ سے طبع ھوا ہے اور ' بھگوت گیتا '' کا اردو ترجمہ اٹاوہ سے شائع ھوا ھے —

الہ آباد کے اخبار '' امین الاخبار '' کے مدیر نے جن کا نام عزیزالدین خان ھے ' (Pilgrim's Progress) کے طرز پر ایک کتاب لکھی ھے جس کا نام '' جواھر اصل '' رکھا ھے - اس کی عبارت میں نثر اور نظم دونوں ملی ھوئی ھیں —

لکھنؤ سے رعنا کی مثنوی '' ضبط عشق ' طبع ھوگئی † - یہ تین تین شعر کے واسوخت کے طرز پر ھے - اس میں مشرقی عورتوں کے مکر و فریب کا حال اخلاقی مقصد کو پیش نظر رکھ کر بیان کیا ھے —

* یہ اعلان صفحہ ۱۱۸ اور اس کے بعد کے صفحات پر درج ھے - پورے چار صفحوں پر پھیلا ھوا ھے —

† ۶۸ صفحات پر مشتمل ھے - ھر صفحے پر ۱۲ سطریں ھیں —

" بغاوت مالوہ " کی " اخبار عالم " نے اپنی ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۸۱ ھ (۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع) کی اشاعت میں بہت تعریف کی ھے - یہ نظام الدین کی تصنیف ھے - اس کتاب کے طرز تحریر اور بیان میں تفصیل کو مد نظر رکھا گیا ھے - صوبۂ مالوہ میں ۱۸۵۷ ع میں جو شورش ھوئی تھی اس کے متعلق بہت سارے واقعات اس کتاب میں مل جاتے ھیں - اس میں تصاویر ھیں اور ان مقامات کے نقشے بھی ھیں جہاں شورش کو فرو کرنے کے سلسلے میں لڑائیاں ھوئیں تھیں —

قصائد طیبی میں جو قصائد کا مجموعہ ھے مزاح کا پہلو نظر آتا ھے - قصائد کے ساتھ ان کی تشریح کے لیے حواشی بھی ھیں -

" جہاں نما " میں کائنات کے عجائب و غرائب کا بیان ھے - جیسے پہاڑ ، سمندر ، جنگل ، انسان اور حیوانات وغیرہ - طرز تحریر صاف ھے - اسی نام کی ایک کتاب ترکی میں ھے جس میں علم جغرافیہ پر بحث کی گئی ھے —

" بہارستان ناز " - یہ تقی الدین کی نظم ھے —

" نیرنگ نظر " - لڑکیوں کے مدارس کے لیے محمد اسمعیل نے لکھی ھے —

" درد غمناک " - یہ ایک عشقیہ افسانہ ھے —

گنگا پرشاد نے ھندوستان کی ریت رسوم کے متعلق " روداد " لکھی ھے - موصوف اور دوسری متعدد کتابوں کے مصنف ھیں -

" تمیزاللغات " - اس میں عربی کے الفاظ کے اردو معنی ہیں - الفاظ کے معنوی فرق کو بھی اس میں واضح کیا ہے - یہ اُسی قسم کی کتاب ہے جیسے فرانسیسی میں (Girard et Bauzée) کی کتاب ہے جس کی نقل اب انگریزی میں بھی کی گئی ہے - اس کے مولف کا نام مولوی نیاز حسین ہے * —

اسی قسم کی ایک کتاب کریم الدین نے لکھی ہے جس کا نام " تکریم ظہوری " رکھا ہے - یہ " تشریح ظہوری " کے بعد لکھی گئی ہے جس کی نسبت میں پہلے ذکر کر چکا ہوں - ان دونوں میں " نثر دوم ظہوری " کی تشریح کی گئی ہے اور اصل میں جو مترادت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان کے معنی کی بھی توضیح کی گئی ہے -

میں اردو کی کتابوں کے ذکر کو بغیر مولوی جلال الدین رومی کی " مثنوی معنوی " کی نسبت کچھہ کہے ختم نہیں کروں گا - محمد کریم الدین نے مجھے اس کا نظم میں اردو ترجمہ بھیجا ہے - مثنوی کی پہلی کتاب کا ترجمہ موصوف نے کاتبوں سے نقل کرا کے مجھے بھیجا ہے - یہ عجب اتفاق کی بات ہے کہ جس کاغذ پر کاتبوں نے نقل کی ہے وہ فرانس کا بنا ہوا کاغذ ہے - ترجمہ مولوی اللہ بخش نشاط اور مولوی ابوالحسن نے کیا ہے - ترجمہ کا نام " مجمع فیض العلوم " رکھا ہے - بمبئی

* مطبوعہ سنہ ۱۸۶۵ ع ' لاہور ' یہ کتاب کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئی ہے -

میں سنہ ۱۲۴۳ ھجری (۱۸۲۷ ع) میں جو فارسی ایڈیشن طبع ہوا تھا اس کو ترجمے میں پیش نظر رکھا گیا ہے —

محمد کریم الدین نے مجھے باغ ارم کا بھی ایک نسخہ بھیجا ہے - یہ بھی مثنوی معنوی کے بعض منتخب حصوں کا اردو ترجمہ ہے - مترجم کا نام شاہ مستان ہے جو مدراس کے رہنے والے ہیں - اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ میں طبع ہوا تھا - حافظ کمال نے دوسرے ایڈیشن کی نظر ثانی کی ہے - مثنوی فارسی زبان میں تصوف کی اعلیٰ ترین کتاب ہے - صوفیا کے نزدیک یہ کتاب قرآن کی بہترین تفسیر ہے - چنانچہ اس کو قرآن پہلوی کہا جاتا ہے - ۴۰ ہزار بیت میں قصے کہانیوں کے پیرایے میں اس میں صوفیا کے عقائد و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے - وہ لوگ جو پر اسرار شاعری کو پسند کرتے ہیں ان کے لیے مثنوی میں ایک خاص لطف ہے - بقول یوریپدس (Euripides) " نا قابل فہم باتوں میں ایک طرح کا تقدس خود بخود پیدا ہو جاتا ہے " یا بقول پوپ " اس قسم کا تخیل عدم کمال پر دلالت کرتا ہے " —

بالعموم ان سب کتب کے آخر میں چند اشعار ہوتے ہیں جن کو " تاریخ " کہتے ہیں - ان اشعار کے حروف تہجی سے ایک خاص حساب کے مطابق کتاب کی تصنیف کی تاریخ نکلتی ہے - قدیم عبرانیوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا -

چنانچہ توراۃ میں بعض حروف بڑے ہیں، اور بعض چھوٹے۔ ان بڑے حروف سے بعض تاریخیں نکلتی ہیں لیکن ان کی ابھی تک پورے طور پر تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ ڈبلو۔ ایچ بلیک (W. H. Black) نے انہیں حروف سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ۱۴۵۱ ق۔م۔ میں انتقال کیا * بقول Malachie ۴۹۳ ق۔م۔ میں اور بقول دانیال ۶۲۵ ق۔م۔ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہوا اور Esther کا واقعہ ۳۴۷ ق۔م۔ میں ہوا —

حضرات! اب آپ اگر اجازت دیں تو میں ہندی کی چند مطبوعات کی نسبت ذکروں جو مجھے بھیجی گئی ہیں یا جن کے متعلق میں نے معلومات جمع کی ہیں —

"اِتہاس تمرناسک" (Itlhas timir nacak) کے مصنف کا نام شیوپرشاد ہے۔ یہ "تاریخ ہند" ہے۔ جس حصہ میں سنہ ۱۸۶۵ سمبت درج ہے وہ درحقیقت سنہ ۱۵۶۶ ع سے لے کر سنہ ۱۸۵۷ ع تک کے حالات پر حاوی ہے۔ یہ کتاب بنارس میں طبع ہوئی ہے۔ شیوپرشاد نے اس کتاب میں بھی اپنی دوسری کتابوں کی طرح اس امر کی کوشش کی ہے کہ نہایت

---

* "Ancient Biblical Chronograms, or a Discovery of the chronological use of the majuscular letters occurring in the text of the Hebrew Scriptures, London 1864.

مختصر انداز میں زیادہ سے زیادہ معلومات کو یک جا جمع کر دیا جائے - اس کا تیسرا حصہ جب شائع ہوگا اس وقت کہیں یہ مکمل ہوگی —

پچھلے سال میں نے کہا تھا کہ' پر بودھا چندر دیا " کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے - آج میں آپ کے سامنے اس کا اعلان کرتا ہوں کہ اس ناٹک کا ھندی ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے - ترجمہ نند اس نے کیا ہے —

" اندر سبھا " - ھندی کا افسانہ ہے - کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل ھندی میں نہیں تھا بلدیو پرشاد نے فارسی * سے اس کا ترجمہ کیا ہے —

" کرشن کا بارہ ماسا " - کرشن بھگتی کی دعائیں ھیں جن میں سال بھر کے حالات بیان کیے گئے ھیں -

" رس راج " - ھندی نظموں کا مجموعہ ہے' ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے -

" بھرتری چرتر " - یہ کہانیوں کا انتخاب ہے - ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے - آگرہ میں طبع ہوا -

" راگ مالا " - یہ عوام کے گیتوں کا مجموعہ ہے - امراؤ سنگھ نے انہیں ایک جگہ جمع کیا ہے - میرٹھ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

" ونایا پترکا " - یہ تلسی داس کی نظم ہے - پہلے بھی چھپ

---

* غالباً مصنف کی مراد اردو سے ہے - (عبدالحق)

چکی ہے - اس مرتبہ شیو پرکاش نے اس کی تشریح میں حواشی بھی لکھے ہیں، ۳۸۰ صفحات ہیں - بنارس میں طبع ہوئی ہے —

"پنچ رتن" - یہ بھی تلسی داس کی پانچ مشہور نظموں کا مجموعہ ہے - پنڈت درگا پرشاد نے شائع کیا، ۲۷۴ صفحات ہیں - بنارس میں طبع ہوا —

"سور ساگر رتن" یہ سور داس کی نظموں کا مجموعہ ہے - سور داس کو ہندوستان کا ہومر سمجھنا چاہیے —

"شکنتلا" - یہ سنسکرت سے ہندی میں ترجمہ کیا گیا ہے - بنارس میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

"بید درپن" اس کے مولف کا نام بتھاجی ہے - میرٹھ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

"امرت ساگر" - یہ کتاب فن طب پر ہے ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے - آگرہ میں طبع ہوئی —

"بن مادھو" اور "پدمالا" - یہ دونوں علم عروض کی کتابیں ہیں، آگرہ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوئیں —

بابو متھرا پرشاد کی انگریزی ہندوستانی لغت (ہندی کے ساتھ اردو بھی ہے) بنارس میں زیر طبع ہے - یہ لغت بہت ضخیم ہوگی - موصوف اس لغت کو ان لوگوں کی سہولت کے لیے تیار کر رہے ہیں جنھیں دن رات انگریزی زبان سے

سابقہ رھتا ھے * —

اس سال انگریزی میں ایک کتاب شائع ھوئی ھے جس میں ۸۰ ھندی کتابوں کا ذکر ملتا ھے جو زیادہ تر برج بھاشا میں ھیں - میری مراد "History of the sect of Maharajas or Wallabhachrya in Western India" سے ھے جو علمی نقطۂ نظر سے یقیناً اعلیٰ پایے کی کتاب ھے - ھندوؤں کی مذھبی تاریخ اور فلسفے پر اس سے بہت کچھہ روشنی پڑتی ھے - ھمیں اس کا تو پہلے سے علم تھا کہ ھندی میں کتابوں کی بڑی تعداد ھر سال شائع ھوتی ھے - اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ھوا کہ ھندی کی بیسیوں کتابیں ایسی ھیں جن کے متعلق ھمیں مطلق کوئی علم نہیں - ھندوستان کے کتب خانوں نے اس باب میں اب تک کچھہ نہیں کیا —

مسٹر Erskine کے کتب خانے میں بھی ھندی قلمی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ھے جو کچھہ عرصہ ھوا برٹش میوزیم نے حاصل کرلیا ھے - موصوف وھی ھیں جنھوں نے "تزک بابری" کا ترجمہ کیا ھے - مشہور مستشرق مسٹر Charles Rieu اس ذخیرہ کی ترتیب میں آج کل مشغول ھیں - کواجی جہانگیر جن کو انگریزی لوگ Readymoney "نقدہ" کے نام سے پکارتے ھیں انھوں نے بھی بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کو

* Trubner, *Am-and Oriental Literary Record, Oct 1856.*

۲۹۲ کتب بطور عطیہ دی ہیں۔ اس ذخیرے میں بھی یقین ہے کہ ہندی کی کتابیں ہوں گی *—

اب میں ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے متعلق کچھ کہوں گا اور یہ بتاؤں گا کہ خود ہندوستانیوں نے مغربی علوم و فنون حاصل کرنے کی غرض سے جو انجمنیں بنائی ہیں وہ کیونکر چل رہی ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن اور مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کا کیا حال ہے۔

ہندوستانی انشا پرداز افسوس نے "آرائش محفل" میں یہ لکھا ہے † —

"ہندوستانیوں میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ وہ اس تعلیم کے فوائد سے باخبر نہیں"۔ وغیرہ۔ ‡ —

ہندوستانیوں کے متعلق جو یہ تصویر کھینچی گئی ہے اس میں ممکن ہے کہ کچھ مبالغہ ہو۔ اس لیے کہ اہل مشرق کی تحریریں مبالغہ سے کبھی خالی نہیں ہوتیں۔ لیکن اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے۔ حکومت جس سرگرمی

---

* موصوف نے سکوں اور تمغوں کا ایک مجموعہ بھی دیا ہے۔ اس میں وہ سب روپے شامل ہیں جو مختلف زمانوں میں مغربی ہند میں رائج رہے ہیں۔ اس کے علاوہ پونا میں کالج قائم کرنے کے لیے ۵۰ ہزار روپے کی رقم بطور عطیہ دی ہے۔ اس کالج کا سنگ بنیاد گزشتہ سال ۹ اگست کو رکھا گیا —

† صفحہ ۴۴۔ کلکتہ ایڈیشن — ‡ یہاں عبارت کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔

کے ساتھہ مغربی علوم و فنون کو هندوستان میں رواج دے رهی هے اس کا بہت اچھا نتیجہ بر آمد هو رها هے - چنانچہ اس تعلیم کی بدولت هندوؤں کی رسوم میں اصلاح هو رهی هے اور ان کے مذهبی رواج بھی بدلتے جاتے هیں - ایسے رواج جو معاشرت کے لیے نقصان رساں تھے انہیں لوگ ترک کر رهے هیں - یہ تبدیلی پورے طور پر خارجی اثر سے نہیں پیدا هو سکتی بلکہ اندرونی طور پر اس کا پیدا هونا ضروری هے جیسا کہ مسٹر جے - بی نارٹن کا خیال هے * کلکتہ کی " برهمو سماج " مدراس کی "وید سماج " اور اسی طرح کی دوسری انجمنیں اس مقصد کو پیش نظر رکھہ کر قائم هوئی هیں کہ توحید کی تعلیم دیں ' هندوؤں کو مذهب کے توهمات کی آلائش سے پاک کریں ' نیچ ذات والوں کے ساتھہ جو مذهبی فرق برتا جاتا هے اسے دور کریں ' عقد بیوگان ' ایک بیوی سے عقد کرنے اور اسی قسم کے دوسرے خیالات کی نشر و اشاعت کریں - چنانچہ اسی تحریک سے متاثر هو کر ایک بنگالی نے ایک نوجوان بیوہ کے ساتھہ عقد کیا - یہ بیوہ کشن نگر کے مدرسے کی ایک متعلمہ تھی - مقامی هندو شرفا نے اس شادی کے موقع پر شرکت کی اور برهمو سماج کے اصولوں کے مطابق سب رسمیں

* مدراس میں مرصرت نے هندوستانیوں کی تعلیم کے متعلق اظہار خیال کرتے هوے یہ کہا تھا - انڈین ڈیلی میل ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۵ م -

ادا کی گئیں - ھندوستانی اور یوروپین مذھبی جماعتیں آپس میں اپنی مطبوعات کا تبادلہ بھی کرتی ھیں - چنانچہ برھمو سماج اور Calcutta Tract Society نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ھے —

پنجاب میں سر رشتۂ تعلیم سنہ ۱۸۵۶ع میں قائم ھوا جب کہ سر جان لارنس جو آج کل ھندوستان کے وائسرائے ھیں' وھاں چیف کمشنر تھے - شورش عظیم کے باعث اس سر رشتے کی ترقی رک گئی لیکن اب امن و امان قائم ھونے کے بعد تعلیم کو فروغ شروع ھو گیا ھے - بایں ھمہ سنہ ۱۸۶۰ع تک صرف ابتدائی تعلیم (ورنیکلر مدارس) کی طرف توجہ کی گئی - اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کا خیال پیدا ھوا - سنہ ۱۸۶۰ع سے برابر ایسے اضلاعی مدارس کی تعداد میں اضافہ ھو رھا ھے جہاں انگریزی اور ھندوستانی دونوں پہلو بہ پہلو سکھائی جاتی ھیں - اس وقت پنجاب میں ابتدائی مدارس کی تعداد دو ھزار سات سو تیس ھے جن میں ۸۶ ھزار دو سو بانوے طلبہ تعلیم حاصل کر رھے ھیں - بڑے سرکاری مدارس تین ھیں - لاھور' امرتسر' اور دھلی میں - ان مدارس سے کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان کے لیے طلبہ ھر سال جاتے ھیں جن میں سے اکثر کامیاب رھتے ھیں - ان مدارس کے علاوہ لاھور کا مشن اسکول بھی قابل ذکر ھے —

لاهور کے میڈیکل اسکول میں ایک جماعت انگریزوں کے لیے هے اور دوسری هندوستانیوں کے لیے - ثانی الذکر میں داخل هونے کے لیے لازمی هے کہ هندوستانی زبان کے امتحان میں کامیابی حاصل کی جائے - اس امتحان میں فارسی رسم خط میں املا لکھنا هوتا هے —

میں ان مدارس کی تعلیم کے متعلق تفصیلات بیان کر سکتا هوں اور یہ بھی بتا سکتا هوں کہ ان میں اساتذہ اور طلبہ کی تعداد کیا هے - لیکن ایسا کرنا غیر ضروری هے اس واسطے کہ کپتان فلر (Fuller) کے ایک خطبے میں یہ سب باتیں تفصیل سے موجود هیں - انھوں نے پنجاب کے ناظم سررشتۂ تعلیمات کی حیثیت سے جو حال هی میں رپورٹ پیش کی هے اس سے اس صوبے کے هندوستانیوں کی تعلیمی ترقی کا ایک خاکہ نظر کے سامنے آجاتا هے - اس رپورٹ سے هندوستانی کی ترقی کا حال بھی معلوم هوتا هے * - حکومت نے اس غرض کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا هے کہ هندوستانی زبان کی کتب لکھائی جائیں - اس سے معلوم هوتا هے کہ حکومت هندوستانی زبان کی ترقی کے لیے کوشاں هے † —

* دهلی کے نارمل اسکول میں سب طلبہ کے لیے هندوستانی لازمی قرار دی گئی هے - مولوی خدا بخش هندوستانی کی تعلیم دیتے هیں- کالی مسجد میں لڑکیوں کا جو مدرسہ هے اس میں انجیل اردو میں پڑھائی جاتی هے —

† Indian Mail 26 Dec. 1854.

۷ جنوری کو لاهور میں جو دربار هوا اس میں پنجاب کے لفٹننٹ گورنر سر آر مونٹگمری نے هندوستانی میں تقریر کی، دوران تقریر میں آپ نے اس ترقی کا ذکر کیا جو صوبۂ پنجاب نے تعلیم نسواں کے سلسلے میں کی هے - آپ نے بتلایا کہ اس وقت پنجاب میں لڑکیوں کے مدارس کی تعداد ۶۶۲ هے اور ان میں ۱۳ هزار سے زاید لڑکیاں تعلیم پا رهی هیں - اس موقع پر کپتان فلر نے بھی هندوستانی میں تقریر کی اور صوبے کی تعلیمی ترقی کے متعلق نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا - بعض هندوستانیوں نے بھی تقاریر کیں اور تعلیم کو اپنے هم ملکوں میں عام کرنے کی کوشش کے وعدے کیے —

ان هندوستانی مستورات کو جو پردے کے اندر زندگی بسر کرتی هیں تعلیم سے بهرہ یاب کرنا بہت دشوار کام هے - صرف عورتیں هی یہ کام انجام دے سکتی هیں - چنانچہ سال گزشتہ میں نے اس کے متعلق ذکر کیا تھا کہ بعض خواتین نے یہ کام شروع کر دیا هے * - Rev. J. Long. نے انگریز خواتین سے اپیل کی هے کہ وہ از راہ خدمت خلق یہ کام شروع کر دیں - ان میں جذبۂ حمیت پیدا کرنے کے لئے موصوف نے طبقۂ امرا کی روسی خواتین کی مثال پیش کی هے کہ وہ اپنی رعایا کو خود تعلیم دینے میں اپنی ذلت نہیں سمجھتی هیں —

---

* دیکھو خطبۂ ۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ ع —

۲۵ فروری کو لاهور میں هندو اور مسلمان طلبه کو انعام تقسیم کرنے کی غرض سے ایک جلسه هوا - یه انعامات ان طلبه کےلیے مخصوص تھے جو سرکاری مدارس میں تعلیم پاتے هیں - حلقۂ لاهور کے ناظر مدارس مسٹر الکزنڈر سرکاری کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لیٹنر اور مسٹر کوپر نے اس جلسے میں شرکت کی تھی - ان تینوں نے هندوستانی میں جلسے کے روبرو تقاریر کیں * —

بنارس میں مشن مدارس کے تقسیم انعامات کے جلسه میں جہاں اور دوسرے طلبه کو انعامات ملے وهاں ایک انعام ایک کم عمر بچه کو دیا گیا جس نے وائسرائے کی آمد کے موقع پر هندوستانی میں اشعار لکھے تھے † —

پہلی فروری کو آگره میں زرعی نمائش کے افتتاحی جلسے میں وکٹوریه کالج کے سکریٹری نے هندوستانی میں تقریر کی تاکه اس موقع پر جتنے هندوستانی موجود تھے وه سمجھه سکیں‡—

مسٹر ای هاورڈ (E. Howard) نے صوبۂ بمبئی کی نظامت تعلیمات سے علحده هوتے وقت اس صوبے کی تعلیمی ترقی کے متعلق ایک رپورٹ شائع کی هے - اس رپورٹ کو دیکھنے سے معلوم

---

* Punjab Educational Magazine 26th., Feb. 1865 —

† Friend of India, lst., Dec. 1864.

‡ Indian Mail, 15 March 1865

ہوتا ہے کہ اس وقت بمبئی کے صوبے میں مدرسوں اور کالجوں کی تعداد ۹۵۴ ہے - ان میں ۶۶ ہزار طلبہ تعلیم پاتے ہیں - اس تعداد میں حکومت کے سرکاری مدارس شامل نہیں ہیں' جن میں طلبہ کی تعداد کم و بیش اسی قدر ہوگی - سرکاری تعلیم گاہوں کی بدولت انگریزی زبان کی تعلیم لازمی طور پر بڑھ رہی ہے - اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ادب نیز ان دوسری زبانوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے جو مختلف صوبوں میں استعمال کی جاتی ہیں - ان مختلف زبانوں میں انگریزی کی مستند کتابوں کے ترجموں سے ترقی ہو رہی ہے * -

بمبئی یونیورسٹی کی خوش حالی بدستور قائم ہے - پچھلے دسمبر کے مہینے میں ۲۴۱ اُمید واروں نے میٹریکولیشن کے امتحان میں شرکت کی - ان میں سے اکثر ہندو تھے - جملہ تعداد میں سے ۱۰۹ کامیاب ہوے -

ڈاکٹر برڈوڈ (Dr. Birdwood) کی وجہ سے جیسا کہ میں پچھلے سال کہہ چکا ہوں بمبئی میں عنقریب وکٹوریہ میوزیم قایم ہو جاے گا - اس میں شمالی ہند اور دکن کے نوادر رکھے جائیں گے - مدراس میں تو پہلے سے ایک عجائب گھر موجود ہے- جن کے ہندوستانی عجائب خانوں میں کسی شے کے دو دو نمونے ہیں' اُن میں سے ایک انڈیا ہاؤس کو بھیج دیا جاے گا -

* Indian Mail, 28 Oct. 1865.

لاهور کے "سرکاری اخبار" کی بدولت اودہ کی تعلیمی ترقی کے حالات مجھے معلوم هوے - اودہ کو بارہ اضلاع میں تقسیم کیا گیا ھے - اضلاع تحصیلوں میں تقسیم هیں اور تحصیل دیہات میں، هندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اودہ کے هر ضلع میں بھی ایک هائی اسکول ھے - ان مدارس میں دوسرے اساتذہ کے علاوہ دو هندوستانی پڑهانے والے ضرور هوتے هیں - ایک اردو پڑهانے کے لیے اور دوسرا هندی پڑهانے کے لیے - یہاں فارسی، سنسکرت، انگریزی، علوم صحیحہ، تاریخ اور دوسرے مفید علوم کی تعلیم دی جاتی ھے - تعلیم هندوستانی زبان میں دی جاتی ھے - هاں اونچی جماعتوں میں انگریزی ذریعۂ تعلیم ھے —

ڈاکٹر لیٹنر پرنسپل گورنمنٹ کالج نے جو "انجمن اشاعت علوم" لاهور میں قائم کی ھے اس کے سرپرست کپتان فلر (Fuller) هیں - اس انجمن میں بلا امتیاز مذهب و ملت هندو اور مسلمان دونوں شریک هیں - چنانچہ کوہ نور کے مدیر هر سکھہ راے اس انجمن کے سکریٹری هیں - ان کے علاوہ اور دوسرے تعلیم یافتہ هندوستانی اس انجمن کے رکن هیں - هندو لوگ اس انجمن کو "سکشن سبھا" کے نام سے پکارتے هیں - هر روز اس انجمن کی اهمیت اس کے کام کی وجہ سے بڑهتی جارهی ھے - اس کے ساتھہ ایک کتب خانہ بھی ملحق ھے جس

سے پبلک مستفید ہوسکتی ہے - اس انجمن کے سربراہوں کا خیال ہے کہ ادبی اور معاشری مسائل پر کتابیں شائع کرائیں - اس انجمن کی پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی شاخیں موجود ہیں- پہلی اکتوبر سے اس انجمن کے زیر اہتمام اردو میں تقاریر کرائی جاتی ہیں ان تقاریر کے موضوع بالعموم عام دلچسپی کے ہوتے ہیں- ڈاکٹر لیٹنر کا خیال ہے کہ لاہور میں ایک یونیورسٹی قایم کریں گے جس کا دستور العمل بہت وسیع اور آزاد اصول پر مبنی ہوگا - اس یونیورسٹی کا نصب العین یہ ہوگا کہ ہندوستانی لوگوں میں علوم و فنون کو رواج دیا جائے. ہندوستانی ادبیات کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور کوشش یہ کی جائے کہ ایک جدید ادب اس زبان میں وجود میں آئے- اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موصوف نے سرمایہ جمع کر لیا ہے- اس سرمایہ سے ان طلبہ کو انعامات دیے جائیں گے جو اردو ہندی ' فارسی' سنسکرت یا عربی میں نمایاں کامیابی حاصل کریں گے - موصوف نے اپنی اس اسکیم کے متعلق جو لائحۂ عمل اردو میں تیار کیا ہے وہ اس وقت میرے پیش نظر ہے - لاہور کے بعض رؤسا موصوف کی ہمت افزائی کر رہے ہیں - چنانچہ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر مک لیوڈ (Mc Leod) نے جو خود مستشرق ہیں اور علوم مشرقیہ کے قدردانوں میں ہیں' سررشتۂ تعلیم کے اعلیٰ حکام کو مجوزہ علوم مشرقیہ کی

یونیورسٹی کے متعلق ایک مراسلہ بھیجا ہے * —

انجمن لاہور کے اجلاس کا ذکر "سرکاری اخبار"، "کوہ نور" اور دوسرے ہندوستانی اخباروں میں ملتا ہے - ۲۱ جنوری کو اس انجمن کا افتتاحی جلسہ ہوا تھا جس میں ڈاکٹر لیٹنر اور پنڈت من پھول نے اظہار خیال کرتے وقت کہا کہ یہ علمی مجلس عوام کی خدمت کی غرض سے قایم کی گئی ہے - اس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی حالت کو سدھارے - نیز تعلیم یافتہ لوگوں کو روشن خیال بنانا چاہتی ہے —

اس انجمن کے قواعد و ضوابط جو اردو میں شائع ہوے ہیں ان پر اخبارات میں تنقیدیں ہوئی ہیں - وہ تنقیدیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں —

اس انجمن کی ایک اشاعت میں بابو نوین چندر کا مضمون ہے جو انھوں نے اس موضوع پر لکھا ہے کہ پنجاب میں ہندی کی ترقی کی کوشش کرنی چاهیے - بابو صاحب نے یہ بتایا ہے کہ ہم لوگ جس زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ترقی کا زمانہ ہے - ہر قوم تہذیب و تمدن کی ترقی میں کوشاں ہے - ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ متعددہ سعی و جہد سے اپنے تمدن اور اپنی ادبیات کو فروغ دیں - ہمیں مغربی علوم و فلسفہ کی کتابوں اور سنسکرت کی قدیم کتابوں کو ہندی میں ترجمہ کرنا چاهیے -

* Times of India, 28 Oct. 1865.

مسلمانوں کو بھی اردو کی ترقی کے ساتھ ہندی کے حقوق کو فراموش نہ کرنا چاہئے۔ اردو اور ہندی جڑواں بہنیں ہیں۔ ہمیں ان دونوں کی ترقی کے لیے بیک وقت کوشش کرنا چاہیے۔

اسی قسم کی ایک انجمن روہیلکھنڈ کے علاقے کے لیے بریلی میں قایم ہوئی ہے۔ میرٹھ کے "اخبار عالم" میں اس انجمن کے حالات چھپتے رہتے ہیں۔ اس انجمن کا اصلی مقصد جدید علوم کو ہندوستانیوں میں رواج دینا ہے۔ چنانچہ یہ انجمن عام دلچسپی کی کتابیں شائع کر رہی ہے اس انجمن کی حتی المقدور یہ کوشش ہے کہ خود ہندوستانی لوگ ان کتابوں کو لکھیں۔ انجمن انہیں اس کا معاوضہ دیتی ہے اور ان کی اشاعت کا پورا انتظام کرتی ہے۔ انجمن کے پیش نظر یہ بھی ہے کہ اردو زبان میں خطابت اور بلاغت کو ترقی دی جائے اور اس زبان کی خصوصیت جو بول چال کی شستگی میں پائی جاتی ہے اسے اور فروغ دیا جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ زبان میں نزاکت اور لطف دگنا ہوجائے گا۔ اور اس زبان میں گفتگو کرنا شائستگی کی علامت تصور کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ انجمن مغربی علوم و فنون کی کتابوں کا ہندوستانی (اردو، ہندی) میں ترجمہ کرائے گی اور انجمن جن ترجموں کو قبول کرے گی اُس کا معاوضہ ادا کرے گی۔ صوبۂ شمالی مغربی یا

ہندوستان کے کسی اور گوشے کا باشندہ علمی کتب کا ترجمہ اس انجمن میں پیش کر سکتا ہے۔ انجمن اس ترجمے کو دیکھے گی کہ آیا واقعی وہ اس کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اگر ترجمہ قابل قبول ہے تو اس کی طباعت کا انتظام کیا جائے گا۔ انجمن کی تنظیم حسب ذیل ہے:- ایک کمیٹی ہے جو اپنا صدر، نائب صدر، معتمد اور خزانہ دار منتخب کرتی ہے۔ انجمن کے معمولی ارکان کی تعداد غیر محدود ہے۔ اس کا چندہ چوبیس روپے سالانہ ہے۔ کمیٹی کے ارکان زیادہ تر ہندو اور مسلمان امرا ہیں۔ ان کے علاوہ بریلی اور روہیلکھنڈ کے دوسرے حصوں کے اہل علم و فضل بھی اس میں شریک ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ کمیٹی کا جلسہ ہوتا ہے۔۔

انجمن کا ارادہ ہے کہ ایک ماہوار ادبی رسالہ جاری کیا جائے۔ انجمن کا معتمد اس رسالے کا نگران ہوگا۔ ہر سال انجمن اپنا ایک عام جلسہ منعقد کرے گی جس میں انجمن کی سال بھر کی سرگرمیوں کا حال ایک رپورٹ کے ذریعے جو اردو میں لکھی جائے گی، پیش کیا جائے گا —

چند ماہ کا عرصہ ہوا کہ بدایوں کے بعض راجاؤں اور امرا کا ایک جلسہ ہوا تھا جس میں اس امر پر غور کیا گیا کہ ہندوؤں میں شادی بیاہ کے موقع پر جو مہمل رسوم برتی جاتی ہیں اور جو بیکار جشن منائے جاتے ہیں انہیں کس

طرح ترک کیا جاے - فتح گڑہ کے بابو ایشوری داس نے ان مسائل کے متعلق ایک مضمون پڑھا - موصوف متعدد کتابوں کے مصنف ہیں - ان کا نام ہندوؤں کا سا ہے لیکن انہوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے —

حضرات! پچھلے سال میں نے کلکتہ کی ادبی انجمن کا ذکر کیا تھا * جس کے بانی اردو زبان کے مشہور مصنف اور انشا پرداز سید احمد ہیں † جنھوں نے انجیل کی شرح لکھی ہے - موصوف کی حیثیت مسلمانوں میں وہی ہے جو آج سے چالیس سال قبل رام موہن راے کی ہندوؤں میں تھی - موصوف کے جوش اور خلوص کی بدولت انجمن ترقی کر رہی ہے - اس کام میں مولوی عبداللطیف اور بعض انگریز ان کی مدد کر رہے ہیں - ہمیں پوری توقع ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس انجمن سے بہت فائدہ پہنچے گا جن کی تعداد اس وقت ۲ کروڑ سے زیادہ ہے- اس انجمن کی بدولت ان مسلمانوں کے لیے جو تاج برطانیہ کے سایہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ممکن ہوگا کہ اس عظیم الشان تعلیمی تحریک میں شرکت کر سکیں جو اس وقت بنگال میں اپنے اثرات

* قسطنطنیہ میں بھی اس قسم کی ایک ادبی انجمن قایم کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مغربی علوم کی کتابوں کے ترجمے کیے جائیں سلطان اس انجمن کو سالانہ ۴ لاکھ ۵۰ ہزار فرانک دیتے ہیں —

† سر سید احمد خان مرحوم -—

دکھا رہی ہے۔ اس انجمن کا مقصد بھی یہ ہے کہ قومی ادبیات کو فروغ دیا جائے ۔ انجمن نے ۲ ہزار روپے کے انعامات ان کے لیے مقرر کیے ہیں جو اردو میں مندرجۂ ذیل موضوعوں پر مضامین لکھیں گے ۔ حیات اورنگ زیب، ہندی مسلمان، انجن اور اس کے کل پرزے، مطبع کی تاریخ اور تمدن پر اس کے اثرات ۔ ۱۶ اگست کو اس انجمن کا ایک جلسہ علیگڑھ میں ہوا ۔ اس جلسہ میں یہ طے پایا کہ انجمن کی اپنی ایک عمارت ہونی چاہیے، کتب خانے کے لیے کتابیں فراہم کرنی چاہئیں اور سائنس کے آلات منگانے چاہئیں *
اس انجمن کی سر پرستی بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے قبول فرما لی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں بھی اس انجمن کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے —

اس انجمن کے ایک پچھلے جلسے میں مولوی عبیداللہ نے سلطنت روما کی ابتدا اور اس کے استحکام پر ایک مضمون پڑھا ۔ مولوی عبدالرؤف نے لندن اور اس کے نواح پر ایک مضمون پڑھا ۔ اس موضوع پر متعدد ہندوستانی سیاحوں نے اظہار خیال کیا ہے ۔ شمشیر نے "شگرف نامۂ ولایت" اور کریم خاں نے "سیاحت نامہ" میں لندن کے حالات بیان کیے ہیں۔ یورپین لوگوں میں جلسوں نے اس انجمن کے مقاصد

* Indian Mail, 8 Jan. 1865.

کے ساتھہ ہمدردی کا اظہار کیا ہے سر چارلس تریولین خاص طور پر قابل ذکر ہیں - جب موصوف کلکتہ سے ولایت واپس جا رہے تھے تو اس انجمن کے ارکان کی طرف سے ایک الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا جس میں اس خیال کو ظاہر کیا گیا کہ ان کے ولایت جانے سے اس انجمن کا ایک عملی معاون کم ہو گیا —

کیا اچھا ہو اگر ہندوستان جنت نشان سے بت پرستی کی لعنت دور ہو جائے - کلکتہ کے لاٹ پادری Reginald Heber نے پچاس سال کا عرصہ ہوا جب یہ اشعار لکھے تھے : —

خدا نے اپنے لطف و کرم کو بیکار فیاضی کے ساتھہ اس جگہ صرف کیا جہاں کی حالت یہ ہے کہ بت پرست لوگ چوب و سنگ کے آگے اپنا سر نیاز خم کرتے ہیں "

ہمیں پوری امید ہے کہ مسیحی مبلغوں سے ہندوستان میں بلکہ سارے عالم میں زبور کے اس سرود عارفانہ کی تصدیق ہوگی —

" خدا مشرکوں کو زیر کرے گا - وہ اپنے مقدس تخت پر جلوہ افروز ہے " *

اگر ہندوستانی مسیحیت کی پر اسرار کشتی پر سوار ہو جائیں تو وہ نجات کے ساحل پر اتر سکتے ہیں - اس کشتی میں

* Ps. ×Lvll, 9 verse.

انھیں عافیت نصیب ہو سکتی ہے اگر وہ مسیحی دین قبول کر لیں تو یوں سمجھو جیسے انھوں نے صداقت کے کھمبے کو پکڑ لیا جو اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہلتا —

ہندوستان کے مسلمانوں میں مسیحی تبلیغ کو زیادہ کامیابی اب تک نہیں حاصل ہوئی - لیکن بعض مسلمانوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے مسیحی مذہب کی تعلیم کو قبول کر لیا ہے - ناگپور کے ناظر مدراس نے جن کا نام مولوی صفدر علی ناگپوری ہے ابھی حال میں مسیحی دین قبول کیا - موصوف نے مسیحی کتابوں کو پڑھ کر خود بخود مذہب تبدیل کر لیا - ان کے اثر سے ایک اور مسلمان عیسائی ہو گیا جو ان کے ماتحت اسکول میں مدرس تھا - ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اس وقت ۵۱۵ مبلغین مسیحیت کام کر رہے ہیں ان میں انگلیکن (Anglicans) اور دوسرے غیر کیتھولک شامل ہیں * ہمارے خیال میں کیتھولک مبلغین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی اس لیے کہ اس وقت ہندوستان میں کم و بیش دس لاکھ کیتھولک موجود ہیں † —

مسیحی مبلغین اپنا مذہبی جوش میلوں کے موقع پر ظاہر کرتے ہیں - ہندوستانیوں کے جم غفیر میں وہ اپنے خیمے

* "Church Missionary Intelligencer"

† "India, its nations and missions" by Rev. G. Trever.

لگا لیتے ہیں - تقریریں اور وعظ کرتے ہیں رسالے تقسیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ - چنانچہ پچھلے دنوں ۲۸ جنوری کو الہ آباد میں میلے کے موقع پر کوئی ۷۰ ہزار نفوس جمع ہوے تھے- اس میلے میں ان مبلغوں نے بڑی سر گرمی سے کام کیا —

۲۱ دسمبر کو بمبئی کے لاٹ پادری نے ۹ کم عمر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی رسم ادا کی - ان میں دو مسلمان ہیں، ایک پارسی ہے، ایک تاملی ہے، چار مرہٹے ہیں، اور ایک اودھ کا ہندو ہے - ان کے علاوہ دس لڑکیاں بھی مسیحی دین کے حلقے میں داخل ہوئیں ان میں سے دو مسلمان ہیں، اور باقی سب ہندو ہیں - ان میں ایک لڑکی برھمن ہے - لاٹ پادری نے اپنی تقریر ہندوستانی میں کی اور بعد میں مرہٹی میں اس واسطے کہ اس علاقے میں یہی زبان بولی جاتی ہے * —

اس سال ۹ اپریل کو کلکتہ کے لاٹ پادری نے امرتسر میں ۴۰ ہندوستانیوں کو مشرف بہ مسیحیت کیا - اس موقع پر جو مذہبی رسم ادا کی گئی اس میں موصوف نے بلا تکلف ہندوستانی زبان میں تقریر کی - اس تقریر میں الفاظ اور محاوروں کا استعمال اس قدر صحیح تھا کہ جو ہندوستانی اس وقت موجود تھے وہ سب بہت متاثر ہوئے - موصوف نے اپنی تقریر میں اس موقع کی اہمیت کو سامعین کے

* Indian Mail, 8 Feb 1865.

روبرو واضح کیا —

اس کے کچھ عرصے بعد موصوف نے ایک نوجوان کو جو ہندوستانی زبان بخوبی جانتا تھا اور اب تک بچوں اور نو مسیحیوں کو ' سوال و جواب " کی مشق کراتا تھا کلکتہ کے شمالی محلوں کے لئے پاسٹر (Pastor) مقرر کردیا ہے - ان محلوں میں زیادہ تر انگریز یوریشین اور پرتگیزی آباد ہیں -

اب ہم ان کی طرف توجہ کرتے ہیں جنہوں نے اس سال داعئی اجل کو لبیک کہا - سب سے پہلے ڈاکٹر Falconer کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کوئی دس سال کا عرصہ ہوا جب وہ ہندوستان سے تازہ تازہ واپس ہوئے تھے اس وقت میری ان سے ملاقات ہوئی تھی - موصوف ہندوستانی زبان بلا تکلف بولتے تھے - میں بھی ان کے ساتھ ہندوستانی میں گفتگو کرتا تھا - میں پہلی مرتبہ جب ان سے ملا تھا تو اس وقت ان کے ہمراہ (M. P. de Gavardie) بھی تھے جو ہندوستانی بولنا جانتے ہیں - انہوں نے یہ مشق پانڈیچری کے دوران قیام میں کی ہے -

Hugh Falconer کا لندن میں ۳۱ جنوری کو انتقال ہوگیا - آپ کلکتہ کے سرکاری باغ کے سپرنٹنڈنٹ رہ چکے تھے - آپ ویلز میں پیدا ہوئے تھے - ۵۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کر گئے - پبلک میں آپ کا نام زیادہ مشہور نہیں ہوا لیکن لندن کے علمی حلقوں میں آپ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے -

آپ سنہ ۱۸۳۰ ع میں هندوستان پہلی مرتبہ گئے اور اپنی عمر کے بہترین بیس سال اسی ملک کی خدمت میں صرف کیے - آپ علم نباتات و حیوانات کے ماهر تھے اور خاص کر کے Paleonthology میں کمال پیدا کیا تھا - آپ کا حافظہ بلا کا تھا اور معلومات نہایت وسیع تھیں - آپ کے انتقال پر لندن کے علمی حلقوں میں سے معلومات کا بیش بہا خزانہ همیشہ کے لئے اُتھہ گیا —

آپ هی نے سب سے پہلے چاء اور کلکینا (Quinquina) کی کاشت شروع کرائی - هندوستان کے محجرات (fossils) کے متعلق بھی تحقیق کی تھی - اس تحقیق کے نتائج برٹش میوزیم میں موجود هیں جو خود آپ نے اپنی زندگی میں ترتیب دیے تھے - اس خاص موضوع کے متعلق اور کہیں اتنی مفید معلومات نہیں مل سکتیں * —

ان کے قدیم دوست کپتان Antony Troyer بھی ان کے انتقال کے کچھہ دن بعد اس جہان سے سدھار گئے - لیکن وہ اپنی عمر طبیعی کو پہنچ چکے تھے - انتقال کے وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی - آپ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے اور هندوستانی بھی تھوڑی بہت سیکھہ لی تھی - گورنر جنرل لارڈ ولیم بنتنگ کے ایڈی کامپ رہ چکے تھے - آپ عرصہ سے پیرس میں رہتے تھے

---

* Times, 2 Feb. 1865.

چنانچہ یہیں آپ کا ۲ جون کو انتقال ہوا - آپ کے انتقال پر شاعر کے یہ اشعار پڑھے جا سکتے ہیں —

" یہ دنیا اس کے لیے کس قدر شاندار ہے جو یہاں سے اپنے دل کو بنی نوع کی ہمدردی سے مملو لے جائے - چنانچہ وہ آسمان کو روشن اور مہتم بالشان نظروں سے دیکھتا ہے اور مڑ مڑ کر اپنے ان دنوں کو دیکھتا ہے جو اس نے نیکی میں اور فرائض کی بجا آوری میں صرف کیے" * —

آپ کی میرے حال پر بڑی عنایت تھی - چنانچہ ہندوستانی کے متعدد قلمی نسخوں کی نقلیں آپ کی مدد سے میں نے کرائی تھیں - آپ نے " دبستان مذاہب " کے انگریزی ترجمے کی تکمیل کی جسے D. Shea نے شروع کیا تھا - " راج ترنگنی " کا بھی انگریزی ترجمہ آپ نے ختم کیا - اس کتاب کو کشمیر کی تاریخ سمجھنا چاہیے- اس کے علاوہ آپ کے متعدد مضامین پیرس کے Journal Asiatique میں نکلتے رہے ہیں —

Edward Place Stevenson کا بمبئی میں ۳۵ سال کی عمر میں ۲۱ جون کو انتقال ہوا - آپ Deccan Herald کے مدیر رہ چکے تھے اس کے بعد Elphinstone Institution کی مرکزی تعلیم گاہ کے صدر مدرس ہو گئے تھے - آخر میں احمد آباد کالج کی

* Longfellow.

پرنسپلی انہیں تفویض کی گئی - آپ کی موت پر علم اور احباب دونوں نے ماتم کیا —

۳۱ اگست کو ایک اور مشہور مستشرق ہم میں سے اٹھہ گیا - میری مراد Alexander Kinloch Forbes سے ہے جنھیں Justice Forbes بھی کہتے تھے آپ کا پونا میں انتقال ہوا - رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی بمبئی کی شاخ کے آپ نائب صدر رہ چکے تھے اور بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے - ہندوستانی سے آپ کا تعلق ضمنی رہا لیکن گجراتی کی ترقی میں آپ نے بہت کوشش کی چنانچہ گجراتی زبان کو فروغ دینے کی غرض سے آپ نے اپنی صدارت میں ایک انجمن قایم کی اور تاریخی مواد اور گیت وغیرہ جمع کیے - آپ کی کتاب " راس مالا " گجرات کے لیے وہی نوعیت رکھتی ہے جو کرنل ٹوڈ کی کتاب راجپوتانے کے لیے ہے - آپ کے انتقال پر ایشیاٹک سوسائٹی کے اعزازی صدر Rev. Dr. Wilson نے ۱۴ ستمبر کے اجلاس میں آپ کے علمی کارنامے ایک ایک کر کے گنائے اور بتایا کہ آپ کی زندگی نہایت بھرپور رہی - آپ نے یہ بھی کہا کہ Forbes کا نام ہندوستان میں لوگوں کو بہت عزیز ہے Sir Charles Forbes اور Duncan Forbes کے ناموں کے علاوہ James Forbes کا ذکر کیا جو "Oriental Memiors" کے مصنف ہیں اور Compte de Montalembert کے رشتے میں دادا ہوتے ہیں-

۱۷ نومبر کو لندن کے قریب David Lister Richardson کا ۶۴ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ آپ کلکتہ کے Hindoo Metropolitan College کے پرنسپل رہ چکے تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں آپ ہندوستان سے ولایت چلے آئے تھے اور Court Circular کی ادارت قبول کرلی تھی۔ بعد میں Allen's Indian Mail کے مدیر ہو گئے تھے جس کی معلومات سے میں اپنے لکچروں کے لیے ہمیشہ استفادہ کیا کرتا ہوں۔ آپ نے لارڈ 'میکالے' کے ساتھ ہندوستانیوں میں مغربی علوم و فنون کو رواج دینے کے لیے بہت جد و جہد کی تھی اس کے علاوہ آپ ادیب اور شاعر کی حیثیت سے بھی چوٹی کے لوگوں میں سمجھے جاتے تھے۔

میں ان مرنے والوں کا ذکر ایک مشہور ہندو کے انتقال کے حالات پرختم کرتا ہوں۔ میری مراد جگن ناتھ شنکرسیٹھ سے ہے جن کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کی یادگار قائم کرنے کے لیے 'بمبئی' کے شہریوں نے یہ تجویز کی ہے کہ ان کا ایک بت شہر میں نصب کیا جائے۔ آپ الفنسٹن کالج کے بانیوں میں سے تھے اور مغربی ہند میں تعلیمی تحریک کے روح و رواں تھے۔ اس کے علاوہ آپ "انجمن زرعی" کے بھی صدر رہ چکے تھے۔ مرنے سے کچھ قبل آپ نے خواہش ظاہر کی کہ بھگوت گیتا پڑھی جائے۔ اپنے مکان سے پیدل برہنہ پا باہر آئے برہمن گائیں لیے کھڑے تھے۔ انہوں نے "گئودان مکشا" پڑھنا

شروع کی جو "بھگوت پران" کا ایک حصہ ہے - اس کے بعد 'وشلو' کے ایک ہزار ناموں کا ورد کیا گیا - اس کے بعد وہ جاکر لیٹے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی - مرنے سے کچھ پہلے ان کے جسم پر گنگا جل چھڑک دیا گیا تھا جب جنازہ مرگھٹ کو جانے لگا تو ان کا بیٹا ننگے سر اور ننگے پیر اس کے ساتھ تھا - اس کے ہاتھ میں آگ تھی جس کو وہ اپنے باپ کی نعش جلانے کے لیے لیے جا رہا تھا - ساتھ میں سناروں کی جاتی کے کوئی پانچ سو لوگ تھے - راستے میں غریب غربا کو پانچ سو روپے تقسیم کیے گئے - نعش جلانے کے لیے صندل کی لکڑی' تلسی اور بلوا استعمال کیے گئے - جب نعش جل چکی تو دودھ سے آگ بجھائی گئی اور ہر شخص نے اپنے گھر واپس آکر اشنان کیا —

یہ سچ ہے کہ اس قسم کی رسومات کی بدولت یورپ اور ہندوستان میں بہت فرق ہے- لیکن دخانی جہازوں اور تار برقی نے ان دونوں ملکوں کے فاصلے بہت کم کر دیے ہیں - اہل یورپ تجارت اور سیر و سیاحت کی غرض سے ہندوستان جاتے ہیں اور اہل ہند بھی یورپ آنے لگے ہیں - اس سال ہندوستان کی سیاحت کے لیے ڈیوک آف برابان Duke of Brabant اور شہزادہ فریڈرک والیء ہالینڈ گئے تھے ثانی الذکر سنسکرت اور ہندوستانی زبان جانتے ہیں اور 'پھرس' اور

'لندن' میں باقاعدہ ان السنہ کی تحصیل کر چکے ہیں۔ ہندوستان سے آنے والوں میں نواب اقبال الدولہ بہادر شہزادۂ اودھ کا نام قابل ذکر ہے* ۔ میں ایڈورڈ ایچ پامر کے ساتھ آپ سے ملنے گیا تھا اور ہندوستانی میں آپ سے بہت دیر تک گفتگو رہی ۔ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ایڈورڈ 'ایچ' پامر ہندوستانی زبان میں اظہار خیال پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہندوستانیوں کی قومی زبان میں انہوں نے مہارت بہم پہنچائی ہے۔ "قومی زبان" میں نے اس لیے کہا کہ اہل ہند ایک قوم ہیں جیسا کہ کلکتہ کی Urdu Guide کی حال کی اشاعت میں لکھا ہے۔ انگریزی حکومت ہندوستانی میں جو تعلیم دے رہی ہے اس سے ہندوستان کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا ہوگا ۔ ادھر مغربی تہذیب و تمدن کی بدولت مذہبی تعصب کم ہو رہا ہے غرض کہ انگلستان حتی المقدور ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ اہل ہند ترقی کی راہ پر گامزن ہوں ۔ بقول بائرن انگلستان چاہتا ہے کہ ہندوستانیوں کے دلوں کو موہ لے اور انہیں اپنے ساتھ وابستہ کر لے —

"دشمن کے دل کو موہ لینا اس پر فتح حاصل کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔ فتح سے یہ ہوتا ہے کہ دشمن فوری نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر دشمن کے دل کو رام کر لیا تو اس کے دل سے ہمیشہ کے لیے بدی نکل جاتی ہے" —

---

* آپ شمس الدولہ کے بیٹے اور غازی الدین حیدر کے بھائی ہیں جنھوں نے فارسی لغت "ہفت قلزم" لکھی تھی ۔ آپ بھی ایک کتاب کے مصنف ہیں جس کا نام "اقبال فرنگ" ہے ۔

*

سولھواں خطبہ

۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع

حضرات! اس سال ہندوستانی زبان کے اخبارات کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا ہے - میں ان میں سے چھبیس کے نام ابھی گناتا ہوں - ان سب اخباروں کے طرز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ استعارے کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں اور عبارت مرصع ہوتی ہے - اہل مشرق شاید ہی کبھی اپنے خیال کو سادہ زبان میں ادا کرتے ہیں - مثال کے طور پر میں لاہور کے اخبار کوہ نور سے ایک اقتباس یہاں نقل کرتا ہوں * —

میں پہلے صوبۂ شمالی مغربی کو لیتا ہوں - سنہ ۱۸۶۵ ع میں اس صوبے میں اٹھارہ ہندوستانی اخبار شائع ہوتے تھے - اس سال "اخبار عالم" نیا جاری ہوا ہے - اس اخبار کے خریداروں کی تعداد اور اخبارات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے - اس کی ۵۳۷۰ کاپیاں چھپتی ہیں - اس کے مدیر کا نام مرزا وجاہت علی خاں ہے - یہ اخبار ہفتہ وار پنجشنبہ کے روز نکلتا ہے - اور سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر صفحے

* یہاں چند جملوں کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

میں دو خانے ہوتے ہیں - اکثر اوقات " میرٹھ گزٹ " بطور ضمیمہ اس کے ساتھ شائع ہوتا ہے - اس اخبار کے مدیر موصوف نے مجھے اس کا ایک نمونہ بھیجا ہے - اس کے پڑھنے سے مجھے بعض نئی کتابوں کے شائع ہونے کا علم ہوا اور اس کے علاوہ دوسرے ادبی مشاغل کی نسبت معلومات حاصل ہوئیں - اس اخبار کے مضامین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے - مثلاً پچھلے نمبر میں سفر کے فوائد اور علم طبابت کی خوبیوں پر دلچسپ مضامین تھے - آخرالذکر مضمون میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ و سلم) کی حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علم دنیا میں دو ہیں - ایک وہ علم جس سے جسم کے امراض کا علاج معلوم ہوتا ہے اور دوسرا علم دین - اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

العلم علمان ؛ علم الابدان و علم الادیان —

میں اب دوسرے اخباروں کا ذکر کرتا ہوں —

(۱) نجم الاخبار - یہ اخبار میرٹھ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس نام کا ایک اخبار سورت سے بھی پہلے سے نکلتا ہے —

(۲) کانپور گزٹ - یہ اخبار کانپور سے نکلتا ہے - منشی نول کشور اس کے مدیر ہیں - موصوف لکھنؤ کے مشہور مطبع کے مالک ہیں جہاں سے " اودھ اخبار " آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے —

گزشتہ سال میں نے کانپور کے ایک اور اخبار کا ذکر کیا

تھا جس کا ایک نمبر مسٹر چے پلاتس نے مجھے از راہ کرم بھیجا ہے اِس اخبار کا نام " شعلۂ طور " ہے - گزشتہ مرتبہ میں یقین کے ساتھہ اس اخبار کے متعلق آپ کے سامنے کچھہ نہیں کہہ سکا تھا - اب مجھے اس کی نسبت ضروری معلومات حاصل ہوگئی ہیں - یہ ہر ہفتہ سہ شنبہ کے روز شائع ہوتا ہے - اس میں سولہ صفحے ہوتے ہیں اور ہر صفحے میں دو خانے ہوتے ہیں - پورا اخبار اردو میں ہوتا ہے - اس کے مدیر جمنا پرشاد ہیں - شیخ عبداللہ جو پہلے کبھی " شملہ اخبار " کے مدیر رہ چکے ہیں اس اخبار میں مضامین لکھتے ہیں —

(۳) مجمع البحرین - یہ اخبار لدھیانہ سے شائع ہوتا ہے - اس کے مدیر محمد ناصر خاں اور محمد شاہ ہیں —

(۴) آب حیات ہند - یہ آگرہ سے شائع ہوتا ہے - اس کے مدیر کا نام بلسی دھر ہے جو آگرہ کے نارمل اسکول میں مدرس ہیں - موصوف چھوٹے بڑے پچاس رسالوں کے مصنف ہیں - اس اخبار کے ہر صفحے پر ایک خانہ میں اردو کے مضامین ہوتے ہیں اور اس کے برابر دوسرے خانے میں وہی مضامین ہندی رسم خط میں ہوتے ہیں - ہندی کے حصے کا نام " بھارت کھنڈ امرت " ہے - میں نے اس اخبار کی نسبت اپنے سنہ ۱۸۶۴ع کے خطبے میں تھوڑا سا ذکر کر کے چھوڑ دیا تھا - یہ اخبار ماہوار ہے اور حجم سولہ صفحے کا ہے - مطبع نورالعلم

میں طبع ہوتا ہے - اس اخبار کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی جائے - چنانچہ اس کے مدیر بنسی دھر "انجمن حق" کے صدر بھی ہیں جس نے اس اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے —

(۵) کارنامۂ ہند - یہ خواجہ محمد ہاشم کے زیر ادارت سوہلہ ضلع گونڈ کانوہ سے شائع ہوتا ہے - اس کی پہلی اشاعت پچھلے ستمبر میں نکلی تھی - "اخبار عالم" کے مدیر وجاہت علی نے اس اخبار کے طرز تحریر اور اس کے تنوع کی بہت تعریف کی ہے - ان کا اس پر بس ایک یہ اعتراض ہے کہ نام کوئی اور رکھنا چاہئے تھا اس لیے کہ اس نام کا ایک اخبار لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے —

لکھنؤ کے نام سے مجھے اس وقت "اودھ اخبار" یاد آگیا - یہ اخبار پچھلے سات سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے - چنانچہ اس کی ہر اشاعت پچھلی اشاعتوں سے بہتر نظر آتی ہے - اس کی تقطیع اور صفحات کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے - یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور ہر چہار شنبہ کے روز شائع ہوتا ہے - شروع شروع میں اس میں صرف چار صفحے ہوا کرتے تھے اور وہ بھی چھوٹی تقطیع پر، پھر چھ ہوئے اور پھر سولہ اور اب وہ اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے - پہلے کے مقابلے میں اس کی تقطیع بھی بڑی ہوگئی ہے - میرے خیال

میں اس سے زیادہ ضخیم اخبار ہندوستان بھر میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس سے آپ کو اس امر کا اندازہ ہوگا کہ اخبار بینی کا شوق ہندوستانیوں میں کس قدر بڑھ رہا ہے۔ اخبار اب تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی ضروریات زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔

۱۲ دسمبر کی گزشتہ اشاعت میں 'بے صبر' سہارنپوری کی ایک غزل تھی اور ایک اور دوسرے شاعر 'رعنا' کا ایک خط تھا جس میں بھوٹان کے متعلق حالات تھے۔ آخر میں ایک نوجوان شاعر 'عیش' کا لکھا ہوا سہرا نقل کردیا تھا —

پنجاب کے جدید اخبارات کی تفصیل یہ ہے۔

(۶) پنجابی۔ اس اخبار کے مدیر اور مالک محمد عظیم ہیں۔ یہ اردو اخبار لاہور سے شائع ہوتا ہے —

(۷) گیان پردیپنی پترکا۔ یہ ماہوار رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے مضامین علمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ پنڈت مکند رام کشمیری اس کے مدیر ہیں۔ ہر صفحے میں دو خانے ہوتے ہیں ایک خانے میں ہندی اور دوسرے خانے میں اردو ہوتی ہے۔ اس رسالے کے علمی مضامین بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی مضامین کے ساتھ تصویریں بھی ہوتی ہیں تاکہ مطالب کی وضاحت ہوسکے۔ اس کے علاوہ دوسرے مضامین تاریخ' جغرافیہ اور

ادب پر ہوتے ہیں —

(۸) لاہور سے ایک اور ہندوستانی اخبار بہت عرصے سے شائع ہو رہا ہے جس کے متعلق مجھے ابھی حال ہی میں ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) کے توسط سے معلومات حاصل ہوئی ہیں - موصوف نے از راہ عنایت اپنے نوجوان دوست Lepel Griffin کی وساطت سے مجھے یہ اخبار بھیجا جو انجمن لاہور کے نائب صدر اور "تاریخ امراے پنجاب" * کے مصنف ہیں - اس اخبار کا نام "بحر حکمت" ہے - یہ ماہوار رسالہ طب یونانی سے متعلق مضامین شائع کرتا ہے - اس کے مدیر منشی گوری شنکر ہیں-

(۹) دسمبر سنہ ۱۸۶۵ع سے سیالکوٹ سے ایک اور جدید ہندوستانی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام "خیر خواہ پنجاب" ہے - اس کے متعلق لاہور کے "کوہ نور" اور میرٹھ کے "اخبار عالم" میں جو تقریظیں نکلی ہیں وہ میری نظر سے گذریں - اس اخبار کے مدیر منشی دیوان چند ہیں جو سنہ ۵۷ع کی شورش عظیم سے قبل تین اخبار شائع کرتے تھے - میری مراد چشمۂ فیض خورشید عالم اور اخبار پنجاب سے ہے -

* History of the principal chiefs and native gentry of the Penjab.

اب جو انھوں نے اخبار نکالا ہے وہ مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے - مدیر نے اپنے اس اخبار کو استعارتاً "چشمۂ فیض" سے تعبیر کیا ہے جو ان کے پرانے پرچے کا نام تھا -

"کوہ نور" اور "سرکاری اخبار" لاہور سے بدستور شائع ہو رہے ہیں - ہندوستانی صحافت میں ان دونوں اخباروں نے جو حیثیت حاصل کرلی ہے وہ بدستور قائم ہے - کوہ نور میں جدید کتب کے متعلق تفصیلی تنقیدیں ہوتی ہیں - یہ تنقیدیں صرف اردو زبان کی کتابوں ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ عربی فارسی اور سنسکرت کتابوں پر بھی ہوتی ہیں - اس کے علاوہ انجمن لاہور کے جلسوں کی کارروئی اور اس کے قواعد وغیرہ بھی اس اخبار میں درج ہوتے ہیں - اس انجمن کا مقصد ' جیسا کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہے ' اشاعت علم ہے - اس اخبار میں بعض مضامین تعلیم نسواں کے متعلق بھی میری نظر سے گزرے - اس میں نوجوان شعرا کا کلام بھی ہوتا ہے جنھوں نے ابھی حال ہی میں ادبی دنیا میں قدم رکھا ہے -

"سرکاری اخبار" کی پچھلی اشاعت میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں خط شکستہ کی اصلاح پر

توجہ مبذول کرائی گئی ہے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اردو صاف اور سنبھال کر لکھنی چاہیے - بالعموم اہل ہند بہت بے پروائی سے لکھنے کے عادی ہیں - اس کے علاوہ دوسرے مضامین تیل کی جگہہ گیس کے استعمال ' ہندوستانی روئی کی خوبیاں' پنجاب کی تجارتی حالت' اور فلکیات کے فوائد پر ہیں -

(۱۰) نیر راجستان - یہ اخبار راجپوتانہ میں شہر جے پور سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے - میرے نوجوان دوست ای ایچ پامر کی عنایت سے اس کے چند نمبر مجھے حاصل ہوگئے- اس اخبار کی تاریخ ان دو اشعار سے نکلتی ہے * -

(۱۱) مدراس سے ایک نیا اخبار شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام ' اخبار کرتان (Akhbar-i-Kurtan) ہے - یہ اخبار مہینے میں تین مرتبہ نکلتا ہے - اس کا پہلا نمبر پچھلے سال سنہ ۱۸۶۵ ع میں شائع ہوا تھا - یہ چھوٹی تقطیع پر ہوتا ہے- یہ اخبار پہلے بھی (کسی اور نام سے) نکلتا ہوگا اس واسطے کہ اس کے سرورق پر سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۰ ع) کا سن لکھا رہتا ہے - پہلے نمبر کے سر ورق پر اس اخبار کی تعریف میں ایک مدحیہ غزل درج ہے † -

---

* اس جگہہ ان اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

† یہاں غزل کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

(۱۲) مدراس سے ایک دوسرا اخبار شمس الاخبار جاری ہے - یہ اخبار بھی ہر دسویں دن شائع ہوتا ہے ۔ چھوٹی تقطیع پر بارہ صفحوں پر مشتمل ہوتا ہے - ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہوتی ہیں - اور ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں --

(۱۳) عمدۃ الاخبار - اس نام کا ایک اخبار پیشتر سے بریلی سے نکلتا ہے - لیکن یہ اخبار مدراس میں بہت عرصے سے جاری ہے - یہ بھی مہینے میں تین بار نکلتا ہے ۔ کبھی کبھی تصاویر بھی ہوتی ہیں —

(۱۴) مظہر الاخبار - یہ اخبار مدراس سے ہر دسویں دن نکلتا ہے - اس کے مدیر 'عبرت' ہیں جو اپنی شاعری کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں - یہ اخبار بہت عرصے سے جاری ہے اور بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے - اکثر اوقات ہر اشاعت کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی ہوتا ہے —

پچھلے سال میں نے آپ صاحبوں کے سامنے مدارس کے ایک اخبار "صبح صادق" کا ذکر کیا تھا ۔ اس وقت میرے پیش نظر اواخر سنہ ۱۸۶۵ ع کی چند اشاعتیں ہیں جو مجھے پانڈی چری کے مدد گار کمشنر موسیو ای سیسے (E. Sice) نے بھجوائی ہیں - یہ اخبار مہینے میں تین بار شائع ہوتا ہے اور بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا

ہے - کبھی کبھی اس کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی ہوتا ہے جس میں ادبی مضامین ہوتے ہیں - اس کی چھپائی عمدہ قسم کی ہے - سرورق پر جہاں اخبار کا نام ہوتا ہے اس کے چاروں طرف سرخ رنگ کے پھل بوٹے بنے ہوتے ہیں - ان گل بوٹوں کے اندر چار اشعار لکھے ہوتے ہیں جن میں اس اخبار کی نوعیت اور مقصد کو بتایا گیا ہے - ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے * —

(۱۵) ریاض الاخبار یہ اخبار مدراس سے نکلتا ہے - اس نام کا اخبار بمبئی سے بھی شائع ہوتا ہے - اس کے سرورق پر لکھا رہتا ہے : " ریاض الاخبار مہمات اساس " - یہ اخبار ہفتہ وار ہے چھوٹی تقطیع پر سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے - ہر صفحے پر اٹھارہ سطریں ہوتی ہیں اور صفحہ دو کالموں (خانوں) میں تقسیم ہوتا ہے - اس کے مدیر کا نام سید حسین ہے —

(۱۶) میں نے بمبئی کے جن اخباروں کا آپ کے سامنے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ ایک اور اخبار نکلتا ہے جس کا نام " برق خاطف " ہے - اس اخبار کے ایڈیٹر مظفر حسین ہیں —

(۱۷) بمبئی سے ایک اور اخبار " ستیا دیپک " بھی جاری ہے - مجھے اس کا پوری طرح یقین نہیں کہ ہندی میں ہے

* یہاں اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

یا اردو میں —

میرٹھہ کے اخبار عالم اور دوسرے اخباروں سے مجھے جن اخباروں کے نام معلوم ہوے ہیں اور جو اب تک میری نظر سے نہیں گزرے ' ان کی فہرست یہاں پیش کرتا ہوں —

(۱۸) محسن الاخبار -

(۱۹) کارنامہ - لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے —

(۲۰) سوم پرکاش —

(۲۱) قاسم الاخبار - بنگلور سے شائع ہوتا ہے —

(۲۲) مجمع البحرین - حیدرآباد سے نکلتا ہے —

(۲۳) اخبار انجمن ہند لکھنؤ —

(۲۴) اخبار سہیل پنجاب —

(۲۵) لاہور سے ایک ماہوار اخبار "گنج شائگاں" کے نام سے نکلتا ہے - اس میں حکومت کے احکام و قوانین اردو میں درج ہوتے ہیں - اس کے ساتھہ اصل انگریزی بھی ہوتی ہے - اس کے مدیر پنڈت سورج بھان ہیں - جو ایک انگریزی صرف و نحو کی کتاب کے مصنف ہیں - موصوف نے انگریزی زبان سے متعدد ترجمے ہندوستانی میں کیے ہیں —

(۲۶) رسالۂ انجمن اشاعت مطالب - یہ ہر سہ ماہی پر شائع

ہوتا ہے - میرے پیش نظر تین اشاعتیں ہیں جو بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہیں- یہ رسالہ لاہور میں چھپتا ہے -

میں اس وقت صرف ہندوستانی زبان کے اخبار و رسائل کی نسبت آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں - بر سبیل تذکرہ ایک انگریزی اخبار کے متعلق یہاں اشارہ کیے دیتا ہوں جس کا نام Southern Cross ہے - یہ اخبار انگریزی میں الہ آباد سے پچھلے جون کے مہینے سے نکلنا شروع ہوا ہے - یہ انگلیکن (Anglican) کلیسا کی طرف سے شائع ہوتا ہے - اس میں مذہب و لسانیات کے متعلق دلچسپ معلومات درج ہوتی ہیں - اس کی ادارت تمام تر یورپین لوگوں کے ہاتھ میں ہے -

میرے محترم دوست میجر فلر نے پنجاب ایجوکیشنل میگزین کے پچھلے نمبر بھیجے ہیں - سنہ ۱۸۶۹ ع میں اُس کا کوئی نمبر نہیں نکلا - ڈاکٹر لیٹنر جو اس کے مدیر تھے اب دوسرے مشاغل میں اس قدر منہمک ہیں کہ اس کی طرف توجہ کرنے کی انہیں فرصت نہ ملے گی - ایک اشاعت میں انگریزی تعلیم کے متعلق ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ انگریزی زبان کی ترقی سے سوائے سرکاری نوکری کرنے والوں کے عام طور پر ہندوستانی لوگوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا بلکہ ان کی زندگی کو اس الٹا نقصان پہنچا —

اس میگزین کے ساتویں نمبر میں دوسرے مضامین کے علاوہ رند دہلوی کی ایک غزل بھی ہے - رند ہم عصر شعرا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں - ان کی غزلیات کا مجموعہ دو دیوانوں میں شائع ہو چکا ہے - ان دیوانوں کا نام " گلدستۂ عشق " ہے - یہ غزل بہت چھوٹی سی ہے اس لیے میں اس کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں * —

پچھلی دفعہ جب میں نے ہندوستانی ادب پر آپ کے رو برو تبصرہ کیا اس کے بعد سے اس وقت تک بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں - صرف صوبۂ شمالی مغربی میں سنہ ۱۸۶۵ع میں ۲۴۹ کتب شائع ہوئی ہیں - یہ تعداد اُن کتب کے علاوہ ہے جو اس صوبے کے ناظم تعلیمات کے حکم سے شائع کی گئی ہیں - ان کتابوں کی اشاعت دو لاکھ ۶۸ ہزار پانچ سو کی تعداد میں ہوئی ہے - یہ سچ ہے کہ ان تصانیف میں بیشتر ترجمے ہیں یا بعض کتب دوسری بار طبع ہوئی ہیں - ان تصانیف میں ۷۸ ہندو مذہب پر ہیں- اور چھتیس اسلام پر - میں حسب معمول ان میں سے اہم تصانیف کے متعلق ذکر کروں گا - پہلے میں ہندی تصانیف کا ذکر کروں گا اس لیے کہ ان کی تعداد کم ہے - آئندہ کبھی میں بتاؤں گا کہ ہندی تصانیف کی تعداد اردو کے مقابلے میں کم کیوں ہے —

---

* اس جگہ غزل کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

سنسکرت و یاکرن - اس کے مصنف نوین چند ہیں - اس میں سنسکرت کی صرف و نحو پر بحث کی گئی ہے - یہ کتاب لاہور میں چھپی ہے - بہ نسبت دوسری تصانیف کے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں یہ کتاب نہایت صاف اور سلجھی ہوئی زبان میں ہے - میرے دوست میجر فلر کا بیان ہے کہ پنجاب میں اس کتاب کی بہت قدر ہو رہی ہے —

چتر چندرک - اس کے مصنف مہاراجا بلونت سنگھ ہیں - یہ کتاب فن شاعری پر ہے - موصوف خود بھی شاعر ہیں اور آپ کا ایک دیوان چھپ چکا ہے - آگرہ میں آپ کے ہاں شعر و سخن کی بزم ہمیشہ منعقد ہوا کرتی تھی —

آنند پیوس دھارا - شنکرا چاری نے "تتوانو سندھن" کا یہ ہندی ترجمہ کیا ہے اور فارسی اور ناگری رسوم خط میں اسے شائع کیا ہے - یہ کتاب "ویدانت شاستر" کا خلاصہ ہے بلند شہر میں طبع ہوئی ہے * —

برت مہاتم - بال گوبند مہتر نے یہ کتاب ہندی نظم میں لکھی ہے - بقول مدیر "کوہ نور" عام طور پر ہندوستانیوں کے لئے مفید بنانے کے لیے اس کتاب کو فارسی رسم خط میں بھی شائع کیا ہے - اس کا موضوع ہندو دیوماؤ کے قصے ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ثواب حاصل ہوتا ہے - ان قصوں کے ماخذ

---

* کوہ نور ٦ فروری سنہ ١٨٦٦ م

سنسکرت کی کتابیں ہیں - مصنف نے ان قصوں کو عام طور پر ہندوؤں میں رائج کرنے کے لیے بہت اچھا کیا کہ ہندی نظم میں پیش کردیا —

میرٹھ کے "اخبار عالم" مورخہ ۲۳ اگست سے معلوم ہوا کہ جائسی کی پدماوت فارسی رسم خط میں طبع ہوگئی ہے -

مہاراجہ ہلکر کے اتالیق امید سنگھ نے بھگوت گیتا کا اصل بین السطور ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے - حواشی میں صرف و نحو کے مسائل کی تشریح ہے - اس کے ساتھ ہندی اور اردو دونوں میں بھگوت گیتا کی تفسیر ہے - بقول مدیر "اخبار عالم" کے تمہید اور تشریح کو پڑھنے سے متن کی ساری دشواریاں پانی ہوجاتی ہیں - اس سے ہندوؤں کو اس کے مطالب سمجھنے میں سہولت ہوگی اور مسلمانوں میں سنسکرت زبان کا شوق پیدا ہوگا جو اب تک ان میں بہت کم پایا جاتا ہے- میں نے ابھی "گیان پردیپی پترکا" کا ذکر کیا تھا - غالباً وہ بھی ترجمہ ہے جو دوسرے نام سے لاہور کے مجلۂ علمیہ میں شائع ہوچکا ہے -

ہندی کا شکنتلا ناٹک دیوناگری رسم خط میں پہلی دفعہ بنارس میں چھپا ہے - میرے پاس اس کے اصل کا مخطوطہ ہے جو John Romer نے مجھے دیا ہے- کالیداس کے اس مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ کاظم علی جوان نے کیا ہے —

متھرا شاہ کا بارہ ماسا پھر دوبارہ آگرہ میں طبع ہوا ہے - یہ کتاب اچھی خاصی مشہور ہے- اس کا ایک قلمی نسخہ میرے شاگرد Ch. d' Ochoa ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے - اس وقت یہ نسخہ شاہی کتب خانے میں موجود ہے-

سنہ ۱۸۶۵ع میں ہندی کتابیں جو شائع ہوئی ہیں ان میں " ونایکرا " قابل ذکر ہے - یہ کتاب متھرا میں چھپی ہے- مع تصاویر کل بیس صفحات پر مشتمل ہے - جہاں تک میرے علم میں ہے اس شہر کی چھپی ہوئی کتاب اس سے قبل میں نے نہیں دیکھی - متھرا ہندوؤں کا بڑا متبرک شہر ہے - آج کل اس شہر کی حیثیت ایک معمولی قریے سے زیادہ نہیں- مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہاں بھی مطبع موجود ہے —

ہندی کی ایک نہایت ضخیم کتاب ابھی حال میں بمبئی میں چھپی ہے - میری مراد 'یوگ وسشت' سے ہے- ہیرا چند نے اسے سنہ ۱۸۶۵ع میں طبع کیا - موصوف ہندی کے مشہور مصنفوں میں ہیں - انہیں نے " کویا سنگرہا" اور پنگرادرش" دونوں کو شائع کیا ہے - اول الذکر برج بھاشا کی نظموں کا مجموعہ ہے اور ثانی الذکر میں علم عروض کے اصول و قواعد بیان کیے گئے ہیں - ہر دو کتابیں بمبئی میں سنہ ۱۸۶۵ع میں طبع ہوئی ہیں —

یوگ وسشت ایک فلسفیانہ نظم ہے - یہ سنسکرت کتاب

والمیکی سے منسوب کی جاتی ہے- وہی والمیکی جو رامائن کے مصنف ہیں - میں نے ابھی اوپر جس یوگ وسشت کا ذکر کیا ہے وہ سنسکرت کا ہندی ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ۵۲۶ صفحات پر مشتمل ہے - کتاب باتصویر ہے - یوگ وسشت میں یوگ کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے - یوگ کا موضوع تصوف ہے جسے مسلمان لوگ معرفت بھی کہتے ہیں - اس فلسفیانہ نظم میں رام' وسشت اور وسوامترا کے ساتھہ انسانی وجود' نیکی توبہ' بھگتی' اور شانتی کے متعلق بحث کرتے دکھائے گئے ہیں- کتاب چھہ حصوں میں منقسم ہے- ہر حصے کا عنوان موضوع زیر بحث کی مناسبت سے رکھا گیا ہے * —

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ اردو کی نئی کتابوں کی تعداد ہندی کے مقابلے میں زیادہ ہے - آپ صاحبوں کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ Rollin کی تاریخ قدیم (l' Histoire Ancienne) کا اردو ترجمہ تین حصوں میں علیگڑہ سے شائع ہو چکا ہے - Rollin اٹھارویں صدی عیسوی کا ایک مشہور فرانسیسی مورخ گزرا ہے- اس کا ادبی ذوق اعلیٰ قسم کا تھا - اس کے ہاں الفاظ کی صحت کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا - اس مصنف کی ایک بڑی

(*) اس کتاب کے اور دوسرے ہندی ترجمے بھی موجود ہیں - ان میں سے ایک کا ذکر Mackenzie's Collection میں ملتا ہے - یہ ۳۶ ابواب پر مشتمل ہے - دیکھو جلد ۲ - صفحہ ۱۰۹ —

خصوصیت یہ بھی ہے کہ مذہب اور قدیم فرانسیسی روایات کا بڑا حامی تھا —

اس کتاب کے علاوہ سنہ ۱۸۶۴ ع میں الہ آباد میں "جواہر منظوم" کے نام سے ایک مجموعۂ نظم شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں بعض انگریزی نظموں کا اردو ترجمہ درج ہے۔ ترجمہ بھی نظم میں ہے۔ حواشی میں عروض کے مسائل کے متعلق اشارات ہیں تاکہ صوبۂ شمال مغربی کے طلبہ بھی اس مجموعے سے مستفید ہوسکیں ۔ ان حواشی میں جو مختلف بحریں لکھی گئی ہیں وہ طلبہ کے مشق کے لیے ہیں۔ اردو ترجمہ کے مقابل اصل انگریزی بھی ہے تاکہ طالب علموں کو سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ اردو اور انگریزی دونوں میں ترقی کرسکیں —

انگریزی کی بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا اردو میں خاطر خواہ ترجمہ کرنا بہت دشوار ہے لیکن مترجم نے نہایت سلیقے اور خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا ہے ۔ انگریزی اور اردو کی نظمیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہیں خیالات اور محاورے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ مترجم میں جب تک خاص طور پر ایسی صلاحیت نہ ہو کہ اصل کو اپنے الفاظ کے ذریعے ظاہر کرسکے اس وقت تک اس کام کو سلیقے کے ساتھ پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ مترجم کو ایک طرف تو اصل مطلب کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے

اور دوسری طرف اس مطلب کو ایسے الفاظ میں پیش کرنا چاهیے که اس کے اهل وطن سمجهه سکیں * میرے خیال میں ترجمے کےلیے اگر ایسی نظمیں چنی جاتیں جن میں انگریزیت کم هوتی تو زیاده اچها هوتا - انگریزی زبان میں ایسی نظمیں موجود هیں جن کے موضوع میں عالمگیر دلچسپی کے عناصر موجود هیں —

۳۱ اکتوبر سنه ۱۸۶۵ ع کے اوده اخبار میں ایک کتاب کا اشتهار میری نظر سے گزرا جس کی طباعت اس اخبار کے مطبع میں شروع هوئی تهی- میری مراد "تماشاے قدرت" سے هے- مصنف کا تخلص قدرت هے - مدیر اوده اخبار اس کو فردوسیء زماں کے لقب سے یاد کرتے هیں- فردوسی نے اپنا شاه نامه لکهنے میں ۳۰ سال صرف کیے تهے، حالانکه "قدرت" نے دو سال کی قلیل مدت میں 'محاربۂ اعظم' جیسی کتاب ختم کرلی - اس کتاب میں غالباً سنه ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے حالات هیں —

اوده اخبار کی اس اشاعت میں "تاریخ روم" پر بهی تبصره میری نظر سے گزرا - میاں قدرت نے عربی سے اس کا اردو میں ترجمه کیا هے - قدرت کی چهه نظموں کا ایک مجموعه بهی

---

* صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات مسٹر کیمپسن نے اس کتاب پر تبصرہ لکھا هے اور یه بتایا هے که ترجمے میں صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا هے - موصوف نے از راه کرم اس کتاب کا ایک نسخه مجھے بھیج دیا هے —

شائع ہوا ہے جس کا ذکر اس اخبار کی اشاعت میں ہے - اس اخبار کے مدیر کے قول کے مطابق قدرت کی نظم و نثر کی گیارہ تصانیف شائع ہو چکی ہیں - قدرت کے ذاتی مطابع بنارس، بھوپال اور آگرہ میں کام کر رہے ہیں —

اودھ اخبار کی ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی اشاعت میں ایک اور کتاب کا ذکر ہے جس کا نام ' حدائق الانظار " ہے - یہ علم و ادب کی ایک قاموس ہے جس میں فلسفہ، تاریخ اور فلکیات کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں * - اخبار کوہ نور میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے - اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ اس کے نام سے نکلتی ہے - اس قسم کی ایک کتاب فارسی زبان میں پندرہ جلدوں میں ہے - ہندوستان میں اس قاموس کی بہت شہرت ہے - اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے - امان نے اپنی قاموس کی دو جلدیں اردو میں دہلی سے شائع کی ہیں - اب وہ تیسری جلد کی تیاری میں مشغول ہیں -

فارسی سے اردو میں جو حال میں ترجمے ہوے ہیں ان میں سعدی کی بوستاں کا ترجمہ قابل ذکر ہے - ترجمے کا نام " بہارستان کرتان " رکھا ہے - کہا جاتا ہے کہ ترجمہ صحیح اور شگفتہ ہے - بنگلور میں سنہ ۱۸۹۵ ع میں اس کی طباعت ہوئی ہے - ترجمہ محمد قاسم نے کیا ہے غالباً ترجمے کا نام

* یہ بوستان خیال کا ترجمہ ہے جو خواجہ امان نے اردو میں کیا تھا (عبدالحق)

بہارستان کرتان " اس لیے رکھا ہے کہ اس کا تعلق اخبار " کرتان " سے ہے جس کی پہلی اشاعت میں اس پر تبصرہ شائع ہوا ہے —

لکھنؤ سے راماین کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے - اس میں کئی سو تصاویر ہیں * —

تاریخ راجستان یا "عہد نامہ جات" کو انگریزی سے اردو میں لالہ جوالا سہاے نے منتقل کیا ہے - اس میں راجپوتانے کے راجاؤں اور انگریزوں کے تعلقات بیان کیے گئے ہیں - یہ کتاب دو جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ریاست اودے پور اور دوسری جلد میں باقی دیگر ریاستوں کے حالات درج ہیں —

اس سال میں آپ کے سامنے ایک کتاب کا ذکر کرتا ہوں جو تاریخی تحقیق کے مطابق لکھی گئی ہے - میری مراد " تاریخ رشیدالدین خانی " سے ہے - اس کتاب کے نام سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مشہور ایرانی مورخ رشیدالدین کی تاریخ مغل کا ترجمہ ہے - میرے دوست ای - کاترمیر نے آخر الذکر کا متن مع ترجمے کے شائع کر دیا ہے - " تاریخ رشیدالدین خانی " دکن کی تاریخ ہے - اس کے مصنف کا نام ہجر حیدرآبادی

---

* مسٹر جیمیس ہچنسن نے راماین اور الیڈ کی مشابہت کی طرف توجہ دلائی ہے - یہ مشابہت ایک حد تک صحیح ہے لیکن یہ دعوی کرنا کہ ہومر ہندو تھا حقیقت کے بالکل خلاف ہے —

ہے - کتاب کا نام نظام حیدر آباد کے وزیر کے نام پر رکھا گیا ہے ہجر نثر و نظم کے مشہور لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں- یہ کتاب سنہ ۱۸۵۴ء میں نظام حیدر آباد* کے ایما سے تصنیف کی گئی ہے - حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں ایک مطبع ہے جس کا نام 'مطبع تیغ جنگ'' ہے وہاں یہ کتاب طبع ہوئی ہے ۔ اس کتاب کی زبان دھلی کی طرح فصیح ہے - اس میں آپ کو دکنی زبان کے محاورے نہیں ملیں گے - مصنف نے اپنی تحقیق کے سلسلے میں قدیم تاریخی کتب سے استفادہ کیا ہے - قدیم تاریخ کے متعلق جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ پہلے سے مشہور ہیں لیکن موجودہ عہد کی تحقیق میں بعض ایسے ماخذوں کو استعمال کیا گیا ہے جن کے مطالعے سے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے متعلق دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں -

---

* نظام حیدرآباد کو مغل بادشاہوں کے اور دوسرے صوبہ داروں کی طرح نواب کا خطاب حاصل تھا - ہم اس موقع پر اس کا ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ جب نظام سے کہا گیا کہ وہ بھی نواب اودھ کی طرح آزادی کا اعلان کردیں تو انھوں نے اس پرجو جواب دیا ہے اس سے ان کی عالی ظرفی کا پتا چلتا ہے انھوں نے کہا میں جس حال میں ہوں خوش ہوں - بادشاہ دھلی کے پاس اب سوائے نام کے اور باقی ہی کیا رہا ہے کہ اُسے اس سے بھی محروم کیا جاے - ہمارا فرض ہے کہ کم سے کم اس کےنام کو بحال رہنےدیں''- دیکھو رسل کی کتاب "Letters on Indian Afffairs" لندن سنہ- ۱۸۴۰ء صفحہ ۲۱ —

یہ کتاب ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ایک جلد میں طبع ہوئی ہے۔ ریورنڈ جی سمال (Rev. G. Small) نے ازراہ نوازش اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا ہے - میری رائے میں یہ کتاب اس لائق ہے کہ کسی یورپین زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے —

میرٹھ کے اخبار " اخبار عالم " میں ناظر کا کلام میری نظر سے گزرا - ناظر موجودہ زمانے کے اچھے شعرا میں شمار ہوتے ہیں - اس اخبار میں مشکواۃ کے اردو ترجمہ کا بھی ذکر ہے جس کا نام " مظاہرالحق " ہے † مشکواۃ حدیث کی ان کتب میں سے ہے جنھیں قرآن کے علاوہ مذہبی تقدس حاصل ہے - قرآن کے اردو اور فارسی میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں لیکن ترکی زبان میں اب تک نہیں ہوا - عثمانی ترک سنی ہیں اور انھیں اس پر اعتراض ہے کہ قرآن جیسی مقدس کتاب کا مروجہ زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ ابھی حال میں سلطان کے حکم سے قرآن کا ترکی ترجمہ کرایا گیا ہے تاکہ مسلمان رعایا نیز عیسائی قرآن کو اپنی زبان میں پڑھ سکیں - اس سے یہ ہوگا کہ مسلمان لوگ اپنے دین کے بنیادی عقاید کو

† سولہ سترہ سال ہوتے ہیں کہ مشکواۃ کا اردو ترجمہ شائع ہوا تھا لیکن اب وہ نایاب ہے —

خود سمجھہ سکیں گے - اور چونکہ عیسائی اپنی مقدس کتب کے ترکی ترجمے شائع کرتے ھیں اس لیے ضرور ھے کہ قرآن کا ترکی ترجمہ بھی ھو تا کہ اھل اسلام اس کو پڑہ کر اپنے عقاید پر قایم رھیں * —

پنجاب ایجوکیشنل میگزین میں مولوی عبیداللہ کی لکھی ھوئی عربی صرف و نحو کی بہت تعریف کی گئی ھے - موصوف نے عربی صرف و نحو کا پہلا حصہ اردو میں شایع کیا ھے - آپ ھگلی کالج میں پروفیسر ھیں اور ھندوستان کے علمی حلقوں میں شہرت رکھتے ھیں - اس کتاب کے دوسرے حصے میں ترکیب نحوی پر بحث ھوگی - اس کے علاوہ منشی حسین نے " قواعد حسینی " کے نام سے فارسی زبان کی صرف و نحو پر اردو میں کتاب لکھی ھے - موصوف نے انگریزی زبان سے متعدد ترجمے بھی اردو میں کیے ھیں —

میرٹھہ کے "اخبار عالم" میں حکیم احسان علی کی ایک کتاب کا ذکر ھے جو انھوں نے علم طب پر لکھی ھے - ان کی ایک اور دوسری کتاب علم ریاضی کے مبادیات پر ھے جس کا لاھور کے اخبار " کوہ نور " میں ذکر ھے —

شیخ ھدایت نے ایک نہایت مبسوط مضمون سنہ ۵۷ ع کی شورش عظیم کے متعلق لکھا ھے جس کا کپتان ٹی رٹری نے انگریزی

* Trubner's Literary Record, Dec. 1865

میں ترجمہ کیا ہے - اخبار انڈین میل کے کئی صفحوں میں یہ مضمون شائع ہوچکا ہے * - مضمون نگار کا بیان ہے کہ سنہ ۵۷ ع کے سولہ سال قبل سے شورش کا مواد برابر پک رہا تھا - موصوف نے سپاہیوں کی شورش کے اسباب پر مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت بحث کی ہے - (۱) سپاہیوں پر یہ پابندی عاید کرنا کہ بلا تفریق ذات پات کے وہ ساتھہ کھانا کھائیں - (۲) مسیحی مبلغین کی مساعی- (۳) سلطنت اودھ کا الحاق- (۴) رنگروٹوں سے قسم لینا کہ حکومت جہاں چاہے انہیں بھیج سکتی ہے - (۵) ایسے کارتوسوں کا استعمال جن پر چربی لگی ہوتی ہے اور جنھیں منہ سے بندوق کے اندر رکھنا پڑتا تھا - مضمون نگار نے بادشاہ دہلی کو بری الذمہ قرار دیا ہے اس واسطے کہ وہ علائق دنیوی سے الگ تھلگ زندگی کے دن پورے کر رہا تھا اور سوائے اہل ادب کی صحبت کے وہ کسی سے ملتا تک نہ تھا - انقلابی شورش کی آگ جب بھڑک اٹھی اس وقت کہیں جا کر اسے خبر ہوئی - مضمون نگار کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر حسب سابق انگریز لوگ دیسی سپاہیوں اور ان کی عورتوں سے کبھی کبھی ملتے رہتے تو انہیں ان کی شکایتیں معلوم ہوتی رہتیں - لیکن چوں کہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے سازش کی انہیں پہلے سے مطلق خبر نہ ہوئی - وہ لکھتے ہیں کہ

(*) ۶ و ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ م —

حکومت ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے سب کچھہ کر رہی تھی لیکن ابھی ہندوستانیوں میں تعصب باقی ہے اس لیے وہ ہر نئی بات کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں -

مسیحی مبلغین اس وقت ہندوستان میں جو ادب شائع کر رہے ہیں اس کی نسبت تفصیل سے ذکر کرنا بے سود ہوگا - میں اس وقت صرف چند کتابوں کی طرف اشارہ کروں گا - متی اور مرقس کی انجیل کا اردو میں جو ترجمہ شائع ہوا ہے ابھی اس کے پہلے حصہ کا اعلان کیا گیا ہے- غالباً دوسرا حصہ بھی بعد میں شائع ہوگا - یہ ترجمہ "امریکی تبلیغی انجمن" کی جانب سے شائع ہوا ہے - تفسیر کے لیے زیادہ تر ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو انگلستان میں شہرت رکھتی ہیں جیسے Barnes اور Jacobus کی کتابیں - اس جلد میں بعض تصاویر بھی ہیں - بدقسمتی سے رسم خط لاطینی استعمال کیا گیا ہے - اس جلد کی تمہید میں ریورنڈ جے - ایف - اسکاٹ (Rev. J. F. Scott) نے جو ہندوستان میں ۷؎ سال سے مقیم ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ اگر اس ایڈیشن کو قبول عام حاصل ہوا تو فارسی رسم خط میں دوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے گا - موصوف نے یہ تمہید ہندوستانی زبان میں لکھی - یہ ترجمہ ہندوستانی عیسائیوں کے لیے شائع کیا گیا ہے - ہندو مسلمان بھی اس سے سعادت حاصل کرسکتے ہیں- Rev. J. F. Scctt نے اپنی

تمہید میں ہندوستانی زبان میں ایک دعا لکھی ہے جس میں انگریزی عروض کے مطابق تین تین اور چار چار اجزا استعمال کیے گئے ہیں - اس دعا کو ہندوستانی زبان کے اس نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جو انگریزیت کے رنگ سے متاثر ہوئی ہے * —

ہندوستانی کا لفظ ہندی اور اردو دونوں پر حاوی ہے - میں جن کتابوں کا ذکر کرتا ہوں ان کا تعلق ہندی اور اردو دونوں سے ہوتا ہے - زبان کے مسئلے پر ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بڑی بحثیں ہورہی ہیں - اول الذکر اپنی قدیم زبان کی حمایت میں سرگرم ہیں اور ثانی الذکر اردو کو سراہتے ہیں جو ان کے نزدیک ہندوستانی کی جدید ترین شکل ہے —

ہندی اور اردو کی بحث نے اس قدر طول پکڑا ہے کہ تعلیم میں بھی اب یہ تفریق تسلیم کی جاتی ہے - چنانچہ لندن کے یونیورسٹی کالج میں میرے دوست سید عبداللہ کی جگہ جو اپنی خدمت سے مستعفی ہو چکے ہیں ریورنڈ جے - ایف -

---

* اس دعا کے شروع کے اشعار یہ ہیں :

تیرا کلام ہے پاک اور راست   اے مہربان خدا
ہے سچ اور حق بے کم و کاست   عزیز اور بے بہا

میں نے سنہ ۱۸۶۱ ع کے خطبہ میں بھی اس قسم کی ایک مثال آپ صاحبوں کے سامنے پیش کی تھی —

اُلمین (Rev. J. F. Ullmann) کو اردو اور هندی کی پروفیسری پر مقرر کیا گیا هے - موصوف کا تعلق شمالی هند کے امریکی پرسبٹیرین مشن سے هے - آپ نے انجیل مقدس کا هندی میں ترجمه کیا هے اور اردو میں گیت بهی بنائے هیں جو ایک جلد میں چهپ چکے هیں —

پچهلے سال بهی میں نے هندی اردو کے قضیے کی طرف اشاره کیا تها - اس وقت میرے پیش نظر سه زبانی لغت (انگریزی، اردو، هندی) هے جو ابهی حال میں بنارس سے شائع هوئی هے - اس کے مولف بابو متهرا پرشاد نے بابو نوین چند کی طرح هندی کی طرف داری کی هے - اب یه محسوس کیا جا رها هے که اردو کی جگهه هندی کو رواج دینا بهت دشوار هے اس واسطے که هندی کی بهت ساری بولیاں هیں جن میں ایک بهی کلاسک نهیں کهی جا سکتی * - حالانکه شمالی هند کی اردو کلاسک حیثیت رکهتی هے اور ایک دن ایسا ضرور آے گا جب که اردو کی بدولت هندوستان کی بیس کروڑ مخلوق میں رشتهٔ اتحاد استوار هوگا - میرے اس خیال کی تائید سید هادی حسین خاں نے انجمن لاهور کے جلسے میں کی هے جو ابهی حال هی میں منعقد هوا تها - موصوف نے اس پر زور دیا که اس وقت

* بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلهٔ میں ستره بولیاں گنائی گئی هیں - دیکهو اشاعت سنه ۱۸۶۶ ع —

اس کی ضرورت ہے کہ اردو زبان کو رواج دینے کے لیے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ اس انجمن کے ایک دوسرے جلسے میں بابو نوین چند نے جو اردو کے مقابلے میں ہندی کی برتری کے قائل ہیں ہادی حسین خاں کے جواب میں چھ صفحوں کا مضمون پڑھا۔ اس پر مالوہ اخبار کے مدیر نے اردو کی حمایت میں ایک مضمون لکھا ہے کہ ' قدیم ہند کی زبان سنسکرت تھی - ویدوں کی زبان کی ترقی یافتہ صورت ہمیں پرانوں اور شاستروں میں ملتی ہے - اس کے دو ہزار سال بعد گاتھا (Gatha) اور پراکرت وجود میں آئیں جو اسلامی عہد حکومت میں بدلتی رہیں - اس عہد میں جو زبان وجود میں آئی اسے ہندی کہنے لگے - اسی دوران میں اردو نے جنم لیا جس میں سنسکرت اور ہندی کے الفاظ کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ بھی شامل ہوگئے "—

نوین چند کا یہ دعویٰ ہے کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے سے اہل ہند کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا اس واسطے کہ یہ زبان خاص مسلمانوں کی ہے۔ مسلمان فاتحوں نے اپنی اصلی زبانوں کے لاتعداد الفاظ اس میں داخل کردیے ہیں - نظم و نسق کی ضروریات کے لیے بھی اردو موزوں نہیں ہے۔ اس کی بجائے ہندو لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی قومی زبان ہندی کی ترقی کے لیے کوشاں ہوں - بابو صاحب ہندی زبان کا مستقل

ادب پیدا کرنا چاہتے ہیں - میں خیال میں ہندی اور اردو کو دو بالکل مختلف زبانیں تصور کرنا صحیح نہیں ہے - اس قسم کے دعوے کو عقل سلیم نہیں تسلیم کرتی - در حقیقت ہندی اور اردو ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں - وہ دونوں پہلو بہ پہلو زندگی بسر کر سکتی ہیں - اگر دونوں میں کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اردو کو ہے اس واسطے کہ اردو میں غیر ہندی عناصر بھی پائے جاتے ہیں گویا کہ اردو اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان ایک طرح کا رشتۂ اتحاد قائم کیے ہوئے ہے —

بابو صاحب اردو پر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ اس زبان میں عشق و عاشقی کے مضامین کے علاوہ اور کسی مضمون کو ادا کرنے کی قابلیت ہی نہیں ہے - ہمارے خیال میں یہ قصور زبان کا نہیں ہے بلکہ اہل زبان کا ہے - کیا ہم بابو صاحب سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ہندی میں بھی سوائے ہمہ اوستی فلسفے کی خیال آرائیوں کے اور کیا رکھا ہے ؟ - کیا اس بنا پر ثانی الذکر کو اول الذکر پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے ؟ . بابو صاحب نے کبیر داس اور نانک کے کلام کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے ہاں بھی وہی رسمی فلسفے کے متعلق اظہار خیال ہے - کہیں ذرا دلچسپ ہے اور کہیں خشک اور بے مزہ - مالوہ اخبار کے مدیر نے اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ ہندی میں بھی عشق

و عاشقی کے مضامین کی بھرمار ہے - انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ بدر منیر اور دریائے عشق کو مخرب اخلاق خیال کرتے ہیں تو پریم ساگر اور مدہ مالت کے متعلق بھی یہی حکم لگائیے-

بابو صاحب ایک کٹر ہندو کی حیثیت سے فارسی رسم خط کو برا بتاتے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ اس رسم خط کی وجہ سے اردو کے ہندی خط و خال مٹ گئے اور فارسی عربی کو موقع ملا کہ اردو میں اپنے الفاظ کو رواج دیں - اگر ہندی رسم خط اختیار کیا جاتا تو آہستہ آہستہ اردو میں سے اجنبی الفاظ ایک ایک کرکے غائب ہو جاتے ' بالکل اسی طرح جیسے بنگالی میں فارسی الفاظ جو ایک زمانے میں مستعمل تھے ' اب متروک ہوگئے ـــ

میرے خیال میں ہندی اردو کا جھگڑا کوئی اہمیت نہیں رکھتا- خواہ مخواہ اس کو اتنا بڑھا چڑھا کر اس وقت پیش کیا جا رہا ہے - ہندی اور اردو دونوں ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں - مشکل یہ آپڑی ہے کہ اس مسئلہ پر جب بحث کی جاتی ہے تو محض نحو پر گفتگو نہیں ہوتی بلکہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندی ہندو دھرم کی نمائندہ ہے - وہ ہندو دھرم جس میں بت پرستی اور اس کے لوازمات بنیادی عقیدے کی حیثیت رکھتے ہیں - اس کے برعکس اردو اسلامی تہذیب و تمدن کی علم بردار ہے - اور چونکہ اسلام میں سامی عنصر شامل ہے اور

توحید اس کا اصل عقیدہ ہے اس لیے اسلامی تہذیب میں یورپین یا مسیحی تہذیب کی خصوصیات پائی جاتی ہیں —

میرے خیال میں اردو کے مقابلے میں ہندی کی جانب توجہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے آج کل کی جدید یونانی کے بجائے قدیم یونانی کی طرف توجہ کی جائے۔ تعجب اس پر ہے کہ اردو کی تصانیف بھی دیوناگری رسم خط میں چھاپی جارہی ہیں۔ چنانچہ ابھی حال میں دیوان نظیر' اور میر حسن کی مثنوی سحرالبیان اور دوسری تصانیف جن کی زبان دہلی کی خالص ٹکسالی زبان ہے دیوناگری کے رسم خط میں طبع کی جارہی ہیں —

ہندوؤں پر یہ الزام لگانا درست ہے کہ وہ اپنی زبان کو، جو دیوناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے اور جس کو دیوناگری ہی کہتے ہیں، اسلامی عناصر سے پاک کر رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک ممکن ہے عربی فارسی کے الفاظ ترک کیے جارہے ہیں۔ بعض ہندو اس بات کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ سرکاری طور پر جو اردو رائج ہے اس میں بھی اس اصول پرعمل کیا جائے۔ انگریزوں میں بھی ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو اس خیال کی حمایت کر رہا ہے۔ اگر اس قسم کا کوئی تصرف کیا گیا تو اردو کی جس کا نام پہلے سے ریختہ ہے، بالکل مٹی پلید ہوجائےگی۔ مسٹر چے بیمز نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں جو مضمون لکھا ہے

اس میں اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے * —

موصوف نے لکھا ہے کہ آج کل عام طور پر اردو کے خلاف خیالات پھیلائے جا رہے ہیں اس لیے کہ یہ زبان عدالتوں اور دفتروں میں رائج ہے - کہا جاتا ہے کہ اردو جن عناصر سے مرکب ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل نہیں کھاتے - موصوف اپنے سات سال کے تجربے کی بنا پر کہتے ہیں کہ اردو ہندوستانی کی مہذب ترین شکل ہے - اس میں ایجاز اور فصاحت بدرجہ اتم موجود ہے اور اظہار خیال کے لیے اس زبان میں بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے † موصوف نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ دوآب گنگا کے رہنے والوں کی گھٹی میں یہ زبان شامل ہے - انہیں اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا - اردو سے عربی فارسی الفاظ کو خارج کرنا ایسا ہے جیسے آپ انگریزی زبان سے لاطینی الفاظ نکالنے کی کوشش کریں اور چاہیں کہ اس میں صرف سکسن اصل کے لفظ باقی رہیں - زبانیں اس طرح بالارادہ نہیں بنائی جاتیں زندگی کی ضروریات سے ان کی ساخت میں تغیر و تبدل

* "Outlines of a Plea for the Arabic element in official Hindustani", Journal, As. Soc. Bengal No I, 1866 –

† اردو میں عربی فارسی کے الفاظ کے استعمال کے متعلق جو مخالفت ہو رہی ہے اس میں ایک مسلمان بھی ہیں جن کا نام سید هادی حسین خاں ہے - انہوں نے انجمن لاہور کے جلسے میں ایک مضمون پڑھا ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ اگر اردو زبان سے عربی فارسی الفاظ خارج کر دیے جائیں تو زبان سہل ہو جائے گی -

ہو سکتا ہے - سیاسی فتوحات ' تجارتی تعلقات ' ادبی اور علمی ضرورت سے زبان میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور اس میں الفاظ داخل ہوتے ہیں - قابل مضمون نگار نے بڑی خوبی سے یہ بات بتائی ہے کہ جس طرح انگریزی میں المانی اور لاطینی عناصر موجود ہیں اسی طرح اردو میں بھی سنسکرت یا آریائی اور سامی یا اسلامی عناصر کی آمیزش ہے - انگریزی سے اردو کی مشابہت پہلی مرتبہ اس مضمون میں نہیں بیان کی گئی - ڈاکٹر گلکرسٹ نے بہت زمانہ ہوا اس طرف توجہ مبذول کرائی تھی - ایم - بیمز (M. Beames) کا خیال ہے کہ اردو میں عربی فارسی سے جو الفاظ مستعار لیے گئے ہیں وہ مطالب کو بہ نسبت دیسی الفاظ کے زیادہ اچھی طرح واضح کرتے ہیں - سنسکرت کے الفاظ اردو میں اگر داخل کیے جائیں تو یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا - اردو کی دراصل یہ ایک طرح سے خوبی کہی جا سکتی ہے کہ وہ تمدنی ضروریات کے مطابق دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لے کر اپنا کام نکال سکتی ہے - اگر دوسری زبانوں کے الفاظ مستعار لے کر کام نکل سکتا ہے تو ثقیل اور غیر مانوس الفاظ تراشنے سے کیا فائدہ ؟ بنگالی میں الفاظ تراشنے کا کام ہو رہا ہے لیکن اس سے زبان اس کو کوئی خاص ترقی نہیں حاصل ہوئی - ہندوستانی ہر جگہ بنگالی کے مقابلے میں کامیاب نظر آتی ہے - اس کے علاوہ اردو

میں عربی فارسی کے الفاظ کو رائج رکھنے کی تائید میں اور اسباب بھی ہیں - M. Beames نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ہندی (ہندوی) اصل میں سنسکرت سے پہلے موجود تھی- وہ تورانی الاصل ہے - آریاؤں نے اسے ایسا مٹایا کہ اس کے رہے سہے جو الفاظ باقی رہ گئے تھے انہیں سنسکرت سے منسوب کیا جانے لگا * —

مغل فاتحوں کی زبان عربی آمیز فارسی تھی - انھوں نے ہندوستان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کیں - اہل ہند کی ایک بڑی تعداد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی - مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے اس لیے عربی الفاظ نے اہل ہند کی زبان میں بار پایا - کابل اور ایران کی اصطلاحیں ہندوستان میں رائج ہوئیں - غرض کہ مذہب ' حکومت ' جنگ ' اور فنون و صنعت کے متعلق سیکڑوں عربی فارسی الفاظ ہندوستان میں عام طور پر بولے جانے لگے - ہندی زبان میں جب یہ الفاظ شامل ہوے تو اس کو اردو کہنے لگے - عربی فارسی کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں ان کے بجاے دوسرے الفاظ نہیں ملتے - ایم- بیمز (M. Beames) کا یہ دعوی ہے کہ عربی کے جو الفاظ اردو میں مستعمل ہیں

* Max Muller کی بھی یہی راے ہے- ملاحظہ ہو تیسرا خطبہ سنہ ۱۸۶۵ء صفحہ ۲۷۰ —

ان کے بجائے خود ہندوؤں کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے دیسی الفاظ استعمال کریں۔ موصوف نے اس ضمن جو تفصیلات دی ہیں وہ حد درجہ دلچسپ ہیں۔ وہ لوگ جو ہندوستانی کے اسلامی عنصر کو بری نظر سے دیکھتے ہیں ان کے لیے یہ تفصیلات سبق آموز ہیں —

انجمن لاہور نے بھی اپنے ایک جلسہ میں M. Beames کی راے کے ساتھہ موافقت ظاہر کی ہے۔ ابھی حال میں ایک اردو کی کتاب پیش کی گئی تھی جس میں عربی یا فارسی کا ایک لفظ بھی نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو بطور نمونہ پیش کیا تھا تاکہ عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں اس طرز تحریر کی پیروی کی جاے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ حکمت عملی رہی تھی کہ اردو کو ہندی سے علحدہ تصور کیا جاے۔ چنانچہ اردو کا جو جدید ادب اس زمانے میں پیدا ہوا اس میں عربی فارسی کے الفاظ برابر استعمال کیے جاتے تھے بلکہ ان الفاظ کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اس جدید ادب کی سرکاری مدارس میں بھی ہمت افزائی کی گئی —

باوجود ان تمام باتوں کے اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اردو کو ہر جگہ ہندوستان میں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ صوبجاتی مدارس اور کالجوں میں اسی کی وساطت سے

تعلیم دی جا رہی ہے حالانکہ انہیں صوبوں میں ہندی بھی اس کے دوش بدوش موجود ہے ۔

کلکتہ ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیاں برابر ترقی کر رہی ہیں - لاہور میں جو جامعۂ مشرقیہ (اور پنجاب یونیورسٹی) ابھی حال ہی میں خود ہندوستانیوں نے قایم کی ہے وہ بھی خوب ترقی کر رہی ہے - دراصل اس جامعہ کا خیال سب سے پہلے ڈاکٹر Leitner نے پیش کیا تھا - موصوف نے ہندوستانی ادب کو فروغ دینے کے لیے نہایت قابل تعریف کوشش کی - آپ نے صرف یہی نہیں کہ لاہور کی اکاڈمی قایم کی بلکہ اس کے علاوہ بالخصوص پنجاب اور سارے ہندوستان کے لیے ایک عظیم الشان جامعہ کی بنا ڈالی - اس جامعہ کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم و السنہ کی تحقیق کی جاے - تینوں سرکاری یونیورسٹیوں میں محض مغربی علوم کی تعلیم ہوتی ہے - ڈاکٹر Leitner کی اپیل پر دیسی روساء نے لبیک کہا اور اعانت کے لیے پیش قدمی کی - اب یہ جامعہ مشرقیہ قایم ہو گئی ہے - میرے پیش نظر اس کے متعلق بعض تجاویز ہیں - یہ تجاویز اردو میں ہیں - ان تجاویز کو پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ اس کی ایک انتظامی کونسل ہوگی اور اس کے علاوہ متعدد کمیٹیاں ہوں گی - ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام ہوگا کہ اردو کی ترقی کے وسائل بہم پہنچاے اور

ایک دوسری کمیٹی مشرقی علوم کو ہندوستانیوں میں رائج کرنے کے متعلق تجاویز پیش کرے گی * - ان تجاویز کے ساتھ وہ خط بھی ہے جو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر D.F.M. Leod نے بانیان جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے - موصوف یونیورسٹی کے حقیقی سرپرست ہیں اور اکاڈمی کے بھی خواہ ہیں - آپ کے اس خط سے وسعت نظر اور شرافت کا پتا چلتا ہے —

اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم کی ترقی میں کوشاں ہو اور اردو کا جدید ادب پیدا کرے - اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں یورپین لوگ نہیں بستے ہیں اور جنہیں تعلیم دینا مقصود ہے وہ بھی یورپین لوگ نہیں بلکہ ہندوستانی ہیں - سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہندوستانیوں کے ادب سے ہم واقفیت پیدا کریں - پھر اس کے بعد انہیں اس کا موقع دیں کہ وہ اپنا ذاتی ادب پیدا کریں - اس ادب میں مغربی اثر موجود رہے گا اس واسطے کہ اس سے مفر نہیں - لاہور کی جامعہ کے جتنے بانی ہیں ان کے ذہن

(*) یورپ کی جامعوں کی طرح ہندوستان کی جامعوں میں بھی اعزازی ارکان ہوتے ہیں - ڈاکٹر لیٹنر نے مجھے لکھا ہے کہ مجھے لاہور کی جامعہ میں یہ عزت بخشی گئی ہے - میں اس جامعہ کے ارباب حل و عقد کا اور بالخصوص ڈاکٹر لیٹنر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا -

میں یہ خیالات پہلے سے موجود ہیں - ایک طرف تو وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اپنے قدیم ادب کا ذوق پیدا ہو اور دوسری طرف مغربی علوم و ادب کی روشنی ہندوستان میں پھیلے - ایسے مغربی خیالات جو آسانی سے ہندوستانی ادب میں سموئے جا سکتے ہیں انہیں سمو لیا جائے-

پنجاب کے لیے کلاسک کتب کے انتخاب کے واسطے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا اور جس کا تذکرہ میں گزشتہ سال کر چکا ہوں ' اس کی صدارت پنجاب کے لفٹننٹ گورنر بہادر فرما رہے ہیں - Ch. Trevelyan نے مجھے اس کمیشن کے مقصد سے آگاہ کیا - وہ یہ فرماتے ہیں کہ کمیشن ایسی کتابوں کا انتخاب کرنا چاہتا ہے جن کا ہندوستانی میں ترجمہ ہو جائے تا کہ عوام الناس میں ادبی ذوق کو ترقی ہو - یہ ترجمے ایسے ہوں گے کہ شہر یا دیہات کا ہر پڑھا لکھا ان سے استفادہ کر سکے گا- اس کمیشن نے ایک رپورٹ پیش کی ہے اور اس میں ان کتابوں کے نام بتائے ہیں جن کا ہندوستانی میں ترجمہ کرنا ضروری ہے - یہ رپورٹ اس وقت لوکل حکومتوں کے زیر غور ہے - کمیشن کی رپورٹ دراصل کام کی ابتدا ہے - ہم اس کے عملی نتائج کا انتظار کریں گے —

لاہور کی مشرقی جامعہ کے ماتحت دو کالج ہوں گے - ایک لاہور کا اور دوسرا امرتسر کا (یا دہلی کا) - ہر کالج میں ایک

پرنسپل ہوگا، چھ پروفیسر ہوں گے اور ایک سکریٹری ہوگا۔ دو پروفیسر خاص اردو اور ہندی کی تعلیم کے لیے ہوں گے۔ دوسرے پروفیسر فارسی، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دیں گے اس لیے کہ ان زبانوں کا جاننا اردو اور ہندی کے لیے ضروری ہے۔ ہر سال وقت معینہ پر عربی، فارسی، سنسکرت، اردو اور ہندی کا امتحان ہوا کرے گا۔ ممتحن یونیورسٹی کے قابل افراد میں سے چلے جایا کریں گے۔ جو طلبہ امتحان میں کامیاب ہوں گے انہیں بطور انعام رقم دی جائے گی اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے سند دی جائے گی۔ امتحان کے کامیاب طلبہ قابلیت کے اعتبار سے تین گروہ میں تقسیم ہوں گے۔ امتحان چھ مضامین میں ہوا کرے گا (۱) صرف و نحو (۲) ادب (۳) خطوط نویسی (۴) املا (۵) خوش نویسی (۶) تلفظ۔ ابھی ابتدا ہے کچھ دنوں بعد امتحانوں کا معیار زیادہ بلند ہو جائے گا۔ ہندوستانی میں جو جدید ادب پیدا ہو رہا ہے اسے اس تعلیمی تحریک سے بہت مدد ملے گی۔ ہمارے خیال میں سوائے دہلی کی ورنکلر سوسائٹی کے اس سے قبل اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جس کا منشا دیسی ادب کو فروغ دینا ہو۔

سنہ ۱۸۵۴ء سے سارے ہندوستان کے لیے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ایک عام نصاب تعلیم بنایا جائے تاکہ اس کے ذریعے سے

مغربی علوم کو رائج کیا جائے۔ ہر صوبے میں لفٹننٹ گورنر کے ماتحت ایک محکمۂ تعلیم قایم کیا گیا ہے - چنانچہ کلکتہ مدراس اور بمبئی میں لندن یونیورسٹی کے طرز کی یونیورسٹیاں قایم ہوگئی ہیں- ان یونیورسٹیوں کے ساتھہ اور کالج بھی ملحق ہیں- ان کالجوں میں بعض مشرقی تعلیم پر زور دیتے ہیں اور بعض مغربی پر - ان یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں انجیل مقدس کا نسخہ بھی نظر آتا ہے - اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی ترغیب دی جا رہی ہے - ہنری واٹر فیلڈ (Henry Waterfield) نے پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی غرض سے ہندوستانی صوبوں کی تعلیم پر جو رپورٹ تیار کی ہے اس میں نہایت تفصیل سے معلومات ملتی ہیں - یہ رپورٹ East Indian Progress کے نام سے شائع ہو چکی ہے - ان یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کو شرع شریف کی اور ہندوؤں کو شاستروں کی تعلیم دی جاتی ہے —

ہر سال سرکاری اور مشن کے مدرسوں اور کالجوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ رہی ہے - خاص کر بنگال میں یونیورسٹی کی ڈگری کے اعزاز کو بہت اہمیت دی جارہی ہے - کلکتہ کے ڈاکخانے کی نئی عمارت امتحان کی غرض کے لیے استعمال کی جارہی ہے - اس سال پندرہ سو نوجوان ہندوستانی جو سولہ سال یا کچھہ زیادہ عمر کے تھے اور ۴۴۷ دوسرے طلبہ

امتحان کے لیے جمع ہوے - یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ طلبہ سب ہندو تھے - ان میں مسلمان نام کو نہیں - یونیورسٹی کی سند مسلمانوں کے لیے ابھی اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتی * —

اس سال کے شروع میں بعض نوجوان یورپین کلکتہ میں زباندانی کے امتحان میں نہایت سرخروئی کے ساتھ کامیاب ہوے - ان میں ایک سول سروس کے تھے جنھیں ان کی قابلیت کی وجہ سے سونے کا تمغہ بطور انعام دیا گیا —

بنگال میں اس وقت ان مدرسوں اور کالجوں کی تعداد جنھیں حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے ، دو ہزار دو سو سینتیس ہے اور طلبہ کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار ۶۶ ہے - ایسے مدارس جنھیں حکومت کی امداد نہیں ملتی ۱۵۷ ہیں اور ان میں پانچ ہزار سات سو ستر طلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں* -

کلکتہ کے مشن کالج بھی خوب ترقی کر رہے ہیں - مشہور کالجوں کے نام یہ ہیں پریزیڈنسی کالج ، ڈوتن کالج ، فری چرچ انسٹیٹیوشن ، بشپز کالج ، کالج مارتی نیر - آخرالذکر کے نام کا کالج ایک لکھنؤ میں بھی ہے - یہ کالج فرانسیسی جنرل مارتی نیر کے نام پر ہے جس نے اُسے قایم کیا تھا - ان کے علاوہ دو

*Indsan Mail, Feb, 7, 1866.

• Indian Mail, April 6, 1866.

یسوعیوں کے مدرسے بھی کلکتہ میں ہیں ' سینٹ پال اسکول اور زیویر اسکول ـــ

سنہ ۱۸۶۵ ع کے آخر میں صوبۂ مدراس کے مدرسوں کی تعداد ۹۸۳ تھی - ان میں ۳۹ ہزار ایک سو طلبہ تعلیم پاتے تھے اس تعداد میں سے ۲۸ ہزار طلبہ ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کررہے تھے جاہیں ریاست کی طرف سے کوئی مدد نہیں دی جاتی -

اس وقت میرے پیش نظر بمبئی کے صوبے کے اعداد و شمار نہیں ہیں - ۲ اپریل کو یونیورسٹی کے عام جلسے میں جو رپورٹ پڑھی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۸۲ طلبہ نے امتحان میں شرکت کی - ان میں ایک سو گیارہ کامیاب ہوئے - کامیاب طلبہ میں ۹۰ ہندو ۱۸ پارسی دو مسلمان اور ایک یہودی ہیں - پچھلے سال میں نے ایک دولت مند ہندو شنکر سیٹھ کے انتقال کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین کس عجیب طور پر ہوئی - اس کے بیٹے نے بمبئی یونیورسٹی کو ۳۰ ہزار روپے کی رقم دی - اس رقم سے طلبہ کو سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظائف دئے جائیں گے -

لاہور کے سرکاری اخبار میں صوبۂ شمال مغربی کی تعلیمی حالت کے متعلق جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہاں سرکاری مدارس کی تعداد ۳۷۹ ہے - ان میں اس وقت بارہ لاکھ ۲۰ ہزار ۵۴ طلبہ تعلیم پا رہے

ھیں * - اس تعداد میں ۹ ھزار ایک سو ۳۵ لڑکیاں ھیں - مدارس کی تعداد جو بتائی گئی اس میں میرٹھ کا عربی مدرسہ شامل نہیں ھے - اس مدرسے میں مسلمانوں کے لیے فقہ اور خطابت کی خاص تعلیم کا انتظام کیا گیا ھے —

پنجاب کی تعلیم کے متعلق میجر فار کی رپورٹ ۱۸۶۴ع-۶۵ میں تفصیلی معلومات ملتی ھیں- ۱۹۰ صفحوں میں موصوف نے ازحد دلچسپ معلومات جمع کردی ھیں- اس رپورٹ سے نیز امرتسر کے تقسیم انعامات کے جلسے میں جو رپورٹ پیش کی گئی اس سے معلوم ھوتا ھے کہ گزشتہ ماہ فروری میں پنجاب میں مدارس کی تعداد ۲ ھزار چھہ سو ۸۴ تھی- ان میں ۹۲ ھزار گیارہ طلبہ تعلیم حاصل کر رھے تھے- تعلیم نسواں کی ترقی میں تقریباً وھی تناسب پایا جاتا ھے جو مردوں کی تعلیم میں - چنانچہ سنہ ۱۸۶۰ ع میں لڑکیوں کے صرف چھہ مدرسے تھے اور ان میں سو لڑکیاں تعلیم حاصل کر رھی تھیں - اب اس وقت مدارس کی تعداد تقریباً سات سو تک پہنچ گئی ھے جن میں ۱۵ ھزار ۲ سو پچاس طالبات تعلیم حاصل کر رھی ھیں - لاھور کے نارمل اسکول میں لڑکیوں کے اساتذہ کی تعلیم ھوتی ھے —

انگریزی حکومت تقسیم انعامات کے جلسوں کو خوب دھوم دھام کے ساتھہ منعقد کرتی ھے اور دیسی رؤسا کو شرکت

---

* اس میں غالباً چھاپے کی غلطی ھے - (مترجم)

کی دعوت دیتی ہے تاکہ موجودہ تعلیم کے متعلق والدین کو واقفیت حاصل ہو اور وہ اس کی خوبیوں کو سمجھیں - ان موقعوں پر دیسی زبانوں میں تقریریں بھی کرائی جاتی ہیں - چنانچہ شملہ میں ۲۶ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ع کو ایک دربار منعقد ہوا جس کی صدارت ڈپٹی کمشنر نے کی - موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں سعدی کے پندنامہ کے اشعار بھی پڑھے* - انبالہ کے انسپکٹر نے اسکول کی تعلیم کے متعلق حالات بیان کیے اور کہا کہ جب سے M. O' Connor پرنسپل ہوے ہیں مدرسے کی حالت بہت بہتر ہوگئی ہے - اس کے علاوہ اس دکان کا ذکر کیا جو بیچ بازار میں بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے قایم کی گئی ہے - اس موقع پر موصوف نے لالہ مولچند کے جوش کی تعریف کی جو بچوں کی تعلیم کے لیے ظاہر کر رہے ہیں - لالہ صاحب وہی ہیں جنہوں نے شاہنامہ کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے - غریب طلبہ کی امداد کے لیے اس موقع پر ۱۰۸ روپے چندہ ہوا —

پچھلے نومبر کے مہینے میں ۲ تاریخ کو اس قسم کا ایک جلسہ ملتان میں بھی ہوا جس میں ضلع کے طلبہ کو انعامات تقسیم کیے گئے - اس جلسے میں تعلیم کی طرف سے جو عام بدشوقی پائی جاتی ہے اس کا اظہار بھی ہوا - متعدد مقررین

* اس جگہ ان اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

نے ہندوستانی میں تقریریں کیں —

۲۵ نومبر کو روپڑ (صوبۂ دہلی) میں وہاں کے تحصیلدار کی زیر صدارت ایک دربار منعقد ہوا تھا جس میں موصوف نے علم کے فوائد ظاہر کیے اور بتایا کہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو بھی حصول علم کے لیے کوشاں ہونا چاہیے ' اس لیے کہ خدا نے جو قابلیت مردوں کو دی ہے وہی عورتوں کو بھی ودیعت کی ہے - (یہ لحاظ رہے کہ مقرر ایک مسلمان ہیں) - موصوف نے کہا کہ نہ صرف یہ کہ غریب طالب علموں کو مفت بغیر کسی فیس کے مدرسے میں داخل کیا جائے گا بلکہ انہیں مفت کتابیں بھی دی جائیں گی - جو طلبہ فیس دینے کی استطاعت رکھتے ہیں ان سے فیس لی جائے گی - اس کے علاوہ چندے سے جس قدر گنجائش ہوگی غریب طلبہ کی مدد کی جائے گی -

صوبۂ پنجاب میں مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کی غرض سے سیالکوٹ میں ۵ مارچ کو ایک دربار منعقد ہوا - ہندوستانی کے مختلف اخبارات میں اس دربار کے حالات ملتے ہیں - لاہور کے "سرکاری اخبار" اور سیالکوٹ کے "پنجابی" میں اس کے متعلق تفصیل ملتی ہے - اس قسم کا ایک جلسہ ۲۷ فروری کو امرتسر میں منعقد ہوا تھا - امرتسر سکھوں کا دارالحکومت رہ چکا ہے - ان درباروں میں

جو تقریریں ہوئیں وہ ہندوستانی میں تھیں۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرتسر کے جلسے میں لاہور، گورداس پور اور پنجاب کے مختلف حصوں سے طلبہ شرکت کے لیے آئے تھے۔ شرکاے جلسہ کے لیے پہلے سے شامیانے لگا دیے گئے تھے ۲۷ مارچ کو شرکا پہنچ گئے۔ حکومت نے ان کے سفر کے اخراجات اپنے پاس سے دیے اور کھانے پینے کا انتظام بھی حکومت کی جانب سے کیا گیا۔ طلبہ ہاتوں میں رنگ برنگی چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لیے ہوے تھے اور موسیقی کے ساتھ ساتھ جلسہ گاہ کی طرف جاتے دکھائی دیتے تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو لاہور کے ناظر مدارس نے اپنی رپورٹ پڑھی اس رپورٹ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کو عام کرنے کے لیے حکومت کو کن کن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ موجودہ تعلیم کا طریقہ قدیم طریقوں سے بالکل مختلف ہے۔ یورپین ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے کہ قدیم طریقۂ تعلیم ذہنی نشو و نما کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یورپین طریقۂ تعلیم سے بچے کی ذہنی ترقی جلد عمل میں آتی ہے۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کالج خوب ترقی کر رہا ہے۔ ڈاکٹر لیٹنر جیسے فاضل اور علم دوست شخص کے ہاتھ میں جب اس کا انتظام ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کا ترقی کرنا موجب تعجب نہیں۔ دہلی کالج کا انتظام ایم۔ ولمٹ (M. Wilmot) کر رہے

هیں اوو امرتسر کالج میں ایم - لِنڈسے (M. Lindsay) هیں - پنجاب کے تمام مدارس میں هندوستانی کی باقاعدہ تعلیم دی جارهی هے اور اس کے ساتھہ انگریزی پڑهانے کا بهی سب جگہ انتظام کیا گیا هے- بعض خاص خاص مدارس میں هندی فارسی عربی کی تعلیم کا بهی انتظام کیا گیا هے - اب تک سنسکرت پڑهانے کا کسی اسکول میں انتظام نہیں هوا - اس کے بعد ناظر مدارس نے ان لوگوں کو مبارک باد دی جنهوں نے لاهور کی اکاڈمی (انجمن) اور مشرقی جامعہ قایم کی هے- ان دونوں اداروں سے توقع هے کہ عام مذاق کو ستهرا بنانے میں بہت مدد ملے گی اور ان کی بدولت اهل هند کی ذهنی نشو و نما هوگی - موصوف نے یہ بهی کہا کہ هر شخص کا فرض هے کہ وہ اپنے بچوں اور مستورات کی تعلیم کو بطور مثال دوسروں کے لیے پیش کرے - عورتوں میں اصلاح کی سخت ضرورت هے - ان کی قبل از وقت شادی کی وجہ سے ' خاص کر هندوؤں میں ' تعلیم کو سخت نقصان پہنچتا هے —

موصوف نے بعد میں طلبہ کو چند نصیحتیں کی هیں جو طلبہ اپنے امتحان میں ناکام رهے انهیں چاهیے کہ همت نہ هاریں اور دوسری مرتبہ پهر کوشش کریں اور اپنی کوتاهی کو پورا کریں طلبہ کو اپنی ناکامی ممتحن کی جانبداری پر کبهی منسوب نہ کرنی چاهیے جیسا کہ عام طور پر اهل مشرق کا دستور ہے

جو طلبہ کامیاب ہو گئے ہیں انہیں اُس پر مغرور نہ ہونا چاہیے انہیں یہ خیال کبھی دل میں نہ لانا چاہیے کہ وہ ہمہ داں ہو گئے اور ان کی تعلیم مکمل ہوگئی۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی کامیابی سے علم کے دروازے تک پہنچے ہیں۔ اس دروازے میں داخل ہونے کےلیے ابھی بہت کچھ سعی و جہد درکار ہے۔ اگر وہ اس طرح خیال کریں گے تو اس میں خود انہیں کا فائدہ ہے —

اس کے بعد صاحب کمشنر نے تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں قدیم زمانے میں بڑے بڑے فاضل گزرے ہیں جنھوں نے اعلیٰ پایہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں کے نام قابل فخر ہیں۔ نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کا فرض ہے کہ ان قدما کی تقلید کریں اور علم کو محض نوکری حاصل کرنے کا ذریعہ نہ خیال کریں بلکہ علم کو علم کی خاطر حاصل کریں —

حضرات! آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ عورتوں کی تعلیم میں بھی ہندوستان میں ترقی ہو رہی ہے۔ چنانچہ طالبات کی تعداد اور ان کے مدارس کی تعداد میں بہت کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ شروع شروع میں بعض اسنو خانداتوں کو اس پر اعتراض تھا کہ ان کی بچیوں کے مدارس میں انگریز عورتوں کو جانے کی اجازت کیوں دی جاتی ہے لیکن اب یہ تعصب کم

ہو رہا ہے - میجر فلر نے اپنے ایک خط میں جو لاہور سے آیا ہے مجھے یہ لکھا ہے کہ لاہور کے دو با اثر مسلمان یہ اجازت دے چکے ہیں کہ ان کی لڑکیوں کے مدارس میں انگریز خواتین کو اندر جانے کی روک ٹوک نہ کی جائے - متعدد یورپین خواتین جنھوں نے ان طالبات کی تعلیمی حالت کا خود مشاہدہ کیا ہے کہتی ہیں کہ ان کی ترقی قابل اطمینان ہے * - عورتوں کے لیے علحدہ کتابیں لکھائی گئی ہیں - میجر فلر نے ان میں سے بعض میرے پاس بھیجی ہیں —

نواب بلرام پور (اودھ) نے تعلیم نسواں پر متعدد کتابیں لکھوائی ہیں اور انھیں عام طور پر تقسیم کرایا ہے - نواب صاحب کے علاقے میں بہت سی عورتوں نے حال میں لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی ہے - اس سے قبل کبھی یہاں عورتوں کی تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہیں کی گئی تھی - نواب بلرام پور کی دیکھا دیکھی نواب رام پور نے بھی اپنی مسند نشینی کے بعد فوراً تعلیم نسواں کی جانب توجہ مبذول فرمائی ہے - موصوف نے اپنے زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قابل معلمات مقرر کی ہیں اور ایک لڑکیوں کا مدرسہ بھی قایم کیا ہے - اخبار عالم کے مدیر نے ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوے لکھا ہے کہ

---

* ۱۵ فروری کے اخبار عالم میں ایک بنگالی خاتون کا ذکر ہے جنھوں نے انگریزی زبان میں حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے - یہ کتاب کلکتہ میں طبع ہوی ہے -

اگر دوسرے والیان ریاست بھی تعلیم نسواں پر زور دیں تو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے مذاہب کی بڑی خدمت ہوگی - تعلیم سے نقصان تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا —

بمبئی میں تعلیم نسواں کے لیے ایک انجمن قایم کی گئی ہے جس کے صدر مشہور ہندو فاضل بھوداجی ہیں - اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں میں ادبی اور علمی مشاغل کو بڑھانے کی کوشش کی جائے —

لاہور کی اکاڈمی (انجمن اشاعت علوم) اپنا کام سرگرمی سے کر رہی ہے - پنجاب کے ہندوستانی اخبارت کبھی کبھی انجمن کے لکچروں کو درج کرتے ہیں - مجھے اس انجمن کی سنہ ۱۸۶۵ کے آخری مہینوں کی کارروائیاں موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ میجر فلر' ناظم تعلیمات پنجاب' نے انجمن کی توجہ خاص کر ہندوستانی ادب کی طرف مبذول کرائی ہے - موصوف اس کو اس زمانے کی سب سے بڑی ضرورت تصور کرتے ہیں - یہ بات یقیناً قابل افسوس ہوگی اگر ہندوستانی ادب کو یوروپین اثر سے بالکل بدل دیا جاے- مجھے پوری توقع ہے کہ یوروپین اثر کو ہندوستانی اس سلیقے کے ساتھہ قبول کرے گی کہ اس کی مشرقیت بدستور باقی رہے اور اس کے مخصوص خط و خال قایم رہیں —

پنجاب ایجوکیشنل میگزین کے بارھویں نمبر میں ان

انگریزی کتابوں کی فہرست ہے جو ان ہندوستانیوں کو پڑھانا چاہئیں جنہیں انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہے - یہ کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ہندوستانیوں کے خیالات پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا - اس قسم کا انتخاب مغربی زبانوں کی ان کتابوں کا بھی ہونا ضروری ہے جن کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کیا جا سکے - دیسی مدارس کے نصاب میں اگر اس قسم کی کتابیں رکھی جائیں تو اس بات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ ان میں ایسی کوئی بات نہ ہو جو ہندوستانیوں کے رسوم و عادات کے خلاف ہو —

" انجمن پنجاب " نے پچھلے جون کے مہینے میں اپنی رپورٹ شائع کی ہے جس میں اس انجمن کے قیام کے پہلے سال (۱۸۶۵) میں جو کچھ ہوا ہے اس پر عام تبصرہ ہے - اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ انجمن کی طرف سے پبلک کے لیے ایک کتب خانہ کھولا گیا ہے - اس کتب خانے کے اخراجات چندے سے پورے کیے جاتے ہیں - اس کتب خانے میں سنہ ۱۸۶۵ ع کے آخر تک ایک ہزار چار سو تیس کتابیں اردو، ہندی اور انگریزی کی موجود تھیں - ۲۶ اخبارات آتے تھے جن میں ۲۴ ہندوستانی کے، ایک فارسی کا، ایک انگریزی کا تھا - اس انجمن کی ایک تعلیمی کمیٹی ہے جس کا کام یہ ہے کہ ہندوستانی اور دوسری مشرقی زبانوں کی کتابیں شائع کرائے اور ان

زبانوں کی ترویج کے لیے مختلف مقامات پر مدارس قایم کرائے - چنانچہ اس کمیٹی نے انتظام کیا ھے کہ ھفتے میں دو تقریریں ادبی یا علمی مضامین پر کرائی جائیں تاکہ انجمن کے مشاغل اور مقاصد سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہو - ایک کمیٹی اس کام کی تحقیق کے لیے ھے کہ مشرقی اور مغربی اصول طب کا مقابلہ کرے اس کے نتائج سے اھل وطن کو مستفید ہونے کا موقع دے - اس کمیٹی کی جانب سے انجمن کے مجلے میں قواعد حفظان صحت کے متعلق اردو میں مضامین شایع ہوتے ھیں- پیشتر اس کے کہ علم طب پر اعلیٰ پایے کی تصانیف اردو میں شایع ہوں اس کمیٹی نے علم الاعضا کے متعلق عام فہم رسالہ شایع کرایا ھے —

اس وقت انجمن کے ارکان کی تعداد دو سو چوالیس ھے - امید ھے کہ ان کی تعداد میں عنقریب اور اضافہ ہوگا —

گزشتہ سال اس انجمن کے سالانہ جلسے میں بابو چندر نانھہ متر نے ایک مضمون پڑھا تھا جس کا موضوع یہ تھا کہ " عربوں اور ھندوستانیوں کی ازمنۂ قدیم میں سائنس کی ترقی" - موصوف نے اپنے مضمون میں اھل مشرق کے علمی انحطاط کے اسباب و علل سے مفصل بحث کی اور ان کے رفع کرنے کی تدابیر بتائیں- مولوی محمد حسین نے ایک مضمون " اسلامی

اور انگریزی حکومت کے مقابلے" پر پڑھا - پنڈت من پھول نے کثرت ازدواج کی خرابیاں اپنے مضمون میں بیان کیں اور بتایا کہ یہ رسم کھتری لوگوں میں موجود ہے- منشی گوپال داس نے اپنے مضمون میں اس رسم قبیحہ کے متعلق بحث کی کہ ہندوؤں میں اگر کوئی کسی کی لڑکی اپنے لڑکے کے لیے مانگے تو لڑکی کے والدین کو نقد رقم دینی ہوتی ہے- یہ تو بس ایسا ہی ہے جیسے معمولی خرید فروخت ہوتی ہے - مولوی محمد حسین خاں نے علاوہ ان علمی مضامین کے جو انھوں نے انجمن کے جلسوں میں پڑھے ' اردو کے متعدد شعراء کے متعلق تقریریں بھی کیں —

اسی قسم کی تین اور انجمنیں پنجاب میں قایم ہوئی ہیں- ایک سیالکوٹ میں، ایک حصار میں اور ایک دہلی میں- غالباً دہلی والی انجمن کے بانیوں میں ایچ گولڈ اسٹریم (H. Goldstream) بھی ہیں - اس انجمن کا مقصد لاہور کی انجمن کی طرح یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی عام فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ علمی ترقی کی طرف قدم اٹھایا جائے - بغیر اس کے ان میں کوئی اصلاح ممکن نہیں ہے - سرکاری اخبار کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے بیشتر امرا اس انجمن میں شریک ہیں اور عملی طور پر دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں - انجمن کا مقصد سائنس کو ترقی دینا بھی ہے تاکہ

ہندوستان کی صنعت و حرفت کی ترقی ہو اور وہ اس باب میں یورپ کے دوش بدوش کھڑا ہو سکے - سرکاری اخبار کے مدیر نے لکھا ہے کہ راجاؤں مہاراجاؤں اور امرا اور اعلیٰ عہدہ داروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس انجمن کے مقاصد کی تکمیل میں حتی الوسع کوشاں ہوں تاکہ اس کے ذریعے سے ہندوستان کے چہرے پر کی نقابِ جہل ہٹائی جا سکے اور ہندوستانیوں کے دل و دماغ علم کی روشنی سے منور ہو سکیں - اگر وہ خواب غفلت سے چونک اٹھے تو وہ فلاح دنیوی سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں جس سے اب تک وہ محروم ہیں —

۲۸ نومبر سنہ ۶۵ ع کے اودھ اخبار میں لکھنؤ کے ایک مشاعرے کا ذکر ہے - نادر کی دو غزلیں بھی دی ہیں جو مدیر کے خیال میں مشاعرے کی ساری غزلوں میں بہترین ہیں - نادر مشہور شاعر ہیں - نظم و نثر کی متعدد کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں - ان میں اردو کے شاعروں کا ایک تذکرہ بھی ہے —

آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ بنگال میں مسلمانوں نے اپنی ایک علحدہ " سائنٹفک سوسائٹی " قایم کی ہے جس کے ماہانہ جلسے کبھی کلکتہ میں اور کبھی علی گڑہ * میں منعقد ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس انجمن کو کلکتہ اور علی گڑہ دونوں مقامات

---

* ۲ اپریل کے " اخبار عالم'' میں اس انجمن کی مطبوعات کا ذکر ہے جن میں ایک " تاریخ مصر '' ہے -

سے منسوب کیا جاتا ہے* انجمن کے صدر سید احمد خاں ہیں جو علی گڑھ میں رہتے ہیں۔ یہ سمجھنا بڑی غلطی ہے کہ مسلمان سائنس کے دشمن ہیں ۔ محمد (صلعم) کی طرف یہ حدیث منسوب کی جاتی ہے کہ "عالموں کے لکھنے کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے"۔ میں نے ابھی جس انجمن کا ذکر کیا وہ خوب ترقی کر رہی ہے"۔ اس نے لندن کے ایسٹ انڈیا ایسوسیشن (East India Association) سے خط و کتابت کا سلسلہ قایم کر لیا ہے ۔ ایسٹ انڈیا ایسوسیشن ہندوستانیوں کے فلاح و بہبود کے لیے قایم کی گئی ہے اور پارلیمنٹ کے بعض سر برآوردہ رکن اس میں شریک ہیں ۔ بنگال اور صوبۂ شمال مغربی کے مسلمان اس اسلامی انجمن میں شرکت کرتے ہیں اگرچہ وہ براہ راست اس کے جلسوں میں حصہ نہیں لے سکتے ۔ پچھلے سال ستمبر میں اس انجمن کے ارکان کی تعداد ۳۸۷ تھی* ۔ اب امید ہے کہ تعداد میں اور اضافہ ہو گیا ہوگا ۔ میرٹھ کے "اخبار عالم" نے اس انجمن

---

* مصنف نے دو جدا جدا انجمنوں کو ایک کر دیا ہے ۔ سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ میں تھی جس کے سکریٹری سید احمد خاں تھے ۔ کلکتہ کی انجمن کا نام غالباً "مذاکرۂ علمیہ" تھا (عبدالحق) —

* امسال اس انجمن کے سر برآوردہ رکن مرزا بذل الرحمن سے پیرس میں ملاقات ہوئی ۔ میرے دوست مسٹر پامر نے ان سے میرا تعارف کرایا ۔ مجھے ان سے اردو میں گفتگو کرنے کا موقع ملا —

کے معتمد عبداللطیف خاں کے مساعی کی بہت تعریف کی ہے۔ (۲۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶ ع)—

کلکتہ کے فارسی اخبار "دوربین" کے حوالے سے میرٹھ کے 'اخبار عالم' نے لکھا ہے کہ "سائنٹفک سوسائٹی" کا سالانہ اجلاس ۱۸ شوال مطابق ۷ مئی کو منعقد ہوا تھا۔ اس میں وائسرائے، لفٹننٹ گورنر بنگال، وائسرائے کی مجلس عاملہ اور صوبۂ بنگال کی مجلس عاملہ کے ارکان، حکومت ہند اور حکومت بنگال کے معتمدین، ولیعہد اودھ *، شہزادۂ میسور اور کلکتہ میں جو دوسرے ہندو اور مسلمان امیر کبیر موجود تھے انہوں نے شرکت کی۔ انگریز بھی مدعو تھے حاضرین کی کل تعداد تقریباً دو ہزار تھی —

سائنٹفک سوسائٹی نے اپنے قواعد اور دستور کو شائع کردیا ہے لیکن مجھے اب تک اس کی نقل نہیں پہنچی۔ دستور بناتے وقت ایک جلسے میں انگلستان کے دستور اساسی پر ایک رکن نے تبصرہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن کے ارکان انگریزی زبان سے استفادہ کرنے کی

* ولیعہد سے نواب واجد علی شاہ کے فرزند مراد ہیں۔ اس لیے کہ نواب اقبال الدولہ اس وقت جب یہ جلسہ منعقد ہوا پیرس میں تشریف رکھتے تھے۔ موصوف نے لندن سے مجھے دو خطوط اردو میں لکھے۔ پہلے خط میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ پیرس میں مشرقی السنہ کے سیکھنے کا شوق ہے اور اس کا اظہار وہاں کے اورینٹل اسکول سے ہوتا ہے جس میں قابل ترین علما درس دیتے ہیں —

صلاحیت رکھتے ہیں —

آپ صاحبوں کو یاد ہوگا کہ سر چارلس ٹریولین Charles (Trevelyan نے پانچ سو روپے کے انعام کا اعلان کیا تھا جو اس مضمون نگار کو دیا جاے گا جو اُردو زبان میں اس موضوع پر بہترین مضمون لکھے : ”عربوں کی سائنس اور موجودہ یورپین سائنس کا باہمی تعلق“۔ میعاد مقررہ کے اندر صرف دو مضمون وصول ہوے۔ ایک بمبئی سے آیا اور دوسرا کلکتہ کے مولوی عبیداللہ نے لکھا تھا۔ مولوی عبیداللہ وہی ہیں جن کی ”عربی صرف و نحو“ کا میں پہلے کہیں ذکر کر چکا ہوں۔ مسٹر (Cowel) کی غیرموجودگی کے باعث ولیم میور (W. Muir) مولوی محمد وجیہ اور عبداللطیف خاں سکریٹری سائنٹفک سوسائٹی کو مضمونوں کی جانچ کے لیے مقرر کیا گیا۔ انعام دونوں مضمون نگاروں میں نصف نصف تقسیم کر دیا گیا۔ دراصل بمبئی کے مضمون نگار کا مضمون مقابلتاً بہتر تھا لیکن مضمون نگار نے مقابلے کی سب شرائط کما حقہ پوری نہیں کی تھیں۔ ثالثوں کی رپورٹ سرچارلس ٹریولین کے پاس بھیجی گئی۔ موصوف نے پوری رپورٹ سائنٹفک سوسائٹی کو بھیج دی ہے جو عنقریب شایع ہو جاے گی —

ہندوستان میں اس وقت مذہبی آزادی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے قبول

کرے - باهمی نفرت و تعصب کو دور کرنے کا یہی ایک ذریعہ هے - یہ تو ناممکن هے کہ مختلف عقاید میں کوئی مفاهمت کی صورت پیدا کی جاے - هاں یہ هو سکتا هے کہ ایک دوسرے کے ساتھہ رواداری برتی جاے - تعصب کو کم کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی - مختلف مذاهب کے ماننے والے جہالت کے باعث ایک دوسرے کے دشمن هو جاتے هیں - هندوؤں کا نہایت شد و مد کے ساتھہ یہ دعوی هے کہ دوسرے مذاهب والے ان کے مذهب کو جس طرح پیش کرتے هیں وہ صحیح نہیں هے - هندوؤں میں ایک طبقہ ایسا موجود هے جو اپنے هم مذهبوں کے بعض غیر اخلاقی اعمال کو بری نظر سے دیکھتا هے - چنانچہ بعض سر برآوردہ هندوؤں نے حکومت سے درخواست کی هے کہ ستی ' چرخ پوجا (Charakh Puja) اور جگن ناتھہ کے ان جلوسوں کو جن میں انسانوں کی قربانی کی جاتی هے غیر قانونی قرار دیا جاے * ایک طرف هندو حکومت سے درخواست کر رهے هیں کہ تعدد ازدواج خلاف قانون قرار دیا جاے اور دوسری جانب مسلمان حکومت سے اس امر کی درخواست کر رهے هیں کہ مخلت بنانے کے

* راجہ کرشنا نے ابھی حال میں ایک مہاجن کی بیوہ کو جو ستی هونا چاهتی تھی فرمان کے ذریعے ستی هونے سے روک دیا - وائسراے بهادر نے راجہ صاحب کے اس فرمان کی تائید کی اور یہ توقع ظاهر کی کہ آئندہ اس واقعے کو بطور مثال پیش نظر رکھا جاے گا اور لوگ ستی جیسی بے رحمانہ رسم کو قطعاً ترک کر دیں گے —

رواج کو خلاف قانون قرار دیا جائے —

میں اس سے قبل بھی آپ صاحبوں کو بتا چکا ہوں کہ راجہ رام موھن رائے کے انتقال کے بعد برھمو سماج کی ترقی میں کمی نہیں ہوئی - کلکتہ میں بابو کیشب چندر سین برھمو سماج کے پر جوش رکن ھیں- اس سماج اصول مسیحیت سے بہت کچھ ملتے جلتے ھیں - بابو کیشب چندر سین نے ابھی حال میں ایک بہت بڑے جلسے میں تقریر کی- مقامی اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ اس تقریر میں خطابت کی شان تھی اور لوگوں نے اسے بہت پسند کیا * —

انگریزی حکومت نے لاھور کی جامع مسجد، جو عالم گیر کے عہد میں بنائی گئی تھی' مسلمانوں کو دیدی ھے - چنانچہ پچھلی عید کے موقع پر امام نے اپنے خطبے میں ملکۂ وکٹوریہ کے لیے جو اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک کافر ھیں' ان الفاظ میں دعا کی :—

"اے خدا! تو اس پر اپنی حفاظت کا سایہ رکھیو جس نے ھمیں یہ خوبصورت اور عالیشان مسجد واپس دیدی - ملکۂ وکٹوریہ ھمیشہ سلامت رھیں جن کی حکومت مشرق سے لے کر

* The Indian Mirror بحوالہ Colonial Church Chronicle September, 1866 —

مغرب تک قایم ہے اور عرب و بربر نے جن کی
فرمانروائی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔ اے خدا!
تو ملکۂ وکٹوریہ کے سایے میں ان کی رعایا کو
مستفید ہونے کا موقع عطا کر۔ آمین۔ تو ہی بنی
نوع انسان کا محفوظ رکھنے والا ہے" —

اگرچہ اس وقت مذہب اسلام کی پشت پناہی پر فاتح قوم کا تعصب کام نہیں کر رہا ہے لیکن بایں ہمہ اسلام بمقابلہ ہندو دھرم کے زیادہ اشاعت حاصل کر رہا ہے۔ ۱۱ اکتوبر کے "اخبار عالم" میں میری نظر سے یہ خبر گزری کہ ایک شخص نے جس کا نام حاجی محمد ہے پنجاب میں دو لاکھ ہندوؤں کو زمرۂ اسلام میں شامل کر لیا ہے * —

ایک وہابی تاجر اور ان کے چند شاگرد کوکن میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ وہابیوں کو مسلمانوں کا پروتسٹنت سمجھنا چاہیے۔ مسیحی پروتسٹنٹوں کی طرح وہابی لوگ بھی روز مرہ کی اُردو میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے ہیں۔ وہابیوں کی ایک بڑی جماعت پونا اور احمد نگر میں بھی ہے اور حیدرآباد (دکن) میں ان کا ایک بڑا گروہ موجود ہے۔ نظام حیدرآباد کی خدمت میں جو عرب ہیں وہ بھی وہابی اصول کی اشاعت میں کوشاں ہیں۔

* اس تعداد میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مترجم۔

ہندوستانی لوگوں کی ایک بڑی تعداد مسیحی مذہب قبول کر سکتی ہے اگر انگلی کن (Anglican) اور رومن (Roman) کلیسا ایک دوسرے کے اندر ضم ہو جائیں اور متحد ہو کر کام کریں - بد قسمتی سے یہ اتحاد بہت دشوار معلوم ہوتا ہے - اس لیے کہ انگریزی اور یونانی کلیسا اور ھالینڈ کے جان سینسٹ (Janseniste) باہم مطلق رواداری برتنے کو تیار نہیں ہیں - باوجود مسیحی کلیساؤں کے اختلاف کے کوئی نہ کوئی مشہور ہندوستانی مسیحی مذہب قبول کرتا رہتا ہے - بعض ایسے مسلمانوں نے بھی مسیحی مذہب قبول کیا ہے جو اپنی تعلیمی یا معاشری حیثیت سے ملک میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں - چنانچہ مولوی کریم الدین جو ہندوستانی زبان کے مشہور انشا پردازوں میں ہیں اور ان کے بھائی مولوی عماد الدین جو خود فاضل آدمی ہیں لیکن جن کو شہرت حاصل نہیں، یورپین لوگوں کے میل جول سے مسیحی مذہب کی طرف رجحان رکھتے ہیں - ان دونوں بھائیوں نے عیسائی مذہب کی خوبیاں اور اسلام کی کوتاھیاں چن چن کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کی ہیں - ان میں عماد الدین کا باقاعدہ بپتسما ہوچکا ہے اور کریم الدین بھی عنقریب باقاعدہ مسیحی زمرے میں شامل ہو جائیں گے - اب دونوں مل کر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں اسلامی اصول پر اعتراضات ہوں گے-

" حضرت مسیح بنی نوع انسان کے نجات دھندہ ھیں اور ان کا پیغام دنیا کی ساری اقوام کو ایک خاندان بناتا ھے - ان کی حکومت دلوں پر ھے - جو ان کی تعلیم کے خلاف ھوتے ھیں وہ بھی بالآخر رام ھو جاتے ھیں اور ان کی شہنشاھی کو تسلیم کر لیتے ھیں " * -

اس سال ھندوستان سے دلچسپی رکھنے والے جن احباب نے داعیء اجل کو لبیک کہا ان کا ذکر سخت باعث ملال ھے - ان میں سب سے پہلے میں اپنے دو شاگردوں کا ذکر کرتا ھوں - این بلانڈ (N. Bland) کا انتقال امبورلے بین (Hambourg les-Bains) میں ھوا جہاں وہ عزلت گزینی کی زندگی گزار رھے تھے - ابتدا میں انھوں نے ڈنکن فوربز (Duncan Forbes) کی شاگردی کی اور فارسی اور اردو کی تحصیل کی - اس کے بعد وہ میرے درسوں میں شریک رھے اور پھر کچھ دنوں کے لیے لندن چلے گئے تھے - ان کا بہت دنوں سے یہ ارادہ تھا کہ ادب فارسی کی ایک تاریخ لکھیں لیکن مرض نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خیال کو عمل میں لا سکتے - انھوں نے فارسی شعرا کے تذکرے "آتش کدہ" پر مفصل تبصرہ کیا ھے - اس کا قلمی نسخہ میں نے انھیں سودا کے قلمی نسخے کے بدلے میں دیا تھا - اس کے علاوہ نظامی کے " مخزن الاسرار " کا ایڈیشن انھیں کی مساعی کا رھین منت ھے - آپ نے

* یہ ایک لاطینی دعا کا ترجمہ ھے —

هندوستانی کے سب سے قدیم شاعر مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ لکھا ہے - میرے دوسرے شاگرد پیزا (Pise) کے ابے بار دلی (Abbe Bardeli) ہیں جنھوں نے اس سال داغ مفارقت دیا - موسیو مول (M. Mohl) نے پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسے میں ان علمی کارناموں کا مفصل ذکر کیا ہے جو میرے اس شاگرد کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں - موصوف مسیحی علم دین کے جید فاضل تھے اور نہایت وسیع ہمدردی کے شخص تھے - آپ سنہ ۱۸۴۳ ع اور سنہ ۱۸۴۴ ع میں میرے درسوں میں برابر شریک رہے اور گرم جوشی سے انہماک ظاهر کرتے رہے - آپ کو ایشیائی علوم و ادب سے خاص شغف تھا اور آپ کی تحقیق فلسفیانہ اور لسانیاتی مباحث پر بھی حاوی تھی —

گزشتہ اپریل کی ۲۴ تاریخ کو ڈاکٹر انستاز هرتمان (Anastase Hartman) کا بعارضۂ ہیضہ انتقال ہوا - موصوف سوئٹزر لینڈ کے باشندے تھے - ابتدائی عمر میں دینیات کے پروفیسر رہے پھر سنہ ۱۸۴۳ ع میں مسیحی مذهب کے مبلغ کی حیثیت سے هندوستان چلے آئے - سنہ ۱۸۴۵ ع میں پٹنے کے پادری مقرر ہوے اور سنہ ۱۸۵۸ ع میں بمبئی آئے اور سنہ ۱۸۶۲ ع میں پھر پٹنے میں مقرر ہوے - هندوستانی زبان پر موصوف کو پوری دست گاہ حاصل تھی اور آپ نے اس زبان

میں متعدد سوال جواب نامے (Catechism) بھی لکھے جن کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں * - آپ کی مشہور کتاب انجیل مقدس کا ترجمہ ہے جو میں نے اب تک نہیں دیکھا - یہ پہلا ترجمہ ہے جس میں انجیل کے قدیم لاطینی نسخے (Vulgate) کو پیش نظر رکھا گیا ہے † - ویسے اردو اور ہندی میں متعدد ترجمے ہیں جو یونانی زبان سے کیے گئے ہیں - موصوف کا ترجمہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے لیے خاص کر کارآمد ہے - ہم اس نیک شخص کی جاں فشانی کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے —

* میں نے ۵ مئی سنہ ۱۸۵۶ ع کے خطبے میں سوال جواب نامے کے پہلے ایڈیشن کا ذکر کیا تھا - یہ کتابی شکل میں بمبئی میں سنہ ۱۸۵۱ ع اور پھر سنہ ۱۸۵۲ ع میں شائع ہو چکے ہیں - یہ تین رسوم خط میں شائع کیے گئے ہیں (۱) دیوناگری رسم خط میں (۲) فارسی رسم خط میں (۳) رومن رسم خط میں - رومن خط والے ایڈیشن میں ہندوستانی صرف و نحو اور ایک چھوٹی سی ہندوستانی الفاظ کی لغت بھی ہے - دوسرا ایڈیشن پٹنہ میں چھپا ہے - میرے قدیم شاگرد موسیو آ ی سیسے (M. E. Sice) جو پانڈی چری کے رہنے والے ہیں ان کی بدولت مجھے یہ ایڈیشن حاصل ہوا —

† پاپائے روم صرف انہیں تراجم انجیل کو درست قرار دیتا ہے جو قدیم لاطینی نسخے کے مطابق ہوں- چنانچہ یونانی کلیسا کے لوگوں کے لیے بھی انجیل کی یونانی اصل کے علاوہ لاطینی سے علحدہ ترجمہ کیا گیا ہے - یہ دعوی کہ انجیل مقدس کے ترجمے کو رومن کیتھولک لوگ نہیں پڑھ سکتے بے بنیاد ہے اس واسطے کہ پاپا بنیوا چہار دہم (Benoit xiv) کے زمانہ میں لاطینی کے ماسوا دوسری مقامی زبانوں میں ترجموں کی اجازت مل چکی ہے- لیکن یہ شرط رکھی گئی ہے کہ ترجمے کو پاپا پسند کرلے- چنانچہ مشرقی زبانوں میں بھی انجیل مقدس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں - برطانیہ کی انجمن انجیل نے عربی کا ترجمہ شائع کیا اور انجمن اشاعت و تبلیغ نے بھی ترجمے شائع کیے ہیں —

آخرمیں ڈاکٹرجارج ایڈورڈ لینچ کاٹن (Dr. George Edward Lynch Cotton) کی دردناک موت کا حال بیان کرتا ہوں۔ آپ ۹ اکتوبرکو دریاے گنگا میں ڈوب کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ آسام کی طرف سے اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں واپس آرہے تھے اور کشتیا (Kuschtia) دریا کے راستے سے دخانی کشتی میں بیٹھ کر جارہے تھے کہ وہاں مسیحی قبرستان کے متعلق بعض امور کی تحقیق کریں۔ آپ ایک نہایت فاضل شخص تھے اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ آپ صرف یہی نہیں چاہتے تھے کہ دیسی لوگوں کو مسیحی زمرے میں شامل کریں بلکہ اس کے ساتھ آپ کی دلی تمنا تھی کہ دیسی لوگوں میں علم وادب کا شوق پیدا ہو۔ آپ اپنے ایک پیشرو ریجنلڈ ہیبر (Reginald Heber) کی طرح دیسی لوگوں کے دل و دماغ کے تعصب اور جہالت کی تاریکی کو دور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ بآسانی مسیحی مذہب کی خوبیوں کو سمجھ سکیں۔ موصوف بھی ڈاکٹر ہرتمان (Dr. Hartman) کی طرح ہندوستانی زبان میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ گزشتہ سال میں آپ کی ان تقاریر کا ذکر کرچکا ہوں جو آپ نے ہندوستانی زبان میں کیں۔ آپ کلکتے کے چھٹے اسقف تھے۔ کلکتہ کا مذہبی نظم و نسق کا علاقہ (Diocese) بہت وسیع ہے۔ بنگال کے صوبے کے علاوہ صوبۂ شمال مغربی، اودھ، پنجاب، آسام، اراکان، تناسرم اور

Strait Settlement بھی اس میں شامل ھیں * —

ھماری دلی دعا ھے کہ یہ دونوں بزرگ ھستیاں جن کے دل میں ایک دوسرے کی عزت جاگزین تھی جنت میں ایک دوسرے سے ملیں جہاں انصاف کے آفتاب کی روشنی ھے - اس روشنی میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں رھتی - جو وھاں داخل ھوتے ھیں پھر کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ھوتے اور جو مدتوں ایک دوسرے سے جدا رھے ھیں وہ ایسے ملتے ھیں کہ پھر کبھی نہیں بچھڑتے † —

* ملاحظہ ھو انڈین میل مورخہ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع اور انڈین میل مورخہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۸۶۶ ع - Strait settlement میں پناڈگ ، ملا کا اور سنگاپور شامل ھیں —

† The Psalmist , New Collection of Hymns , Boston , 1854, P. 687.



سترھواں خطبہ

۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع

حضرات! میرے ہر سال کے خطبےمیں بعض باتوں کا اعادہ بار بار کیا گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا موضوع بڑی حد تک محدود ہے یعنی ہندوستانی زبان کی دونوں شاخوں (اردو اور ہندی) کی جو ترقی ہورہی ہے اس کا ذکر - سب سے پہلےمیں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس نا قابل تلافی نقصان کے بارے میں کچھہ کہوں جو ہندوستانی ادبیات کو مسٹر اے- آر- فلر (A. R. Fuller) کی بے وقت موت کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا - مرحوم چھٹی پر انگلستان آئے ہوئے تھے تاکہ اپنے بچوں کو دیکھہ لیں اور واپسی پر اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھہ لیتے جائیں - ان کا پیرس آنے کا بھی مصمم ارادہ تھا - اس شہر سے انہیں دلی اُنس تھا - آپ ابھی ہندوستان واپس ہی پہنچے تھے کہ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے سلسلے میں ۲۰ اگست کو دیہات میں جانا پڑا - آپ ایک نوجوان افسر کے ساتھہ گھوڑا گاڑی میں جا رہے تھے - راستے میں شہر

راولپنڈی کے نزدیک ایک نالہ پڑا جو برسات کے موسم میں خوب بھر جاتا ہے اور اس میں پانی نہایت تیزی کے ساتھ بہتا ہے - جب گاڑی بیچ نالے میں پہنچی تو اس کے پہیے چٹانوں میں اڑ گئے- میجر فلر اور ان کے ساتھی دونوں گاڑی پر سے اتر پڑے تاکہ پہیوں کو ہٹانے میں مدد دیں - پانی اس زور کا تھا کہ وہ دونوں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے- پانی دونوں کو دور بہا لے گیا - چند گھنٹوں کے بعد ان دونوں کی نعشیں دور کسی مقام پر ملیں —

اس حادثے کے وقت میجر فلر کی عمر ازتیس سال کی تھی- پچھلے سال اسی قسم کا ایک حادثہ کلکتے کے ایک پادری کو پیش آیا جس کا انجام وہی ہوا جو میجر فلر کا ہوا- ان پادری صاحب کی تبدیلی کلکتے کے متوفی پادری کی خدمت پر ہوئی تھی - کلکتہ پہنچ کر وہ ایک کشتی پر سوار ہورہے تھے کہ پاؤں پھسلا اور وہ دریا میں گر کر ڈوب گئے —

اسی زمانے میں جب کہ میجر فلر کا انتقال ہوا مسٹر ای آئی ھاورڈ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - آپ صوبۂ بمبئی کے ناظم تعلیمات تھے- انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی - آپ ریل پر چڑھتے وقت گرے اور گرنے سے جو صدمہ پہنچا اس سے جانبر نہ ہوسکے —

میجر فلر نے پنجاب میں صیغۂ تعلیم کی تنظیم کی - آپ

نے جو سالانہ رپورتیں لکھی ھیں اور ان کے علاوہ جو جو رسائل انگریزی اور اردو میں خود شائع کیے یا دوسروں سے لکھوائے' ان سے میں نے اپنے پچھلے خطبوں میں بہت کچھہ استفادہ کیا ھے اور تعلیمی مسائل پر معلومات حاصل کی ھیں —

اس سال میرے مستشرق دوستوں میں جارج سیسل رینوارڈ (George Cecil Renouard) کا بھی انتقال ھوگیا - آپ کی عمر چھیانوے سال کی تھی - آپ کا تعلق بہت عرصے تک قسطنطنیہ کے انگریزی سفارت خانے سے رھا ' پھر پینتالیس سال تک کینٹ میں Swascombe کے مہتمم رھے - آپ کو مشرقی السنہ میں ترکی سے خاص مناسبت تھی - آپ بہت بڑے ھمدرد انسان تھے - جو لوگ آپ سے ملتے انہیں آپ سے اُنس پیدا ھو جاتا تھا —

" پیرس والی مناجات " کے یہ الفاظ سچ ھیں کہ " موت بر حق ھے - ھر چند کہ اس سے انسان کے دل کو ملال ھوتا ھے لیکن مستقبل کی ابدی زندگی کا خیال ' جس کا وعدہ کیا گیا ھے ھمارے لیے باعث تسکین ھوتا ھے - ... جب ھم مرتے ھیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ زندگی ختم ھوگئی بلکہ وہ اپنا روپ بدل کر پھر ظہور پذیر ھوتی ھے - جب اس خاکدان تیرہ کی عمارت گر پڑتی ھے تو اس کے ساتھہ آسمانوں پر ھم اپنے لیے ابدی مکان

تعبیر کر اٹھتے ھیں " —

میجر فلر اور دوسرے احباب نے مجھے جو معلومات بہم پہنچائی ھیں اور انگریزی اور ھندوستانی اخبارات سے میں نے جو مسالا جمع کیا ھے اسے میں اپنے اس خطبے میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کروں گا - اس سے آپ کو اُس ادبی اور معاشری تحریک کے متعلق معلومات حاصل ھوں گی جو آج کل ھندوستان میں جاری ھے —

مسٹر ایف - ایچ - جیون (F . H. Jeune) نے اپنی کتاب میں جس کا نام " ھندوستان میں اسلامی اقتدار " ھے سچ کہا ھے کہ " ھندوؤں کی معاشری ساخت ایسی ھے کہ بیرونی حملہ آوروں کو ھندوستان میں جلد کامیابی حاصل ھو جاتی ھے - لیکن باوجود اپنی شکست کے وہ اپنے اداروں کو قایم رکھنے کی سعی کرتے ھیں - ان کے یہ ادارے حضرت مسیح کی بعثت کے پہلے سے قایم ھیں اور انھیں دوسری اقوام عالم سے ممتاز کرتے ھیں - ان اداروں کی بدولت وہ دوسروں میں ضم ھونے سے بچ گئے " - ھمیں پوری امید ھے کہ ھندوؤں کو اھل یورپ سے جو ملنے کا موقع ملا ھے اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ توھمات جو اب تک ان میں چلے آرھے ھیں مٹ جائیں گے - اھل یورپ کے ساتھہ میل جول بڑھنے سے بظاھر اچھے نتائج پیدا ھورھے ھیں —

میں پچھلی کسی صحبت میں ھندوؤں کی اصلاحی

تحریکوں کی نسبت ذکر کر چکا ہوں - ایک اصلاحی انجمن "وید سماج" ہے اس کے دو خاص اصول ہیں —

(۱) میں ہمیشہ ایسے پرماتما کو پوجوں گا جو اعلیٰ اور برتر ہے' خالق ہے' زندگی کو قایم رکھنے والا ہے اور اس کو برباد کرنے والا بھی ہے - بغیر اس کی مہربانی کے انسان نجات نہیں حاصل کر سکتا - وہ قادر مطلق ہے اور علیم و بصیر ہے - اس کی کوئی صورت نہیں نہ اس کا کوئی مثل ہے - میں اس کے علاوہ اپنا سر نیاز کسی اور کے آگے نہیں جھکاؤں گا —

(۲) میں اس امر کی پوری کوشش کروں گا کہ اپنی عبادت میں بھی وحدانیت کے اصول پر حتی الوسع عمل پیرا رہوں - میں اپنی عبادت سے ان توہمات کو خارج کروں گا جو فی الوقت ہندو دھرم کا جزو بن گئے ہیں * —

یہ انجمن اسی طرز کی ہے جیسے "برہمو سماج" کی انجمن - اس کے اصول کی تدوین کیشب چندر سین نے لاہور میں کی ہے - تیئیس فروری کو لاہور میں اس انجمن کا جلسہ ہوا جس میں چار سو آدمیوں نے شرکت کی جن میں انگریز اور ہندوستانی دونوں شامل تھے - پنجاب کے لفٹننٹ گورنر بہادر نے بھی شرکت کی - اس جلسے میں بابو کیشب چندرسین نے ہندوؤں کے مذہبی نشاۃ ثانیہ پر نہایت دلاویز پیرایے

---

* اس کے متعلق تفصیل "Colonial Church Chronicle" میں ملے گی -

میں تقریر کی - چنانچہ بابو صاحب نے بتایا کہ اس تحریک کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بت پرستی ترک کی جا رہی ہے اور ایک خدا کی پوجا لوگوں میں رواج پکڑ رہی ہے - ایسا خدا جس کے علاوہ کسی اور کی پوجا جائز نہیں —

اس ہندو فلسفی کی تقریر کو لوگوں نے کان دھر کے سنا اور دلچسپی کا اظہار کیا - پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے مقرر کی تعریف و توصیف کی اور یہ توقع ظاہر کی کہ جن اصول کو اس نے پیش کیا ہے وہ مقبول ہوں گے - ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چونکہ مقرر نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں کی ہے اس لیے عوام کے لیے بہتر ہوگا اگر اس کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرا کے تقسیم کیا جائے تاکہ ہر کس و ناکس ان زرین خیالات سے مستفید ہو سکے ۔ (اخبار عالم' میرٹھ' سات مارچ سنہ ۱۸۶۷ ع) —

پنجاب میں ابھی حال میں ایک مذہبی انجمن قایم ہوئی ہے - اس کی کارروائیاں خفیہ ہوا کرتی ہیں - اس میں صرف ہندو اور سکھ موحدین شرکت کرتے ہیں - اس انجمن کے ارکان ان تمام رسوم سے احتراز کرتے ہیں جن میں بت پرستی کا شائبہ پایا جاتا ہے - (انڈین میل' فروری سنہ ۱۸۶۷ ع) —

عیسائی مشنری ان انجمنوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی

رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کے اصول میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا امتزاج ہوتا ہے۔ ان انجمنوں کی کامیابی سے خود ان کے خیالات و عقائد کی نشر و اشاعت میں مدد ملے گی۔ ہم تہ دل سے Rev. M. Kirk کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں، جس کا اظہار انھوں نے پچھلی جنوری کو بمبئی کے گرجا میں کیا تھا کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی مذہبی اصلاح کے لیے ایک ایسی انجمن قائم کریں جو موحدین پر مشتمل ہو اور اس میں مسلمان بھی شرکت کریں۔ برہمنوں کو اگر دوسروں پر کوئی فوقیت حاصل ہو تو اس لیے ہو کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے نیکی میں بڑے ہوئے ہیں اگر کوئی شودر ذات کا آدمی اچھے اخلاق رکھتا ہو تو اس کو بھی برہمنوں میں شمار کرنا چاہیے۔ پارسیوں کا یہ عقیدہ بالکل ٹھیک ہے کہ دنیا میں آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، اچھے اور برے۔ اچھوں کو اپنی بھلائی کا اجر ملے گا اور بروں کو اپنی برائی کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا: "قدیم زمانے میں ہندو لوگ زندگی کا کمال حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اب اس زمانے میں بھی آپ اپنے حسن عمل سے کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ صرف اس وقت ممکن ہوگا جب کے ہندو اور مسلمان، یورپی اور ہندی کے تمام تر امتیازات مٹ جائیں اور لوگ اپنے تئیں بھائی بھائی سمجھنے لگیں۔ صداقت کی

راہ میں اور اپنے عقائد کی خاطر وہ جو مشکلات اس دنیا میں برداشت کریں گے خدا انہیں ان کا اجر دے گا" (Colonial Church Chronicle, Ist., May, 1867) —

ہندوستان میں انگریزی حکومت اصلاحی تحریکوں کی حتی المقدور امداد کرتی ہے اور ان قدیم رسم و رواج کی مخالفت کرتی ہے جن سے لوگوں کو اذیت پہنچے- چنانچہ بڑودے میں یہی ہوا - بعض کٹر مذہبی لوگ چونکہ قانوناً بیوہ عورتوں کو جلا نہیں سکتے تھے اس لیے وہ ان کے سر منڈوانا چاہتے تھے- لیکن حکومت نے انہیں ایسا کرنے سے جبراً باز رکھا- مگر بعض اوقات حکومت کو ایسے توہمات سے چشم پوشی برتنی پڑتی ہے جو لوگوں کے لیے باعث زحمت ہوتے ہیں - بعض تعلیم یافتہ ہندوؤں نے جن پر یورپی اثر غالب معلوم ہوتا ہے حکومت سے درخواست کی ہے کہ دریائے گنگا میں نعشیں پھینکنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے - لیکن حکومت نے کٹر طبقے کی دل شکنی گوارا نہیں کی- لیکن بیوہ عورتوں کو جلانے کے متعلق حکومت ہر جگہ دخل اندازی کرتی ہے - اگر کہیں اس قسم کے واقعے کا اندیشہ ہو تو نزدیک کے تھانے میں رپورٹ کر دینی چاہیے - پولیس اس کی روک تھام کے لیے موجود رہتی ہے - حکومت کی اس دخل اندازی کو قدیم طرز کے کٹر ہندو بری نظر سے دیکھتے ہیں لیکن روشن خیال ہندوستانی جن کے دل میں مخلوق

کا درد ہے وہ حکومت کے ساتھ ہیں - اس توہم رسم کے متعلق افسوس نے اپنی کتاب "آرائش محفل" میں المناک تصویر کھینچی ہے - اس نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ صوبۂ بنگال میں مقام چکدہ سے متعلق ہے —

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اب توہمات بہت کم ہو گئے ہیں - پچھلی مرتبہ ہردوار میں جو میلا منعقد ہوا اس میں ہندوستان کے طول و عرض سے دو لاکھ پچپن ہزار آٹھ سو لوگوں نے شرکت کی - یہ میلا بارہ اپریل کو منعقد ہوا تھا - اکتوبر کے مہینے میں درگا پوجا اور دسہرے کے تیوہار منائے گئے - ان میں بھی بڑی چہل پہل رہی —

ایک ہندوستانی اخبار میں ایک بوڑھے برھمن کا قصہ لکھا ہے جو دکن کی طرف سے جاترا کے لیے متھرا آیا تھا - اس شہر کو ہندو لوگ بہت عزیز رکھتے ہیں- اس لیے کہ وہ کرشن مہاراج کا جنم بھوم ہے جو وشنو کے اوتار تھے- اس برھمن کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی جس کی عمر صرف نو سال کی تھی - اس لڑکی نے ایک رات خواب دیکھا کہ کرشن مہاراج اس کو اپنے عقد میں لانا چاہتے ہیں - بھلا اس خواب کی صداقت پر کسے شبہ ہو سکتا تھا ؟ چنانچہ دوسرے دن لڑکی کا عقد کرشن مہاراج کے بُت کے ساتھ کر دیا گیا - متھرا کے ہندوؤں میں اس موقع پر خوب خوشیاں منائی گئیں - لوگ اس لڑکی کو دیوی خیال

کرنے لگے - اب یہ لڑکی متھرا سے لکھنو چلی گئی ہے اور وہاں "گول دروازہ" میں مقیم ہے - ہر روز صبح کے وقت ہزارہا ہندو اس لڑکی کے ہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کی زبان سے "بھگوت گیتا" سنتے ہیں - ہر روز مٹھائیاں اور چاندی کے زیور اور برتن بطور تحفہ پیش کیے جاتے ہیں —

ہندوستان کے اکثر راجا مہاراجا ترقی کی تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں- ان میں مہاراجا جے پور خاص کر قابل ذکر ہیں- موصوف نے اپنے ہاں آٹھ ارکان کی ایک کونسل قائم کی ہے تاکہ اس کے مشورے سے حکومت کا نظم و نسق انجام دیا جائے - مہاراجا کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ رام چندر جی کی اولاد سے ہیں- چند پشت قبل سترھویں صدی کے اواخر میں اس خاندان میں راجا جے سنگھ گزرے ہیں جنھیں ریاضی اور فلکیات سے بہت دلچسپی تھی- اس وقت مہاراجا جے پور کو ہندوستانی تہذیب و تمدن کے علم برداروں میں شمار کرنا چاہیے - موصوف کی راجدھانی ہندوستان کے اول درجے کے شہروں میں شمار ہونے کی مستحق ہے —

وجاہت علی نے "اخبار عالم" (۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع) میں نواب رام پور کی بھی بہت تعریف و توصیف لکھی ہے - موصوف کا نام کلب علی خاں ہے- آپ کو علوم و فنون سے خاص دلچسپی ہے - آپ نے متعدد مدارس قایم کرائے ہیں اور آپ

چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں مشین کے رواج کو فروغ ہو۔ آپ اہل علم و فضل کو خطابوں سے نوازتے ہیں۔ مہاراجا میسور بھی ہندوستان کے ہوشمند والیان ملک میں سے ہیں۔ ابھی حال میں آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی اور فارسی عربی کتابوں کا ایک کتب خانہ قایم کریں۔ مہاراجا کے سکریٹری نے ہندوستان کے طول و عرض میں مختلف کتب فروشوں اور مطابع کو لکھ دیا ہے کہ وہ اپنے ہاں کی مطبوعات بھیج دیا کریں۔ ریاست کی طرف سے ان کی کتابوں کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ (اخبار عالم - ۳ جنوری سنہ ۱۸۶۷ع)

ہندوستانی اخبارات میں کچھ عرصے سے یہ خبر شایع ہو رہی ہے کہ حال میں مہاراجا بھرت پور انگلستان آنے والے ہیں۔ سنا ہے کہ آپ کے اعلیٰ عہدہ دار اور آپ کی رانی صاحبہ اس سفر کے خلاف ہیں اور اس کو محض بے کار تصور کرتے ہیں۔ انہیں دراصل یہ خدشہ ہے کہ کہیں مہاراجا مسیحی مذہب نہ قبول کر لیں۔ لیکن نوجوان مہاراجا کی تعلیم و تربیت مغربی فضا میں ہوئی ہے۔ انہیں ان تمام باتوں کی مطلق پروا نہیں ہوگی اور وہ اپنے منصوبے کی تکمیل کر کے چھوڑیں گے۔ ان کی غیر موجودگی کے زمانے میں ایک کونسل ریاست کے فرائض حکومت انجام دے گی۔ (اخبار عالم سات فروری سنہ ۱۸۶۷ ع)

مہاراجا اندور کا بھی قصد ہے کہ ولایت جائیں - چنانچہ انھوں نے برھمن علما کی ایک مجلس منعقد کی جس نے ان کے سفر کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اگر مہاراجا کھانے پینے میں پورے طور پر مذھبی پابندی کریں تو ان کے یورپ جانے میں کچھہ مضائقہ نہیں ہے - اس کی وجہ سے وہ ذات باھر نہیں ہوں گے- ذاتی طور پر سفر سے انھیں تجربہ اور واقفیت حاصل ہوگی —

انگلستان میں یہ خبر مشہور ہے کہ مرشد آباد کے نواب ناظم وہاں آنے والے ھیں- کلکتہ میں ایک نہایت تعلیم یافتہ یورپین رھتا ہے جس کا ارادہ ہے کہ اپنے ساتھہ بعض ان ھندوستانیوں کو یورپ کے سفر کے لیے لاے جو بہت دنوں سے آنا چاھتے ھیں لیکن ساتھی نہ ہونے کے باعث اپنا ارادہ پورا نہیں کر سکے - یہ یورپین ھندوستانی زبان اچھی طرح بول اور لکھہ سکتا ہے - اس کے ھمراھیوں میں ھندو اور مسلمان دونوں شامل ھیں - اودھ اخبار کے مدیر پنڈت نول کشور نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یورپ کے سفر کے متعلق تمام معلومات بہم پہنچائیں گے —

ھندوؤں اور مسلمانوں کی ادبی انجمنیں اپنے بس بھر پوری کوشش کر رھی ھیں کہ اپنے علوم و ادب کی نشر و اشاعت کا انتظام کریں اور ساتھہ ھی مغربی علوم و فنون کو بھی اپنے

ہاں رواج دیں - ان میں لاہور اور علی گڑھ کی انجمنیں
خاص کر مفید کام کر رہی ہیں —

لاہور کی انجمن ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) کی سعی و جہد
کی مرہونِ منت ہے پچھلے دنوں اس انجمن کے کام کی رفتار
ذرا سست ہو گئی تھی لیکن اب اس کی حالت سدھر گئی ہے۔
اپریل کے مہینے میں اس انجمن کا ایک عام جلسہ منعقد ہوا
جس میں مولوی محمد حسین نے جو اس کے معتمد ہیں یہ
اعلان کیا کہ آئندہ سے انجمن اس امر کی کوشش کرے گی کہ
غربا کی ضروریات پورا کرنے میں بھی تھوڑی بہت مدد
کرے - چنانچہ اس کے لیے ایک پروگرام مرتب کیا گیا ہے جس
میں سرکاری اسپتالوں میں مفلسوں کے ساتھ جو برا برتاؤ
کیا جاتا ہے اس کا تدارک کرنا ' افلاس کے باعث جو عورتیں
عصمت فروشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں
انھیں اس بے حیائی سے بچانا اور غریب غربا کے لیے دوا تقسیم
کرنے کا انتظام کرنا ' خاص کر قابل ذکر باتیں ہیں —

پچھلے ستمبر میں اس انجمن کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا
جس میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو
اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں بھی جگہ ملنی چاہیے - اس
کے علاوہ ریلوے کے انتظام سے متعلق بعض شکایات حکومت کے
گوش گزار کی گئیں - پانچ اکتوبر کے جلسے میں اردو زبان

کے صرف و نحو کا رسالہ پیش کیا گیا جس میں عربی، فارسی اور ترکی صرف و نحو سے اردو کے صرف و نحو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اس رسالے کے مصنف کا نام محمد مرزا ہے۔ موصوف نے انجمن سے درخواست کی کہ اس رسالے کی طباعت کا وہی انتظام کرے۔

پنجاب یونیورسٹی کا جو کالج قایم کیا گیا ہے وہ ترقی پذیر ہے۔ اس کالج میں اردو، فارسی اور عربی کی ادبیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس صوبے میں ان زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اب باقاعدہ ان زبانوں کے درس ہوتے ہیں۔ پنجاب کے ہر حصے سے نیز کابل تک کے طلبہ ان درسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ (اخبار عالم۔ ۲۵ اپریل سنہ ۱۸۶۷ ع) —

پچھلے مارچ کے مہینے میں علیگڈھ والی "انجمن اسلامی" کا جلسہ کلکتہ میں ہوا۔ اس میں تقریباً دو ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ حاضرین میں ہندوستان کے بعض مشہور مسلمان رئیس شامل تھے۔ ان کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی تھے۔ وائسراے گورنر جنرل اور بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے بھی جلسے میں شرکت کی۔ انجمن کی جانب سے بعض سائنٹفک تجربات دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا جو بہت پسند کیے گئے۔ علمی موضوعوع پر تقریریں بھی ہوئیں۔ وائسراے بہادر نے انجمن کے معتمد مولوی عبداللطیف خاں کی سرگرمی اور ان کے جوش عمل

کی بہت تعریف کی ۔

اس موقع پر انجمن کی جانب سے وائسرائے کو ایک عرضداشت پیش کی گئی جس میں یہ درخواست کی گئی کہ کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات نیز تعلیم بجائے انگریزی کے ہندوستانی یا بنگالی میں کردی جائے - طلبہ کو اس بات کا حق دینا چاہیے کہ امتحان میں جواب چاہے انگریزی میں دیں یا اپنی ملکی زبان میں - سہولت اس میں ہوگی کہ ان طلبہ کے لیے جو ملکی زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں علحدہ انتظام کیا جائے - یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ صوبۂ شمال مغربی کے لیے ایک علحدہ یونیورسٹی قایم کی جائے جس میں ذریعۂ تعلیم ہندوستانی ہو - ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) نے اس قسم کی تحریک پنجاب میں اٹھائی تھی لیکن حکومت نے اس کے ساتھ خاص ہمدردی نہیں ظاہر کی - (Homeward Mail '14 oct. 1867)

کشمیر کے مہاراجا نے حال میں اپنی ریاست کے اہل علم و فضل کو جمع کیا اور انھیں دعوت دی کہ ہر پندرھویں روز تبادلۂ خیالات کی غرض سے یکجا جمع ہوں اور بحث و مباحثہ میں مذہبی تعصب سے کام نہ لیں - یہ نہایت عمدہ خیال ہے اس لیے کہ اس علمی مجلس میں مختلف مذاہب کے لوگ شرکت کریں گے- ہندوستانی اخبارات میں خاص کر اس جلسے

کا ذکر کیا گیا ہے جس کی صدارت مہاراجا کے وزیرکرپا رام جی نے کی۔ موصوف ہندوستانی کے شاعر اور صاحب دیوان ہیں۔ جلسے میں فلکیات، اقلیدس، فلسفۂ ویدانت اور دھرم شاستر کے متعلق گفتگوئیں ہوئیں —

ہندوستانی اخبارات یک زبان ہو کر لکھتے ہیں کہ اگر صوبوں کے لفٹننٹ گورنر اور دوسرے والیان ریاست اسی طرح علمی شغف ظاہر کریں تو یقین ہے کہ جہالت کی تاریکی چند سال کے اندر دور ہوجائے گی۔ لیکن بدقسمتی سے دوسرے والیان ملک دوسرے انداز کے لوگ ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے ہیں جنھیں بس اپنی خوش وقتی سے سروکار ہے۔ ان کا زیادہ وقت رقص و سرود کی محفلوں، چوسر، پچیسی اور گنجفے کی نذر ہوتا ہے۔ وہ سنجیدہ مشاغل سے دور بھاگتے ہیں —

میں نے والیان ملک کے جن مشاغل کا ابھی ذکر کیا ہے ان میں ہندوستانی زبان ہی کے ذریعے خیالات ادا کئے جاتے ہیں اور معاشری اور ادبی خیالات بھی اسی کے ذریعے سے ادا کئے جاتے ہیں۔ انگریز لوگ جب دیسیوں سے گفتگو کرتے ہیں تو انہیں اسی زبان میں خطاب کرتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے اپنے پچھلے خطبوں میں انگریزوں کی تقریروں کا ذکر کر چکا ہوں۔ پانڈی چری میں اس کے بالکل برعکس ایک ہندوستانی نے جو مسیحی مدرسہ میں تعلیم پاتا تھا لارڈ نیپیر (Napier) کے

کے روبرو لاطینی زبان میں تقریر کی۔ نہ معلوم یہ عجیب و غریب خیال اس شخص کو کیوں کر پیدا ہوا اور اس نے ہندوستانی، انگریزی، اور فرانسیسی پر لاطینی کو ترجیح دی۔ غالباً وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ لاطینی زبان سے واقفیت رکھتا ہے - یہ زبان ہر اُس طالب علم کے لیے لازمی ہے جو رومی کلیسا میں پادری کے عہدہ پر ممتاز ہونا چاہتا ہے —

حکومت ہند یوروپین لوگوں کو ہندوستانی زبان سکھانے کی اہمیت اور ضرورت کو روز بہ روز تسلیم کر رہی ہے - پچھلے جون میں حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ سول سروس کے ان امیدواروں کو ایک ایک ہزار روپے بطور انعام دیے جائیں گے جو اردو یا ہندی میں امتیاز کے ساتھ امتحان میں کامیاب ہوں گے - جو امیدوار ان زبانوں میں اعزازی ڈگری حاصل کریں گے انہیں دو دو ہزار روپیہ دیا جائے گا - ان انعامات کا مقصد یہ ہے کہ ان زبانوں کی ہمت افزائی کی جائے - فوجی لوگوں کو دو سال کی رخصت کا حق دیا گیا ہے کہ وہ جس حصۂ ملک کی زبان سیکھنا چاہیں وہاں جا کر رہیں اور سیکھیں - خاص کر ہندوستانی کے لیے یہ قاعدہ بنایا گیا ہے، اس لیے کہ زیادہ تر اسی زبان کو سیکھنے کا شوق ظاہر کیا جاتا ہے - چنانچہ بائیس جولائی کو کوارٹر جنرل نے شملہ سے ایک گشتی جاری کی ہے جس میں نوجوان افسروں کو

ہندوستانی زبان سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بتا گیا ہے کہ اس زبان کو جاننے کی بدولت وہ مختلف خدمات کے لئے اپنی کارگزاری بڑھا سکتے ہیں - (انڈین میل بیس ستمبر سنہ ۱۸۶۷ ع) —

لندن کے اخبار اور یہنٹل سرکلر (Oriental Circular) نے ہندوستانی کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوے اس زبان میں اپنے اشتہارات دینا شروع کیے ہیں - سید عبداللہ ہندوستانی میں اشتہارات لکھنے کا کام انجام دیتے ہیں - اس اخبار میں اور دوسری مشرقی زبانوں میں بھی اشتہار نکل رہے ہیں - اگر فرانسیسی اہل صنعت بھی اس طرف اپنی توجہ مبذول کریں تو نفع سے خالی نہ ہوگا —

میں نے اہل ہند کی جن ترقیوں کا ذکر کیا ہے اس کا یہ منشا نہیں کہ وہ مسیحی مذہب کی طرف بھی راغب ہو رہے ہیں - ہاں یہ ممکن ہے کہ جب وہ ترقی یافتہ ہو جائیں گے تو عیسائی مذہب کی طرف خود بخود مائل ہوں گے - ان میں جو ترقی رونما ہے اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں رواداری پیدا ہو جاے گی - چنانچہ ابھی حال میں شملہ کے راجہ کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا ہے جس میں انجیل کی نشر و اشاعت کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر رعایا میں سے کوئی عیسائی مذہب

قبول کر لے تو اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

ریاست تراونکور میں اگرچہ ایک ھندو فرماں روا حکومت کرتا ھے لیکن وھاں مذھبی آزادی پورے طور پر موجود ھے۔ چنانچہ ابھی حال میں جب اس ریاست کے مہاراجا کو " ستارۂ ھند " کا خطاب دیا گیا تو وزیر اعظم نے اپنے اعلان میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ مشنری جماعت ان کے ملک کو فائدہ پہنچا رھی ھے (انڈین میل - ۲۰ جون سنہ ۱۸۶۷ ع) —

برطانوی حکومت اس باب میں بہت احتیاط برت رھی ھے اور مذھبی معاملات میں مطلق دخل نہیں دیتی۔ حکومت نے دینی معاملات کو دنیاوی معاملات سے بالکل علاحدہ رکھنے کا تہیہ کر لیا ھے جیسا کہ انجیل مقدس میں مذکور ھے: " آسمانی امور کا تعلق خدا سے ھے۔ خدا نے دنیاوی معاملات انسانوں کے سپرد کر دیے ھیں " (Psalms C×III,25) —

کلکتہ کے نئے لاٹ پادری کا نام روبرٹ ملمین (Rev. Robert Milman) ھے - ھمیں توقع ھے کہ آپ بھی اھل ھند کی ذھنی اور اخلاقی ترقی کا ویسا ھی خیال رکھیں گے جس طرح ان کے پیش رو کو تھا ۔ موصوف کے متعلق ھمیں جو حالات معلوم ھوے ھیں ان سے صاف ظاھر ھوتا ھے کہ آپ نہایت ھمدرد شخص ھیں - آپ کی تعلیم آکسفورڈ میں ھوئی اس کے بعد آپ بکنگھم

کے ضلع میں مذہبی خدمت پر مامور کیے گئے۔ آپ بیرونٹ سر ڈبلو جی ملمین (Baronet Sir W. G. Milman) کے صاحب زادے ہیں اور ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا تعلق ہائی چرچ (High Church) سے ہے جو اپنے عقاید میں کیتھولک مذہب سے قریب تر ہے۔ برخلاف اس کے لو چرچ (Low Church) کے رسوم و عقاید خالص پروٹسٹنٹ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ روبرٹ ملمین صاحب ایک جادو بیان مقرر ہیں۔ آپ اپنی تقاریر بغیر کسی تیاری کے کرتے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف بھی ہیں * —

۲ فروری کو کنٹربری کے آرچ بشپ نے آپ کے منصب نشینی کی رسم ادا کی۔ اس کے ساتھ دو اور لاٹ پادری بھی اس رسم میں شریک تھے۔ اپریل میں باقاعدہ کلکتہ کے کلیسا سینٹ پال میں آپ نے اپنے منصب کی ذمہ داریاں قبول کیں۔ مئی کے مہینے سے برابر پینتیس پادری موصوف کے ساتھ مختلف دینی مسائل پر غور کر رہے ہیں۔ ان میں بعض مسائل دلچسپی سے خالی نہیں۔ مثلاً ایک مسئلہ زیر غور یہ بھی ہے کہ سارے ہندوستان کے لیے دعاؤں کا انتخاب شائع کیا جائے۔ یہ دعائیں ایسی زبان میں لکھی گئی ہیں

(1) The Love of Atonement
(2) The Voice of Havest
(3) The Conversion cf Pomerania

جو نہایت سادہ اور موثر ہے ۔ ہندوستانی لوگ ان دعاؤں کو سن کر متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ راجا رام موہن رائے نے ان کے متعلق اظہار خیال کیا ہے - راجہ رام موہن رائے کے خیالات وہی ہیں جن کا اظہار ڈاکٹر واٹز نے اپنے اشعار میں کیا ہے :

" اے خداوند ! ایک جماعت کی جماعت تیرے سامنے سر نیاز جھکائے کھڑی ہے - یہ منظر بھی کیا عجیب و غریب ہے - کبھی وہ گانے لگتے ہیں اور کبھی پھر عبادت میں غرق ہو جاتے ہیں - ان کے کان آسمانی سرگوشیوں کو سنتے ہیں اور وہ اپنی راہ عمل پا لیتے ہیں " —

رابرٹ ملمین نے ہندوستان پہنچنے کے ساتھ ہی ہندوستانی زبان سیکھنی شروع کر دی ہے - مجھے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کہ اس قدر قلیل عرصے میں موصوف دیسیوں کے سامنے انہیں کی زبان میں وعظ کہتے ہیں ۔ چنانچہ ۱۷ اکتوبر دھلی میں سینٹ اینٹین (St Etienne) کلیسا کے افتتاحی جلسے میں آپ نے اردو اور انگریزی دونوں میں تقریر کی - اس کلیسا کی عمارت نقش و نگار سے آراستہ ہے اور ان کے ذریعے مذھبی تمثیلات ظاہر کی گئی ہیں- بعض جگہ انجیل مقدس کی عبارتیں کندہ کی گئی ہیں - (دھلی

گزٹ ، انڈین میل ، ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۹۷ ع) —

بالعموم ہندوستانیوں میں جو لوگ عیسائیت قبول کرتے ہیں وہ جاہل طبقے کے لوگ نہیں ہوتے بلکہ پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں - چنانچہ ان میں سے بعض کو کلیسائی عہدے بھی حاصل ہوئے ہیں - مدراس کے لاٹ پادری نے پچھلی مرتبہ اپنے دورے میں پانچ ہزار دو سو باون دیسی لوگوں کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی تصدیق کی ہے - انہیں دیسی لوگوں میں سے ۹ کو پادری مقرر کیا اور گیارہ کو چھوٹا پادری - ابھی حال میں متھرا میں ایک ہندو نے جو اپنے ایک مدرسے کو چلا رہا تھا عیسائی مذہب قبول کر لیا - چنانچہ اس کو بمبئی کے لاٹ پادری نے پادری کے عہدے پر مامور کر دیا ہے -

آگرہ کے کلیسا میں ہر اتوار کو دو مرتبہ ہندوستانی زبان میں عبادت اور مناجات کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں - پچھلے سال اسی گرجے میں آٹھ ہندوؤں نے مسیحی مذہب قبول کیا جن میں ایک برہمن تھا - اضلاع میں بھی گرجے قایم ہو گئے ہیں جہاں عیسائی لوگ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں - اضلاع میں مسیحی مبلغین کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے - ابھی حال میں ہاتھرس میں بعض مبلغین کی بری طرح مار پیٹ کی اور ان پر پتھر پھینکے —

مسیحی مبلغین کو نسبتاً ان نیم وحشی اقوام میں کامیابی

ہو رہی ہے جو حکومت ہند کے تحت بعض گوشوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں - چنانچہ بنگالے کی سرحد اور ناگپور کے علاقے کے درمیان ایک جرمن مشنری نے چودہ ہزار نفوس کو مسیحی حلقے میں داخل کر لیا ہے - یہ لوگ عام طور پر "قلی" یا "ڈانگری" کہلاتے ہیں - یہ خبر میں نے میرٹھ کے اردو اخبار "اخبار عالم" میں پڑھی ہے (۳ جنوری) - اس اخبار کے مدیر مسلمان ہیں - اس علاقے کے راجا نے مسیحی مبلغین کی راہ میں بہت کچھ روڑے اٹکائے اور ان لوگوں کو جنھوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا تھا ہر قسم کی تکالیف پہنچائیں لیکن اس کی ایک نہ چلی —

کرسچین ورنکلر ایجوکیشن سوسائٹی Christian Vernacular Education Society کے پیش نظر یہ اصول ہے کہ دیسی لوگوں کو انھیں کی زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کرے - چنانچہ اس انجمن کے چار مدارس ، کلکتہ ، امرت سر ، احمد نگر اور دندیگل میں اپنا کام کر رہے ہیں - کچھ دنوں بعد یہی مدارس دیسی عیسائیوں کی تعلیم کے سب سے بڑے مرکز بن جائیں گے - اس انجمن کی شاخوں کی تعداد ۷۸ ہے اور ان میں چار ہزار طلبہ تعلیم پاتے ہیں - ان مدارس کے سب اساتذہ انجمن کی جانب سے مقرر کیے جاتے ہیں - انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شائع ہو چکی ہے-

ہمارے خیال میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہندوستان میں اب تک جس قدر مطبوعات شائع ہوئی ہیں ان میں سے ایک تہائی اس انجمن نے طبع اور شایع کرائی ہیں۔ انجمن کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ بیس کروڑ نفوس جو ہندوستان میں بستے ہیں ان کی تعلیم و تلقین کا انتظام کرے۔ چنانچہ یہ انجمن اساتذہ کی ایک بڑی جماعت کو تیار کر رہی ہے۔ اس وقت بھی غیر مسیحی مدارس میں اس انجمن کے تربیت یافتہ استاد پڑھانے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ صرف بنگال میں ۵۰ ہزار مدرسے ہیں۔ اگر اس انجمن کے نمائندے ہر مدرسے میں پہنچ گئے تو یہ اس کی عظیم الشان کامیابی ہوگی۔

مسٹر سی ڈبلو ڈبلو الکزنڈر (C. W. W. Alexander) نے جو حلقۂ لاہور کے مہتمم تعلیمات ہیں، عمادالدین کی اس کتاب کے متعلق مجھے پوری معلومات بہم پہنچائی تھیں جو موخرالذکر نے مسیحی مذہب کی حمایت میں لکھی ہے۔ عمادالدین نے کُھلم کُھلا عیسائی مذہب قبول کرلیا ہے۔ عمادالدین کے بھائی کریم الدین کا رجحان بھی مسیحی مذہب کی طرف ہے لیکن ان میں اتنی جرأت نہیں کہ اپنے عقائد کا بلا کسی جھجک کے اعلان کریں۔ عمادالدین نے اپنی تصنیف میں، جس کی نسبت میں پچھلے سال بھی ذکر کرچکا ہوں، اسلام پر اردو زبان میں اعتراضات پیش کیے ہیں۔ اس کتاب کا

نام " تحقیق الایمان " رکھا ہے - مجرد اس خیال سے کہ عماد الدین اس قسم کی کتاب تصنیف کر رہے ہیں شہر لاہور میں ھل چل مچ گئی ہے - چنانچہ اردو کے سب مطابع اس کتاب کو چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں - کاغذ فروخت کرنے والے تاجر اس کتاب کے لیے کاغذ دینے پر آمادہ نہیں - مسٹر الکزنڈر کے اثر کی وجہ سے ایک ہندو جو مالک مطبع ہے اس کتاب کی طباعت کے لیے تیار ہوگیا ہے لیکن اس کو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ مسلمان خوش نویس اسے لکھنے سے انکار کر رہے ہیں - ہندوؤں میں خوش نویس ہیں نہیں جن سے لیتھو کی چھپائی کے لیے لکھایا جائے - بالآخر یہ کتاب " مطبع آفتاب پنجاب " میں چھپ گئی ہے - اس مطبع کا مالک ایک ہندو شخص ہے - عملی دشواریوں کے باعث اس کی طباعت ٹائپ میں ہوئی ہے - عماد الدین چونکہ با اثر شخص ہے اس لیے اس کے عیسائی ہونے سے مسلمانوں میں ایک طرح کی بےچینی نمودار ہو گئی ہے - اس کی مثال اور اس سے زیادہ اس کی کتاب دوسرے مسلمانوں پر اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی چنانچہ مسلمانوں میں بعض نے عماد الدین کی دیکھا دیکھی مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے - اب اس وقت اپنی کتاب کی طباعت کے بعد عماد الدین اسی قسم کی دوسری کتابوں کی تصنیف میں مشغول

ہیں جن میں مذہب اسلام پر اعتراضات کیے جائیں گے اور عیسائیت کی صداقت ثابت کی جائے گی - تحقیق الایمان ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے - اس کا ایک نسخہ مجھے مسٹر الکزنڈر نے از راہ کرم بھیج دیا ہے - اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے جن مسائل پر بحث کی ہے ان پر کافی غور بھی کیا ہے - اس کتاب کی تمہید میں یہ بیان کیا گیا کہ بیس سال سے جس حقیقت کی تلاش تھی وہ بالآخر مسیحی مذہب میں ملی - اس کے بعد مصنف نے انجیل مقدس اور قرآن کا مقابلہ کیا ہے اور اول الذکر کی صداقت پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مسلمان بھی اصولاً اس کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اس کتاب مقدس میں تحریفات کی ہیں - اس کے بعد کے ابواب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت مسیح کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں - مصنف کا خیال ہے کہ ان دونوں پیغمبروں کی زندگی اور ان کی سیرت میں بہت بڑا فرق ہے - کتاب کے آخری باب میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابن اللہ اور اللہ میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رہتی - دونوں اصل میں ایک ہیں —

حکومت کی جانب سے ہندوستانیوں کے لیے جو مغربی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اس کا اثر بھی مسیحی مذہب کی نشر و

اشاعت میں بہت مدد دے رہا ہے —

ملکۂ معظمہ کی حکومت قابل مبارک باد ہے کہ اس نے سر سٹفرڈ نارتھ کوٹ (Sir Stafford Northcote) کو وزیر ہند کی خدمت پر مامور کیا ہے - آپ اپنی صلاحیت کار اور نیک دلی کے باعث مشہور ہیں - اس کے ساتھ سر ولیم میور (مسٹر جان میور کے بھائی) جنھیں " ستارۂ ہند " اور Commander of the Royal Order کا خطاب ملا ہے ' قابل مبارک باد ہیں کہ انھیں علوم مشرقی کی خدمت کے صلے میں یہ اعزاز حاصل ہوے-

گزشتہ سالوں کی طرح میجر فلر نے پنجاب کی تعلیمی ترقی کے متعلق مجھے اپنی رپورٹ بھیجی ہے - یہ رپورٹ ایک سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے - اس کے پڑھنے سے اس صوبے کی تعلیمی رفتار کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ضمنی طور پر مشنری اداروں کی روداد بھی مل جاتی ہے کہ وہ کیونکر تعلیم کے ذریعے اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کرنے میں مشغول ہیں - اس کے ساتھ مقامی حالات کی رپورٹیں بھی منسلک ہیں - ان میں سے ایک رپورٹ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ میں اس وقت ایک مدرسہ لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا رومن مشنری چلا رہے ہیں- ان دونوں مدرسوں کی عام حالت قابل اطمینان ہے —

میجر فلر کی رپورٹ کو یہاں میں پوری تفصیل کے ساتھ

نہیں پیش کر سکتا - صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت پنجاب کے تمام ابتدائی اور ثانوی مدارس میں ہندوستانی اور بالخصوص اردو سکھائی جاتی ہے - اس کے ساتھ فارسی اور انگریزی کی تعلیم بھی لازمی ہے - فارسی اب تک ہندوستان کی علمی زبان تھی اس لیے اس کو اہمیت حاصل ہے - مذہبی حیثیت سے ہندوؤں کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی سیکھنا ضروری ہے اس لیے ان دونوں زبانوں کے سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے - پشتو جو سرحدی افغانوں کی زبان ہے مخصوص مدارس میں سکھائی جاتی ہے - اس زبان کی ابتدائی کتابیں بھی سررشتۂ تعلیم کی جانب سے تیار کی گئی ہیں —

کلکتہ ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیاں پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی امیدواروں کی ایک بڑی تعداد کو سندیں دے رہی ہیں - ہندوستان کی یونیورسٹیاں بھی انگلستان اور فرانس کی یونیورسٹیوں کی طرح امتحان کے ذریعے امیدواروں کی قابلیت کی جانچ کرتی ہیں - ہندوستان میں اس کے جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں ان پر سخت تنقید کی گئی ہے * - بہر حال یہ اب مسلم ہے کہ مغربی علوم کے لیے جو

* میجر ڈبلو نسولیز (Nassau Lees) نے اپنی کتاب Short Essays and Reviews on the educational policy of the Govt of India میں اس موضوع پر نہایت دلچسپ تبصرے کیے ہیں —

مدارس اور یونیورسٹیاں ہندوستان میں قایم کی جائیں ان میں ہندی علوم کی طرف سے بے رخی نہیں برتنی چاہیے اور تعلیم کا ہرگز یہ منشا نہ ہونا چاہیے کہ اہل ہند اپنے ماضی کو بھول جائیں اور اپنی قومیت کی بنیادوں کو منہدم کر ڈالیں۔ اس قسم کی کوشش اگر مغربی علوم کے ذریعے کی گئی تو وہ ناکام رہے گی۔ دراصل کوشش اس امر کی ہونی چاہیے کہ جدید علوم و فنون کی بدولت ہندی معاشرت کے مختلف عناصر میں امتزاج پیدا کیا جائے تاکہ انگلستان کے زیر سایہ پوری قوم جسم واحد کی طرح زندگی بسر کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضرور نہیں کہ ہندوستانی اپنے تئیں مغربی رنگ میں رنگ لیں۔

لکھنو میں کیننگ کالج روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت اس کالج میں تین جماعتیں ہیں —

(۱) ہندوستانی (اردو) کی جماعت

(۲) انگریزی کی جماعت

(۳) اعلیٰ جماعت

ہندوستان کی جماعت میں انگریزی نہیں پڑھائی جاتی بلکہ ہندوستان کی علمی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس جماعت میں ایک سو پینتالیس طلبہ ہیں۔ ان میں سات فارسی سیکھتے ہیں، تیس سنسکرت اور ستر عربی کی تحصیل کرتے ہیں۔ انگریزی کی جماعت میں انگریزی کے

ذریعے درس دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہندی ' عربی اور سنسکرت
پڑھانے کا بھی اس جماعت کے طلبہ کے لیے انتظام کیا جاتا ہے۔
اعلیٰ جماعت میں کلکتہ یونیورسٹی کے لیے طلبہ تیار کیے جاتے
ہیں۔ اگرچہ اس کالج کے قیام کو تین سال سے زیادہ نہیں
گزرے لیکن صوبۂ شمال مغربی یا پنجاب کے بہترین اور سب
سے زیادہ ترقی یافتہ کالجوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا
ہے۔ صرف بنارس کالج جو تقریباً نصف صدی سے قایم ہے '
کیننگ کالج سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ کیننگ کالج کی ایک
خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انحصار زیادہ تر امرا کی مدد پر ہے۔
پچھلے سال طبقۂ امرا نے ستر ہزار روپیہ اس کالج کے لیے جمع کیا۔

آپ صاحبوں کو سن کر تعجب ہوگا کہ امریکی طریقے کے
مطابق سورت ' کیرا اور احمد آباد میں لڑکوں اور لڑکیوں
کو ساتھ تعلیم دینے کے لیے مدارس قایم کیے گئے ہیں۔ ان
مدرسوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑکیاں لڑکوں کے
ساتھ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ شاید مسلمانوں کا نام سن کر
آپ بہت متعجب ہوں گے اس واسطے کہ وہ اپنی عورتوں کو
کبھی پردے سے باہر نہیں لانا چاہتے —

برار کے ناظم تعلیمات ڈاکٹر سنکلیر (Sinclair) نے ابھی
حال ہی میں اپنے صوبے میں دو ثانوی مدارس قایم کیے
ہیں۔ اب اس صوبے میں ان مدارس کی تعداد ۵۷ ہو گئی

ہے (اخبار عالم - تیس جنوری سنہ ۱۸۶۷ع) —

صوبۂ متوسط میں ایک مدرسہ راے پور میں غریب مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کے لیے قایم کیا گیا ہے - اب ایک لیتھو پریس قایم کرنے کے متعلق گفت و شنید ہو رہی ہے - تاکہ ہندوستانی اخبار جاری کیا جاے - (ہوم ورڈ میل - بیس ستمبر سنہ ۱۸۹۷ع)

راجپوتانے میں جو ابتدائی مدارس قایم کیے گئے ہیں ان میں صرف ہندی اور ریاضی کی تعلیم دی جاتی ہے - ہر گاؤں میں ایک پاٹھ شالہ ہوتا ہے جو برہمن کے ماتحت ہوتا ہے - کبھی کبھی حکومت بھی اسے امداد دیتی ہے - اعلیٰ تعلیم کا انتظام صرف بڑے بڑے شہروں میں ہے جہاں حکومت براہ راست انتظام کرتی ہے - ان پاٹھ شالوں میں برہمن لوگ سنسکرت پڑھاتے ہیں، کایستھ فارسی اور اردو کی تعلیم دیتے ہیں - کایستھ لوگ فارسی اردو پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں جیسے مسلمان - نوجوان راجپوت جب گھر سے باہر قدم رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کو تلسی داس کی رامائن اور مہابھارت کا ہندی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے - ان نظموں سے اس کو اپنی قوم کے بہادری کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں —

مجھے اب تک نظام کی ریاست کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں - بیرن چارل دیپن (Baron Charles Dupin) نے جو کیتھولک مذہب کے مبلغ ہیں، حیدرآباد میں سنہ ۱۸۶۶ع

میں ایک فرانسیسی وضع کا مدرسہ قایم کیا ہے - اس مدرسے میں ہندوستانی (اردو)، فارسی، اور علوم کے مبادیات سکھائے جاتے ہیں * ـــ

حکومت کے مدارس کے علاوہ ہندوستان کے طول و عرض میں خانگی مدرسے برابر قایم ہورہے ہیں - لیکن چونکہ ان مدارس کو حکومت کے مدارس کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہو رہی ہے - صوبۂ شمال مغربی میں خانگی مدارس بڑی تعداد میں موجود ہیں جہاں ہندوستانی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے- اس علاقے میں دستور ہے کہ جب لڑکا پانچ سال کا ہوتا ہے تو پہلے اس کے والدین نہلا دھلا کر اسے صاف کپڑے پہناتے ہیں اور پھر مدرس کے پاس لے جاتے ہیں - اس موقع پر اعزا اور دوست احباب مدعو کیے جاتے ہیں اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے- اگر بچے کے والدین مسلمان ہیں تو استاد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے اور اگر والدین ہندو ہیں تو اسی قسم کی ایک مذہبی دعا پڑھی جاتی ہے - استاد بچے کو سب سے پہلے حروف تہجی سے آشنا کرتا ہے پھر بعد میں سادہ الفاظ پڑھاتا

---

* مجھے پوری توقع ہے کہ سر رچرڈ ٹیمپل جن کا کچھ عرصہ ہوا حیدرآباد میں رزیڈنٹ کی خدمت پر تقرر ہوا ہے مجھے اس ریاست کے متعلق پوری معلومات مہیا کر دیں گے تاکہ اس امر کا پتا چلے کہ اس ریاست کی تعلیمی ترقی کی کیا حالت ہے اور دکن میں ہندوستانی زبان کی کیا خدمت ہو رہی ہے ـــ

ہے ، جیسا کہ فرانس میں کیا جاتا ہے - سات سال کی عمر میں بچے کو لکھنا سکھایا جاتا ہے - استاد لکڑی کی تختی پر کھریا سے حروف اور الفاظ لکھتا ہے اور بچہ ان کی نیچے نقل کرتا ہے - چند ماہ کے بعد بچے کو خالق باری حفظ کرائی جاتی ہے - خالق باری سے فارسی الفاظ کے اردو معنے بچے کو یاد ہوجاتے ہیں - اس کے چند ماہ بعد کریما ، اور پند نامے کی باری آتی ہے - پھر آٹھ سال کی عمر سے استاد بچے کو صبح میں گلستاں اور شام میں بوستاں پڑھانا شروع کرتا ہے - سعدی کی یہ دونوں کتابیں ایران ، ترکی اور ہندوستان میں بطور کلاسک پڑھی جاتی ہیں - اگر ضرورت ہوتی ہے تو استاد کبھی کبھی گوشمالی بھی کرتا ہے - اس کی اجازت خود والدین دیتے ہیں - چنانچہ مشہور ہے کہ عام طور پر والدین جب اپنے بچے کو کسی استاد کے حوالے کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بچے کا " چمڑا تمہارا ، ہڈی ہماری " - بارہ سال کی عمر میں نظامی کا سکندر نامہ پڑھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ انشا کی مشق کرائی جاتی ہے - اس عمر میں عربی بھی شروع کردی جاتی ہے - لیکن اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ فارسی اردو کی تحریروں میں جو عربی الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کے معنی سے واقفیت حاصل ہو —

جمعہ کا روز مسلمانوں میں متبرک مانا جاتا ہے - اسلامی

مدارس میں اسی روز چھٹی دی جاتی ہے - بعض مدارس میں جمعرات کے دن نصف روز کی چھٹی رہتی ہے - تہوار کے موقع پر استاد بچوں کو کچھ اشعار لکھ کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے والدین کو جاکر دیں- والدین استاد کو تحفے بھیجتے ہیں جو خوشی سے قبول کیے جاتے ہیں- استاد ویسے بچوں سے بارہ آنے ماہوار سے زیادہ فیس نہیں لیتا - بچہ جب اپنی تعلیم ختم کرکے مدرسے سے نکلتا ہے تو اس کو فارسی ادب سے کافی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے - اسے چند اشعار اور کہاوتیں یاد ہوتی ہیں اور تھوڑی بہت ریاضی بھی آجاتی ہے - لیکن جغرافیہ اور تاریخ میں وہ بالکل کورا ہوتا ہے - فلسفہ یا سائنس کے متعلق وہ ایک حرف نہیں جانتا - ہندو پاٹ شالوں کی بھی بالکل یہی حالت ہے - ان میں فارسی کی جگہ سنسکرت کی تعلیم ہوتی ہے —

میں نے ابھی جو حالات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں ان سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ حکومت ہندوستانی زبان کی کتابوں کی اشاعت میں سعی بلیغ کر رہی ہے اور ہر علم کے متعلق کتابیں لکھوا رہی ہے - مسلمان علاقوں میں اردو میں اور ہندوؤں کے علاقوں میں ہندی میں یہ کتابیں شائع کی جاتی ہیں —

اس سال تعلیم نسواں کی طرف بھی ہندوستان میں کافی

توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ "مدراس ٹائمز" میں اس کے متعلق ایک ہندوستانی کا خط چھپا ہے جو نہایت معقول ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے: ہندوستانیوں کا ہوشمند طبقہ اس بات کا خواہش مند ہے کہ ان کی مستورات تعلیم حاصل کریں لیکن وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی تعلیم ان کی مادری زبان میں ہو۔ یہ بات انہیں عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کا خیال پیش کیا جائے۔ جن معاملات کے متعلق ہندوستانی عورتوں کو واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے انہیں وہ اپنی زبان ہی میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ بعض یورپین لوگوں کا یہ خیال قابل قبول نہیں ہے کہ اچھی تعلیم انگریزی ہی میں ہو سکتی ہے۔ یہ محض ان لوگوں کا خیال خام ہے۔ اگر عورتوں کو انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کی کوشش کی جائے گی تو خود تعلیم کا مسئلہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ اگر عورتوں کو مغربی تعلیم دی گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستانی لوگوں کی خاندانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان کا ایک علحدہ ہی طبقہ قائم ہو جائے گا۔

پچھلے سال پنجاب میں تین سو تینتیس لڑکیوں کے مدارس تھے یہ سب مدارس حکومت کی امداد سے چل رہے ہیں اور اس وقت ان میں چھ ہزار آٹھ سو چونتیس لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ لڑکوں کے مدارس کی تعداد چھ سو چھیانوے

ہے - ان میں سے بعض مشنری لوگوں کے ہیں اور بعض ذاتی طور پر قائم کیے گئے ہیں اور مقامی کمیٹیاں انہیں چلاتی ہیں- ان سب مدارس میں بارہ ہزار سات سو ستائیس طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں- ان مدارس میں سے ایک دہلی میں ہے جس کو خاندان مغلیہ کے افراد نے قائم کیا ہے - اس خاندان کے افراد کی تعداد اچھی خاصی اب تک موجود ہے - اس مدرسے میں گلستاں کا اردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور ہندوستان کی تاریخ بھی پڑھائی جاتی ہے * —

اودھ کے چیف کمشنر نے صوبۂ شمال و مغربی کے ناظم تعلیمات کے خیال کے مطابق حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ لکھنو میں شریف خاندان کی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جائے - اس مدرسے کے اخراجات نصف مقامی روسا کے چندے سے پورے کیے جائیں گے اور نصف حکومت ہند دے گی

ایک تجویز یہ ہے کہ دہلی میں عورتوں کی تعلیم کے لیے میڈیکل کالج قائم کیا جائے- چونکہ مرد ڈاکٹر زنانے میں نہیں جا سکتے اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ خود عورتوں کو طب

---

* میں کسی پچھلی صحبت میں ذکر کرچکا ہوں کہ عورتوں کی تعلیم کے لیے خاص کتابیں تیار کی جارہی ہیں - مجھے جو نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں تین کتابوں کا اور ذکر ہے —

(۱) استری سکشن - (۲) گیان دیپک - (۳) استری اپدیس-

دی جائے تاکہ وہ زنانے میں علاج کر سکیں - یہ عورتیں
ورتوں کے ماتحت ہر قسم کا کام اس کالج میں سیکھیں گی -
دوستانی اخبار سے ہم کو یہ خبر ملی ہے اس کے مدیر
تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے خواہش ظاہر
ہ کیا اچھا ہو اگر اس کالج میں یونانی طب کی تعلیم
م کیا جائے - یونانی طب کو مسلمان اپنا مخصوص طریقہ
سمجھتے ہیں - عام طور پر ہندوستان میں یہ خیال
جود ہے کہ یونانی طب اہل ہند کی طبائع کے لیے
یوروپی طب کے زیادہ موزوں ہے - (اخبار عالم ' بوس
، سنہ ۱۸۶۸ ع) —

وستانی اخبارات عوام کی تعلیم میں بہت مدد دے
ں اور جہالت کی تاریکی کو رفع کر رہے ہیں - جس
ں کی اشاعت بڑھ رہی ہے اسی قدر لوگوں کی معلومات
یں اضافہ ہو رہا ہے جو بغیر ان کے کسی اور طرح سے یہ
ت نہیں حاصل کر سکتے تھے - یوروپین لوگوں کے لیے بھی
تی نقطۂ نظر سے یہ اخبارات بہت مفید ہیں - جو
، ہندوستانی زبانوں کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں
ان اخباروں کے پڑھنے سے بہت معلومات حاصل ہوتی
چنانچہ اسی خیال کا اظہار " انڈین میل "* نے بھی

مئی سنہ ۱۸۶۷ ع -

کیا ھے - جدید انشا پردازوں کے مضامین "اودھ اخبار" اور "اخبار عالم" میں شایع ہوتے ھیں - ھندوستانی معاشرت کے طبقۂ اعلیٰ اور طبقۂ متوسط کے خیالات اُن اخباروں میں پیش کیے جاتے ھیں - "انڈین میل" کے مضمون نگار نے یہ خواھش ظاھر کی ھے کہ سول سروس کے اُمیدواروں کا امتحان اس جدید زبان میں ھونا چاھیے جو آج کل مروج ھے بجاے اس کے کہ "اخوان الصفا" اور سنگھاسن بتیسی کی زبان میں ان کی جانچ کی جاے - میں اب تک یہ پتا نہیں چلا سکا کہ "باغ و بہار" اور "پریم ساگر" کو نصاب سے کیوں خارج کر دیا گیا - میں ان دونوں کتابوں کو اوروں پر ترجیح دیتا ھوں - چنانچہ ان دونوں کو میں نے درسوں میں خاص اھمیت دی ھے —

اس سال ھندوستانی کے دس نئے اخبار جاری ھوے ھیں - ممکن ھے ان کے علاوہ بھی کوئی ھوں جن کی نسبت مجھے معلومات نہیں حاصل ھو سکیں - ان اخباروں کے مضامین کی ترتیب بالکل ان اخباروں کی طرح ھے جن کا ذکر میں کر چکا ھوں - اُن میں خبروں کے علاوہ مضامین بھی ھوتے ھیں - اُردو اخباروں کی فہرست یہ ھے :—

(۱) آئینۂ علم - یہ اخبار اسی سال یکم اکتوبر سے آگرہ سے جاری ھوا ھے —

(۲) اُردو اخبار - یہ بھی آگرہ سے شائع ھوتا ھے - اس کے

مدیر بال گوبند ہیں جو متھرا کے باشندے ہیں —

(۳) اخبار مفید الانام - یہ اکتیس دسمبر سنہ ۱۸۶۱ع سے جاری ہوا ہے - یہ رسالہ مہینے میں دو مرتبہ فتح گڑھ سے نکلتا ہے —

(۴) لطیف الاخبار - اس اخبار کے متعلق میں نے میرٹھ کے "اخبار عالم" میں ذکر پڑھا ہے —

(۵) طلسم حکمت - یہ ماہوار رسالہ میرٹھ سے نکلتا ہے —

(۶) سہیل پنجاب - اس کا ذکر میں نے اٹھائیس مئی سنہ ۱۸۷ ع کے ٹائمز میں پڑھا ہے —

(۷) بیوپاری سری امرتسر - اس اخبار کا نام ہندی میں ہے لیکن دراصل یہ اُردو کا اخبار - اس میں ہر قسم کے تجارتی اشتہارات ہوتے ہیں —

ہندی کے جدید اخبارات یہ ہیں

(۸) برتنت بلاس - یہ اخبار جموں سے شائع ہوتا ہے - یہ مقام صوبۂ لاہور سے شمال میں کوہستانی علاقے میں واقع ہے -

(۹) گیان دیپک - یہ اخبار ستمبر ۱۸۶۶ع سے سکندرہ سے نکلنا شروع ہوا ہے - سکندرہ آگرہ کے مضافات میں ہے اور یہاں بادشاہ اکبر کا مقبرہ ہے جو مغلوں کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے —

(۱۰) کوی بچن سدھا - یہ ماہانہ رسالہ ہے - اس میں شہر

مطبوعہ ہندی نظمیں شائع ہوا کرتی ہیں - اس رسالے کے ابھی صرف دو نمبر شائع ہوئے ہیں - پچھلا نمبر اگست میں نکلا تھا - میرے پیش نظر دونوں اشاعتیں ہیں - ان میں ایک نظم ' اشت جام " کے عنوان سے شائع ہوئی ہے - یہ نظم سری دیودت کی لکھی ہوئی ہے - اس کے علاوہ اور دو نظمیں ہیں —

سنہ ۱۸۶۷ ع کی ابتدا سے کلکتہ سے ایک با تصویر رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام "انڈین سوسائیٹی" ہے - اس میں نظم و نثر کے مضامین اُن انگریزوں کے شائع ہوں گے جو ہندوستان میں رہتے ہیں - ('انڈین میل' بارہ فروری سنہ ۱۸۶۷ ع) —

میں پابندی سے میرٹھ کا "اخبار عالم' پڑھتا ہوں - اس اخبار کے لایق مدیر مرزا محمد وجاہت علی صاحب از راہ عنایت مجھے اپنا اخبار بھیج کر ممنون احسان کرتے ہیں - اس اخبار میں بھی کبھی کبھی اردو نظمیں شائع ہوتی ہیں - ابھی حال میں اس میں 'مہر' کا ایک مخمس نکلا تھا - موصوف آج کل کے اعلیٰ پایے کے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں ' اس مخمس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر بند کا آخری مصرع غالب کے ایک فارسی قصیدے سے مستعار لیا گیا ہے اور باقی چاروں مصرع اردو میں ہیں - اس اخبار

کے بعض مضامین بھی دلچسپی سے خالی نہیں ۔ ایک مضمون 'تھرمامیٹر' پر ہے - اس کے ساتھ اعداد بھی دیے ہیں تاکہ وضاحت ہو جاے - ایک مضمون "حرارت پیما" پر ہے - ایک 'ھوا' پر ہے - اس کے ساتھ ایک "ھوائی مشین" (*) کی تصویر بھی دی ہے- ایک دلچسپ مضمون آگرہ کی نمایش پر ہے جو گزشتہ فروری میں منعقد ہوئی تھی - اس نمایش کو آپ ہندوستان کے لیے بس ویسا ھی سمجھیے جیسے کہ ھماری پیرس کی نمایش یورپ کے لیے ہے —

اردو کے سب اخباروں میں "اودہ اخبار" بہترین خیال کیا جاتا ہے - اس کی ہر اشاعت چوبیس صفحوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں - کانپور سے اس کا ضمیمہ شایع ہوتا ہے جس کا نام "کانپور گزٹ" ہے - لیکن جب سے لکھنؤ اور کانپور کے درمیان ریل بن گئی ہے اس وقت سے "کانپور گزٹ" کی اشاعت موقوف کر دی گئی - اس لیے کہ اب خود "اودہ اخبار" بآسانی اور جلد کانپور پہنچ جاتا ہے —

اس سال مجھے اس رسالے کا صرف ۲۹ جنوری کا نمبر پڑھنے کو ملا - اس کے مضامین بہت دلچسپ تھے - مجھے

* Pneumatic machine.

افسوس ہے کہ میں اس کے سب پرچے نہیں منگا سکا - اس نمبر میں ایک دکھنی زبان کی نظم ہے جو مدراس کے کسی شخص نے لکھی ہے - اس کے علاوہ اور مضامین اعلیٰ پایے کے ہیں جن کا مقابلہ ہمارے اخباروں کے مضامین سے کیا جاسکتا ہے - ایک مضمون سید اولاد علی نے ملکہ وکٹوریہ کی توصیف میں لکھا ہے - یہ مضمون مشرقی خطابت اور بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے - اس پورے مضمون کو ''اخبار عالم'' نے بھی نقل کیا ہے - اس میں جو تشبیہات اور استعارے استعمال کیے گئے ہیں ان کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ نا ممکن ہے اور اگر بفرض محال ترجمہ کر بھی لیا جاے تو وہ ہمارے مذاق پر گراں گزرے گا-

اس سال ہندوستانی زبان کی جو کتابیں طبع ہوئی ہیں ان کی مکمل فہرست پیش کرنا آپ صاحبوں کے لیے دلچسپی کا باعث نہ ہوگا اور خود میرے لیے موجب زحمت ہوگا - ان میں سے بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن کے صرف نام مجھے معلوم ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ ان میں کس خاص موضوع سے بحث کی گئی ہے - بہر حال میں چند کتابوں کے نام یہاں آپ صاحبوں کے سامنے پیش کیے دیتا ہوں جو میرے نزدیک اہم ہیں —

مسلمانوں میں اس گئی گزری حالت میں بھی ایسے لوگ

بکثرت ملیں گے جنھیں ادب سے خاص لگاؤ ہے * - لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے ان میں بہت کم ایسے ملیں گے جن کے خیالات میں اجتہاد اور اپج موجود ہو - بالعموم قدیم شعرا کے دیوانوں کے نئے نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں - زیادہ تر اس زمانے کے شاعر قدیم شعرا کے کلام کی نقل کرتے ہیں یا ان کے خیالات کو دوسرے لفظوں میں الٹ پھیر کے بیان کر دیتے ہیں —

ہندی کی بیشتر مطبوعات بنارس (شیو پوری) سے شائع ہوتی ہیں - شیو کے پرستار سنسکرت زبان استعمال کرتے ہیں اور زیادہ تر ویشنوی لوگ ہندی زبان میں تحریر و تقریر کو پسند کرتے ہیں - اسی شہر میں حال میں "ہنومان بایک" شایع ہوئی ہے جو رامائن کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہے - اس کے علاوہ "کتھہ لیلا" "ونائے پترکا" اور تلسی داس کی "سنگار سنگرھا" بھی شایع ہوئی ہیں —

یہ دیکھہ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کی طرف ہندوستانیوں نے اب تک مطلق توجہ نہیں کی یہی وجہ ہے کہ یورپین زبانوں سے وہ خود اپنی تاریخ کے متعلق ترجمے شایع کیا کرتے ہیں - میں ان ترجموں کا ذکر کسی پچھلی صحبت

* بقول شخصے ایک زمانے میں شعرا کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ لوگوں کو اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں ان کے لیے علاحدہ پانچویں ذات نہ قایم کرنی پڑے -

میں کر چکا ہوں - اس سال الفنسٹن کی " تاریخ ہند " کا اُردو ترجمہ علی گڑہ سے شایع ہوا ھے - الفنسٹن کی تاریخ ھندوستان میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ھے اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ھیں —

اب میں ھندوستانی شاعری کے متعلق کچھہ عرض کروں گا - سب سے پہلے میں مسٹر جے رابسن (J. Robson) کے "مجموعۂ خیال " کا تذکرہ کرتا ھوں - خیال در اصل ھندوستانی میں ایک خاص قسم کی نظم ھے جو ناٹک سے ملتی جلتی ھے - راجپوتانے میں یہ بہت مقبول ھے - یہ نظمیں عشقیہ بھی ھوتی ھیں اور اخلاقی اور مذھبی بھی - اس مجموعے کی زبان مارواڑی ھندی ھے - اس میں پانچ علحدہ علحدہ نظمیں ھیں - لسانیاتی اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے یہ پانچوں نظمیں بہت دلچسپ ھیں - نظموں کے ساتھہ ترجمہ نہیں ھے بلکہ تمہید میں ان کے عام مطالب بیان کر دیے گئے ھیں - جہاں کہیں مارواڑی ھندی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گیے ھیں ان کے معنی آخر میں درج ھیں - ان نظموں میں دو سیاسی رنگ لیے ھوے ھیں اور انگریزی حکومت کی ان میں مخالفت کی گئی ھے - ایک نظم میں ھیر اور رانجھا کا قصہ بیان کیا گیا ھے - یہ قصہ راجپوتانے میں عام طور پر گیتوں کا موضوع ھوتا ھے -

حال میں مجھے ھندوستانی (اردو) گیتوں کا مجموعہ

ملا ہے جو کلکتہ میں طبع ہوا ہے - اس کے ساتھہ انگریزی ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ڈبلو ہولنگز (W. Hollings) نے کیا ہے جو هندوستانی زبان کے ماهر سمجھے جاتے هیں —

غزل کے دیوان اردو دان طبقے میں بہت مقبول هیں - غزلیات میں بالعموم تصوف کے موضوع پر اشارے ملتے هیں اور ان کا مطلب حافظ کی پیروی کی وجہ سے آسانی سے سمجھہ میں نہیں آتا - 'سودا' کو اس پر ناز تھا کہ وہ حافظ کے اشعار سمجھہ سکتا ہے - چنانچہ اس نے اپنی ایک غزل میں کہا ہے —

کہلے هیں مجھہ پہ جو راز نہفتۂ حافظ
کہ سن کے لوٹیں هوں شعر شگفتۂ حافظ *

مجھے ' تسلیم ' کا بھی دیوان ملا - یہ موجودہ شعرا میں چوٹی کے لوگوں میں شمار کیے جاتے هیں - انہوں نے مثنویاں لکھی هیں اور پہلیوں کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا ہے —

مسٹر بیمز (Beames) نے مجھے " نوشدارو " کا ایک نسخہ از راہ کرم ارسال فرمایا ہے - اس کی طباعت میرٹھہ میں هوئی ہے - اخبار عالم (مورخہ ۳ - اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ ع) نے اس کی بہت تعریف لکھی ہے - اس کتاب میں نثر اور نظم ملی جلی ہے - اس میں کہاوتیں ' مقولے اور نصائح بھی درج

---

* یہ شعر ایڈورڈ ابھ پا مر نے اپنے مضمون میں جس کا عنوان "حافظ" ہے نقل کیا ہے (The Eagle, No. 27 , Vol, V. , Dec. 1866)

ہیں - مصنف کا تخلص 'نامی' ہے - اس کے علاوہ "عجائب غرائب" کا نسخہ میری نظر سے گزرا - اس کی وجاہت علی نے بہت تعریف لکھی ہے * - اس کتاب کے متعلق لاہور کی انجمن میں خوب بحث رہی - ایک جماعت کا خیال تھا کہ یہ کتاب اس لائق نہیں ہے کہ اس کو مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے —

اردو کی کتابوں کو ہندی (دیوناگری) رسم خط میں شائع کیا جا رہا ہے - حال میں حاتم طائی کا قصہ ہندی میں شائع ہوا ہے - اسی طرح ہندی کی کتابوں کو اردو میں شائع کیا جا رہا ہے - چنانچہ گزشتہ سال 'پریم ساگر' اور مہابھارت کے قصے کو اردو میں آگرہ سے شائع کیا گیا ہے —

اخبار عالم میں جدید مطبوعات پر تبصرے شائع ہوتے رہتے ہیں - ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جو قابل ذکر ہیں - قرآن کا بین السطور فارسی اور اردو ترجمہ میرٹھ سے شائع ہوا ہے - ہر صفحے پر دس عربی کی سطریں ہیں - اس کا حجم ۶۹۳ صفحات ہے † - تفسیر مقبول کے نام سے ایک اور دوسرا قرآن کا ترجمہ کلکتہ سے شائع ہوا ہے - امیر حمزہ کا ایک نیا ایڈیشن نکلا ہے جو ۳۷۶ صفحات پر مشتمل ہے - اور دوسری

---

* نیر راجستان - ۲۳ نومبر سنہ ۱۸۶۵ ع -

† اخبار عالم - ۷ مارچ ۱۷۶۷ ع -

کتابوں کی تفصیل یہ ہے : —

(۱) دیوان شاہ تراب - یہ ۳۴۹ صفحات پر مشتمل ہے —

(۲) گلستانِ سخن - یہ ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں اردو شاعری کا بہترین انتخاب درج ہے -

(۳) زاد السبیل -

(۴) زبدۃ الحفظہ - اس میں صفائی کے متعلق ہدایتیں ہیں-

'اخبار عالم' میں اعلان کیا گیا ہے کہ یکم جنوری کو صوبجات شمال مغربی کے لیے جو قوانین بنائے جا رہے ہیں' ان کی تفصیل سرکاری طور پر رسالوں کی صورت میں شائع کی جائے گی - اس قوانین کے مجموعہ کا نام '' گنجینۂ احکام'' رکھا گیا ہے- اس میں تمام سرکاری احکام و قوانین کی نوعیت بتلائی جائےگی تاکہ ان کے متعلق عام پبلک کو واقفیت حاصل ہو-

ہندوستانی مطبوعات کی جو فہرستیں شائع ہو رہی ہیں ان میں جیمس لانگ (James Long) کی " تفصیلی فہرست کتب"* سب سے زیادہ جامع ہے - موصوف کا تعلق مشن سے ہے اور آپ کو اہل ہند کے ساتھہ خاص شغف ہے - اس فہرست میں ۶۵۰ کتابوں کی کیفیت درج ہے جن میں سے زیادہ تر پیرس ' کی '' عالم گیر نمایش '' میں موجود ہیں - ان میں ہندی اور اردو کے علاوہ بنگالی کی کتابوں کا بھی ذکر ہے -

* Descriptive Catalogue

بنگال کو ہندوستان کے مسلمان " جنت البلاد " کہتے ہیں -
اس فہرست کی بیشتر کتابیں وہ ہیں جو کلکتہ میں یا صوبۂ
شمال و مغربی کے مختلف شہروں میں طبع ہوئی ہیں - مسٹر
لانگ نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستانی مطابع کی
مطبوعات کی مکمل فہرست وہ نہیں تیار کر سکے —

مسٹر Beames نے از راہ عنایت مطبع نول کشور کی
مطبوعات کی فہرست بھیجی ہے - اس مطبع کے مالک "اودھ
اخبار" کے مدیر ہیں - اس فہرست میں چھہ سو کتابوں کے
قریب مذکور ہیں - سر الکزنڈر گرانٹ نے ' جو آج کل صوبۂ
بمبئی کے ناظم تعلیمات ہیں ایک فہرست بھیجی ہے جس میں صوبۂ
بمبئی کی جملہ مطبوعات درج ہیں - اس فہرست سے مجھے
معلوم ہوا کہ مرزا لطف اللہ نے ابھی حال میں دو کتابیں
اور تصنیف کی ہیں ایک عام طب پر اور دوسری ہیضے پر -
موصوف اپنی " آپ بیتی ' کے باعث یورپ میں پہلے سے مشہور
ہیں اور ان کی نسبت پہلے متعدد مرتبہ ذکر آ چکا ہے —

میں معمولاً مسیحی' اسلامی اور ہندو مذہب کی مطبوعات
اور ابتدائی مدارس کی نصابی کتب کا تذکرہ کیا کرتا تھا
لیکن اس سال میں اس موضوع کو نظر انداز کرتا ہوں صرف
بر سبیل تذکرہ اتنا یہاں کہے دیتا ہوں کہ میڈم لیو پولت
(Leupolt) نے ہندی میں اندھوں کی تعلیم کے لیے ایک
ابتدائی کتاب لکھی ہے - اس میں دیوناگری حروف کاغذ

کی سطح پر ابھرے ہوے ہیں - یہ کتاب ہماری پیرس کی نمایش میں موجود ہے —

ہندوستان میں اس سال بھی یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ ہندوستانی کی دونوں شاخوں یعنی ہندی اور اردو میں کس کو ترجیح حاصل ہے اور یہ کہ آیا عربی اور فارسی الفاظ کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں * - میرے خیال میں یہ بحث ہی سرے سے بیکار ہے اس لیے کہ زبانوں میں بالارادہ تبدیلیاں نہیں پیدا کی جاسکتیں - اگر ہندو فضلا یہ چاہیں کہ اردو کی اہمیت کو کم کریں تو یہ ان کے بس کی بات نہیں - اردو نے ہندوستان میں جو حیثیت قایم کرلی ہے وہ باقی رہے گی - وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں تو اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہوسکتی اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانے میں صدیوں سے جو الفاظ عام زبان پر چڑھ گئے ہیں وہ

---

* کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اجلاس میں اس پر بحث ہوچکی ہے کہ آیا سائنس کی یوروپین اصطلاحات کو رہنے دیا جاے یا یہ کہ عربی اور سنسکرت کی قدیم اصطلاحات کو رائج کیا جاے اور نئے ترجمے کیے جائیں- جی کیمبل (G. Campell) کی یہ راے تھی کہ جہاں تک ممکن ہے مشرقی اصطلاحات کو باقی رہنے دینا چاہیے اور مغربی اصطلاحیں صرف اس وقت استعمال کرنی چاہئیں جب کہ بغیر اس کے کوئی چارۂ کار نہ ہو - میں بھی موصوف کی اس راے کے ساتھہ متفق ہوں - لیکن راجہ بابو رجندر لال مترنے اس خیال کی مخالفت کی- یہ پوری بحث سنہ ۱۸۶۶ م کی ایشیاٹک سوسائٹی کی روداد میں مفصل طور پر شایع ہوچکی ہے

آسانی سے ترک نہیں کیے جاسکتے * - ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلا یہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم ان فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کردے جو انگریزی زبان میں نارمن فتوحات کے بعد گھل مل گئے ہیں —

ہندو عوام خود بجاے اس کے کہ ہندی کو اردو پر ترجیح دیں اپنی زبان کو اردو سے قریب تر لانے کی کوشش کر رہے ہیں - چنانچہ صوبہ جاتی السنہ میں بھی اردو کے لا تعداد الفاظ رائج ہوچکے ہیں - بنگال میں تو ایک مخصوص بولی نکلی ہے جسے "اردو بنگالی" کہتے ہیں - میں اس کی نسبت پہلے کسی صحبت میں ذکر کر چکا ہوں - یہ بولی بنگال کے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں مقبول ہو رہی ہے † —

میں اور مسٹر بیمز اردو کی حمایت میں تنہا نہیں ہیں جو دہلی کی ٹکسالی زبان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی آمیزش ہے - ہم نہ اس

---

* ۷ - مئی سنہ ۱۸۶۷ ع کے کلکتہ ریویو میں میری ناچیز راے سے موافقت کا اظہار کیا گیا ہے جو میں نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اس جلسے کے متعلق ظاہر کی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ آیا اردو کو زیادہ اہمیت حاصل ہے یا ہندی کو - اس ریویو نے لکھا ہے کہ "موسیو گارساں دتاسی نے اردو کی حمایت میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے" - ۴ جولائی سنہ ۱۸۶۷ ع کے "بمبئی پولا" میں بھی میرے خیالات کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے —

† Rev. J. Long نے چند سال ہوے اس بولی کی ۶۵ مختلف کتابوں کا اپنی فہرست میں ذکر کیا ہے جو طبع ہوچکی ہیں —

کے قایل ہیں کہ عربی فارسی الفاظ اردو میں سے خارج کردیے جائیں اور نہ ہم ہندی کو بےوجہ اردو پر فوقیت دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ 'دہلی گزٹ' میں اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ آگرہ کے دربار میں، جس کی نسبت میرٹھ کے "اخبار عالم" میں تفصیل نکل چکی ہے، انگریزی سے جو ترجمے کیے گئے یا براہ راست اردو میں جو تقاریر ہوئیں وہ بہت سادہ زبان میں ہوئیں۔ اردو میں اس وقت تک لطف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں یہی زبان ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو بھاتی ہے۔ 'دہلی گزٹ' کے نامہ نگار کا خیال ہے کہ دربار وغیرہ کے موقعوں کے لیے اردو سے بہتر زبان نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر دیدہ و دانستہ عربی اور فارسی الفاظ اس میں سے خارج کردیے جائیں جو اہل ہند اسلامی ممالک سے مستعار لیتے رہتے ہیں تو اردو بے کیف رہ جائے گی ۔

سر جان لارنس کو ویسرائے کے اعلی عہدے پر فائز ہوئے اب تین سال ہو گئے۔ آگرہ کے دربار کے موقع پر آپ پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے شان و تجمل کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے۔ دو سال قبل لاہور میں جو دربار منعقد ہوا تھا اس کی حیثیت مقامی تھی۔ اس میں صرف پنجاب والے شریک ہوئے تھے۔ لیکن آگرہ کے دربار کی نوعیت اس سے بالکل مختلف تھی۔

دراصل ہندوستان میں آگرہ سے زیادہ موزوں ملک کا دارالسلطنت بننے کے لیے کوئی دوسرا شہر نہیں ہے - جغرافی حیثیت سے بھی یہ شہر اس کے لیے موزوں ترین ہے - اگرچہ یورپ والوں کے لیے ہندوستان کا دارالسلطنت سمندر کے قریب رکھنا ہی زیادہ مناسب ہے —

وایسراے کے شاندار خیمے کے بیچوں بیچ ایک تخت رکھا گیا تھا جس پر سنہرے کام کا تخت پوش بچھا تھا - اس تخت کے دائیں بائیں جانب ہندو اور مسلمان امرا زرق برق ملبوسات اور جواہرات پہنے ہوے تھے ' جلسے میں جو یوروپین تھے ان کے دلوں میں گولکنڈہ کی ہیرے کی کانوں اور کوہ نور کی یاد تازہ ہوگئی - بندیلکھنڈ کے رجواڑے اس جلسے میں خاص طور پر نمایاں تھے- ان کی تلواروں کے دستوں میں ہیرے جواہرات جڑے ہوے تھے ' ڈھالوں کی سطح پر چاندی کا ابھرا ہوا کام تھا اور ان کے ہاتھوں میں نہایت خوشنما چھریاں تھیں - اس دربار میں ہندوستانی خواتین بھی اِکا دُکا نظر آتی تھیں جو اس ملک کے لیے بالکل نئی بات ہے - وائسراے جب تخت پر بیٹھنے کے لیے تشریف فرما ہوے تو توپوں کی سلامی دی گئی - اس کے بعد ولیم میور (W. Muir) نے شاہی فرمان کا ترجمہ پڑھا جس کی بنا پر خطابات تقسیم کیے گئے اور خود وائسراے بہادر نے ہندوستانی میں حاضرین کے روبرو

تقریر کی * - جن کو خطابات عطا ہوے ان میں مہاراجا جے پور اور دوسرے رجواڑے شامل تھے - اس دربار میں شری رادھا کنت دیب نے بھی شرکت کی تھی - موصوف سنسکرت کے بڑے فاضل سمجھے جاتے ہیں - آپ نے سنسکرت زبان کی ایک ضخیم لغت تیار کی ہے - آپ نہایت کٹر قدامت پسند ہندو ہیں اور ہر قسم کی معاشرتی ترقی کو دھرم کے خلاف تصور کرتے ہیں - ان کے علاوہ دیونارائن سنگھہ تھے جو نہایت آزاد خیال ہیں اور انگریزی تعلیم پا چکے ہیں - آپ برہمنوں کی اعلیٰ ذاتوں میں تعدد ازدواج کی رسم کے خلاف ہیں - دربار میں پرسنو کمار ٹگور بھی موجود تھے جنھوں نے ہندو دھرم شاستر پر ایک نہایت اہم کتاب کا ترجمہ شائع کیا ہے - اس کا نام 'دوہا چلتا منی' ہے - یہ کتاب کلکتہ میں سنہ ۱۸۶۳ ع میں طبع ہوئی ہے اور تین سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے —

رجواڑے اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار دربار میں آتے اور وائسراے کے ہاتھہ سے خلعت پاتے تھے - اور اس کے بدلے میں نذرانے دیتے تھے - اس موقع پر فرق مراتب کا پورا خیال رکھا گیا تھا - ان کے بعد وہ لوگ جنھوں نے پبلک کی خدمت

---

* وائسراے کی پوری تقریر ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کے Indian Mail اور Times میں شایع ہوچکی ہے - طویل ہونے کے باعث اس موقع پر اتنی گنجائش نہیں کہ میں اسے نقل کروں —

میں اپنی زندگی صرف کی ہے وائسرائے کی خدمت میں پیش کیے گئے - جن میں مندرجۂ ذیل قابل ذکر ہیں - بابا خان سنگھہ بیدی جنھوں نے پنجاب میں تعلیم نسواں کے رواج میں سعیِ بلیغ کی - شیو پرشاد جو بنارس کے مشہور مصنف ہیں جنھوں نے اہل ہند کو مغربی تہذیب و تمدن سے روشناس کرانے کی غرض سے متعدد کتابیں شائع کی ہیں - سر سید احمد خاں جنھوں نے انجیل مقدس کی تفسیر اسلامی نقطۂ نظر سے مرتب کی ہے اور جو " انجمن اسلامی " کے بانی ہیں - موصوف مذہبی معاملات میں '' انتخابیت '' کے قائل ہیں یعنی ہر مذہب کی اچھی باتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں *-

خطابات تقسیم کرنے کی رسم کے بعد ہندوستانی طریقے کے مطابق پان اور عطر تقسیم کیا گیا - پھر مختلف قسم کی تفریحات رہیں - رات میں چراغاں تھا - تاج محل کی بجلی کی روشنی کا عکس جمنا کے پانی پر پڑتا تھا جس کی وجہ سے عجب منظر پیدا ہوگیا تھا —

اب میں اصل موضوع کی طرف توجہ کرتا ہوں جس کے سلسلے میں یہ باتیں میں نے آپ صاحبوں کے سامنے بیان کیں -

---

* انجیل مقدس کی تفسیر کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں - پہلی جلد کے متعلق سنہ ۱۸۶۳ ع کے خطبے میں میں ذکر کر چکا ہوں - میں نے سنا ہے کہ دوسری جلد بھی یورپ پہنچ چکی ہے لیکن اب تک مجھے موصول نہیں ہوئی - اس میں باب ' پیدائش ' کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے - یہ ترجمہ اصل عبرانی کے مطابق ہے —

ہندی کے حمایتیوں میں مسٹر ایف ایس گروس F.S.Growse کا اور اضافہ ہوا ہے * - معلوم ہوتا ہے وہ ان تعصبات پر یقین رکھتے ہیں جو اردو کے مخالفوں نے اس زبان کے متعلق ملک میں پھیلائے ہیں - اس کے ساتھ موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ تیس چالیس سال قبل جو اردو رائج تھی اس کو باقی رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے † - لیکن شاید موصوف کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں اردو کے خاص خاص شاعر زندہ تھے - حاتم اور ولی کا عہد یہی ہے - اس زمانے کی شاعری عربی اور فارسی الفاظ سے پرُ ہے - چنانچہ شیکسپیر کی ڈکشنری ان سب الفاظ پر حاوی نہیں - اگر آپ اس وقت کی اردو کے سب الفاظ تلاش کرنا چاہتے ہیں تو جانسن کی لغت فارسی اور فریتاگ یا گولیس کی لغت عربی کی طرف ہاتھ اٹھانا پڑے گا - مسٹر گروز جس ادبیات کو مصنوعی کہتے ہیں

---

* بقول مسٹر بیمز (Beames) ہندی کی حدود متعین کرنا بہت دشوار ہیں - دیکھو موصوف کی کتاب " ہندوستانی لسانیات کا خاکہ " - پنجاب میں ہندی پنجابی سے ملی جلی ہے اور سندھ میں سندھی سے - اندور میں گجراتی کے الفاظ اس میں شامل ہیں اور بنگال کی سرحد کے قریب بنگالی نے اس کی حدود میں راہ پالی ہے - اسی طرح وسط ہند میں مرہٹی اس سے جدا نہیں کی جا سکتی -

† دیکھو موصوف کا مضمون " ہندوستانی کے طرز انشا پر بعض اعتراضات " (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال - نمبر ۱۳۲ صفحہ ۱۷۲) -

وہ فی الحقیقت اس کی مستحق ہے کہ لوگ اسے جانیں * - ہاں، میں بھی مسٹر گروز کی طرح اس باب پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے خواہ مخواہ کی جو ایک خلیج اردو اور ھندی کے درمیان پیدا کر دی ہے وہ غیر ضروری ہے - یہ دراصل بڑی بھاری غلطی ہوگی اگر اردو اور ھندی کو دو مختلف زبانیں تصور کیا جائے۔

پنڈت ینھمیا گورہ جنھوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے، اپنے ایک خط میں، جو انھوں نے مسٹر کاول † حال پروفیسر سنسکرت، کیمبرج یونیورسٹی کو لکھا ہے، اپنے تئیں ھندی کے حامیوں کے زمرے میں شریک کرتے ھیں - ان کے نزدیک ھندی کو اردو پر ھر طرح ترجیح حاصل ہے - ھم موصوف کے اعتراضات کا بھی اسی طرح جواب دے سکتے ھیں جس طرح دوسروں کے مقابلے میں ھم نے کہا ہے - در اصل ھندو لوگ اس معاملے میں مشکل ھی سے غیر جانبداری کے ساتھ غور کر سکتے ھیں - ان کے قومی غرور کو اردو کے عربی

---

* مجھے تعجب ہے کہ مسٹر گروز نے اردو کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ھیں کہ " اس زباں کی نہ کوئی تاریخ ہے اور نہ اس کا کوئی ادب ہے " -

† سنسکرت کی پروفیسری کے لیے مسٹر کاول (Cowell’) سے زیادہ موزوں شخص ملنا دشوار ہے - موصوف اپنے علم و فضل کی بدولت عام شہرت رکھتے ھیں - سنسکرت کے علاوہ آپ ھندوستانی سے بھی واقف ھیں- اس کے ساتھ یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاھئیے کہ آپ نے ھندوستان کے دوران قیام میں تعلیم کو عام کرنے میں سعی بلیغ کی اور اس طرح اھل ھند کی بڑی خدمت کی ––

اور فارسی الفاظ کی موجودگی سے صدمہ پہنچتا ہے - وہ چاہتے ہیں کہ اردو میں سے عربی اور فارسی کے الفاظ کلیتاً خارج کر دیے جائیں - وہ خالص ہندی یا برج بھاشا کو رواج دینے کے حوصلے رکھتے ہیں - لیکن دراصل اب اس قسم کی کوششیں بے سود ہیں - اردو ابتدا سے مختلف زبانوں کی پوٹ رہی ہے اور رہے گی -

لیکن پنڈت صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ٹکسالی ہندی (High Hindi) اور سنسکرت دونوں مردہ زبانیں ہیں - خود ہندوؤں میں ان کا رواج بہت کم ہو گیا ہے - انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ اردو ہندوستان کے طول و عرض میں سمجھی جاتی ہے - پھر پنڈت صاحب میری طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو اور ہندی دونوں کی بنیاد ایک ہے - آپ چاہیں تو دونوں کے لیے ہندوستانی کا لفظ استعمال کریں - جب اسی زبان میں عربی اور فارسی الفاظ داخل کر دیے جاتے ہیں تو اس کو اردو کہتے ہیں او جب خالص ہندی محاورے استعمال ہوں تو اسے ہندی کہتے ہیں - ہم بھی موصوف کے ساتھ متفق ہیں کہ ہندی اور اردو کی بنیاد ایک ہی ہے - ہم بار بار اس بات کو اس واسطے دہراتے ہیں تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے - پنڈت صاحب سنسکرت کے غیر مروجہ الفاظ کے استعمال کے خلاف ہیں اور اس کو اصولی حیثیت سے

بروا بتاتے ہیں —

اب ہندوستانی کی صورت حال یہ ہے کہ اس کو دو بولیوں میں تقسیم کیا گیا ہے - ہندی میں اسلامی تہذیب کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے - اس کے پیش نظر ازمنۂ متوسط کے ہندو مصنفین کی نقل ہے - ہندی ہندوستان کے گانوؤں میں اپنی اصلی شکل میں ملتی ہے - اردو میں، جسے ہم مسلمانوں کی ہندوستانی کہہ سکتے ہیں، عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ استعمال ہوتے ہیں - اردو شہروں میں عام طور پر بولی جاتی ہے اس لیے تعلیم، اخبارات اور تصنیف کے لیے یہی زبان موزوں ہے - چنانچہ مسیحی مبلغین مذہب اس زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نشر و اشاعت کے لیے استعمال کرتے ہیں- آخر میں 'میر امن' نے باغ و بہار کے دیباچے میں اردو زبان کی جو حقیقت بیان کی ہے اس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں :-

"حقیقت اردو کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے - انہیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے - ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا- سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوے - اس آمد و رفت کے باعث کچھہ زبانوں

نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے ہندوستان کولیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا ...... امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی۔ ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی" ـــ



اٹھارھواں خطبہ

۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع

حضرات ! میں ہر سال اپنے خطبۂ افتتاحیہ میں آپ صاحبوں کے سامنے اس ذہنی تحریک کا ذکر کیا کرتا ہوں جو ہندوستان میں اپنا اثر دکھا رہی ہے - خاص کر میں نے اپنے موضوع کو ہندوستانی زبان تک محدود کرلیا ہے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی تہذیب کے عناصر شامل ہیں- میں اپنے اُستاد جان شیکسپیر کی طرح لفظ 'ہندوستانی' کو ہندی اور اردو دونوں کی مجموعی حیثیت کےلیے استعمال کرتا ہوں- میرے ان خطبات میں غالباً ہر اُس شخص کو دلچسپی ہوگی جو ذہن انسانی کی ترقی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے - مجھے یہ کہتے ہوے خوشی معلوم ہوتی ہے کہ اہل ہند نے پچھلے سال ترقی کی راہ میں ایک قدم اور آگے کی جانب بڑھایا ہے اور مجھے توقع ہے کہ دوسروں کو بھی یہ سن کر خوشی ہوگی —

برہم سبھا * کی اہمیت برابر ہر سال بڑھتی جا رہی ہے اور اس کا حلقۂ عمل وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ ہندو لوگوں کی یہ ایک اصلاحی انجمن ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قدیم ہندی معتقدات کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ صرف کلکتہ میں اس وقت تقریباً دو ہزار خاندان اس سبھا میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزارہا ہندو ایسے ہیں جنھوں نے اس سبھا کے پیغام کو توجہ سے سنا ہے اور بت پرستی سے احتراز کرنے لگے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اصولی طور پر ذات پات کے امتیاز کو بھی ترک کرنے کا عہد کر لیا ہے لیکن عملی طور پر ابھی انھوں نے قدم آگے نہیں بڑھایا † —

اس انجمن کو اگر فروغ حاصل ہوا تو ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ اس تحریک کی بدولت یہ ممکن ہوگا کہ مغربی تہذیب اور قدیم ہندی روایات میں ایک قسم کا امتزاج پیدا ہو۔ اس سے ہندو معاشرت کی اصلاح ہوگی۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کام مسیحیت کی بجائے اس کی روشنی کے عکس سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ممکن ہے برہم سبھا کے برہمن ارکان کو اس میں شبہ ہو کہ انھوں نے مسیحیت کی تعلیم سے فیض حاصل کیا ہے لیکن بہر حال حقیقت حقیقت

---

* اس انجمن کو برھمو سماج بھی کہتے ہیں۔ اس کے متعلق ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۸۶۸ م میں ایک نہایت دلچسپ مضمون شایع ہوا ہے —

† انڈین میل مورخہ ۱۳ اپریل سنہ ۱۸۶۸ م —

ہی رہتی ہے * —

اس انجمن کا جشن سالگرہ ۲۴ جنوری کو منایا گیا - راجا رام موہن رائے نے اس انجمن کو ۳۸ سال کا عرصہ ہوا قائم کیا تھا - اس تقریب کے سلسلے میں بابو کیشب چندر کے مکان سے جلوس روانہ ہوا جو دراصل فی الوقت ہندو موحدین کا مرکز سمجھا جاتا ہے - بابو صاحب کی عمر ۲۵ سال ہے اور وہ اس تحریک کے سر گروہ ہیں - جلوس مرزاپور کی طرف روانہ ہوا جہاں ایک نئے مندر کی اس موقع پر بنا ڈالی جا رہی تھی - خاص اس موقع کے لیے دعائیں لکھی گئی تھیں جنھیں لوگ گاتے جاتے تھے - ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی جھنڈی تھی جس پر سنسکرت زبان میں عبارتیں لکھی ہوئی تھیں - یہ عبارتیں اس تحریک کے معتقدات سے تعلق رکھتی تھیں مرزا پور پہنچنے کے بعد مندر کا سنگ بنیاد رکھا گیا - اس

---

* کولونیل چرچ کرانیکل میں (اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع) کلکتہ کے ایک برہمن کا خط شایع ہوا ہے جس نے مسیحی مذہب قبول کرلیا ہے - وہ برہمو سماج کے ارکان کو دعوت دیتا ہے کہ جہاں انہوں نے ایک قدم آگے بڑھایا ہے وہاں ایک اور سہی - وہ انہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کی تحریک مسیحی ماحول کی رہین منت ہے اور یہ کہنا افسانے سے زیادہ وقیع نہیں کہ برہمو سماج اصلی ہندو تعلیم پر مبنی ہے - بنارس کے ایک اور دوسرے برہمن نے جس کا نام نہیمیا گورہ ہے اور جس نے مسیحی مذہب قبول کرلیا ہے ' ابھی حال میں کیتھولک مذہب کی حمایت میں ایک رسالہ شایع کیا ہے اور اس میں بھی برہمو سماج کے متبعین سے خطاب کیا گیا ہے - اس رسالے میں عذاب کے ابدی ہونے پر بھی بحث کی ہے اور برہمو سماج کے دعووں کا جواب دیا ہے - کولونیل چرچ کرانیکل - ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

رسم کی ادائگی کے وقت بھجن گائے گئے - شام کے وقت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں بابو صاحب نے تقریر کی - اس تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا وہ مسیحی تعلیم سے بہت ملتے جلتے تھے - تقریر کے ختم ہونے پر ایک بھجن پڑھا گیا اور جلسہ برخاست ہوا —

بابو کیشب چندر نے کچھ دنوں بعد بمبئی میں ایک جلسے میں جس میں منتخب لوگ شریک تھے اپنی انجمن کے متعلق تقریر کی اور نہایت خطیبانہ انداز میں ان اُصول پر روشنی ڈالی جن پر انجمن کی بنا رکھی گئی ہے * - اپنی تقریر کے دوران میں بابو صاحب نے خدا کی ذات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا علم انسان کی عقل سے باہر ہے - بابو صاحب نے خدا کا جو تصور پیش کیا وہ اس سے مختلف تھا جو سینٹ پال نے ایتھنز کے لوگوں کے روبرو پیش کیا تھا - جس مقام پر آپ کی یہ تقریر ہوئی اُس کے ارد گرد ہندوؤں کے بت خانے ہیں جہاں وشنو، شیو، گنیش، ہنومان، لکشمی اور پاربتی کی پوجا کی جاتی ہے - اس گرد و پیش میں آپ نے بت پرستی کے خلاف تبلیغ کی اور کہا کہ گونگے بتوں کے آگے سر جھکانے سے

---

* بابو صاحب نے بمبئی میں جس انجمن کے زیر اہتمام تقریر کی اس کا نام " پرارتھنا سماج " ہے - پچھلے سال میں نے انجمن " وید سماج " کی نسبت ذکر کیا تھا - بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں انجمنوں کے مقاصد مشترک ہیں —

بھلا کیا فائدہ ؟ - آپ نے یہ بھی فرمایا کہ توحید دراصل انسانی اخلاق کا سرچشمہ ہے - حضرت مسیح نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی تھی - پھر آپ نے اس امر پر خاص کر زور دیا کہ معاشری مسائل کا بھی عقیدۂ توحید سے گہرا تعلق ہے - توحید میں اعتقاد کی بدولت بنی نوع کی وحدت کا تصور انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے - جب آدمی خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ ذات پات کی تقسیم پر یقین نہیں رکھہ سکتا - اس اعتقاد کی وجہ سے عدل و مساوات وجود میں آتی ہے - چنانچہ توحید کا ماننے والا قبل از بلوغت شادی ' عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے ' بچوں کو قربان کرنے ' اور مذہبی جکڑ بندیوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا جو ہندوستان کی تباہی کا باعث ہو رہے ہیں - بابو صاحب کے الفاظ ہیں کہ " اگر خدا کی وحدانیت پر میرا اعتقاد پکا ہے تو جبلی طور پر میں نہ صرف ہندوؤں کو بلکہ مسلمانوں پارسیوں اور اہل یورپ کو اپنا بھائی سمجھوں گا " -

اسی جگہ دوسرے جلسے میں بابو صاحب نے عبادت کی حقیقت کے متعلق اظہار خیال کیا اور کہا کہ سچی عبادت وہ ہے جو دل سے کی جاے - الفاظ کو حفظ کر لینے یا انہیں بار بار دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں اس واسطے کہ بسا اوقات لوگ ان الفاظ کے معنی تک سے بے خبر ہوتے ہیں - اپنی

وسیع مشربی کا ثبوت دینے کے لیے آپ نے شاستروں میں سے سنسکرت زبان میں چند دعائیں پڑھیں پھر اس کے بعد انجیل، زند اوستا اور قرآن سے چند دعائیں پڑھیں۔ آخر میں آپ نے کہا "ہم سبھوں کو دعا کرنی چاہیے کہ ہندو پارسی اور مسلمان کی تفریق اٹھ جائے اور جس قدر اور دوسرے فرقے ہیں جن کے باعث ہم میں نفاق پیدا ہو گیا ہے، دنیا سے مٹ جائیں!"—

موصوف نے بنارس میں اسی موضوع پر ایک تقریر کی جس میں بنگالی عورتوں نے بھی شرکت کی جو حجاب ڈالے ہوے تھیں *—

پچھلے مارچ کے مہینے میں موصوف نے ڈھاکے میں ڈھائی سو ہندوؤں کے جلسے کی صدارت کی۔ جلسے کی کارروائی کا افتتاح انجمن کے بنیادی اصول پڑھنے سے کیا گیا۔ یہ اصول بالکل وہی ہیں جو "وید سماج" کے ہیں † حسب ذیل دفعات میں یہ اصول بیان کیے گئے ہیں —

(۱) اوم ‡ - ہر چیز کے وجود سے پہلے خدا موجود تھا۔ کائنات

---

* اے ایس شیرنگ کی کتاب " مقدس شہر بنارس " صفحہ ۲۲۴ -

† میں نے ۲ - دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع کے خطبے میں ان کی نسبت تذکرہ کردیا ہے۔

‡ یہ ایک پر اسرار نجائیہ ہے جس کو ہندو لوگ اپنی تحریرات کے شروع میں لکھا کرتے ہیں - اس کی بڑی عالمانہ ترجیہیں کی گئی ہیں " بنگال ایشیا ٹک سو سائٹی کی کار روائی" مورخہ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع میں مسٹر جے بیمز، ایچ بلوکمان اور راجندرلال متر نے اس پر اسرار لفظ کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے —

کو اس کی مشیت نے پیدا کیا —

(۲) وهی سب کا مالک هے اور اسی نے سب کو پیدا کیا - وہ هر جگه موجود هے وہ قادر مطلق هے- اس کو کوئی دیکهه نهیں سکتا - اس کی ذات کا انحصار کسی پر نهیں اور نه کوئی اس کی برابری کرنے والا هے- وہ نیکیوں کا سر چشمه هے اور عقل کا منبع —

(۳) اصل ایمان یه هے که اس کی ذات سے محبت کی جاے اور نیک اعمال کیے جائیں —

(۴) دنیاوی اور روحانی فلاح صرف اس کی بندگی سے حاصل هو سکتی هے —

ان بنیادی عقاید کے پڑهنے کے بعد ایک دعا پڑهی گئی جس میں قدیم اصنام پرستی اور همه اوستی خیالات کی جهلک پائی جاتی هے - اس دعا کے ابتدائی الفاظ یه هیں "اوم - اے مالک هم تیری پرستش کرتے هیں - تو آگ میں اور پانی میں ' پودوں میں اور نباتات درختوں میں اور کل کائنات میں جاری و ساری هے" * -

اس دعا کے بعد ایک دوسرے بابو صاحب نے تقریر کی جس میں حکومت برطانیه کی تعریف کی اور کہا که اس کے سایۂ عاطفت میں اهل هند کو ضمیر کی آزادی کا حق حاصل هے -

---

* باقی دعا میں اسی خیال کو پهیلایا هے -

اس حکومت کی برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ملک میں تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے۔ ہندو لوگ اس تعلیم کے ذریعے سے اپنی عظمت پارینہ کو حاصل کر سکتے ہیں جس نے انہیں تمام دنیا کی اقوام میں ممتاز حیثیت دے دی تھی۔

برھمو سماج کے ایک جلسے کا یہ حال جو کلکتہ میں منعقد ہوا تھا ایک شخص نے چشم دید بیان کیا ہے جو "بمبئی ٹائمز" میں شایع ہوا ہے۔ "جس مکان میں جلسہ منعقد ہوا وہ باہر سے دیکھنے میں زیادہ عالیشان نہیں ہے۔ وہ ایک گلی میں واقع ہے جہاں سے ہر وقت لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ اس مکان کے بڑے کمرے میں پہنچنے کے لیے دو سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا ہے۔ یہ کمرہ لمبا ہے اور اس میں لکڑی کی بنچیں بچھی ہوئی ہیں دیواروں پر کسی قسم کی تحریریں یا مقولے آویزاں نہیں دکھائی دیتے۔ بیچ میں ایک اونچی جگہ ہے جس کے چاروں طرف جالی لگی ہوئی ہے اور جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ فرش کے ایک حصے پر ایک قالین بچھا ہوا ہے۔ اس جگہ سے الٹی جانب ایک چوکی پر دو برھمن پالتھی مارے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس دعاؤں اور بھجنوں کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک تخت پر ایک گانے والا بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے قدیم برھمو سماج کے صدر کے بیٹے بابو دیندر ناتھ ٹیگور

هارمونیم بجا رهے تهے * شروع میں عبادت کی رسم ادا هوئی اور پهر اس کے بعد اپنشدوں میں سے سنسکرت زبان میں بعض حصے پڑهے گئے - پهر ایک برهمن نے ایک مختصر سی تقریر کی- ازاں بعد گانے والے نے دعائیں هارمونیم کے سروں کے ساتهه گانا شروع کیں - جلسه ختم هونے پر لوگ فوراً کمرے سے باهر نکل کر اپنے اپنے گهروں کو چل دیے - مجهے یه کهنا پڑتا هے که ساری کارروائی میں مجهے جذبات کی گرم جوشی نام کو بهی کهیں نظر نه آئی - سب لوگ اپنی اپنی جگه پر بیٹهے هوے تهے اور برابر ڈیڑه گهنٹے تک جب تک جلسه هوتا رها نه کوئی اٹها ' نه کوئی سر کا اور جهکنے کا تو وهاں ذکر هی نهیں تها - هاں ' حاضرین' جن کی تعداد سو کے قریب تهی نهایت توجه کے ساتهه سب کچهه سنتے رهے اور کبهی کبهی یه معلوم هوتا تها که ان لوگوں کے دل اعتقاد سے لبریز هیں- نه کمرے میں اور نه آس پاس کهیں اور کوئی عورت موجود تهی ---

برهمو سماج کے ارکان نے حکومت کو ایک عرض داشت پیش کی هے جس میں یه درخواست کی هے که ان کی مخصوص

---

* مس کارپنٹر نے جو ریورنڈ لانٹ کارپنٹر کی بیٹی هیں ' اپنے ایک خط میں لفظ " قدیم " کی تصریح کی هے - اس خط سے معلوم هوتا هے که اصل میں برهمو سماج تحریک کے لیڈر دیندر ناتهه ٹگور تهے جو دوارکا ناتهه ٹگور کے بیٹے تهے اور رام موهن رائے کے جگری دوست تهے - ان سے میری پیرس میں ملاقات هوئی تهی - رام موهن رائے نے دیندر ناتهه ٹگور سے علحدگی اختیار کرنے کے بعد ایک زیادہ وسیع المشرب فرقے کی بنا ڈالی -

رسوم کے مطابق جو شادیاں کی جائیں انہیں حکومت تسلیم کرے لیکن اس کے ساتھ ہی بابو کیشب چندر نے اپنی ایک تقریر میں اس امر کی تصریح کر دی کہ برھمو سماج کی تحریک اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ وہ ھندو اور مسلمان جنھوں نے اپنے عقاید کلیتاً ترک کر دیے ھیں یا وہ لوگ جو ھمہ اوستی فلسفے یا افادیت کے قائل ھیں ' یا مشککوں یا عقل پرستوں کو بھی اس قانون کے تحت لایا جائے جو دراصل صرف انہیں کے فرقے کے لیے مخصوص ھونا چاھیے - ان کی تحریک کو دوسروں کے خیالات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرنا چاھئے*-

چماروں کی ذات ھندوؤں کے نزدیک نہایت ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی ھے - صوبۂ شمالی مغربی کے چماروں کو جب اس ذلت کی زیادہ برداشت نہ رھی تو انھوں نے ترک وطن کا فیصلہ کیا - چنانچہ تقریباً چار لاکھ آدمیوں نے اپنے دیس کو چھوڑ کر ' چھتیگڑہ ' میں توطن اختیار کیا جو دریاے مہا ندی کے قریب ایک سطح مرتفع ھے † - ان میں سے صرف چار سو چمار ایسے ھیں جنھوں نے اپنے آبائی پیشے کو جاری رکھا ھے - باقیوں نے کاشتکاری شروع کر دی ھے - ان میں سے بیشتر " ست نامی " تحریک کے ساتھ وابستہ ھوگئے ھیں- چنانچہ اکثر نے ذات پات کی تفریق اور بت پرستی کر ترک کر دیا

---

* انڈین میل مورخہ ۲۷ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع

† ٹائمز مورخہ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

ہے اور اب وہ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں - اس اصلاحی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں میں عبادت کا شوق پیدا کیا جائے، حقہ چلم ترک کرائی جائے اور شراب اور دوسری نشہ آور اشیا سے احتراز کی تعلیم دی جائے * —

پچھلے موسم بہار میں بنگالیوں نے "چیت میلے" کے نام سے ایک بہت بڑا اجتماع منعقد کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف مذہب والوں اور مختلف ذات والوں کے درمیان بھائی چارا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس سے عام ملکی فلاح و بہبود کی سبیل نکلے - چنانچہ اس میلے کے موقع پر ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرے- نیٹو اوپنین (Native Opinion) مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۱۸۶۸ع میں لکھا ہے کہ اس کمیٹی کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ ذات پات کی تفریق کو مٹائے جس کی وجہ سے اہل ہند میں اتحاد پیدا ہونا ناممکن ہے- یہ کوشش نہایت مبارک ہے اور یورپین لوگوں کو اس کی جس قدر ہوسکے ہمت افزائی کرنی چاہیے —

آج کل پنجاب میں ایک ہندو شخص نے جس کا نام رام سنگھ ہے اصلاحی تحریک شروع کی ہے- یہ تحریک زیادہ تر

---

* ایچ ایچ ' ولسن ' نے اپنی کتاب " یادداشت متعلق فرقہا ہائے ہنود " میں ست نامیوں کی نسبت دلچسپ حالات لکھے ہیں صفحہ ۳۳۶ (جدید ایڈیشن)-

سکھ طبقے تک محدود ہے اور کہا جاتا ہے کہ کچھ مسلمانوں نے بھی اس کا اتباع شروع کر دیا ہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے پیرووں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ کے پہنچ چکی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلاحی تحریک مذہبی نہیں سیاسی نوعیت رکھتی ہے † —

تہذیب و تمدن کا جو ہمارا معیار ہے اس کے مطابق اہل ہند ترقی کر رہے ہیں - سعدی کا قول بالکل درست ہے کہ "انسان کو اپنی صلاحیتوں کی نشو و نما کرنی چاہیے- صندل کی لکڑی میں اگر خوشبو نہ ہو تو وہ سوائے جلانے کے اور کس کام کی ہو سکتی ہے" —

اہل ہند کی ترقی کا حال ایک ہندوستانی اخبار کی زبانی سنیے * - "آج سے دس سال قبل اہل ہند کا عام دستور تھا کہ وہ اپنی زندگی بیکاری میں گزارتے تھے - لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے - بچے پڑھنے لکھنے میں مشغول نظر آتے ہیں، جوان لوگ اپنے کام دھندے میں منہمک رہتے ہیں اور یہاں تک کہ بوڑھے بھی اس طرح بے فکری سے نہیں رہتے جیسے کہ پہلے رہا کرتے تھے - پہلے مزدور اپنی کاہلی کی وجہ سے قوت لایموت کو محتاج تھے لیکن

---

† انڈین میل مورخہ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء نیز ۹ جولائی سنہ ۱۸۶۸ء -

* سوم پرکاش - ۳۰ جولائی -

اب اپنی مشقت کے بل پر انہیں سب کچھہ حاصل ہے - تعلیم کی ترقی اور ترویج ' تجارت کا فروغ اور ریلوں کی وجہ سے نقل و حرکت اور رسل و رسائل کے باعث اہل ہند کی زندگی میں غیر معمولی تغیر پیدا ہوگیا ہے " - لیکن اس کے بعد ہی یہ ہندوستانی اخبار افسوس کے ساتھہ لکھتا ہے کہ " شراب نوشی کا رواج روز بروز بڑھتا جاتا ہے - ہندو معتقدات کے ماننے والے کم ہوتے جاتے ہیں - چنانچہ اب ان مذہبی رسوم کی پابندی ترک کی جا رہی ہے جن پر شاستروں کے مطابق عمل پیرا ہونا ہر ہندو کا فرض ہے - دن میں تین دفعہ جو ہندوؤں کو عبادت کرنی چاہیے اس کی کسی کو پروا نہیں رہی - اب گھی کے چراغ کوئی نہیں جلاتا - دیوتاؤں کی مورتیوں کو اب لوگ صندوقوں میں بند کرکے رکھنے لگے ہیں"-

ہندوستانی اخبارات میں * والیان ملک اور اُمرا کے متعلق اس قسم کے مضامین دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کی طرف سے بے توجہی برت رہے ہیں - اگر یہ لوگ تاریخ اور دوسرے علوم سے واقفیت حاصل کریں تو خود انہیں اس سے بہت فائدہ ہوگا - اس طبقے کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اہل یورپ کے امرا کی مثال پیش کی جا رہی ہے کہ انہیں باوجود اپنے اعلیٰ نسب و شرف کے متفرق

* دیکھو اودھ اخبار ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۸ م —

علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا کس قدر شوق ہوتا ہے - لیکن ہندوستانی اخبارات میں بعض روشن خیال نوابوں کا بھی ذکر ملتا ہے مثلاً نواب رامپور جن کا نام کلب علی خاں ہے - وہ نہایت تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ ان کی علم پروری کے دیسی اخبارات معترف ہیں - میرٹھ کے اخبار میں ان کی مدح میں ۸۰ اشعار کا قصیدہ نقل کیا ہے - اسی طرح مہاراجا کپور تھلہ کا شمار روشن خیال مہاراجوں میں کیا جاتا ہے - موصوف نے ابھی حال میں دس ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا ہے تاکہ روز مرہ کی زبان کے توسط سے مغربی علوم کو رواج دیا جائے * —

دیسی امرا کے علاوہ برطانوی حکومت بھی دیسی زبانوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے جس پر اس کو مبارک باد دینی چاہیے - دراصل ہندوستانی لوگ اس کے متعلق بہت عرصے سے مطالبہ کر رہے تھے - حکومت کے اس فعل سے اہل ہند کے دل میں برطانیہ کے ساتھ محبت پیدا ہوگئی ہے - وہی برطانیہ جس کی نسبت یونانی مورخ پروکوپ (Procope کا خیال تھا کہ وہ " سانپوں سے پٹا پڑا ہے اور جہاں ممالک فرنگ (یعنی فرانس) کے مرے ہوؤں کی ارواح رات کے وقت پہنچی جاتی ہیں - ان ارواح کو ملاح لوگ اِس کنارے سے اُس پار

* انڈین میل مورخہ ۹ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ء —

لے جاتے هیں - ان ملاحوں کا کام هی بس یہ هے ' —

سر اسٹرا فورڈ نارتھہ کوٹ کے جدید مجوزہ قانون کی رو سے هندوستانیوں کو سول سروس میں داخل هونے کا موقع ملے گا اور انهیں ان سب امتحانوں کی منزلوں سے نهیں گزرنا پڑے گا جن سے هر انگریز کو گزرنا پڑتا هے —

یہ واضح رهے کہ بے شمار هندوستانی ایسے هیں جو انگریزی زبان کی تحریر و تقریر پر کامل قدرت رکھتے هیں - ان میں سے ایک کولھاپور کے مهادیو گوبند راناڈے هیں جو بمبئی کے الفنسٹن کالج میں انگریزی ادب کے پروفیسر مقرر کیے گئے هیں - وہ اس خدمت کے لیے نهایت موزوں شخص ثابت هوے هیں * —

جونا گڑہ کی ریاست کے ولی عهد شهزادۂ بلند اختر کی بسم اللہ کی تقریب میں ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع میں ایک جلسہ منعقد هوا جس میں نواب جونا گڑہ کے اعزہ و اقارب کے علاوہ اعلیٰ عهدہ داروں ' امرا ' شیوخ اور علماے شهر نے شرکت کی - شهزادے کے استاد محمد خیرات علی نے اردو میں اس موقع پر ایک تقریر کی جو اودہ اخبار مورخہ ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں چھاپی گئی هے - اس تقریر کے بعض اجزا کا ذیل میں ترجمہ درج کیا جاتا هے † -

* هوم ورڈ میل مورخہ ۱۰ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع - † یہ فرانسیسی عبارت کا ترجمہ هے -

" شہزادۂ ولی عہد کی بسم اللہ کے موقع پر میں علم کی تعریف میں چند کلمات بیان کرنا چاہتا ہوں - کسی دانشمند کا قول ہے کہ ہر علم مفید ہے - جاننا نہ جاننے سے ہر حالت میں بہتر ہے - آپ سب تعلیم و تعلم کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہیں - آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے عز و جل نے کائنات میں جس قدر اشیا پیدا کی ہیں ان میں علم کا مرتبہ سب سے بلند ہے - علم کے ذریعے سے انسان کو ذی حیات اشیا کی تکوین و تشکیل' ان کا طریق زندگی اور ان کے خصائص کا پتا چلتا ہے - علم ایک طرح کی روشنی ہے اور جہالت بمنزلۂ تاریکی ہے - علم کائنات ہستی کی جان ہے - بغیر اس کے وہ ایک بے جان جسم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھ سکتی - علم سے نسان ہدایت پاتا ہے بغیر اس کے وہ بھٹکا بھٹکا پھرتا ہے- علم دولت ہے اور جہالت افلاس' علم عزت ہے اور جہالت ذلت ' علم سے انسان سر بلندی حاصل کرتا ہے اور جہالت اسے گڑھے میں گراتی ہے - انسان کو ' عقل و تمیز کے باعث جن سے وہ اچھائی برائی میں فرق کرتا ہے ' اشرف المخلوقات کہا گیا ہے - بغیر علم کے عقل و تمیز کی روشنی حاصل نہیں ہو سکتی - اچھائی اور برائی کے درمیان آدمی علم ہی سے فرق کرسکتا ہے علم ہی سے انسان انسان بنتا ہے- علم ہی کی بدولت اسے اس کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں جانا ہے - اگر انسان اپنے تئیں سمجھ لے تو گویا اس

کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی - علم اور اپنی ذاتی صلاحیت کے ذریعے انسان کائنات فطرت کے رموز و اسرار سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے - اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی قوت سے کیونکر تمام کائنات کے کار خانے کو چلاتا ہے - غرض کہ انسانی نطق کی یہ طاقت نہیں کہ علم کی کما حقہ تعریف کر سکے جس کی بدولت دین و دنیا کے مسائل کا حل کیا جاتا ہے —

' علم کی قسموں میں سے ایک فلکیات ہے جس کے ذریعے ستاروں کی رفتار اور ان کی گردش ' ان کا طلوع و غروب اور ان کے عروج و زوال کا حال معلوم ہوتا ہے - سورج سے دنیا کو حرارت اور زندگی حاصل ہوتی ہے - اسی پر موسموں کے تغیر و تبدل کا دار و مدار ہے - قطب ستارہ اور قطب نما کے ذریعے اور اس کی مدد سے آپ جہاز رانی کر سکتے ہیں اور سمندروں کی راہ سے ممالک غیر کی سیر کر سکتے ہیں - ان کے رسوم و علوم کا حال معلوم کر سکتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں تجارتی مال لے جا سکتے ہیں - ایک زراعت کا علم ہے جس کی بدولت غلے اور پھل پھلواری حاصل کی جا سکتی ہے جو انسان کی غذا کے کام آتی ہے - علوم کی تعداد حد شمار سے باہر ہے - اگر ان سب کا یہاں ذکر کیا جائے تو طول کلام ہوگا ... حیوانات نباتات اور جمادات سب انسان کی

خاطر تخلیق کیے گئے ہیں - ان کے ذریعے ہم اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں اور حظ بھی حاصل کر سکتے ہیں - ہم جس طرح چاہیں انہیں استعمال کر سکتے ہیں - تندرستی میں بھی اور حالت بیماری میں بھی —

"علوم کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں - علوم دینی اور علوم دنیاوی - ان دو شقوں کے علاوہ اور تیسری کوئی ہو ہی نہیں سکتی - ایک کے ذریعے ہم خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور دوسرے کے ذریعے فطرت کے راز ہم پر منکشف ہوتے ہیں - انسان کو چاہیے کہ وہ ان علوم کے حاصل کرنے کی سعی کرے اور اس کے ساتھ اس کا اعتراف کرتا رہے کہ بغیر خدا کی مشیت کے انسان کچھ نہیں کر سکتا - اس کا کرم ہو تو انسان علم حاصل کر سکتا ہے - خدا کی سب سے بڑی نعمت عقل ہے جس کا تعلق انسان کے دماغ سے ہے - علم سے عقل کو جلا ہوتی ہے - اگر انسان تحصیل علم کے لیے ساعی نہ ہو تو اس کی روح کو زنگ لگ جاتا ہے - علم سے انسان کی عقل میں روشنی پیدا ہوتی ہے ' جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں اور اشیا کی حقیقت معلوم ہوتی ہے" —

" ویسے تو علم حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے لیے ضروری ہے لیکن خاص کر انہیں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے جنہیں خدا نے انسانوں کی حکومت عطا کی ہے - انہیں

چاهیے که خوش انتظامی اور اپنی رعایا کی فلاح و بهبود کو سمجھنے کے لیے تحصیل علم کریں تاکہ ان کے لشکر اور عام مخلوق ان سے خوش رهے - ان کا فرض هے که تعلیم کو رائج کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں - اس سے ان کی رعایا کو بھی فائدہ هوگا اور خود ان کا نفع بھی اس میں هے - اسی طرح عندالضرورت وہ اپنی رعایا کی امداد پر بھروسا کرسکیں گے" -

مذهب و معاشرت کی ان اصلاحی تحریکوں کا ذکر کرنے کے بعد جن کی ابتدا خود هندوستانی لوگوں نے کی هے' هم مسیحی مذهب کی تبلیغ و اشاعت کے متعلق کچھه کہنا چاهتے هیں که یہ بھی اهل هند کے لیے نہایت اهم اور اصلاحی کام هے - مسیحی مذهب کی صداقت کا اعتراف اور اس کی ترقی اس قدر تیزی کے ساتھه نہیں هو رهی هے جیسی که توقع کی جاتی هے - لیکن یہ ضرور هے که اس ضمن میں جو کچھه کام کیا جا رها هے وہ نہایت ٹھوس هے —

"سالنامۂ تبلیغ و اشاعت" میں هندوستان کے کل کیتھولک لوگوں کی تعداد ۸ لاکھه بتائی گئی هے - اس میں سے ایک لاکھه ۶۰ هزار سیلون میں هیں جیسا که وهاں کے اسقف نے واضح کر دیا هے جن کا نام ڈاکٹر بون جان هے جو دراصل میڈیا (Medea) کے بزرگ کلیسا هیں - آپ کو اس کی خاص فکر رهتی هے که دیسی عیسائیوں کو تعلیم و تلقین کریں اور ان کے

دینی حقوق کی نگہہ داشت کریں * —

مسیحیت کی تعلیم و تلقین سب سے پہلے ہندوستان میں سینٹ طامس نے کی تھی - پھر ان کے بعد ایک اور دوسرے طامس اور فرانسوا زیویر نے مسیحی مذہب کا پیغام اہل ہند کو پہنچایا - آج اس وقت ہمارے زمانے میں بھی پر جوش مبلغین مسیحیت ہندوستان میں جوش و خلوص کے ساتھہ کام کر رہے ہیں - قدیم شرک و کفر کے ماننے والوں اور جدید فطرت پرستی کے علم برداروں کے مقابلے میں ان مبلغین مسیحیت کو ہر جگہ کامیابی ہو رہی ہے - جیسا کہ انجیل مقدس میں ہے : "صداقت پسند دلوں کے لیے تاریکی میں روشنی ظاہر ہوجاتی ہے " † اور " اب وقت آگیا ہے کہ وہ جو روحانی اعتبار سے مرچکے ہیں خداوند کے فرزند کی آواز کو کان دھر کے سنیں" ‡ - ایک سہ پہر کی عبادت کے وقت کی دعا کے الفاظ یہ ہیں : " اگرچہ حضرت مسیح دنیا سے کوچ کر گئے لیکن ان کی روح مقدس ہر لمحہ کلیسا میں نئی زندگی پیدا کرتی رہتی ہے - کلیسا ان کا جسم باطنی ہے - وہ باطنی طور

* "Answers to the Questions proposed by the Sub-Committee of education of Ceylon", by Rev. Ch. Bonjean, Colombo, 1867.

† Ps. CXI, 4.

‡ سینٹ جان کی انجیل -

پر کلیسا میں موجود ہیں - کلیسا کے اعضا و جوارح کو ان کے دم سے زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ہر فعل پر ان کا اثر موجود ہوتا ہے " —

مسٹر کلارک نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸ع میں شہر امرتسر کے چرچ مشن کے متعلق بعض اطلاعات بہم پہنچائی ہیں- ان کے الفاظ یہ ہیں: "مسیحیت کی ترقی آہستہ آہستہ ہو رہی ہے لیکن اس سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے - ہم عدم توجہی اور کفر و شرک کے سرد سمندر سے چاروں طرف گھرے ہوئے ہیں - مسیحیت کی لہر پر جو شخص آجاتا ہے وہ نجات کے کنارے لگ جاتا ہے - اس کی تعلیم میں ایک ایسی قوت موجود ہے کہ اہل فکر اس کی بدولت ابدیت کی صراط مستقیم پر پہنچ سکتے ہیں " ... —

اسکاٹستان کے آزاد کلیسا کی شاخ جو ناگپور میں قایم کی گئی ہے مسیحی تہذیب و تبلیغ کا کام کمال خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے - اس شاخ کے قایم کرنے والے ایک نہایت ذی علم اور انسانیت پرست شخص ہیں جن کا نام ای بشپ ہے - لاہور کا امریکی مشن بھی خوب پھل پھول رہا ہے - لاہور میں اس مشن نے جو کالج قایم کیا ہے اس کے طلبہ کے تقسیم کے جلسے میں سر ڈانالڈ مک لیوڈ نے صدارت کی - موصوف نے دوران تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ دیسی زبانیں جو

دیہات میں بولی جاتی ہیں ان کو ترقی دینےکی کوشش کرنی چاہیے- آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان زبانوں سے پوری واقفیت مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے بھی ناگزیر ہے- مسیحیت پیغام دیہاتوں تک پہنچانے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی زبان میں رسالے لکھوا کر تقسیم کرائے جائیں * -

شہر سیہور میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کی حدود حکومت میں واقع ہے ' چالیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک کلیسا تعمیر کیا گیا ہے- اس رقم کا بیشتر حصہ خود بیگم صاحبہ بھوپال اور ہلکر والیِ اندور نے اپنے پاس سے دیا ہے - دیسی امرا نے بھی چندے سے اس کام میں مدد دی ‡ —

انگلیکن (Anglican) کلیسا جن میں ہر اتوار کے روز خطبہ عبادت کا انتظام کیا جاتا ہے' تعداد میں برابر بڑھ رہے ہیں- ان میں روزانہ عبادت بھی ہوتی ہے - (انڈین میل ' ۱ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع) —

دہلی میں ایک طبی مشن ابھی حال میں قائم ہوا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ہند کی مستورات کے علاج کا علحدہ انتظام کیا جائے اور اس کے ساتھ ان میں مسیحی تعلیم کی

---

* Colonial Church Chronicle مورخہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع میں اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ صوبجات شمالی و مغربی میں تبلیغ و اشاعت کی غرض سے انجمن ترقی علوم مسیحی' اُردو زبان میں رسائل تیار کروا رہی ہے -

‡ انڈین میل' مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع -

نشر و اشاعت کی جائے - ایک خاتون اس کام میں شریک ہیں جن میں وہ سب اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہیں جو اس قسم کے کام کرنے والوں میں ہونے چاہئیں - وہ زنانے میں آتی جاتی ہیں اور انہوں نے دیسی عورتوں کو تعلیم دے کر بیماروں کی تیمارداری وغیرہ کے کام سکھا دیے ہیں- چنانچہ اس مشن کو توقع سے زیادہ کامیابی ہو رہی ہے - مشن کے اس کام کی بدولت دھلی کی بہت سی غریب عورتوں کے لیے آمدنی کا ایک سہارا ہوگیا —

میرے پچھلے خطبے کے بعد ۱۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع کلکتہ کے بزرگ کلیسا نے جو سارے ھندوستان اور سیلون کے لاٹ پادری ہیں ' اپنی پہلی تقریر میں اپنے ہم مذہبوں کی حالت کا جائزہ لیا اور ان کے لیے راہ عمل پیش کی - موصوف نے اس تقریر کی نقل مجھے بھی بھیج دی ہے - اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے سال موصوف نے چالیس مختلف مقامات میں بپتسما کی رسم ادا کی ' پچیس جلسے منعقد کرائے ' مدرسوں اور کالجوں کا معائنہ کیا ' چوبیس اسپتالوں اور چار قید خانوں میں گئے ' تین نئے کلیساؤں کی افتتاحی رسم ادا کی اور نو قبرستانوں میں دعا کے لیے گئے - موصوف کے ان مشاغل کو دیکھتے ہوئے آپ کے جوش مذہبی کا پتا چلتا ہے - آپ بلا تکلف دیسی لوگوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور خاص کر اردو

پر آپ پورے طور پر حاوی ہیں- آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں مسیحی مذہب کے مبلغوں کو اس ضرورت کا احساس کرایا کہ وہ ملکی زبانیں محنت سے سیکھیں تاکہ دیسی لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قایم کرسکیں - آپ نے کہا کہ اہل ہند کے توہمات میں تو کمی پیدا ہو رہی ہے لیکن وہ ابھی مسیحی مذہب قبول کرتے ہوے ہچکچاتے ہیں- موصوف کے الفاظ یہ ہیں: "یہ سچ ہے کہ اہل ہند مسیحی مذہب کے اُصول و عقاید کی پاکیزگی کو تسلیم کرتے ہیں اور حضرت مسیح کی پاک زندگی اور ان کی سیرت کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن جب وہ خود مسیحی مذہب کے نام لیواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی زندگی کو ان کے مذہبی اُصول کے منافی پاتے ہیں- ان حالات کو دیکھ کر وہ ایک طرح کی روحانی کش مکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے دل کی بے چینی اور بڑھ جاتی ہے- یورپ میں آج کل عقل پرستی کا دور دورہ ہے' چنانچہ اس کا اثر ہمیں اہل ہند پر بھی نظر آتا ہے- جب وہ دیکھتے ہیں کہ خود مسیحی لوگ اپنے مذہب کی پیروی نہیں کرسکتے تو ایسا مذہب قبول کرنے سے کیا فائدہ' جہاں تک کہ مادیت کے نظریوں کا تعلق ہے میں ذاتی طور پر ملٹمین کا ہم خیال ہوں کہ "ان نظریوں پر عمل کرنے سے انسانی فطرت نہایت پست ہوجاتی ہے- مادیت کے

نظریوں اور قدیم زمانے کے نظریۂ تناسخ میں کوئی فرق نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان تقدیر کا قائل ہوکر زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے - ہمہ اوستی فلسفے میں بھی یہ خیال ملتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ نظریے بہت دن تک نہیں چل سکیں گے جس طرح وہ قدیم زمانے میں بہت دن تک نہ چل سکے"۔ میں اور دوسرے مسیحیوں کی طرح دعا کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہو -

"خطروں سے انسانی اعتقاد میں نئی جان پڑتی ہے- آدھی رات کا اندھیرا ایمان کے لیے روز روشن کی طرح ہے"

ریورنڈ پروفیسر بنرجی اور بابو کمندر موہن ٹگور کے اہتمام سے کلکتہ میں ایک دیسی عیسائیوں کی انجمن قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جن ہندوستانیوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے ان کو پاک باز زندگی کی تلقین کی جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے - یہ دونوں حضرات پہلے ہندو تھے * —

اس سال کے دوران میں بعض ممتاز مسلمان مسیحیت کے حلقے میں داخل ہوے ہیں - چنانچہ دہلی کے شاہی خاندان کی بعض شہزادیوں کے بپتسمے کی رسم ابھی حال میں منائی گئی ہے —

اودہ اخبار ۲ جولائی میں یہ خبر درج ہے کہ ایک نہایت

---

* Colonial Church Chronicle, Oct. 1868

سر برآوردہ اور عالم فاضل ہندو نے جس کا نام بابو رام ناتھ ہے اسلام قبول کر لیا ہے - ہندوستان میں ہندوؤں کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا باعث تعجب نہ ہونا چاہیے اس واسطے کہ قرآن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انجیل کی بعض صداقتوں کو شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ یہی صداقتیں ہیں جنھیں دیکھ کر ہندو گمراہی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس باب میں میں ان ارباب قلم سے اختلاف رکھتا ہوں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے معتقدات کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں یا مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی بد تر سمجھتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام دراصل مسیحیت ہی کی ایک شاخ اور اس کی تعلیمات کی غلط توجیہ کا نام ہے حالانکہ ہندوؤں کا دھرم اہل یونان و روما کے مذہب کی طرح اصنام پرستی پر مبنی ہے جس کو مسیحیت نے تباہ کیا - ہندوؤں کے بت ان بتوں کی طرح ہیں جنھیں سینٹ پال نے پامال کیا اور ان کے توہمات تو اہل یونان و روما کے توہمات سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں - یہ سچ ہے کہ ہندوستان میں آکر اسلام نے ہندوانہ گرد و پیش کا اثر قبول کر لیا ہے جس سے اس کی اصلی سادگی پر بٹا لگ گیا ہے —

اخبار عالم مورخہ ۲۱ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع میں ایک عجیب و غریب واقعہ درج ہے۔ مسیحی مبلغین اور مسلمان مولویوں

نے ایک موقع پر باہم یہ طے کیا ہے کہ وہ آپس میں مل کر مباحثہ کریں گے اور اگر مبلغین مسیحیت کے دلائل تشفی بخش ہوے تو مولوی ان کا مذہب قبول کر لیں گے ورنہ وہ اسلام کے حلقے میں اپنے تئیں شامل کر لیں گے - مجھے اس کا علم نہیں کہ اس مباحثے کا کیا نتیجہ نکلا - لیکن بہر نوع مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ مسلمان کبھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مباحثے میں ہار گئے —

مسلمانوں اور ہندوؤں کو کامل طور پر اس کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ کریں جس طرح مسیحی مشنری کرتے ہیں - مسلمان لوگ خاص کر اس آزادی سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں - چنانچہ دہلی کے گلی کوچوں میں ان کے واعظ جلسے منعقد کرتے ہیں اور اپنے دین کی حمایت میں مسیحی مشنریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور اپنے مذہب کی فضیلت ثابت کرتے ہیں - دہلی کے مسلمان پنجاب کے شیعہ لوگوں کی طرح مہدی موعود کا ذکر نہیں کرتے - پنجاب کے شیعوں کا خیال ہے کہ سنہ ۱۲۸۶ ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ع میں امام مہدی کا ظہور ہوگا جو سنہ ۲۳۶ھ مطابق سنہ ۸۷۹ ع میں اس دنیا سے روپوش ہو گئے تھے - امام مہدی قیامت سے پہلے ظاہر ہو کر مسلمانوں کو غیروں کے جوے سے نجات دلائیں گے —

'پدیا بلاس' کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں مسیحی مبلغین کے ہندوؤں اور مسلمانوں سے خوب مباحثے رہے - لیکن چونکہ مباحثے کے سلسلے میں دل خراش باتیں کی گئیں اور گالی گلوج تک نوبت آگئی تو مجسٹریٹ نے اس قسم کے جلسوں کو ممنوع قرار دے دیا ہے - لیکن ہر فرقے کو اس کی اجازت باقی ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کی نشر و اشاعت کرے لیکن اس طریقے سے کہ کسی دوسرے کے مذہب کی تذلیل اور کسی کی دل آزاری نہ ہو - ہندوؤں کے پنڈت اور مسلمانوں کے علما مشنری لوگوں کی طرح برابر اپنے مذاہب کی حمایت میں جلسے منعقد کر رہے ہیں - اودھ اخبار کے مدیر نے بھی اپنے اخبار میں اس کے متعلق اظہار خیال کیا ہے کہ جس وقت سے انگریزی حکومت اودھ میں قایم ہوئی ہے اس وقت سے برابر مسلمانوں کو چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ یہ حق حاصل رہا ہے کہ وہ بھی مشنریوں کی طرح لکھنو میں اپنے جلسے منعقد کریں اور ان کے اعتراضات کا جواب دیں- حکومت اس معاملے میں مطلق دخل اندازی نہیں کر رہی ہے- یہ مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے- " ہمیں پوری توقع ہے کہ ہندو پنڈت اور مسلمان علما اپنے اپنے شہروں میں دہلی' اور لکھنو کی طرح' اپنے مذہب کی حمایت میں جلسے منعقد کریں گے اور اس امر کا خاص لحاظ رکھیں گے

کہ مسیحی مذہب کے متعلق بیجا بد گوئی اور طعن سے احتراز کیا جائے گا" —

پچھلے سال میں عمادالدین کے مسیحیت قبول کرنے اور ان کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کر چکا ہوں جس میں انہوں نے اسلام کی تکذیب کی ہے۔ اس کتاب کا نام "تحقیق الایمان" ہے - مجھے اس کا ایک نسخہ پہنچ چکا ہے اور ان کے مشرف بہ مسیحیت ہونے کا حال بھی ان کی ایک تصنیف سے معلوم ہوا *۔ اس تصنیف کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں مصنف نے اپنی زندگی کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ بعض جگہہ تعلی سے کام لیا ہے۔ لیکن اس قسم کی تحریرات صرف مشرقی ممالک ھی کی خصوصیت میں سے نہیں ہیں۔ یہ پوری تحریر لطف سے خالی ہے۔ موصوف نے اپنا مذہب بدلنے کے متعلق جو کچھہ لکھا ہے وہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے - موصوف کہتے ہیں کہ پندرہ سال کی عمر سے مجھے مذہبی تحقیق و جستجو کا شوق پیدا ہوا اور اس غرض سے میں نے علما اور فقرا کی صحبت اختیار کی تاکہ ان کی تعلیم سے فیض حاصل کروں - میں نے مسجدوں اور خانقاہوں کی خاک چھانی، فقہ اور حدیث کی تحصیل کی - لیکن جب سے مسیحی مذہب کے متبعین سے ملنے جلنے کا

---

* انھوں نے اپنے مسیحی مذہب قبول کرنے کا حال " واقعات عمادیہ " میں لکھا ہے - وہ ایک ماہوار اخبار کے مدیر بھی ہیں جس کا حال آگے آے گا -

موقع ملا اس وقت سے مجھ پر یہ کھلا کہ مذہب اسلام کے حقائق پر شبہ کیا جا سکتا ہے- جب میں نے اپنے یہ شبہات علما کے سامنے پیش کیے تو انہوں نے تیوریوں پر بہت کچھ بل ڈالے اور بعض نے اپنے استدلال سے میری تشفی کی کوشش کی - اس کے بعد میں نے مذہبی تحقیق کو ترک کیا اور علم و ادب کی تحصیل میں مشغول ہوگیا - لیکن شبہات میں کوئی کمی پیدا نہ ہونا تھی نہ ہوئی - اس پر میں نے صوفیا کا مسلک اختیار کرنا چاہا اور مراقبے میں رہنے لگا - میں نے کھانا پینا بہت کم کر دیا ' رات رات بھر قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا اور صرف ان مسلمانوں کی صحبت میں جاتا تھا جو اپنے اتقا کی وجہ سے مشہور تھے- پنج وقتہ نماز کے علاوہ میں نے تہجد اور چاشت کی نماز بھی شروع کردی - اولیا کے مزاروں پر زیارت کے لیے جاتا تھا اور راہبوں کی طرح جنگلوں میں زندگی بسر کرنے لگا - تصوف کی ایک کتاب میں نظر سے گزرا کہ کاغذ کے پرزوں پر اللہ تعالی کے نام لکھ کر ان میں جَو کا آٹا بھر کے پڑیاں بنا کر دریا میں پھینکو تا کہ مچھلیاں کھائیں- مدتوں اس پر عمل کیا لیکن نہ مراقبے سے ' نہ عبادت سے اور نہ کسی اور ذریعے سے دل کو اطمینان نصیب ہوا - قرآن کی وہ آیات جن میں دوزخ کی نسبت حالات بیان کیے گئے ہیں میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگیں- میں نے ان کا مقابلہ حضرت مسیح کی تعلیم اور ان کے مذہب

کے معتقدات سے کیا ــــ

اس وقت تک عماد الدین اسلامی عقائد کو تسلیم کرتے تھے بلکہ آگرہ کی شاہی مسجد میں مشنری (Pfander) کے خلاف تقریریں کرتے تھے اور اس کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے - مشنری Pfander کی کتابوں سے جو ہندوستانی زبان میں لکھی گئی ہیں سارے ہندوستان میں ہلچل مچ گئی ہے اور ہر طرف سے ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں ــــ

آخر آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی علما عماد الدین کی تسکین کرنے سے عاجز ہو گئے - وہ اب اپنے کمرے میں سب سے الگ بیٹھ کر رویا کرتے تھے - اس دوران میں ان کو ایک مسلمان فاضل مولوی صفدر علی کے مسیحیت قبول کرنے کا علم ہوا - اس کا اثر یہ ہوا کہ عماد الدین نے بھی انجیل مقدس اور متعلقہ کتب کا مطالعہ شروع کر دیا - اسے مسٹر مکنٹوش سے جو ایک نہایت ہمدرد اور فاضل انگریز تھے بڑی مدد ملی - موصوف لاہور کے نارمل اسکول کے ناظم تھے - بالآخر پورے غور و خوض کے بعد عماد الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ مسیحی مذہب قبول کر لینا چاہیے - ریورنڈ ئی آر کلارک سے بھی اس معاملے میں مدد ملی - میں ریورنڈ کلارک کی بیوی کے خط کے متعلق اوپر ذکر کر چکا ہوں - ریورنڈ کلارک کے ہاتھ پر عماد الدین نے ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۶۶ ع کو بپتسما قبول کیا اور انہیں وہ روحانی

عافیت حاصل ہوئی جس سے وہ عرصے سے محروم تھے —

پچھلے سالوں میں ہندوستان میں جو علمی اور ادبی انجمنیں قائم ہوئی ہیں وہ برابر اپنا کام کیے جا رہی ہیں۔ ان میں سب سے اہم علیگڑہ والی انجمن ہے جس کے بانی سید احمد خاں، صدر الصدور بنارس ہیں جنھوں نے اپنی اس تصنیف کے باعث خاص شہرت حاصل کرلی ہے جو انہوں نے انجیل مقدس کی تعلیمات کے متعلق لکھی تھی - یہ انجمن، انجمن اسلام سے مختلف ہے جس کی نسبت میں ابھی ذکر کروں گا * - اس کو مذہبی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں - اس کی رکنیت ہندوؤں اور انگریزوں کے لیے بھی ممکن ہے - اس انجمن کا مقصد وحید یہ ہے کہ مغربی علوم و فنون کو اردو میں ترجمے کے ذریعے رواج دیا جائے تاکہ ان تک ہر ہندوستانی کی رسائی ہوسکے -

اس انجمن کی مطبوعات کی ساتویں جلد میرے پیش نظر ہے - یہ آر - ایس - برن کی کتاب "Outlines of modern farming" کا اردو میں ترجمہ ہے - اس کا نام " رسالۂ علم الفلاحت " ہے - اس کتاب میں تصاویر بھی ہیں اور ترجمے میں حواشی کا

---

* ۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع اور ۱۸۶۷ والے خطبوں میں میں نے غلطی سے ان دونوں انجمنوں کو آپس میں گڈمڈ کردیا ہے —

اضافہ کیا گیا ہے * - اس انجمن کے اخراجات کی کفالت ارکان کے عطیات سے ہوتی ہے - اس انجمن نے ایک علحدہ فنڈ اس غرض سے قائم کرنا شروع کیا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کو بغرض تعلیم یورپ بھیجنے کا انتظام کیا جائے تاکہ مغرب میں جو کچھہ بھی جاننے کے لایق ہے اس کو ہندوستانی نوجوان سیکھیں اور اپنے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کریں † - یہ خبر بھی مشہور ہے کہ خود سید احمد خاں کا انگلستان جانے کا قصد ہے - آپ اس انجمن کے بانی ہیں اور آپ اس سال پھر اس کے معتمد اعزازی مقرر کیے گئے ہیں - سید احمد خاں ایک نہایت جید عالم ہیں - آج کل آپ ایک فہرست تیار کرنے میں مشغول ہیں جس میں اردو زبان کی سب کتابوں کا حال درج ہوگا - گویا یہ فہرست کیا ہوگی زبان اردو کی تاریخ ہوگی اس کے ساتھ آپ نے ایک "اردو لغت" کا کام بھی شروع کر دیا ہے - اس لغت میں اردو زبان کے سب محاورے درج ہونگے ‡ - یہ

---

* یہ کتاب ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے - یہ لیتھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھاپی گئی ہے - سید احمد خاں کے مطبع میں اسی انجمن کی کتابیں طبع کی جاتی ہیں - کچھہ دنوں سے ایک اخبار بھی اس مطبع سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کی نسبت آگے ذکر آے گا —

† اخبار عالم ' مورخہ ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع —

‡ میں نے یہ معلومات ۲۲ مئی کے اس انجمن کے رسالے سے حاصل کی ہیں جس میں راجا جے کشن داس کی پوری رپورٹ درج ہے جو انھوں نے ۹ مئی کے عام جلسے میں پڑھی تھی - موصوف انجمن کے معتمد ہیں -

فہرست اور لغت دونوں انجمن کے سلسلۂ مطبوعات میں شامل ہوں گی - ان کے علاوہ قدیم اردو شعرا کے انتخابات اردو اور فارسی شاعری اور خطابت پر کتب تصنیف کرائی جائیں گی - انجمن کے پروگرام میں یہ بھی داخل ہے کہ عربی اور فارسی کی تاریخیں اور دیگر مشہور کتب کا اردو میں ترجمہ کرایا جائے * - اس انجمن کی طرف سے متعدد انگریزی کتابوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں - یہ بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے کہ مغربی علوم صحیحہ اور منطق پر اردو میں کتابیں تصنیف کرائی جائیں میں سمجھتا ہوں یہ صرف تجربۃً کیا جا رہا ہے اس لیے کہ مغربی اور ایشیائی نقطۂ نظر میں اس قدر فرق ہے کہ یہ کام بہت دشوار معلوم ہوتا ہے - لیکن ممکن ہے کہ یہ تصانیف موجودہ حالت میں ان مصنفوں کے لیے مفید ثابت ہوں جو آئندہ ہندوستان میں جنم لیں گے ــ

بہت عرصے سے مجھے "رسالۂ انجمن لاہور" نہیں ملا - اس انجمن کا مقصد بھی یہ ہے کہ مفید علمی معلومات کی نشر و

---

* ان کتابوں میں حسب ذیل شامل ہیں :- تاریخ یمینی ٭ تاریخ ابوالفضل ، تاریخ الماثر ، (غالباً تاریخ تاج الماثر مراد ہے ، مترجم) ، طبقات ناصری ، تاریخ فیروز شاہی ، تاریخ تیمور ، انتخاب تاریخ ابن خلکان -

اشاعت کی جائے * - میں خود اس انجمن کا رکن ہوں۔ اس انجمن کی جانب سے ۳۲ رسالے شائع ہو چکے ہیں - ایک رسالے کو "اخبار عالم" نے پورا نقل کر دیا ہے † - اس کا عنوان "جانداروں کے ارتقا کی کڑیاں" ہے اس رسالے میں مختلف جانوروں کی اقسام کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ مکھی سے لے کر ہاتھی، اونٹ اور مگر مچھ، سب ہی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں موجود ہے ‡ - اس رسالے کے شروع میں لکھا ہے کہ "بعض جانور انسان سے بڑے ہوتے ہیں اور ان کی عمریں بھی اس سے زیادہ ہوتی ہیں لیکن وہ عقل سے محروم ہوتے ہیں - اس عقل کی بدولت انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے" - مولف رسالہ نے خاص کر اس فرق کی صراحت کی ہے جو انسان اور جانور میں پایا جاتا ہے - اسی ضمن میں مولف نے لکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی جبلی قوت مدرکہ بڑے جانوروں سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے - غرض کہ اس

---

* ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ع کے "اخبار عالم" سے معلوم ہوا کہ نواب سکندر علی خاں رئیس مالیر کوٹلہ نے ایک ہزار روپے کے علاوہ جو انہوں نے انجمن کو پہلے دیے تھے، ایک لاکھ روپے کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے - اس اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نواب صاحب موصوف عنقریب انگلستان کے سفر کے لیے روانہ ہونے والے ہیں اور اپنے بڑے صاحبزادے کو تعلیم کے لیے ہمراہ لے جائیں گے جن کی عمر ۱۲ سال ہے -

† "اخبار عالم" مورخہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۷ع - (میرٹھ)

‡ یہ رسالہ "اخوان الصفا" کی طرح ہے جس کا میں نے "les Animaux" کے نام سے ترجمہ کیا ہے -

رسالے میں اسی قسم کے مباحث ہیں جن کے متعلق میں زیادہ تفصیل نہیں دینا چاہتا —

ایک اور دوسرے رسالے کے مرتب کا خیال ہے کہ ہندوستان میں تہذیب و تمدن کی ترقی محض خیالی ہے - اصلیت میں اس کا کوئی وجود نہیں * - اس کے الفاظ یہ ہیں : "یہ بہت دشوار ہے کہ دیسی لوگوں کی ذہنیت سے ان کے قدیم تعصبات علحدہ کیے جائیں اور ان خلاف فطرت رسوم کو معدوم کیا جائے جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں - سوائے اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ خدا اپنی قدرت سے یکایک ہندوستان کے حالات بدل دے - یہ درست ہے کہ بعض مقامات پر اسکول اور کالج قایم کیے جا رہے ہیں لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں - تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب کسی ہندوستانی کو لکھنا پڑھنا شد بد آ جاتا ہے تو اس کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نوکری حاصل کر لے چاہے وہ ادنیٰ درجے ہی کی کیوں نہ ہو - نوکری مل جانے کے بعد لکھنا پڑھنا سب ختم ہو جاتا ہے - اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت ان لوگوں کو علم حاصل کرنے کی سچی خواہش نہیں ہوتی - اگر کسی کو پڑھنے سے دلچسپی ہوئی تو وہ قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھتا ہے - مثلاً بدر منیر، بکاولی، اور

* رسالہ نمبر ۲۵ —

باغ و بہار وغیرہ- فی الوقت اس کی کوئی توقع نظر نہیں آتی کہ ہندوستانی لوگ تاریخ، اخلاق اور فلسفہ کی کتابوں کو رغبت کے ساتھہ پڑھیں - دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مذکورۂ بالا موضوعوں پر وہ کتابوں کا مطالعہ کریں - بڑے افسوس کی بات ہے کہ حکومت کی جانب سے دھلی میں سنہ ۱۸۴۰ ع میں جو ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ جاری نہ رہ سکا اور ان کی اشاعت کا کام بند ہو گیا * —

پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۴ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں انجمن اسلام کا جلسۂ عام منعقد ہوا - اس میں مختلف مضامین پڑھے گئے اور بعض نادرالوجود اشیا کی نمائش کی گئی- جلسے میں وائسرائے بہادر، لفٹننٹ گورنر بنگال، دیسی امرا اور انگریزوں کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے شرکت کی- مدیر "اخبار عالم" نے اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ وہ خود اس سالانہ جلسے میں شریک نہ ہو سکے - موصوف کو

(*) سنہ ۱۸۴۰ ع میں میرے دوست ایف بوترو (F. Boutros) پرنسپل دھلی کالج اور ان کے جانشین ڈاکٹر اے اسپرنگر کے زیر اهتمام انگریزی کتب کا اردو میں ترجمہ شروع کیا گیا تھا اور حکومت نے اس کام کی سرپرستی اپنے ذمے لی تھی - چنانچہ متعدد کتب کے تراجم شائع ہوے جن کی هندوستان میں اس وقت تک بہت قدر ہوتی ہے- افسوس ہے کہ یہ سلسلہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا - ہماری خواهش ہے کاش کہ پھر کوئی اس کام کو شروع کرے —

انجمن کے مقاصد سے ہمدردی ہے اور آپ نے اس کی اکثر موقعوں پر بہت تعریف کی ہے اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کیا اچھا ہوتا اگر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کی انجمنیں قایم ہو جاتیں تاکہ علوم و فنون اور ادب کو ترقی دی جاے اور ہندوستان کے تمول و فلاح میں اضافہ کیا جاے —

۱۳ مارچ کو بنگال کی "انجمن علم عمرانی" (Social Science Association) کا ایک جلسہ کلکتہ میں منعقد ہوا - اس جلسے میں دیسی امرا و روسا کے علاوہ بہت سے انگریزوں نے بھی شرکت کی جو سول اور فوج دونوں صیغوں سے تعلق رکھتے تھے * - گزشتہ جون کے مہینے میں اس انجمن کے "مجلۂ علمیہ" کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے - اس میں صدر جلسے کا خطبہ درج ہے اور اس کے علاوہ ملکی تجارت و صنعت' صفائی' تہوار اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر مضامین ہیں - ایک مضمون تعلیم مسلمانان ہند پر اور ایک تعلیم نسواں پر ہے - یہ مضامین اس لیے دلچسپی کا باعث ہیں کہ ان کے لکھنے والے خود ہندوستانی ہیں - ایک مضمون میں ریورنڈ جے لانگ نے بنگال کی کہاوتوں کو جمع کر دیا ہے † —

اس انجمن نے متعدد اہم سوالات کا اعلان کیا ہے اور

(*) اخبار عالم' مورخہ ۱۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ م -
(†) ہوم ورڈ میل' مورخہ ۶ مئی سنہ ۱۸۶۸ م -

قابل اور اهل لوگوں سے ان کے جواب مانگے هیں - ان سوالات کے ذریعے سے تعلیم و تعلم ' لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس اور ایسے مدارس قایم کرنے کےلیے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی هے جہاں لڑکے اور لڑکیاں ساتھہ مل کر تعلیم حاصل کریں * —

سنه ۱۸۶۱ع میں مہاراجه بنارس اور مہاراجه وزیا نگرم کے زیر سرپرستی ایک ' مجلس مباحثه " قایم هوئی هے جو ایک خالص علمی جماعت هے - یہاں مذهبی اور سیاسی مسائل پر بحث کی اجازت نہیں هے - اس میں اعلی خاندانوں کے هندو اور مسلمان دونوں شریک هیں جنہیں هندو یا اسلامی ادب سے دلچسپی هے ' ان کے علاوہ بعض یورپین بهی اس مجلس میں شریک هوگئے هیں - اس مجلس کے جلسے هفته وار منعقد هوا کرتے هیں اور مختلف مسائل پر تقریروں کا انتظام کیا جاتا هے - تقریر کے بعد ارکان مجلس کو متعلقه مسائل پر بحث و گفتگو کی اجازت هوتی هے - جس طرح هماری یورپین انجمنوں میں هوتا هے اس مجلس میں بهی ارکان کو اس کا پورا موقع حاصل هوتا هے که وہ اپنے خیالات کی نشو و نما کرسکیں -

یه مجلس بهی " انسٹیٹیوٹ آف فرانس " کی طرح پانچ حصوں میں منقسم هے : تعلیم ' عمرانی ترقی ' فلسفه و ادب ' علوم و فنون اور قانون - اس مجلس کے هر شعبے کا صدر یورپین

(*) انڈین میل ' ۲۷ فروری سنه ۱۸۶۸ م -

ہے لیکن معتمدین ہندوستانی ہیں - بدقسمتی سے میں اب تک اس انجمن کی مطبوعات سے ناواقف ہوں - میرے پیش نظر "مجلۂ علمیہ" کا بس ایک نمبر ہے جس کے متعلق میں ذکر کر چکا ہوں - اس میں سنہ ۶۵ - ۱۸۶۴ع کی رپورت شامل ہے اور اس کے علاوہ ۴۷ مضامین ہیں جو سب کے سب سوائے ایک کے، ہندوستانیوں کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں - ان میں سے بیشتر مضامین اردو یا ہندی میں ہیں- سب مضمونوں کا کم و بیش اس موضوع سے تعلق ہے کہ ہندوستانی لوگوں کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے واسطے نئی راہیں نکالی جائیں-

ان مضامین کے بعض عنوان یہ ہیں : تعلیم نسواں کے فوائد، پردے کی خرابیاں، یورپین لوگوں سے ملنے سے کیا علمی فائدے حاصل ہوتے ہیں، ہندوستان میں علوم طبیعی کی ترقی، سنسکرت خطابت، عربی فلسفہ اور ہندوؤں کی موسیقی وغیرہ - ہندوستانی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے حسب ذیل عنوان ہیں : ہندی کی اہمیت، اردو کی ابتدائی کتب اور فارسی رسم الخط کا بہ مقابلہ رومن خط کے قابل ترجیح ہونا - ماہ جون میں انجمن کا جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا کہ نو جوانوں کو جسمانی ورزش کی اہمیت جتانی چاہیے جیسے قدیم اہل یونان کا دستور تھا * -

(*) اودھ اخبار مورخہ ۲۳ جون سنہ ۱۸۶۸ م -

ابھی حال میں اعلان ہوا ہے کہ لکھنو میں "انجمن تہذیب" کے نام سے ایک علمی اور ادبی حلقہ قایم ہوا ہے جس کے مقاصد کم و بیش وہی ہیں جو بنارس کی انجمن کے ہیں - اس انجمن میں عام سیاسی مسائل، قوانین، رسوم، علوم و فنون اور موجودہ ہندوستانی ادب کے متعلق بحث و گفتگو ہوا کرے گی۔ اس انجمن کے اصلی کارکن پنڈت اور منشی لوگ ہیں - اس انجمن کے معتمد شیونرائن ہیں جنھوں نے اردو اور ہندی کے اخبارات سے درخواست کی ہے کہ وہ انجمن کی مطبوعات کے معاوضے میں انجمن کو اپنا اخبار پہنچا کریں۔

اسی قسم کی متعدد انجمنیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں قایم کی جا رہی ہیں یہ سب در اصل نتیجہ ہے اس تعلیم کا جو ہندوستانی لوگوں کو سرکاری یا مشن کے مدارس میں دی جا رہی ہے - ان انجمنوں کے قیام سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ اہل ہند میں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا ہو رہا ہے اور ان میں علم حاصل کرنے کا شوق بڑھ رہا ہے * - دہلی کی انجمن کے قواعد و ضوابط رسالہ "دہلی سوسائٹی" کے نام سے شائع ہوے ہیں - یہ قواعد و ضوابط اردو میں ہیں اور پیارے لال نے انھیں ترتیب دیا ہے —

---

* Trubner's Literary Record مورخہ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع میں بھی اس قسم کی راے کا اظہار کیا گیا ہے - میں اس راے سے بالکل متفق ہوں -

میرٹھ میں ایک " انجمن فلکیات " قایم ہوئی ہے جس میں ۵۰ ارکان شریک ہیں - اس کے قواعد و ضوابط میرے پیش نظر ہیں جو اردو میں ہیں اور نہایت سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں - فی الحال اس انجمن کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہوگا جس میں انجمن کی تمام کارروائیوں پر تبصرہ ہوا کرے گا - ارکانِ انجمن کا خیال ہے کہ کچھ عرصے بعد ایک مستقل علمی مجلہ شائع کیا جائے گا —

لاہور ہندوستان کے اور دوسرے شہروں سے اپنی علمی و ادبی خدمت کے باعث سبقت لے گیا ہے - یہاں پہلے سے ایک علمی انجمن موجود ہے اور اس کے علاوہ اور دوسری متعدد جماعتیں ہیں جو علم و ادب کی خدمت انجام دے رہی ہیں - " جامعۂ مشرقیہ" کے قیام کے بعد اور زیادہ مدد ملے گی مسٹر لیپل گرفن (Lepel Griffin) کا خیال ہے کہ وہ ایک " انجمن ہمالیہ" قایم کریں جس کے پیش نظر یہ مقصد ہوگا کہ ہمالیہ پہاڑ کے متعلق جہاں تک ممکن ہے معلومات فراہم کی جائیں - اس باب میں علم نسل، لسانیات، آثار قدیمہ اور مذہب کے متعلق خاص تحقیقات کی جائے گی —

لاہور میں ایک " انجمن حیوانات " بھی قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے حیوانات کے نمونے جمع کیے جائیں اور ان کے خصائل و عادات کا مقابلہ

اور تحقیق کی جاے —

میں سال گزشتہ اس عرض داشت کے متعلق ذکر چکا هوں جو صوبۂ شمال و مغربی کے هندوستانی باشندوں نے کلکته یونیورسٹی کے نام بهیجی تهی جس کو سر اے گرانٹ هندوستان کی کیمبرج سے تعبیر کرتے هیں اس لیے که بمبئی یونیورسٹی ان کے نزدیک هندوستان میں بمنزلۂ آکسفورڈ هے * - اس عرض داشت کا مضمون یه تها که جس طرح مغربی علوم میں یونیورسٹی سند عطا کرتی هے اسی طرح مشرقی علوم کے لیے سند هونی چاهیے - لیکن اس عرض داشت کو یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے مسترد کردیا - اب ان عرض داشت بهیجنے والوں نے فیصله کیا هے که وه اپنی علحده یونیورسٹی قایم کریں گے جس میں مشرقی علوم کی هندوستانی میں تعلیم دی جاے گی † - اس یونیورسٹی کو "جامعه مشرقیه" کے نام سے موسوم کیا جاے گا اس لیے که یہاں خاص کر قدیم هند کی السنه و ادب کی تعلیم کا انتظام کیا جاے گا اگرچه اس کے ساتهه دوسرے علوم کی بهی تعلیم دی جاے گی - چونکه تینوں صوبوں کی یونیورسٹیاں مغربی طرز کی هیں

* موصوف صوبۂ بمبئی کے ناظم تعلیمات تهے اور آج کل اڈنبرا یونیورسٹی میں پرنسپل هیں —

† دیکهیے "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی کارروائیاں" سنه ۱۸۶۶ م صفحه ۱۲۰ -

اور ان میں انگریزی میں تعلیم دی جاتی ہے، اس لیے اپنی خصوصیت کے لحاظ سے اس کو مشرقی کہا جائے گا * - اگر اس یونیورسٹی کو قایم کرنے میں کامیابی ہوئی تو پوری توقع ہے کہ ہندوستانی زبان کی نشاۃ ثانیہ کے لیے راستہ صاف ہوجائے گا اور اردو زبان میں مشرقی مذاق کے مطابق محاوروں اور استعاروں کو باقی رکھتے ہوے مغربی خیالات کی ترویج ہوسکے گی - گویا اردو مغربی خیالات کے ساتھہ تطابق کی کوشش کرے گی اور جدید تصورات و افکار کی بدولت ایک نئی زندگی وجود میں آے گی —

ہم سر ڈی مک لیوڈ لفٹننٹ گورنر پنجاب کے دلی طور پر ممنون ہیں کہ صاحب موصوف نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ ہندوستانیوں کی یہ کوشش بجا اور درست ہے کہ وہ اپنی اور اپنے آبا و اجداد کی زبان کو سرکاری نظام تعلیم میں کما حقہ اہمیت دلانا چاہتے ہیں - آپ نے فرمایا

---

* انگریز پرستی کے خلاف اس وقت ہندوستان میں ایک ردّ عمل نظر آتا ہے - واقعی یہ بات قابل افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں سے بڑی زیادہ صاحب بننے پر نظر ہوتا ہے اور ان کی جامعات میں ہاتھوں کی زبان اختیار کی جا رہی ہے - چنانچہ مولوی وحیدالدین جو انگریزی تعلیم کے حامیوں میں سے ہیں اور جنھوں نے اپنے خرچ سے چھوٹے بچوں کے لیے ایک مدرسہ بھی قایم کیا ہے جہاں انگریزی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے، اس انگریز پرستی کے خلاف بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں -

کہ سرکاری عہدہ داروں کو اپنی دیسی زبان پر پوری قدرت حاصل کرنی چاہیئے بالخصوص وہ جن کے تفویض تعلیم دینے کا کام ہے ان کے لیے دیسی زبان سیکھنا ناگزیر ہے۔ اس کی یقیناً ضرورت ہے کہ بعض استادوں کو انگریزی کی مہارت حاصل ہو لیکن بہر حال عوام کی تعلیم ان کی زبان ہی میں ممکن ہے۔ وہ لوگ جو عوام کو تعلیم دینے کی غرض سے مقرر کیے جائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کی زبان میں اظہار خیال کر سکیں تاکہ اس طرح سے مغربی اور مشرقی علوم کے امتزاج کی شکل پیدا ہو سکے۔ اگر یہ اساتذہ مشرقی کلاسک پر حاوی ہوں اور مشرقی نقطۂ نظر رکھتے ہوں تو وہ در اصل اُردو کے جدید ادب کو پیدا کر سکتے ہیں جو اہل مغرب اور اہل مشرق کے باہمی میل جول کے باعث جنم لے گا —

میرے ایک پرانے شاگرد سٹین کار (Seton Karr) نے جو کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں ' جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر تقریر کرتے ہوے یونیورسٹی سنڈیکیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوے کہا تھا کہ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ ایک چوتھی یونیورسٹی ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں قایم کی جاے اور لاہور کی مشرقی جامعہ کے مجوزہ لائحۂ عمل کو اختیار کیا جاے۔ آپ نے ہندوستان کے ہمدرد کی حیثیت سے

یہ الفاظ فرمائے * " اس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ سنسکرت میں لوگ ڈاکٹر کی ڈگری حاصل نہ کریں ' عربی میں تکمیل کی سند نہ پائیں † اور ہندی میں بی - اے ' نہ کر سکیں - ان السنہ کی بھی وہی قدر و قیمت ہے جو انگریزی کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے نزدیک ان زبانوں کی انگریزی سے زیادہ اہمیت ہے - یہ ایک خیال خام ہے کہ انگریزی کبھی بھی سارے ہندوستان کی مشترک زبان ہوسکے گی جس طرح مغلوں کی عمل داری کے ساتھ فارسی مٹ گئی ‡ کسے معلوم کہ انگریزی کا بھی یہی حشر نہیں ہونے والا ہے"-

لاہور میں مشرقی جامعہ قایم کرنے کی تجویز عام طور پر مقبول ہوئی $ - پنجاب ایک بڑا صوبہ ہے جس کی آبادی

---

* انڈین میل مورخہ ۹ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع -

† عربی کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ مسٹر ہارل نے جو میرٹھ کے حلقے کے ناظر تعلیمات ہیں ' حکومت کی ایما پر ایک " عربی اردو " لغت تیار کرانا شروع کی ہے - یونیورسٹی کے طلبہ جو امتحانات کی تیاری کرتے ہیں انہیں اس لغت سے بہت مدد ملے گی اور ان کے علاوہ ہر ہندوستانی اور ہر مسلمان اس سے استفادہ کر سکے گا -

‡ میرے خیال میں یہ دعویٰ پورے طور پر صحیح نہیں ہے اس لئے کہ فارسی زبان ہندوستان سے بالکل مٹ نہیں گئی - ہاں فارسی میں لوگ گفتگو نہیں کرتے لیکن اب بھی فارسی میں لوگ اسی طرح ہندوستان میں لکھتے ہیں جیسے یورپ میں لاطینی میں -

$ اس طرح ڈاکٹر لیٹنر کی خواہشیں پوری ہوں گی - موصوف آج کل دردستان کشمیر اور تبت ادنیٰ کے متعلق تصانیف لکھنے میں مصروف ہیں - آپ ان علاقوں کی السنہ کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں جن کے متعلق کسی نے پہلے کوئی کام نہیں کیا - آپ کا خیال ہے کہ یہ السنہ سنسکرت سے نکلی ہیں -

ایک کرور ۷۰ لاکھہ نفوس پر مشتمل ھے - مہاراجہ کشمیر نے اس جامعہ کے قیام کے لیے ایک لاکھہ روپے کی رقم عطا کی ھے کشمیر وھی خطہ ھے جس کے متعلق طامس مور نے لکھا ھے " کون ھے جس نے وادی کشمیر کے گلابوں کا ذکر نہیں سنا جو دنیا میں اپنی نظیر آپ ھیں اور کون ھے جس نے وھاں کے مندروں' غاروں' اور چشموں کا ذکر نہیں سنا ھے جو ایسے صاف و شفاف ھوتے ھیں جیسے عاشق کی آنکھیں جس کے دل میں معشوق کی صورت بسی ھوتی ھے (لالہ رخ) - ھمیں پوری توقع ھے کہ پنجاب کے دوسرے والیان ملک مہاراجہ کشمیر کی تقلید کریں گے - مہاراجہ پٹیالہ نے بھی اس جامعہ کے قیام و استحکام کے لیے ۲۰ ھزار روپیہ کا عطیہ دیا ھے - راجہ جیند اور راجہ نابھا دونوں نے گیارہ گیارہ ھزار روپیہ دیا ھے - سردار صاحب کالسیا نے تین ھزار روپیہ دیا ھے - راجہ بلاسپور اور رئیس ناھن دونوں نے پانچ پانچ سو روپے دیے ھیں - مہاراجہ کپور تھلہ نے دو ھزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب انہوں نے اس رقم کے علاوہ بھی دس ھزار روپے دیے ھیں اور دوسرے والیان ملک نے بھی اپنا سالانہ چندہ بہ نسبت پہلے کے دو چند کر دیا ھے اور بعضوں نے بڑی بڑی رقموں کا وعدہ کیا ھے - سب والیان ملک محسوس کر رھے ھیں کہ اس جامعہ کے قیام سے اھل ھند کی روشن خیالی میں اضافہ ھوگا - لاھور کے باشندوں نے بھی

اُس جامعہ کے ساتھہ اپنی ہمدردی صرف زبانی جمع خرچ سے نہیں کی ہے بلکہ وہ عملی طور پر چندے میں شریک ہو رہے ہیں اور اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں * —

اس جامعہ کا قیام عملی طور پر ممکن ہو گیا ہے - چنانچہ "اودہ اخبار" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس یونیورسٹی کی ایک کمیٹی بنادی گئی ہے جس میں ہندوستانی اور یورپین دونوں شریک ہیں - اس کمیٹی میں ڈاکٹر لیٹنر بہ حیثیت رکن ہیں - اُس یونیورسٹی کی تحریک کے حامیوں کا ایک جلسہ بتاریخ ۹ ستمبر لاہور میں منعقد ہوا تھا تاکہ اس پر غور کیا جائے کہ لاہور کے گورنمنٹ کالج کی مجوزہ یونیورسٹی کے نصاب کے متعلق ہمدردی کیونکر حاصل کی جائے اور اس کالج میں مشرقی علوم کی ہمت افزائی کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں - چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ اس کالج کو سولہ سو روپے سالانہ کی رقم دی جائے تاکہ وہاں اردو اور فارسی کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور ان دونوں زبانوں کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے طلبہ کو وظایف دیے جائیں بشرطیکہ حکومت اس رقم کی دگنی رقم اسی مقصد کے لیے کالج کو دینا منظور کرے -

صوبے کے مرکزی مقامات میں عجائب خانوں کے قایم کرنے

---

* صرف پچھلے جون کے مہینے میں لاہور کی پبلک نے نو سو گیارہ روپے چندے کے لیے جمع کیے - ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ع

کی جو تجویز تھی اس کے موافق لاہور میں ایک بڑا عجائب خانہ قایم کیا گیا ہے * گورنر جنرل بہادر نے آثار قدیمہ کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کرنے کی تجویز منظور کی ہے جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی ایسی عمارتوں کا حال جو تاریخی اہمیت رکھتی ہیں ' تفصیل سے درج ہوگا - آثار قدیمہ میں بعض تین ہزار سال کے پرانے ہیں - حکومت اس امر کی کوشش کرے گی کہ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے - ان آثار کی تصاویر بنائی جائیں گی اور ان کے بلاک تیار کرائے جائیں گے —

کیپٹن ہالرائڈ (Holroyd) جو ابھی حال میں پنجاب کے ناظم تعلیمات مقرر ہوئے ہیں دس سال تک بہ حیثیت ناظر مدارس کام انجام دے چکے ہیں - میجر فلر (Fuller) کی غیر موجودگی میں وہ نظامت کا کام کر چکے تھے - در اصل موصوف سے زیادہ اہل اس خدمت کے لیے اور کوئی نہیں مل سکتا - اپنے پیشرو کی رسم کے مطابق آپ نے ۲۵ مارچ کو دہلی کے دیسی مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کے لیے ایک دربار منعقد کیا - اس موقع پر آپ نے ہندوستانی میں نہایت روانی کے ساتھ ایک تقریر کی اور دوران تقریر میں میجر فلر اور مسٹر ہتن کے انتقال پر ملال کا خاص طور پر ذکر کیا

* اخبار عالم مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۶۷ ع -

جو دهلی کالج کے ڈائرکٹر تھے *-

پنجاب کی طرح صوبۂ شمالی و مغربی کے باشندوں کی بھی یہ تمنا ہے کہ دهلی میں ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنا ڈالی جائے جہاں کے شاهی محلات آج ویران پڑے ہوے هیں۔

خیال یہ ہے کہ اس جامعہ میں اردو میں تعلیم دی جائے گی اور اس زبان کی تحقیق کا خاص انتظام کیا جائے گا اور اس کو اس لایق بنانے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ قدیم زبانوں کی جگہہ لے سکے۔ جدید تصانیف اور ترجموں کے ذریعے سے اس زبان کے خزانے کو مالا مال کیا جائے گا اور ایک نئے هندی یوروپی ادب کی بنا پڑے گی۔ آج کل صوبۂ دهلی کے لفٹننٹ گورنر سر ولیم میور هیں جو خود ایک مشهور مستشرق هیں جن کی تصانیف هندوستان اور یورپ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی هیں۔ همیں پوری امید ہے کہ موصوف اس تجویز کے ساتھہ اتفاق کریں گے اور دهلی میں اس هندی جامعہ کے قیام کو ممکن بنانے میں هر قسم کی کوشش کریں گے۔

کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی تینوں صوبجاتی، سرکاری یونیورسٹیاں عافیت کے ساتھہ اپنے کام میں منهمک هیں۔ نومبر سنہ ۱۸۶۷ ع کے آخری هفتوں میں بمبئی یونیورسٹی کے امتحانات میں تقریباً پانچ سو طلبہ نے شرکت کی۔ آبادی

---

* هوم ورڈ میل مورخہ ۴ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع۔

کو دیکھتے ہوے یہ تعداد بہت کافی ہے * - کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد پندرہ سو نو ہے - † یہ یونیورسٹی گیارہ سال سے قایم ہے - اس عرصے میں بارہ ہزار ایک سو اکسٹھہ طلبہ نے امتحانات میں شرکت کی - اس تعداد میں بنگالی ' شمالی ہند اور سیلون کے طلبہ شامل سمجھنے چاہئیں ‡ - ان میں سے ایک ہزار دو سو اٹھائیس طلبہ ہندو تھے ' ایک سو تین عیسائی تھے ' اٹھاون مسلمان اور ایک سو بیس چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقوں سے تعلق رکھنے والے تھے ¶ - یہ سب طلبہ ہندوستانی زبان سے واقف تھے لیکن ان میں سے بعض نے اردو ' بعض نے ہندی $ ' بعض نے بنگالی ' چند نے فارسی ' عربی یا سنسکرت ' بعض نے انگریزی اور بعض نے لاطینی کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لیا تھا - اس سال بی اے کی ڈگری کے لیے دو سو گیارہ طلبہ

* پچھلے سال امتحان میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد ۲۴۰ تھی —

† گزشتہ سال امتحان میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد ڈیرہ سو پچاس تھی -

‡ " اخبار عالم " مورخہ ۱٦ جنوری سنہ ۱۸٦۸ ع میں درج ہے کہ جن طلبہ نے امتیاز حاصل کیا ان میں یونیورسٹی کالج کا ایک طالب علم لال بھوری سنگھہ خاص طور پر قابل ذکر ہے - اس طالب علم نے میرٹھہ کے مشن اسکول میں تعلیم پائی ہے اور وہ " اخبار عالم " کے لیے انگریزی مضامین کا اردو میں ترجمہ کیا کرتا تھا - اس نوجوان ہندو کی ذہانت اور ادبی ذوق اعلیٰ درجے کا ہے -

(¶) فرینڈ آف انڈیا (ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸٦۸ ع) -

($) اس سال کلکتہ یونیورسٹی کے اردو کے ممتحن ڈاکٹر ابھے چرن کماں اور ہندی کے بابو کرشن کمال بھٹا چارجی مقرر ہوے ہیں -

امتحان میں شریک ہوئے حالانکہ سال گزشتہ صرف ایک سو ۸ کتابیں شریک ہوئے تھے —

۹ - دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء کو بنارس میں جو یونیورسٹی کا امتحان ہوا اس میں طلبہ کو انگریزی میں مضمون لکھنے کے لیے حسب ذیل موضوع دیے گئے جو یقیناً نوجوان ہندوستانیوں کے لیے اس لیے اور بھی زیادہ دشوار ہوں گے کہ انگریزی ان کی مادری زبان نہیں ہے * - "خدا نے دیہات پیدا کیا اور انسان نے شہر بنایا" † - "کیا یہ درست ہے کہ اگر کسی گناہ کے برے نتائج نہ ظاہر ہوں تو وہ گناہ نہیں ہے" —

سر اسٹفورڈ نارتھ کوٹ نے اپنی جیب خاص سے کلکتہ یونیورسٹی کو دو ہزار روپے کا عطیہ دیا ہے تاکہ اس سے ان طلبہ کو وظیفہ دیا جائے جو بنگال، صوبۂ شمالی و مغربی، پنجاب اور اودھ کے علاقوں میں داخلۂ یونیورسٹی سنہ ۱۸۶۹ع کے امتحان میں اعلیٰ درجے پر کامیاب ہوں —

سر جان لارنس بہ حیثیت وائسرائے ہندوستان میں بہت ہر دلعزیز تھے- ان کے جانے کے بعد لارڈ میو وائسرائے مقرر ہوئے ہیں- ہمیں پوری توقع ہے کہ موصوف بھی دیسی لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرلیں گے- آپ نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ اپنی مجلس عاملہ سے اس کی منظوری حاصل کی ہے کہ ہر

* انڈین میل مورخہ ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۸ء -- (†) ایضاً -

سال نو ہندوستانی طلبہ بغرض تعلیم انگلستان بھیجے جایا کریں اور ان کی تعلیم کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرے - یہ طلبہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں گے اور اپنے دوران قیام میں سول سروس یا کسی اور حکومتی شعبے کے لیے تیاری کریں گے - ہر صوبے سے دو طلبہ منتخب کیے جایا کریں گے - صوبۂ شمال مغربی سے ایک اور ایک سال چھوڑ کر پنجاب سے ایک طالب علم لیا جائے گا - اسی طرح ایک صوبۂ اودھ سے اور ایک صوبۂ متوسط سے - چھہ طالب علموں کو حکومت خود چنا کرے گی - باقی تین مقابلے سے لیے جائیں گے - یہ تینوں پریزیڈنسیوں کے طلبہ ہوں گے * -

'اخبار عالم' مورخہ ۶ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع میں مختلف صوبوں کی تعلیمی حالت کے متعلق تعداد و شمار دیے ہیں ‡ - ہندوستان کی سنہ ۱۸۶۵ ع کی تعلیمی حالت حسب ذیل ہے۔

بنگال * ۲۷۰۴ مدراس ' ۱۱۷۰۴۴ طلبہ ' ۲۲۰ مدارس

---

* ہوم ورڈ میل ؛ مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع -

† اسی نمبر میں یہ بھی ہے کہ مہاراجہ جے پور نے صنعت و حرفت کا ایک مدرسہ قایم کیا ہے - اس کے لیے ضروری کتابیں اور سائنٹفک آلات یورپ سے منگائے جائیں گے - انڈین پبلک اوپینین میں ہے کہ اسی قسم کے چار اور مدرسے ہندوستان کے مختلف حصوں میں قایم ہونے والے ہیں - ان میں سے ایک لاہور میں ہوگا ––

‡ انگریزی اخبار "اکسپرس" میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں وہ ان سے مختلف ہیں - غالباً وہ سنہ ۱۸۶۶ ع کے ہوں گے- اس کے مطابق مدارس کی تعداد دو ہزار نو سو آٹھ ہے اور طلبہ کی تعداد ایک لاکھ اکیس ہزار چار سو اسی ہے ––

نسواں ' ۵۷۱۲ طالبات - صوبہ شمال مغربی : ۹۱۸۴ مدراس ' ۱۹۹۲۶۹ طلبہ ' ۵۷۴ مدارس نسواں ۱۰۷۶۳ طالبات - پنجاب : ۲۹۶۵ مدارس ' ۹۹۳ ۱۰۱ طلبہ ' ۱۰۲۹ مدارس نسواں ' ۱۹۵۲۱ طالبات - مدراس* : ۱۲۴۵ مدارس ' ۳۸۲۵۵ طلبہ ' ۱۳۹ مدارس نسواں ' ۳۳۱۵ طالبات - بمبئی : ۱۴۱۹ مدارس ' ۹۹۸۵۱ طلبہ ' ۶۵ مدارس نسواں ' ۲۴۳۶ طالبات - اودہ : ۱۶۸ مدارس ' ۱۰۰۷۵ طلبہ ' ۱۸ مدارس نسواں ' ۴۰۶ طالبات - صوبہ متوسط ۱۴۳۶ مدارس ' ۴۶۵۸۵ طلبہ ' ۹۲ مدارس نسواں ' ۲۳۶۱ طالبات - میسور : ۸۰ مدارس ' ۵۵۸۳ طلبہ ' ۷ مدارس نسواں† کل تعداد : ۱۹۲۰۱ مدارس ' ۶۱۹۳۶۰ طلبہ ' ۲۱۴۴ مدارس نسواں ' ۴۴۵۵۴ طالبات —

گزشتہ جولائی میں سر ولیم میور (Muir) کمایوں کے پہاڑی علاقے میں تشریف لے گئے تھے - آپ نے اس علاقے کے ان مدارس کا معائنہ کیا جو لندن کے مختلف مشنوں کے خرچ پر چلائے جاتے ہیں - آپ نے مدارس میں انعامات تقسیم کیے - ان درسگاہوں میں ایک ہندوستانی مدرسہ ہے '

* سنہ ۱۸۶۷ ع کی سرکاری رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ مدراس میں تعلیم کو خوب ترقی ہو رہی ہے - مارچ کے آخر میں وہاں مدارس کی تعداد ایک ہزار تین سو چھیا سی تھی اور طلبہ کی تعداد ۵۱ ہزار ایک سو آٹھ تھی - ان میں سے ۳۸ ہزار چھ سو اٹھا سی ہندو تھے ' ایک ہزار آٹھ سو بائیس مسلمان تھے اور باقی میں یورپین ' یورشین اور دیسی عیسائی شامل تھے —

† میسور کی طالبات کی تعداد معلوم نہیں —

ایک انگریزی اسکول ہے جس میں صرف لڑکوں کو تعلیم دی جاتی ہے، ایک میں صرف لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ہے اور ایک مدرسہ ہے جس میں ہر اتوار کے دن مسیحی عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے - ہندوستانی مدرسے میں ۱۲۵ طلبہ ہیں اور انگریزی اسکول میں سو ہیں - سر ولیم میور جب ہندوستانی مدرسے میں تشریف لے گئے تو اس موقع پر آپ نے ہندوستانی (اردو) میں تقریر کی اور ہندوستانی طلبہ کو بعض نصیحتیں کیں اور بتلایا کہ انگریزی زبان اور مغربی لبرل علوم کے سیکھنے سے ان کو کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے —

اہل یورپ کی آمد سے پہلے ہندوستان میں ایشیا کے دوسرے، ممالک کی طرح تعلیم نسواں کی طرف مطلق کوئی توجہ نہیں کی جاتی تھی - دراصل تعلیم نسواں کی طرف سے بے توجہی کا ایک نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل یورپ کے مقابلے میں اہل مشرق ہر اعتبار سے پست ہوتے ہیں - جیسا کہ ٹینسن نے کہا ہے "جو چیز طبقۂ نسواں کے لیے فائدہ بخش ہے وہ یقیناً مرد کے فلاح و بہبود کا باعث ہوگی، عورت اور مرد دونوں قعر مذلت میں ساتھ گرتے ہیں اور ساتھ ہی دیوتاؤں کی سی عزت حاصل کرتے ہیں - آزاد بھی ساتھ ہوتے ہیں اور غلام بھی ساتھ ہوتے ہیں" —

دراصل حکومت نے تعلیم نسواں کی جو ہمت افزائی شروع کی ہے اس میں ہندوستانیوں کا فائدہ ہے - حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ تقاریر کے ذریعے تعلیم نسواں کی تحریک کو فروغ دیا جائے - چنانچہ ۱۸۶۱ ع سے جب سے کہ حکومت نے اس جانب توجہ کی ہے، عورتوں میں تعلیم کا رواج برابر بڑھتا جاتا ہے - حکومت اپنے خرچ سے معلمات کے لیے نارمل اسکول قایم کرا رہی ہے اور اس وقت کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں متعدد نارمل اسکول موجود ہیں * -

باشندگان بمبئی تعلیم نسواں کے باب میں بہ نسبت دوسرے ہندوستانیوں کے زیادہ پیش پیش رہے ہیں اور ان کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کے لیے برابر کوشاں رہے ہیں - چنانچہ ان کی ہمدردی کا عملی ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ سترہ سال میں انھوں نے اپنے بل بوتے پر ۶۶ اسکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قائم کیے ہیں جن میں اس وقت تقریباً چار ہزار لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں † - یہ بات بھی اس ضمن میں قابل لحاظ ہے کہ

---

* ناگپور میں بھی ایک نارمل اسکول ہے جہاں دیسی معلمات کو تیار کیا جاتا ہے - اس وقت ۲۵ ہندوستانی لڑکیاں یہاں تعلیم پا رہی ہیں - ایک مسلمان خاتون نے جو حاجی بھی ہیں، اسی شہر میں مسلمان لڑکیوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا ہے - موصوفہ نہایت روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہیں اور اردو اور مرہٹی لکھ پڑھ سکتی ہیں -

† اخبار عالم - ۱۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ م -

تعلیم اور خیرات کے کاموں میں بمبئی کے باشندوں میں پارسی لوگ سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں اور بہت سے مدرسوں کے اخراجات کا انحصار تمام تر انھیں پر ہے —

لیکن "اخبار عالم" کے مدیر کا خیال ہے کہ بنگال میں بہ نسبت ہندوستان کے اور دوسرے علاقوں کے تعلیم نسواں کو زیادہ فروغ ہو رہا ہے * - آپ اس دعوے کی تائید میں موصوف نے آٹھ ایسی عورتوں کے نام گنائے ہیں جن کی تصانیف کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے - یہ سب کی سب ہندو عورتیں ہیں - ان میں سے ایک پٹنہ کی ہیں ' ایک بسنت پور کی ہیں اور باقی چھ کلکتہ کی ہیں † —

جسٹس فیر (Phear) نے بیتھون سوسائٹی کے جلسے میں گزشتہ سال تعلیم نسواں کے موضوع پر خطبہ پڑھا تھا - آپ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ عورتوں کو خود عورتیں تعلیم دیں اس لیے کہ ایسے بہت سے مدارس ہیں جہاں لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں اور ان کے منتظم برہمن لوگ ہوتے ہیں - اس قباحت کو دور کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے کہ معلمات کے لیے نارمل اسکول قایم کیے جائیں - یہاں کی فارغ التحصیل معلمات کے ہاتھ میں لڑکیوں کی تعلیم دی جا سکتی ہے —

---

* اخبار عالم مورخہ ۲۳ - جولائی سنہ ۱۸۶۸ م -

† ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۳ - جنوری سنہ ۱۸۶۸ م -

صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات مسٹر کمپسن [Kempson] کی پر جوش مساعی کی بدولت وہاں بھی تعلیم نسواں کو برابر ترقی ہو رہی ہے - اس وقت صرف بریلی میں لڑکیوں کے پندرہ مدرسے ہیں - ان میں دو سو چھیاسی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں - اس امر کا بھی فیصلہ ہوگیا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو اردو میں تعلیم دی جائے گی اور ہندو لڑکیوں کو ہندی میں - اردو اور ہندی دونوں ہندوستانی کی شاخیں ہیں - دونوں کے درمیان بس طرز تحریر کا فرق ہے - یہ فرق ہندوستانیوں کے مذہبی اختلاف پر مبنی ہے - جس کی نسبت میں بارہا تذکرہ کرچکا ہوں - ان مدرسوں میں استانیاں کام کرتی ہیں اور ان کے کام کی نگرانی بھی عورتیں کرتی ہیں - ہندوستانی استانیوں کو، چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، یہ بات پسند نہیں کہ مرد لوگ اور وہ بھی یورپین معائنے کے لیے ان کے مدرسوں میں آئیں - چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی ناظر ان مدرسوں کے معائنے کے لیے آتا ہے تو انہیں بہت ناگوار ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ اپنی بے بسی پر آبدیدہ ہوجاتی ہیں - چنانچہ بنگلور کی مثال موجود ہے - یہاں کے نارمل اسکول کے معائنے کے لیے جو ابھی حال ہی میں قایم ہوا ہے مسٹر رائس ناظر تعلیمات میسور گئے تھے - موصوف نے اپنے معائنے کے وقت استانیوں اور طالبات کو ہر طرح سے اطمینان دلایا اور لڑکیوں

کے لیے مٹھائی تقسیم کرائی جو انھیں بہت مرغوب ہوتی ہے * —

مس کارپنٹر نے اپنی کتاب " ہندوستان میں چھ ماہ " † میں تعلیم نسواں کے متعلق بعض دل چسپ تفصیلات دی ہیں جنھیں پڑھ کر ہر اس شخص کو خوشی ہوگی جو ہندوستان کے معاملات کے ساتھ دل چسپی رکھتا ہے۔ موصوفہ نے بھی معلمات کی نہایت زور دار حمایت کی ہے اور لکھا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کی تعلیم بغیر اس کے نہیں ہو سکتی جب تک نئے نارمل اسکول معلمات کی تعلیم کے لیے نہ قائم کیے جائیں - چنانچہ موصوفہ کی اس حمایت نیز بعض سر برآوردہ ہندوستانیوں کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت نے خاص اس غرض کے لیے بارہ ہزار روپے سالانہ کی رقم منظور کی ہے تاکہ صوبوں کے صدر مقامات یعنی کلکتہ ، مدراس اور بمبئی میں نارمل اسکول قایم کیے جائیں -

مس کارپنٹر ستمبر میں پھر ہندوستان تشریف لے گئی تھیں تاکہ اس کام کی تکمیل کی کوشش کریں جس کی جانب حکومت نے بھی توجہ مبذول کی ہے - پر جوش نوجوانوں کا ایک وفد ترتیب دیا گیا ہے تاکہ بمبئی پہنچنے پر ان کا استقبال کرے -

---

* بنگلور ہیرلیڈ ، مورخہ ۸ - اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع (دی ٹائمز آف انڈیا) -

† اس کتاب پر میں نے مجلۂ مشرقی میں ایک مضمون بھی لکھا ہے جو ابھی شایع ہوا ہے -

موصوفہ کا ارادہ ہے کہ اپنا دورہ احمد آباد سے شروع کریں ' جو گجرات کا قدیم دارالسلطنت ہے اور جہاں موصوفہ کا خیال ہے کہ ان کی تجاویز کو سب سے زیادہ کامیابی کی اُمید ہے - ہندوستانی عورتوں کی زندگی کو سدھارنے اور اسے بہتر بنانے کے لیے مس کارپنٹر جس خلوص کا اظہار کر رہی ہیں وہ واقعی قابل داد ہے - اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ موصوفہ مذہبی معاملات میں مطلق کسی قسم کا دخل دینا نہیں پسند کرتیں - یہ کام انھوں نے مشنری لوگوں پر چھوڑ دیا ہے جن کا فرض ہے کہ اپنی تعلیم کے ذریعے ہندوستانیوں کے دلوں کو رام کریں اور مغربی تہذیب و تمدن کے دروازوں کو ان کے لیے کھول دیں —

مسز آر کلارک کے خط سے معلوم ہوا کہ امرتسر میں تعلیم نسواں کی بتدریج ترقی ہو رہی ہے - موصوفہ نے سنہ ۱۸۶۵ع میں اس شہر میں زنانہ اسکول قایم کیا تھا - ابھی حال میں آپ نے عورتوں کے لیے ایک نارمل کی بنا ڈالی ہے تاکہ ابتدائی مدارس میں تعلیم ختم کر چکنے کے بعد ان کے لیے تعلیم کا انتظام ہو جائے جو آیندہ پڑھانے کا کام کرنا چاہتی ہیں - ابتدائی مدارس میں جغرافیہ ' تاریخ ہند ' ریاضی اور صرف و نحو کی تعلیم دی جاتی ہے - املا کی مشق کرائی جاتی ہے ' گانے اور کشیدہ کا کام سکھایا جاتا ہے - امرتسر کے ابتدائی

مدارس کے طلبہ کی تعداد اس وقت پچیس ہے - مسز کلارک لکھتی ہیں کہ "یہ تعداد بہت حقیر معلوم ہوتی ہے لیکن یہ لحاظ رہے کہ ابھی کام کی ابتدا ہوئی ہے" —

تعلیم یافتہ ہندوستانیوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو موجودہ سرکاری نصاب تعلیم کو اچھا نہیں سمجھتے - چنانچہ ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۸ء کے "اودہ اخبار" میں اس کے خلاف ایک طویل مضمون درج ہے - اس مضمون میں صراحت کے ساتھ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ہندوستانی اور یورپین نقطہ ہاے نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس کی وجہ سے خود ان کا نقطۂ نظر بالکل پس پشت نہ ڈال دیا جاے - اس مضمون کے الفاظ یہ ہیں! "دراصل ہرملک کی ذہنی صلاحیت برابر ہوتی ہے لیکن مختلف ملکوں کے باشندوں کے خیالات میں اختلاف ہوتا ہے اور ان خیالات کو ظاہر کرنے کے طریقے جداگانہ ہوا کرتے ہیں - مثلاً اہل مشرق اہل مغرب کی طرح، اپنے خیالات کو سیدھے سادے الفاظ میں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ وہ تشبیہ و استعارہ کثرت سے استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں - اگر اہل یورپ کے خیالات آب و رنگ اور مبالغے کے ساتھ ان کے سامنے پیش نہ کیے جائیں تو وہ انہیں قبول کرنے میں پس و پیش کریں گے -

چنانچہ ہندوستانیوں کو تعلیم دینے میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر تاریخ ہندوستان میں صرف عہد وار اور بڑے بڑے لوگوں کے ناموں کا ذکر ہوگا جیسا کہ اکثر ابتدائی کتابوں میں ہوتا ہے تو اس سے کچھہ حاصل نہ ہوگا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ کتاب کا طرز تحریر ایسا ہو جو جاذب توجہ اور دل کش ہو تاکہ ہندوستانی ذہنیت کو اپیل کر سکے ــ

ہندوستانی زبان، جس کے ذریعے سے مسیحی خیالات اور مغربی تہذیب اہل ہند میں پھیل رہی ہے ' برابر ترقی پر ہے۔ اس کی ادبیات میں روز بروز تنوع بڑھتا جا رہا ہے۔ میں اس دعوے کی تائید میں ایم ایس ہاول کا خط یہاں نقل کرتا ہوں جو صوبۂ مغربی و شمالی کے ناظم تعلیمات ہیں۔

" آپ نے اپنے خطبات میں جو خیال پیش کیا ہے کہ اردو کو ہندی پر فوقیت حاصل ہے، بحیثیت دفتری زبان ہونے کے اور بحیثیت معاشری ضروریات کے پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے۔ میں اِس سے بالکل متفق ہوں۔ بہ حیثیت ناظم تعلیمات اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں میں نے ہر ممکن موقع پر اردو کی توسیع و ترقی کے لیے حمایت کی ہے اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اردو ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے

میں قومی زبان کہلانے کی مستحق ہے - اس سے میری مراد وہ زبان ہے جو ہر خاص و عام کی سمجھ میں آتی ہے- اس بات میں مسٹر کمپسن، جو صوبۂ مغربی و شمالی کے سررشتہ تعلیم کے اعلیٰ عہدہ دار ہیں بڑی حد تک میرے ہم خیال ہیں- لیکن بد قسمتی سے ابتدائی مدارس میں یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ اردو یا ہندی میں سے کسی ایک کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی ہے - چونکہ اکثریت ہندو طلبہ کی ہے اس لیے ہندی کا استعمال بڑھ رہا ہے - مسلمان اور بعض ہندو جن کی مادری زبان اردو ہے، اردو کو ترجیح دیتے ہیں * - میرے خیال میں اردو اور ہندی کی تفریق قومی نقطۂ نظر سے سخت نقصان رساں ہے - یہ زیادہ بہتر ہوتا اگر ہندو بچوں کو اردو سکھائی جاتی- بجائے اس کے کہ انہیں ایسی "بولی" میں اظہار خیال کی مشق کرائی جائے جو بالآخر ایک دن اردو کے

---

* ہندی اور اردو کے فرق کو واضح کرنے کے لیے میں "باغ و بہار" کے اس حصے کو پیش کرتا ہوں جس میں ایک مسلمان ایک ہندو کے ساتھ گفتگو کرتا دکھایا گیا ہے - مصنف نے اس گفتگو میں اس کا خیال رکھا ہے کہ مسلمان اردو بولے اور ہندو ہندی - اگرچہ ہندی اور اردو ایک زبان سے عبارت ہیں لیکن ان دونوں کا فرق نہایت بین طور پر نظر آتا ہے - اردو اور ہندی کا فرق ہمیں ان مکالموں میں بھی صاف نظر آتا ہے جو آزاد بخت کی سرگزشت میں بیان کیے گئے ہیں —

آگے سر تسلیم خم کرے گی † "—

اردو اور هندی کی اهمیت کے متعلق میں نے گزشتہ سال کے خطبے میں جو ذکر کیا تھا اسی پر مسٹر هنری کارٹر نے جو کئی سال تک میرے شاگرد رہ چکے هیں، اور مسٹر برڈ وڈ کے یورپ واپس آجانے کے بعد بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کے سکرتری هوگئے هیں، مجھے ایک خط لکھا هے اور اس مسئلہ کو چھیڑا هے - خط کے الفاظ یہ هیں —

" اردو بہ نسبت هندی کے زیادہ بولی جاتی هے- اس میں ترقی اور نشو و نما کی صلاحیت بھی زیادہ هے - اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ایک دن آنے والا هے جب کہ اردو سارے هندوستان کی مشترک زبان بن جاے گی " —

یہ سچ هے کہ هندوستانی کا ماضی ایسا زیادہ درخشاں نہیں لیکن اس کا مستقبل یقیناً شاندار هے- نہر سوئز کی تعمیر سے وہ بحر روم کے کناروں تک پہنچ جاے گی - هندوستانی ایشیا کے بعض ایسے حصوں میں بولی جاتی هے جہاں کی وہ اصل زبان نہیں هے- مثلاً برهما میں مونگ شالو (Mong Shaw Loo) جو مولمین کے رهنے والے هیں اور نیویارک میں بہت عرصے

---

† اگرچہ میں خود اردو کا بہت بڑا حامی هوں لیکن میرے خیال میں هندی کو " بولی " کہنا مناسب نہیں معلوم هوتا -

تک رہ چکے ھیں اور وھاں سے طب کی اعلیٰ سند حاصل کی ھے ' ان سے پیرس میں میری ملاقات ھوئی تھی ' انھوں نے بھی یہ کہا کہ برھما میں ھندوستانی بولی جاتی ھے —

اس سال شہر روما میں پرو پگنڈا کالج کے ایک طالب علم نے ھندوستانی نظم پڑھی - یہ طالب علم آگرہ کا رھنے والا ھے- ھر سال اکاڈمی السنہ کی طرف سے اسی قسم کا جلسہ بعثت مسیح کی تقریب میں ھوا کرتا ھے اور مختلف ممالک سے طلبہ موقع کی مناسبت سے اپنی اپنی زبانوں میں نظمیں پڑھا کرتے ھیں - حاضرین کو موسیقی سے بھی لطف اندوز کیا جاتا ھے * —

فاضل بیمز کلکتہ کے ایشیاٹک جرنل میں اسی موضوع پر برابر لکھہ رھےھیں کہ ھندوستانی زبان میں عربی اور فارسی عناصر کو برقرار رکھا جاے- جو خیال موصوف نے " کوارٹرلی ریویو ' میں پیش کیا تھا (نمبر ۲۳۴) اسی کو ان مضامین میں پھیلا کر پیش کیا جا رھا ھے - " کوارٹرلی ریویو " میں موصوف نے لکھا تھا کہ " اگر سرکاری طور پر ھندوستانی کو سارے ھندوستان کی زبان تسلیم کیا جاے تو یہ صرف اس وقت ممکن ھوگا کہ ھندوستانی کو فارسی سے بالکل جدا نہ

* Accademia poliglotta che gli alumui del collegio de Prop. Fide offrone a' Santi Re magi, Roma, 1868, p. 10

کہا جائے - مسلمانوں میں جو لوگ تھوڑے بہت بھی تعلیم یافتہ ہیں وہ فارسی ضرور جانتے ہیں - اسی زبان کے توسط سے مجرد تصورات کی ان تک رسائی ہوتی ہے - نیز سیاست و حکمت و شاعری میں فارسی سے استفادہ کیا جاتا ہے - دراصل اردو زبان سوائے اس کے کچھہ نہیں کہ وہ فارسی اور ہندی کا امتزاج ہے - مسٹر بیمز کا خیال ہے کہ اگر اردو لکھتے وقت سنسکرت یا ہندی یا عربی و فارسی کے ہم معنی لفظوں میں سے ایک چننا ہو تو آخر الذکر کو سب پر ترجیح دینی چاہیے - میرے خیال میں اس قسم کا انتخاب اہل ہند بہت عرصہ ہوا کرچکے اور وہ عربی فارسی الفاظ کو سنسکرت اور ہندی کے الفاظ پر ترجیح دے چکے ہیں - ہم اس مسئلہ پر یہاں بحث کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں - (ہندوستانی) اردو کو راے اور بابے سب ہی استعمال کرتے ہیں - یہ خاص کر شہروں میں بولی جاتی ہے- ہمیں اس سے انکار نہیں کہ دیہات میں اور خاص کر وہاں کے ہندوؤں میں ہندی بولی جاتی ہے- پنڈتوں نے ہندی کی ادبی خدمت بھی کی ہے جس طرح پرانے زمانے میں بھاٹ لوگوں نے اس کی خدمت کی تھی- بابو ہری چندر اور دوسرے پرجوش ہندوؤں کی ہندی تصانیف نہایت اہمیت رکھتی ہیں- ہندوستان کے اہل علم و فضل اور یورپ کے مستشرقین کو ان تصانیف کی اہمیت تسلیم کرنے میں

مطلق پس و پیش نہ کرنا چاہیے - میں ذاتی طور پر ان تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن میرے نزدیک ان تصانیف کے مقابلے میں ان مطبوعات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے جن کے ذریعے اردو کی نشر و اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔

میں اس موقع پر پھر اس کا اعادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستانی زبان میں کمال پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فارسی اور عربی میں استعداد بہم پہنچائی جائے۔ اسی طرح فارسی جاننے کے لیے ہندوستانی جاننا بھی ضروری ہے * - یہ واقعہ ہے کہ فارسی زبان کے ادیبوں کی اچھی خاصی تعداد نے ہندوستان کی سرزمین میں اپنی تصانیف لکھیں - ان کی تحریروں پر ہندوستانی اثر ہونا لازمی تھا - ہندوستان کے مسلمانوں نے فارسی زبان کی تحصیل میں جو سرگرمی ظاہر کی ہے اس کا اظہار کہیں اور نہیں ہوتا - دراصل فارسی زبان مسلمانان ہند کی کلاسکی زبان ہے - انہوں نے اس زبان کی بہترین لغتیں تیار کیں جیسا کہ خود اہل ایران تسلیم کرتے ہیں - ڈاکٹر بلوخ مان نے بھی اپنی کتاب

---

* اس ضمن میں ڈاکٹر بلوخ مان جیسے فاضل کی رائے ظاہر کرنا ضروری ہے - مجھے مسرت ہے کہ موصوف بھی میرے ہم خیال ہیں - آپ نے (Contributions to Persian Lexicography) میں لکھا ہے کہ "موسیو گارساں دتاسی کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ فارسی زبان کے علما کو ہندوستانی جاننا ضروری ہے" -

(Contributions to Persian Lexicography) میں اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- موصوف نے بتلایا ہے کہ ہندوستان کی مروجہ فارسی اور ایران کی خالص فارسی کے درمیان کیا فرق ہے- اس ضمن میں تلفظ ، لب و لہجہ اور محاورات کے فرق کو نہایت خوبی کے ساتھہ ظاہر کیا گیا ہے - فارسی کے " استعمال ہند " کے متعلق مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں - موصوف کی رائے ہے کہ "ہندوستان میں فارسی زبان جس طرح استعمال کی جاتی ہے اس سے واقفیت رکھنا نہ صرف ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو فارسی کی ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان میں تصنیف ہوئیں یا طبع ہوئیں بلکہ ہندوستانی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کو بھی اس میں درک رکھنا چاہیے- ...... فارسی نے ہندوستان میں جو خصوصیات حاصل کی ہیں وہ قابل قبول ہیں اور ان خصوصیات نے ہندوستان میں جہاں تک راہ پائی ہے وہ بالکل صحیح تصور ہوں گی - عربی مثل کے مطابق "غلط العام' صحیح اور فصیح" ہوجاتا ہے - اہل ہند نے فارسی میں جس قدر کتابیں تصنیف کی ہیں ان سبھوں میں " استعمال ہند" صاف طور پر نظر آتا ہے - خود ابوالفضل کے ہاں آپ کو اس کی مثالیں ملیں گی - " استعمال ہند " میں ہمیں بعض ایسی لسانی خصوصیات بھی ملتی ہیں جو ایران میں اگلے وقتوں میں موجود ہوں

کی اور جملہیں آج کل کے ایرانیوں نے متروک قرار دیدیا ہے - ان کی زبان نے جوں جوں ترقی کی ویسے ویسے انہوں نے بعض الفاظ و محاورات کو متروک قرار دیا * —

گزشتہ ماہ جولائی کی ۲۸ تاریخ کو " انجمن بنارس " کے جلسے میں کوئنز کالج (Queen's College) کے ایک پروفیسر نے اس موضوع پر تقریر کی کہ شمالی ہند میں جو ہندوستانی رائج ہے اس کو کس طرح ترقی دی جائے - انڈین میل کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ موضوع بحث ہندوستان میں بہت مقبول ہے (۲ ستمبر ۱۸۶۸ ع) - مقرر موصوف نے دوران تقریر میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ہندی اور اردو کے ادب کو فروغ دینے کی صرف یہ صورت ہے کہ انگریزی سے ان میں تراجم کیے جائیں اور اسی طرح انگریزی زبان کے اعلیٰ خیالات و جذبات کو ہندی اور اردو میں منتقل کیا جاے - موصوف نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ ہندی اور اردو دونوں اخلاقی جذبات سے محروم ہیں - ہمارے خیال میں یقیناً ان یورپین کتب کا ضرور

* یہ خصوصیات مختلف الفاظ کے استعمال میں نظر آتی ہیں - مثلاً واؤ اور " یاے مجہول " کو خفیف اور معروف طریقے سے ادا کرنا - بجاے " او " اور " اے " کے " أ " اور " ای " - جلی حروف علت (long vowels) کے بعد اسم کو ناک کے (Nasal) لہجہ سے ادا کیا جاتا ہے حالانکہ اہل ایران کے ہاں یہ بات نہیں ملتی - تشدید اور فتح ثانی کا حذف حالانکہ اہل ایران کے ہاں ایسا نہیں ہوتا —

ترجمہ ہونا چاہیے جو ترجمہ کے قابل ہیں - لیکن یہ کوشش بے سود ہے کہ مشرقی ادبیات کی روح کو تبدیل کر دیا جائے اور اسے یورپین رنگ میں رنگ دیا جاے - یہ خیال میرے نزدیک نہ قابل عمل ہے اور نہ قابل قبول - میں پہلے بھی اس کی مخالفت میں اپنی راے پیش کر چکا ہوں —

بمبئی کی انجمن جغرافیہ کے سال کے آخری جلسہ میں مسٹر برجس نے اس امر کی تحریک کی کہ ہندو اور اسلامی ناموں کو لاطینی رسم خط میں ایک معین قاعدے کے تحت لکھنا چاہیے - بابو شیو پرشاد نے بھی، جن کی مسئلہ ہندی اردو کی راے سے میں اختلاف کرتا ہوں، اسی قسم کا خیال ظاہر کیا - ہم بھی اس خیال کی پرزور تائید کرتے ہیں - یہ بہت اچھا ہو اگر اشخاص و مقامات کو بجاے مختلف طریقوں سے لکھنے کے ایک ہی طور پر لکھا جاے - بعض اوقات ہجے کا اس قدر فرق ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر اور ایک ہی مقام کو دوسرا شہر اور دوسرا مقام سمجھا جاتا ہے —

ہندوستانی زبان کے امتحانات کی بدستور پابندی کی جا رہی ہے - یہاں تک کہ مبلغین مسیحیت کو بھی امتحان دینا پڑتا ہے - سرکاری گزٹ میں ان کے نام برابر شائع ہوتے رہتے ہیں جنھوں نے ان امتحانات میں کامیابی حاصل کی - سر ایس نارتھ کوٹ نے یہ تحریک کی ہے کہ ان امتحانات

میں اور زیادہ سختی برتی جاے - آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں جو انگریز حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہندوستانی میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے ہیں اور بعض اوقات تقاریب کے موقعوں پر تقریر بھی کرتے ہیں - چونکہ اہل ہند سے انہیں کی زبان میں گفتگو کرنا مفید ہے اس لیے اس کا التزام رکھا جاتا ہے - میں نے اپنے پچھلے خطبے میں ذکر کیا تھا کہ وائسراے بہادر نے آگرے میں تقریر کی تھی - اس سال بھی موصوف نے لکھنو کے دربار میں نہایت فصیح اردو میں حاضرین کو خطاب کیا - یہ دربار ماہ نومبر میں منعقد ہوا تھا - ہندوستانی اخبارات اس تقریر کے طرز اور اس کی سادگی کی تعریف میں متفق ہیں - وائسراے بہادر سر جان لارنس نے یہ تقریر تعلقہ داروں کے ایڈریس کے جواب میں کی تھی - یہ تقریر پوری کی پوری ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوچکی ہے - موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں ان تعلقہ داروں کو خطاب کرتے ہوے جنھوں نے جدید سیاسی انتظامات کے تحت اپنی سندیں حاصل کی ہیں، کہا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کے ساتھہ مہر و محبت کا برتاو کریں جن کی سندیں ضبط کرلی گئی ہیں —

اجمیر میں دیسیوں کے ایک کالج کی افتتاحی رسم کے موقع پر کرنل کیٹنگ نے جو گورنر جنرل کے ایجنٹ ہیں

هندوستانی زبان میں تقریر کی جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا - موصوف نے جے پور کے صنعتی اسکول کے افتتاح کے وقت بھی هندوستانی میں تقریر کی اور ایک ادبی و علمی انجمن قایم کی - اس انجمن کی طرف سے جے پور میں ایک مطبع قایم کیا جائے گا جس میں هندی اور انگریزی کی چھپائی هوا کرے گی اور وهاں سے ایک اخبار بھی جاری کیا جائے گا -

سر ولیم میور نے اردو اور هندی کی ادبیات کو فروغ دینے کے متعلق چند اصول و قواعد مرتب کیے هیں - چنانچہ موصوف کی جانب سے اعلان هوا هے کہ هرسال بہترین مصنف، مولف یا مترجم کو ایک ایک هزار روپے کے پانچ انعام دیے جایا کریں - طرز تحریر اور مضمون کی اخلاقی حیثیت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا - موضوع کی کوئی قید نہیں، چاهے ادبی هو یا سائنٹفک - مصنف یا مولف کے جملہ حقوق محفوظ رهیں گے اور حکومت اشاعت کی خاطر ان کتب کی اچھی خاصی تعداد خریدے گی * —

نواب رامپور نے هندوستانی کی اهمیت کو ملحوظ رکھتے هوئے متعدد اسکول اپنی ریاست میں قایم کیے هیں جہاں هندوستانی کی تحصیل پر خاص زور دیا جاتا هے - اگرچہ اس حصۂ ملک میں تعلیم نسواں کے خلاف تعصبات موجود هیں

* هوم ورڈ میل - ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

لیکن باوجود اس کے نواب صاحب نیز امرائے ریاست نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے متعدد مدارس قایم کیے ہیں *۔

میں سید عبداللہ کے اس خط کے مضمون کے ساتھ بالکل متفق ہوں جو موصوف نے سر اسٹفورڈ نارتھ کوٹ (Sir Stafford Northcote) کے نام لکھا تھا اور جس میں اس امر پر زور دیا تھا کہ آئندہ سے حکومت ہند سول سروس کے مقابلے کے امتحان میں ہندوستان کی بعض مروجہ اور زندہ زبانوں کو لازمی قرار دے۔ دراصل ان السنہ کو سنسکرت اور عربی کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہے اس واسطے کہ سنسکرت اور عربی کے ساتھ اہل ہند کو ادبی اور علمی تعلق ہے لیکن اکثر امیدواران سول سروس کے لیے آخرالذکر السنہ بیکار ہوتی ہیں۔ سید عبداللہ نے اپنے اس خط میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سول سروس کے ہر امیدوار کے لیے یہ لازمی قرار دینا چاہیے کہ وہ ملکی زبان میں پوری دسترس حاصل کرے، شکستہ تحریر بآسانی پڑھ سکے اور اس زبان سے انگریزی میں اور انگریزی سے اس زبان میں بخوبی ترجمہ کرسکے۔ دراصل یہ تمام باتیں نہایت ضروری ہیں۔ چنانچہ نظمائے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہیلی بری کالج (Haileybury) کے طلبہ کے لیے انہیں لازمی قرار دیا تھا۔ سید عبداللہ کے شاگرد ایچ پامر نے بھی اپنے استاد

* اودھ اخبار - ۲۶ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع -

کے خیالات سے اتفاق کیا ہے * - ثانی الذکر نے دیسی زبانوں میں جو مہارت بہم پہنچائی ہے وہ اس بات کی ایک مثال ہے کہ ایک یورپین اگر چاہے تو السنۂ مشرقیہ میں کس درجہ تک کمال حاصل کر سکتا ہے —

حکومت کو اس جانب توجہ دلاتے رہنا مفید ہے - لیکن ہمارے خیال میں حکومت کو خود بخود پہلے سے اس بات کا خیال ہے کہ نوجوان سول سروس والوں کو ہندوستانی زبان کی تحصیل کے لیے آمادہ کرے اس واسطے کہ ہندوستانی ہی ملک کی مشترک زبان ہے اور جیسا کہ میں بارہا پہلے بتا چکا ہوں اہل ہند کا ایک بڑا اور اہم طبقہ اس کے ذریعے اظہار خیال کرتا ہے اور ملک کے طول و عرض میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے ملتے ہیں - ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوے ان لوگوں کو جو حکومت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس زبان کا سیکھنا از بس ضروری ہے - مثلاً اگر کسی نوجوان عہدہ دار کا ایسے ضلع میں تقرر ہو جاے جہاں کی مقامی بولی سے وہ نا واقف ہے تو وہ ہندوستانی کے ذریعے کام نکال سکتا ہے - اسی طرح سیاسی امور کے لیے ہندوستانی اور فارسی کا جاننا لازمی ہے (ہوم ورڈ میل ' مورخہ ۲۳ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع) -

---

* انڈین میل مورخہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع میں پامر صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان " السنۂ شرقیہ کا مطالعہ " ہے - سید عبد اللہ کے خط کے بعد -

فوجی عہدہ داروں کے امتحانات کے لیے خاص نصابی کتب ہندوستانی میں تیار کی گئی ہیں - یہ امتحان دو قسم کے ہیں - ایک اعلیٰ اور دوسرا تحتانی - ان امتحانات میں ہندی اور اردو کو ایک دوسرے سے علحدہ تصور کیا جاتا ہے - میرا ذاتی خیال ہے کہ ہندوستانی کا لفظ ان دونوں پر حاوی ہے - اگرچہ مدراس کی طرف ہندوستانی سے مراد اردو لی جاتی ہے —

میرے گزشتہ سال کے خطبے کے بعد سے اب تک ہندوستانی میں جو کتابیں شایع ہوئی ہیں ان سبھوں کے نام اس جگہہ میں نہیں بیان کروں گا بلکہ صرف چند کے متعلق ذکر کروں گا -

ان میں ایک اہم کتاب "حیات افغانی" ہے - یہ افغان لوگوں کی تاریخ ہے - مصنف کا نام محمد حیات خاں ہے - چنانچہ مصنف اور کتاب کے نام میں مناسبت موجود ہے - یہ کتاب بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے اور ۷۵۰ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں نقشے بھی دیے گئے ہیں - یہ لاہور میں سنہ ۱۸۶۷ ع میں شائع ہوئی ہے - مسٹر ٹی ایچ تھارنٹن (Thornton) نے از راہ کرم مجھے اس کا ایک نسخہ بھیجا ہے - موصوف پنجاب گورنمنٹ کے سکریٹری ہیں - یہ تاریخ تین حصص پر مشتمل ہے - پہلے حصے میں افغانستان کی جغرافی خصوصیات بیان کی گئی ہیں - یہ ملک افغانوں کا وطن ہے

جنھیں پٹھان اور پشتو بھی کہتے ھیں * - اس ملک کی قدیم اور جدید حدود اور آبادی کا حال بیان کیا گیا ھے - اس کے علاوہ کانوں ' نہروں ' درختوں اور جانوروں کا حال ھے - پھر مشہور شہروں کا بیان ھے جو اٹک سے لے کر ایران کی سرحد تک پھیلے ہوئے ھیں - صنعت و حرفت ' تجارت' تاجروں کے مختلف طبقوں پیداوار ملکی ' درآمد بر آمد اور آمد و رفت اور خبر رسانی کے راستوں کے متعلق بھی ذکر کیا گیا ھے۔ اس ضمن میں مصنف نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ افغانستان کی تجارت کو فروغ دینے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاھیئں - دوسرے حصے میں افغانستان کی عام تاریخ ۲۰۰۰ سال قبل سے بیان کی گئی ھے - مختلف زمانوں میں اس ملک کے جو جو نام رھے ان کا ذکر ھے - ھندو ' یونانی اور اسلامی خاندانوں کی حکومت اور ان کے عروج و زوال کی تفصیل بیان کی گئی ھے - اسلامی خاندانوں میں مصنف نے بنی اُمیہ ' بنو عباس ' سامانی ' غزنوی ' غوری ' مغل ' نادر شاہ اور امیران افغانستان کا حال بیان کیا ھے - پھر سکھوں اور انگریزوں کی مشرقی علاقوں کی فتوحات کا ذکر ھے - اس کے بعد مصنف نے ان سرحدی سرکش قبائل کا ذکر کیا ھے جو پنجاب کے مغربی علاقے میں آباد ھیں اور یہ بتایا ھے کہ ان کو قابو میں رکھنے

---

* پشتو زبان کو کہتے ھیں نہ کہ افغانستان کے لوگوں کو - (مترجم)

کی بہترین تدابیر کیا ہیں - دوسرے حصے میں افغانستان کے مختلف قبائل کی تاریخ بیان کی گئی ہے - ان قبائل کی زبان اور ان کے گروہوں کا ہندوستان، ترکستان، مازندران اور دوسرے ممالک میں جا کر آباد ہونے کے متعلق بھی مسالا فراہم کیا گیا ہے - کتاب کے تیسرے حصے میں مصنف نے ضلع بنو کے متعلق تاریخی معلومات جمع کی ہیں —

حال کے زمانے کی مشہور ہندی تصانیف میں " بال رام کتھا امرت " کا شمار ہوتا ہے - یہ گروہر داس کی نظم ہے - گوپال چندر نے (جو بابو ہری چندر کے والد ہیں) اس نظم کو مکمل کرنے کے لیے خود بھی تصرفات کیے ہیں - گوپال چندر کو اس زمانے کے ہندی مصنفین کی صف اول میں جگہ دینی چاہیے - موصوف نے ستائیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور اس کم عمری میں ۴۰ کتابیں تصنیف کیں - یہ سچ ہے کہ موصوف نے تصنیف و تالیف کی ابتدا بارہ سال کی عمر سے کر دی تھی - ان تصانیف و تالیفات میں چوبیس ہندی میں ہیں اور آٹھ سنسکرت میں - موصوف نے والمکی کی پوری راماین کا ہندی کبت میں ترجمہ بھی کیا ہے - آپ کے فرزند ارجمند بابو ہری چندر ان تمام تصانیف کو شائع کرنے کا قصد رکھتے ہیں - چنانچہ " بال رام کتھا امرت " سے اس سلسلہ کی ابتدا کی گئی ہے —

گزشتہ سال دھلی میں ھندی موسیقی پر ایک کتاب شائع ھوئی ھے جس کا نام "رکمنی منگل" ھے * - اس موضوع پر لاھور سے بھی ایک کتاب شائع ھوئی ھے جس کا نام "سر گوئت" ھے† - بنارس سے شیو پرشاد نے "منتخبات ھندی" شائع کی ھے ‡-

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک رکن مسٹر ایف ایس گروز (Growse) نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے یہ درخواست کی تھی کہ ھندی کی جلیل القدر نظم "پرتھوی راج راسو" کو جو چند بردئی کی لکھی ھوئی ھے ' سوسائٹی کی طرف سے شائع کرنے کا انتظام کیا جائے- اس شاعر کو راجپوتوں کا ھومر تصور کرنا چاھیے - اس تجویز کی پادری جیمز لانگ (James Long) نے تائید کی تھی - چنانچہ اب ایشیاٹک سوسائٹی نے اس کی اشاعت کے متعلق فیصلہ کر لیا ھے - اس نظم میں دھلی کے آخری ھندو راجہ پرتھوی راج کے حالات

---

* ۸۰ صفحات پر مشتمل ھے - بڑی تقطیع -

† سر گوئت سے مراد ھے "بھگوت گیتا کا عطر" - مسٹر بیمز کی بدولت بھگوت گیتا کا ایک باتصویر نسخہ مجھے دستیاب ھو گیا ھے - در اصل یہ نسخہ دسویں باب کے اردو ترجمہ پر مشتمل ھے - منشی جگنا تھ نے اردو میں ترجمہ کیا ھے - (مطبوعہ لاھور ' ۱۲۴ صفحات - ھر صفحہ پر ۲۶ سطریں ھیں - سنہ طباعت سنہ ۶۳ - ۱۸۶۳ ع) -

(‡) اس کتاب کی (Trubner) کے اخبار " Literary Record " نے بہت تعریف کی ھے - نمبر ۳۹ - مسٹر آرچر کنز نے بھی اس قسم کی کتاب "منتخبات اردو" کے نام سے شائع کی ھے جو ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ھے —

زندگی بیان کیے گئے ہیں - یہ نظم نہ صرف تاریخی بلکہ لسانیاتی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہے - اس کی زبان ہندی کی ایک خاص بولی ہے - مسٹر بیمز نے اس کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا ہے - موصوف آج کل انگلستان میں اس نظم کے دو قدیم نسخوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہیں - میں نے بھی اپنے لندن کے دوران قیام میں ان نسخوں کو دیکھا تھا - بابو راجندر پرشاد متر نے بھی "پرتھوی راج راسو" کے دو قلمی نسخے حاصل کئے ہیں جن کا مقابلہ کرکے موصوف بھی اس کی اشاعت کا سامان کر رہے ہیں * - بہر حال اب امید بندھتی ہے کہ عنقریب اس کتاب کی اشاعت ہوگی اور اس کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی شایع کیا جائے گا جس میں مشکل حصوں کی تشریح قابل اطمینان طریقے پر کی جائے گی -

اردو کتابیں جو مجھے وصول ہوئی ہیں یا جن کے متعلق میں نے اردو اخبارات میں پڑھا ہے، ان میں "مجموعۂ

---

* بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی کارروائی (Proceedings)، نمبر ۷ (جولائی ۱۸۶۸) میں تین نسخوں کا ذکر ہے - (۱) آگرہ کے کتب خانے کا نسخہ جو مہاراجہ جے پور کا عطیہ ہے - مسٹر بیمز نے بھی اسے استعمال کیا ہے - (۲) مہاراجہ بنارس کا نسخہ جو موصوف نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کو مستعار دیا ہے - (۳) راز بیدلہ کا نسخہ - ان کے علاوہ دو قلمی نسخے بابو راجندر لال متر کی ملک ہیں - ان دونوں نسخوں میں مذکورۂ بالا تینوں نسخوں سے اختلافات موجود ہیں -

دلپسند ،، قابل ذکر ھے - یہ عشقیہ غزلیات کا مجموعہ ھے اور دھلی سے شائع ھوا ھے - اس کے علاوہ ایک اور غزلیات کا مجموعہ میری نظر سے گزرا جو ان ماھانہ مشاعروں میں پڑھی گئی تھیں جو بابو ھری چندر کے ھاں منعقد ھوا کرتے ھیں - یہ مشاعرے ان کی نقل ھیں جو دھلی آگرہ اور لکھنؤ کی اسلامی سلطنتوں کے زیر اھتمام ایک زمانے میں ھوا کرتے تھے - ''مثنوی زھر عشق'' اور ''چراغ ھدایت '' بھی قابل ذکر ھیں - اول الذکر با تصویر شائع ھوئی ھے - ثانی الذکر اخلاقی مضامین کا مجموعہ ھے جنھیں منشی محمد علی نے ترتیب دیا ھے - '' جذب القلوب '' فارسی کی ایک مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ھے * '' حسن و دل '' بھی فارسی کا ترجمہ ھے جس میں تشبیہ و استعارہ کثرت سے استعمال کیا گیا ھے - ''تواریخ جہاں'' میں آفرینش عالم کا حال ھے † - ایک مسلمان ڈاکٹر نے '' مخزن ادویہ '' (Materia medica) لاھور سے شائع کی ھے - ‡

---

* مسٹر بیمز کی بدولت اس کا ایک نسخہ مجھے مل گیا - جو لکھنؤ میں طبع ھوا ھے - بڑی تقطیع پر ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ھے - ھر صفحہ پر ۳۲ سطریں ھیں - کتاب کا پورا نام '' جذب القلوب الی دیارالمحبوب '' (یعنی مدینہ) ھے - اصل کتاب کے مصنف کا نام عبدالحق ھے - یہ کتاب سنہ ۱۵۹۲ ع میں لکھی گئی تھی - اس میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ و سلم) کے مرقد مبارک اور مدینہ کے دوسرے مزارات اور عمارتوں کا تذکرہ ھے -

† مطبوعۂ دھلی - ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ھے -

‡ ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ھے -

تاریخ اضلاع " میں صوبۂ مغربی و شمالی کے اعداد و شمار ہیں- یہ کتاب لفٹنٹ گورنر بہادر کے حکم سے شائع ہوئی ہے —

مسٹر پیرسن (Pearson) نے جو حلقۂ راولپنڈی کے انسپکٹر تعلیمات ہیں اردو میں ایک تاریخ ہند لکھنا شروع کی ہے - موصوف ایک مسلمان فاضل سے بھی اس ضمن میں مدد لے رہے ہیں جو اپنے طرز تحریر اور انشا پردازی میں شہرت رکھتا ہے - اسی ضمن میں میں یہ بھی یہاں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بابو شیو پرشاد کی تاریخ ہند جو ہندی میں لکھی گئی تھی اور جس کا نام " اتھاس تمر ناسک " ہے اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے - اس کے علاوہ پیارے لال نے جو دہلی کے نارمل اسکول کے پرنسپل ہیں سرکاری طور پر اردو میں انگلستان کی تاریخ لکھنا شروع کی ہے - یہ تاریخ Students'theme کی وضع اور طرز پر ہوگی جسے کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے —

یہ بات خلاف توقع ہے کہ مرہٹی زبان میں ملکۂ انگلستان کی کتاب "Leaves from a journal of our life in the Highlands" کا ترجمہ بمبئی سے شائع ہوگیا پیشتر اس کے کہ ہندستانی میں اس کا ترجمہ ہو* - اس کتاب کی یورپ میں بھی خوب قدر افزائی ہوئی - اس کتاب کے مرہٹہ مترجم کو نہ صرف

* انڈین میل ۴ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

ترجمہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے بلکہ اصلی کتاب کی تصاویر کے بلاک بھی مل گئے ہیں - جن کی مدد سے ترجمہ میں بھی یہ تصاویر شائع ہو سکیں گی —

کپتان ڈبلو، آر، ایم، ہالرائڈ (Holroyd) نے "رسوم ہند" کا پہلا جزو از راہ کرم مجھے بھیجا ہے - موصوف پنجاب کے نئے ناظم تعلیمات ہیں اور اپنے پیشرو کی نسبت اردو کی نشر و اشاعت میں زیادہ جوش و سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں - اس کتاب میں اہل ہند کے مذاہب اور ان کے مختلف فرقوں کا اختصار سے حال بیان کیا گیا ہے - ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عقاید پر تبصرہ ہے اور بالخصوص شمالی ہند کے باشندوں کی خانگی زندگی اور ان کے عادات و اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ہے- "رسوم ہند" کی تالیف و ترتیب کا کام لاہور میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں شروع ہوا جب کہ سرکاری طور پر ایک کمیشن اس غرض کے لیے مقرر کیا گیا تھا کہ ہندوستانی زبان میں اعلی درجہ کی تصانیف تیار کرائی جائیں - اس کمیشن کے صدر سر ڈی مکلیوڈ (Mac Leod) تھے جو آج کل صوبۂ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر ہیں † - " رسوم ہند " کی زبان اور اس کا طرز تحریر سادہ ہے، اتنا سادہ جو کسی مشرقی زبان

---

† حکومت پنجاب نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ کمیشن جن کتب کی تالیف کی سفارش کرے گا ان میں سے بیشتر لاہور میں طبع کی جائیں گی -

میں ممکن ہے۔ اس کتاب کے مکالموں کی زبان اسی قسم کی ہے جو آج کل کے ناٹکوں میں استعمال کی جاتی ہے اس کتاب کی تالیف میں کپتان ہالرائڈ کے ساتھ ایک ہندو شریک تھے جو نارمل اسکول کے اول درجے کے مہتمم ہیں اور دوسرے دہلی کالج کے عربی کے ایک مسلمان پروفیسر نے بھی اس کام میں مدد دی۔ ان کے علاوہ اور دوسرے اہل علم دیسی لوگ بھی شریک تھے —

کپتان ہالرائڈ نے اعلان کیا ہے کہ ۳۱ مارچ سنہ ۱۸۶۹ع میں اُردو تصانیف کا مقابلہ عمل میں آے گا۔ یہ کتب مقابلہ چار موضوعوں پر ہونی چاہئیں - (۱) عام اصول صرف و نحو۔ (۲) فارسی صرف و نحو - (۳) تاریخ ہند سے ماخوذ کہانیاں جن میں اہم واقعات اور اشخاص کے تفصیلی حالات بیان کیے جائیں جنھوں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں - (۴) اُقلیدس کے ایک حصے کا ترجمہ۔ ان کتب میں سے بہترین کو اول اور دوم انعام دیے جائیں گے اعلان میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نہایت سادہ زبان استعمال کی جاے اور حتی المقدور فارسی محاورات سے احتراز کیا جاے۔ ناظم تعلیمات کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان میں سے جو کتب پسند کی جائیں انھیں تغیر و تبدل کے ساتھ طبع کرا سکے * —

* اس کی تفصیل "اخبار عالم" مورخہ ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ع میں شائع ہوئی ہے۔ میں اپنی ضرورت کے موافق اختصار سے اس کا یہاں ذکر کرتا ہوں

ابتدائی مدارس کے لیے مسٹر فیلن (Fallon) کی نصابی کتب قابل ذکر ہیں جن کا نام (Urdu School Readers) ہے - یہ کتب صوبۂ بہار کے لیے ہیں جہاں موصوف انسپکٹر تعلیمات ہیں - ان ریڈروں کی تیاری میں منشی سورج مل نے بہت محنت کی ہے - موصوف نے پٹنہ اور الہ آباد کے تعلیمات کے انسپکٹروں کی تحریک پر ایک کتاب "اردو آموز" بھی تیار کی ہے - ان ریڈروں کی طبع اول کے نمونے میرے پیش نظر ہیں - ان کی تیاری میں مشرقی طریقے کو مد نظر رکھا گیا ہے - چونکہ مشرقی طلبہ کو نری نثر پڑھنا ناگوار ہوتا ہے اس لیے ساتھ ساتھ نظمیں بھی ہیں جو طلبہ زبانی یاد کرتے ہیں - اگر کوئی نظریہ نثر میں بیان کیا گیا ہے تو اس کو ساتھ ہی نظم کردیا گیا ہے تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو —

مہاراجہ بنارس کا ارادہ ہے کہ انگریزی انسائیکلو پیڈیا کا اردو میں ترجمہ کرائیں - اس انسائیکلو پیڈیا کو انگلستان میں بڑی شہرت حاصل ہے - مہاراجہ بہادر اس کام کے لیے دس ہزار روپیہ تک صرف کرنے کو آمادہ ہیں بشرطیکہ انگریزی حکومت بھی اس قدر رقم دینے کے لیے تیار ہو - موصوف کا خیال ہے کہ اس کام کی تکمیل میں بیس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی - مجھے اس کا علم نہیں کہ اس تجویز کا کیا حشر ہوا اور آیا اس کا کوئی عملی صورت میں اظہار ہوا یا نہیں —

حکومت هند کے سکریٹری کی جانب سے ایک باتصویر کتاب شایع کی جا رهی هے جس میں هندوستان کی مختلف نسلوں کے افراد کی تصاویر هوں گی- اس کتاب کے متعلق اصل تجویز لارڈ کیننگ کے زمانے میں منظور هوئی تهی - یه کتاب آتهه جلدوں میں تقسیم اور هر جلد بڑی تقطیع پر طبع هوگی - هر جلد ۴۵۰ تصاویر پر مشتمل هوگی اور هر تصویر کے ساتهه اس کی تشریح هوگی - اس کی پهلی اور دوسری جلد شایع هوچکی هے —

وائسرائے گورنر جنرل نے بنگال کے لیے یه قانون نافذ کیا هے که اس صوبے میں جتنے اخبارات اور کتابیں شایع هوں ان کی رجسٹری هونی چاهیے - چنانچه پچهلے جولائی کے مهینے سے اس پر عمل شروع هو گیا هے - هماری خواهش هے که یه قانون هندوستان کے دوسرے حصوں میں بهی نافذ کیا جائے - اس کی رو سے حکومت هر مطبوعه اخبار یا کتاب کے تین نسخے خریدے گی - (اوده اخبار مورخه ۲۸ مارچ سنه ۱۸۶۸ ع) - ان میں سے ایک نسخه لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو بهیجا جائے گا - اس سوسائٹی کے کتب خانه میں یه جمله مطبوعات دیکهنے کو مل جائیں گی اور امید هے که سوسائٹی کے رسالے میں ان مطبوعات کے نام کم از کم شایع هوتے رهیں گے —

اس سال امرتسر ، لاهور ، مرزا پور ، بریلی اور لکهنؤ سے مسیحی مذهب کے متعلق اردو میں متعدد کتب شایع هوئی هیں - ان میں سے زیادہ تر وہ هیں جو ویزلین (Weslian) اور میتهوڈسٹ (Methodist) کلیساؤں کے نمائندوں کی جانب سے لکهوائی گئی هیں بلا امتیاز اس کے کہ وہ پریز بائٹیرین (Presbyterian) هیں یا (Episcopal) ان کتابوں میں سے میں اس جگهہ صرف تین کی نسبت ذکر کروں‌گا (۱) تفسیر انجیل مقدس - (۲) انجیل اور قرآن کے درمیان مقابلہ - (۳) جنگ مقدس - آخرالذکر تصنیف جے بنیئن (Bunyan) کی "Holy War" کا اردو ترجمہ ہے جو مسز ولش نے کیا ہے - موصوفہ الہ آباد کے ریورنڈ جے ولش کی بیوی هیں - یہ بنین (Bunyan) وهی ہے جس کی مشهور آفاق کتاب (Pilgrim's Progress) کا رابنسن کروسو کی سرگزشت کی طرح دنیا کی سب زبانوں میں ترجمہ هوچکا ہے —

اردو کی اور بعض دوسری تصانیف هیں جنهیں هم خالص مسیحی نهیں کهہ سکتے لیکن نیم مسیحی ضرور کهہ سکتے هیں - ان میں وہ سب کتب شامل هیں جو مسلمان علما نے انجیل کی تفسیر پر لکهی هیں - یہ کتابیں اپنے رنگ میں اجتهادی رنگ رکهتی هیں - چنانچہ سید احمد خاں کی تفسیر انجیل اسی قسم کی کتاب ہے - اس کتاب کا دوسرا

حصہ بھی مجھے مسٹر ایم ایس ہاول (Howell) کی عنایت سے پہنچ گیا ہے - میں موصوف کا نہایت شکر گزار ہوں ۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے حصے کی طرح یہ حصہ بھی نہایت دلچسپ معلومات پر محتوی ہے - اس حصے کے سر ورق پر قرآن کی یہ آیت مندرج ہے : اِنا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور ایحکم بہا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا لربانیون والاحبار بما استحفظو من کتاب اللہ و کانوا علیہ شہدآء فلا تخشوالناس و اخشون ولا تشتروا بآیتی ثمناً قلیلا (ط) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون - (سورۃ مائدہ آیت ۴۸) - اس حصے میں مصنف نے عہد نامۂ عتیق پر عام تمہیدی تبصرہ کیا ہے - اور ان کتب کا تجزیہ پیش کیا ہے جن پر وہ مشتمل ہے - اس تمہید میں تورات پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جواب بھی دیے گئے ہیں - پھر باب " پیدائش " کے اِبتدائی گیارہ ابواب کا اصل متن اور اُردو ترجمہ ہے - اصل متن عبرانی زبان میں ہے - عبرانی کے نیچے بین السطور اردو ترجمہ ہے - عبرانی کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ہم معنی اردو لفظ ہے - صفحے کے ایک کالم میں یہ متن اور ترجمہ ہے اور دوسرے میں ایسی قرآنی آیات و احادیث ہیں جن سے مطالب کی توضیح ہوتی ہے - مصنف نے اپنی تفسیر میں اپنے امتزاجی خیالات کو راہ دی ہے - سید احمد خاں

نے عبرانی الفاظ اور محاوروں کی نہایت خوب تفسیر لکھی ہے اور اپنے دعووں کی تائید میں بہت سے اقوال جمع کیے ہیں۔ موصوف نے انجیل کے لاطینی ترجمے' انگریزی ترجمے اور دوسرے ماخذوں سے استفادہ کیا ہے۔ پھر یہود و نصاریٰ کی مختلف تاویلوں پر بحث کی ہے۔ نصاریٰ میں بھی پروتستنت اور کیتھولک توجیہات کے فرق کو واضح کیا ہے۔ اس کے ساتھ قرآنی نقطۂ نظر کو' مفسرین اور فقہا کے خیالات کے ساتھ جو عامۃ المسلمین میں مقبول ہیں' پیش کیا ہے۔ ان مباحث کے ضمن میں مصنف نے معقولیوں (Rationalists) کے اعتراضات کے جواب دیے ہیں اور ساتھ ہی اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ جہاں کہیں قرآنی آیات کے مطابق عقلی توجیہ ہو سکے اس کو مرجح قرار دیا جائے —

یہ تصنیف اس اعتبار سے حد درجہ دلچسپ ہے کہ اس میں مشرقی اور مغربی علم و فضل کا امتزاج ہے۔ جگہ جگہ اشعار بھی درج کیے گئے ہیں جو نہایت موزوں اور باموقع معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ چونکہ میرا موضوع اس وقت محدود ہے اس واسطے میں اس کتاب کے چند صفحات نمونتاً نہیں پیش کر سکتا۔ خصوصاً وہ عبارت جہاں طوفانِ نوح کے عالمگیر ہونے کے متعلق بحث کی ہے نہایت بصیرت افروز ہے۔ اس ضمن میں موصوف کے خیالات' ڈاکٹر کولنسو

(Colenso) کی تحقیق سے بالکل مختلف ھیں جن کا خیال ھے کہ طوفان نوح عالمگیر تھا - سید احمد خاں کا خیال ھے کہ یہ طوفان صرف ایک خطۂ زمین تک محدود تھا - اس بحث میں موافقت اور مخالفت کے دلائل پیش کرنے کے بعد موصوف نے اپنے نتائج تحقیق کو سینٹ پیٹر کے قول پر مبنی ٹھیرایا ھے جو اس کے پہلے خط سے نقل کیا گیا ھے - اس خط کے الفاظ یہ ھیں ''ان لوگوں نے شبہ کیا نوح کی نبوت پر پھر آخری مرتبہ انھیں مہلت دی گئی جب کہ کشتی بنائی گئی - اس کشتی میں صرف آٹھ آدمی * طوفان سے بچے '' † —

لائق مصنف نے ان جملوں سے ثابت کیا ھے کہ طوفان سے صرف وہ لوگ تباہ ھوے جنھوں نے سرکشی کی تھی نہ کہ ساری دنیا - پھر مصنف نے قرانی آیات سے مزید استدلال پیش کیا ھے اور ثابت کیا ھے کہ حضرت نوح اپنی قوم کی تلقین کے لیے نبی مقرر کیے گئے تھے - چونکہ قوم نے سرکشی اختیار کی اور ان کی نبوت کو جھٹلایا اس لیے اللہ جل شانہ نے ان پر طوفان کے ذریعے عذاب نازل کیا - پھر اس کے علاوہ لائق مصنف نے بتایا ھے کہ حضرت نوح پورے عالم میں تلقین نہیں کر سکتے

---

* ان میں نوکر چاکر اور غلام شامل نہیں ھیں جو پالتو جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے مقرر ھوے تھے —

† باب ۳ - آیت ۱۹ ' ۲۰ —

تھے - یہ بات سمجھہ میں آتی ہے کہ وہ ایک مخصوص قوم کی تعلیم و تلقین کے لیے مبعوث کیے گئے ہوں —

طوفان نوح کے متعلق اس کتاب میں ۴۹ صفحات وقف کیے گئے ہیں - ان کو پڑھنے سے آدمی نہیں اُکتا تا اور میری راے میں یہ صفحات اس کے مستحق ہیں کہ علم دوست اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے طبقے کی توجہ ان کی جانب مبذول کی جاے —

اس سال بعض نئے ہندوستانی اخبارات نے جنم لیا ہے -

"رتن پرکاش" مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے اور رتلام (بندھیلکھنڈ) سے گزشتہ مئی سے نکلنا شروع ہوا ہے - یہ اخبار اردو میں شائع ہوتا ہے اور ساتھہ ہی ہندی میں ترجمہ بھی ہوتا ہے - اس اخبار سے بعض اوقات "اودہ اخبار" اور "اخبار عالم" میں مضامین نقل کئے جاتے ہیں - "اخبار عالم" نے خاص کر اس کی ترتیب و ادارت کی بہت تعریف لکھی ہے —

"گیان پر دائنی پترکا" یہ ماہوار ہندی رسالہ ہے - گزشتہ مارچ سے نکلنا شروع ہوا ہے - مضامین دلچسپ ہوتے ہیں - ویدوں اور دوسری سنسکرت کتب کے تراجم اس میں درج ہوتے ہیں - فلسفیانہ، علمی اور ادبی مضامین اور اہم خبریں شائع ہوتی ہیں - یہ رسالہ لاہور سے نکلتا ہے - بابو

نبن چند ر راے اس کے مدیر ہیں - موصوف نے ہندی میں سنسکرت کی ایک صرف و نحو کی کتاب بھی لکھی ہے —

"اخبار سائنٹفک سوسائٹی، علیگڈھ" - اس سال کے شروع سے مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے - ہر صفحہ میں دو کالم ہوتے ہیں - سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہوے ہیں - "جائز رکھنا چھاپے کی آزادی کا ہے کام ایک دانا سیاست کا اور بر قرار رکھنا اس آزادی کا ہے کام ایک آزاد رعیت کا" —

بعض اوقات مضامین کے اردو متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی ہوتا ہے - ۱۲ مئی کی اشاعت میں اس سائنٹفک سوسائٹی کی سالانہ کار گزاری کی رپورٹ بھی درج ہے جو ۹ مئی کو منعقد ہوئی تھی - جن جن لوگوں نے اس موقع پر تقریریں کیں ان کی روداد بھی موجود ہے - مسٹر ہاول نے از راہ کرم یہ نمبر مجھے بھیج دیا ہے —

سنہ ۱۸۶۷ ع سے دو رسالے برابر شائع ہو رہے ہیں جن میں حکومت کے جملہ قوانین و احکام کا اردو ترجمہ شائع ہوتا ہے اور عدالت ہاے عالیہ کے فیصلوں کی نقل درج کی جاتی ہے - یہ دونوں لاہور سے شائع ہوتے ہیں اور دونوں کی ادارت ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہے - ایک کا نام "گنج شائگان" اور دوسرے کا نام "انوار الشمس" ہے —

"اودہ اخبار" اور "اخبار عالم" کے پڑھنے سے اردو کے

بعض جدید اخبارات کے متعلق مجھے علم ہوا جن کی نسبت پہلے میں بالکل ناواقف تھا - اُن کے نام یہ ہیں —

(۶) "طلسم حیرت" مدراس سے شائع ہوتا ہے —

(۷) امیرالاخبار - یہ بھی مدراس سے شائع ہوتا ہے —

(۸) اخبار سررشتۂ تعلیم اودھ —

(۹) اکمل الاخبار —

(۱۰) ضیاء الاخبار —

(۱۱) اخبار محتشم —

(۱۲) دہلی سے "دہلی نیوز" (Delhi News) انگریزی میں شائع ہوتا ہے - اس اخبار کا علم مجھے بہادر شاہ بادشاہ کے مقدمے کے سلسلے میں ہوا تھا - ممکن ہے کہ یہ کسی اردو اخبار کا انگریزی ترجمہ ہو جس کی اشاعت کا خاص کر چند انگریزی دانوں کے لیے مدیر نے اہتمام کیا ہو —

اب میں بعض مذہبی رسائل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا جو خود دیسی لوگوں کے زیر اہتمام شائع ہوتے ہیں —

(۱۳) حقایق عرفاں - یہ مسیحی تبلیغ کا ماہوار رسالہ ہے جس کی ادارت کے فرائض عماد الدین انجام دیتے ہیں - یہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے جہاں کا خود مدیر

رہنے والا ہے - اس میں امرتسر کے مسلمانوں سے خطاب کیا جاتا ہے - پچھلی جنوری سے اس رسالے کی اشاعت شروع ہوئی ہے - ہر اشاعت میں مسیحی مذہب اور حضرت مسیح کے متعلق مقالے ہوتے ہیں- لاہور کے مطبع " آفتاب پنجاب " میں طبع ہوتا ہے —

(۱۴) مواعظ عقبیٰ - یہ سنہ ۱۸۹۷ ع سے دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس کی ادارت دو نو عیسائی ہندوؤں کے ہاتھہ میں ہے —

(۱۵) مخزن مسیحی - یہ رسالہ ماہوار ہے اور لاطینی رسم خط میں پچھلی جولائی سے شائع ہوتا ہے - اس کے مدیر الہ آباد کے ریورنڈ جے والش ہیں - اس رسالے کا خطاب ہندوستانی عیسائیوں کی طرف ہوتا ہے جنھیں یہ بہت سستے داموں دیا جاتا ہے - ویسے ہر اشاعت کی قیمت تین آنے ہے - اس کے مضامین نصیحت آموز اور ان کا معیار بلند ہوتا ہے - اب تک اس کے جتنے نمبر شایع ہوے ہیں وہ میرے پیش نظر ہیں - میرے خیال میں اس رسالے کے مضامین اہل یورپ کے لیے بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہے جا سکتے - اس کی زبان فصیح اور صاف اردو ہوتی ہے - ہر اشاعت میں مضامین کا تنوع ہوتا ہے- انگریزی طرز کی نظمیں ہوتی

میں اور اہم مذہبی کتب کے تراجم بھی ہوتے ہیں -

ہندوستانی اخبارات کے مضامین کے معیار کے متعلق میں اس موقع پر زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا - دوسرے ممالک کے اخبارات کے خلاف ہندوستان کے اخبارات میں بارش اور موسم کے متعلق بہت زیادہ ذکر ہوتا ہے - اہل ہند کے نزدیک بارش کا موسم بہار کہلاتا ہے اور اس کی آمد کا انہیں بے چینی سے انتظار رہتا ہے چنانچہ "اخبار عالم" میں مہاراجہ بلرام پور کی ایک نظم میری نظر سے گزری جس میں خدائے عزوجل سے خشک سالی کو دور کرنے کی ' جو ملک کو تباہ کیے دیتی ہے ' اور اپنے رحم و کرم کی بارش کرنے کی التجا اور دعا کی گئی ہے - اس اخبار کے مدیر کا بیان ہے کہ جناب باری میں یہ دعا قبول ہوئی اور بارش فوراً شروع ہو گئی --

"اخبار عالم" مورخہ ۴ جون ۱۸۶۸ ع کی اشاعت میں میری نظر سے ایک بارہ کالم کا مضمون گزرا جس میں مہاراجہ بلرام پوا کے شیر اور جنگلی ہاتھی کے شکار کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے - اس مضمون کی زبان شاعرانہ استعاروں سے پُر ہے جو مشرقی مذاق کے بالکل موافق ہے - بعد میں 'عاصی' کی ایک غزل ہے جو ہم عصر شعرا میں خاص رتبہ رکھتے ہیں -

میں نے ابھی جس اخبار کا ذکر کیا اس میں بس اسی قسم کے مضامین نہیں ہوتے بلکہ دوسرے مفید مضامین بھی ہوتے ہیں - مثلاً سفر کے فوائد ایک مضمون میں بیان کیے گئے ہیں اور نہایت مفید مشورے دیے گئے ہیں - اس مضمون کے بعض حصے مثال کے طور پر میں پیش کرتا ہوں * !

" ہندوستان کے ملک میں ایسے بہت کم امراء ملیں گے جو مفید مشاغل کی طرف رغبت رکھتے ہوں - بہت کم ان میں ایسے ہیں جو بلند نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور علم و فضل میں جنھوں نے امتیاز حاصل کیا ہے یا جنھوں نے مدارس ' اسپتال ' سرائے اور مساجد یا مناد رکی بنا ڈالی ہو اور غریب غرباء کو خیرات دیتے ہوں - ایسی مثالیں اس طبقے میں نایاب ہیں جنھیں سفر سے دلچسپی ہو اور دوسرے ممالک کی سیر کا شوق ہو - اگر وہ خود اتنی صلاحیت نہیں رکھتے کہ یورپ جائیں تو کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنے اہل وطن کو بھجوائیں تا کہ وہ ممالک غیر کے عجائب دیکھیں اور علمی اور تجارتی فوائد حاصل کریں - بیشتر مہاراجوں اور نوابوں کا دستور ہے کہ مہینوں اپنے محلات کی چار دیواری سے

---

* فرانسی عبارت کا اردو ترجمہ ہے —

باہر قدم نہیں رکھتے اور اپنی جاگیروں کے نظم و نسق کی انہیں مطلق پروا نہیں ہوتی - اگر وہ کچھ عرصے کے لیے ہندوستان سے باہر چلے بھی جائیں تو بھلا کسی کا کیا نقصان ہوگا ؟ اگر انہیں یہ خوف ہے کہ سفر میں محلات کا سا آرام نہیں ملے گا تو انہیں فارسی کے اس شعر کو یاد رکھنا چاہیے جو آج سات صدی سے زبان زد ہے " —

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

اس زمانے میں اہل یورپ کے انتظام کی بدولت سفر میں بڑی سہولتیں ہوگئی ہیں - گھر کی سی آسائش پردیس میں حاصل ہو سکتی ہے - سڑکیں ہر طرف موجود ہیں - ہوٹلوں کی کمی نہیں - گوشے گوشے میں ڈاک خانے قائم کردیے گئے ہیں - ریلوں اور جہازوں کے ذریعے ہزارہا میل کا سفر جلد اور سستے داموں طے ہو جاتا ہے - راستے ہر طرف محفوظ ہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں .. " —

" یورپ کے بادشاہوں میں یگانگت اس وجہ سے بھی قائم ہو رہی ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کا موقع ملتا ہے - چنانچہ یونان، روس، فرانس، اٹلی، ڈنمارک وغیرہ کے بادشاہ ایک دوسرے کی

سلطنتوں میں جاتے ھیں اور حالات کا مشاھدہ کرتے ھیں- ھندوستان میں اس کی مثالیں ناپید ھیں- ابھی حال میں صرف بیگم بھوپال حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئی تھیں اور چند ماہ تک وہ اپنی ریاست سے دور رھیں- خشکی اور سمندر پر ھزارھا میل کا سفر کرکے بیگم بھوپال نے یہ ثابت کردیا ھے کہ ھندوستان کے والیان ملک میں اتنا حوصلہ موجود نہیں جتنا کہ اس والیۂ ریاست میں ھے اس لیے کہ یہ لوگ تو اپنی جاگیروں کے باھر قدم رکھنا حرام سمجھتے ھیں- ایسے مردوں سے تو عورتیں ھی اچھی ھیں-........." *

"اخبار عالم" کے مدیر وجاھت علی نے جو اس اخبار اور میرٹھ والے مطبع کے مالک بھی ھیں جس کا نام "دارالعلوم" ھے، ایک اور دوسرا مطبع قایم کیا ھے جس کا نام "لٹریری پریس" (Literary Press) ھے- اس جدید مطبع میں ٹائپ استعمال کیا جاتا ھے- یہاں سے پندرہ روزہ رسالہ "جنرل اڈورٹائزر" (General Advertiser) شائع ھوتا ھے- اس رسالے میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں

* ھمیں خبر ملی ھے کہ بیگم بھوپال کا جن کا اسم گرامی سکندر جہاں بیگم تھا ۳۰ ستمبر کو پچاس سال کی عمر میں انتقال ھوگیا- ھندوستانی اخبارات نے موصوفہ کے متعلق نہایت اعلی خیالات کا اظہار کیا ھے —

اشتہارات درج ہوتے ہیں - اس مطبع کا تعلق مکتبہ سے ہے جہاں مشرقی علوم کی کتب فروخت ہوتی ہیں - ان کتابوں کی فہرستیں "اخبار عالم" میں بھی کبھی شائع ہوتی رہتی ہیں —

"اودھ اخبار" میں، جو اب دس سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے، بعض اوقات تصاویر اور اردو کی اعلیٰ پایے کی غزلیں شایع ہوتی ہیں - غزلوں کے علاوہ مخمس اور قصیدے بھی ہوتے ہیں حال میں 'فرحت' کی ایک نظم شائع ہوئی تھی جس میں ہندوستان کے مناظر کا بیان تھا - موصوف آج کل کے اچھے انشاپردازوں میں شمار کیے جاتے ہیں- آپ نے "پریم ساگر" کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو لکھنؤ میں طبع ہوا ہے- "اودھ اخبار" کی ایک تازہ اشاعت میں علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی کے رسالے سے ایک مضمون نقل کیا گیا ہے جس کا موضوع ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصانیف ہے * —

* میں اس مضمون نگار کا شکرگزار ہوں کہ اس نے میری تصانیف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے - میرا اب تک کبھی موصوف سے تعارف نہیں کرایا گیا - مجھے افسوس کے ساتھ ایک غلطی کی جانب توجہ دلائی ہے - (۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کے پرچے میں صفحہ ۹۰۹، سطر ۲۳، پہلے کالم میں بجائے فارسی لفظ انگریزی چھپ گیا ہے جس کے باعث مضمون خبط ہو گیا ہے) —

گوالیار کے ہندوستانی اخبار نے جو ہندی اور اردو دونوں میں نکلتا ہے (ایک کالم میں ہندی اور دوسرے میں اردو) اپنی ۱۴ جون کی اشاعت میں ان جشنوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو نہایت دھوم دھام کے ساتھ مہاراجہ سندھیا کے ولی عہد کی شادی کے سلسلے میں منائے گئے - یہ جشن اپنی آب و تاب کے اعتبار سے خاص مشرقی رنگ کے تھے - ہم ذیل میں چند سطور پیش کرتے ہیں * —

" شادی خانہ آبادی کے ضمن میں دربار منعقد ہوا ۔ زہرہ جبیں طوائفوں کا ناچ اور ان کے جسم کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر فلک پیر کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں - آفتاب عالمتاب کے غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل دولھا محل شاہی سے رخصت ہو کر پوجا کی غرض سے روانہ ہو گئے ' ہاتھی پر سوار جس پر زرین جھولیں پڑی تھیں اور ہودہ بھی سونے کا تھا - پیچھے پیچھے ریاست کے اعلیٰ عہدہ داروں کی سواریاں تھیں - یہ عہدہ دار بھی ہاتھیوں پر سوار تھے - پھر سوار تھے جو نہایت زرق برق لباس زیب تن کیے ہوئے تھے - اس کے

* یہ فرانسیسی ترجمے کا ترجمہ ہے - (مترجم)

بعد توپخانہ تھا اور اس کے پیچھے نیزہ برداروں اور علم برداروں کی قطاریں تھیں۔ جب کمپنی کے محل پر سواری پہنچی تو توپیں داغی گئیں، جن کی آواز سے فضائے آسمانی گونج اٹھی۔ محل کے فرش فروش اور ساز و سامان کی بوقلمونی سے زمین رشک نہم آسماں بنی ہوئی تھی۔ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی سے محل بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ رقص و سرود نے اس محفل کو راجہ اندر کی سبھا بنا دیا تھا۔ مغربی رخ ایک چبوترے پر وشنو کا بت نصب تھا جس کے چاروں طرف شعلے نظر آتے تھے۔ اس چبوترے پر ایک طرف مہا راجہ سندھیا اور ان کے فرزند ارجمند کی نشست کے لیے الگ الگ دو ریشمی گاؤ تکیے رکھے تھے۔ ولی عہد کے پہنچ جانے کے بعد مہا راجہ چنا راجہ کی سواری آئی۔ ان کی آمد پر بھی توپیں سر کی گئیں۔ اس کے بعد پوجا شروع ہوئی جو جو وہاں موجود تھے انہیں عطر اور پان تقسیم کیے گئے۔ پھر آتشبازی کی باری آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ صرف مخلوق شادماں ہے بلکہ کائیاں تک فرط انبساط میں

کھای جا رہی ہیں - انار اور مہتابی کی رونق
کے آگے چاند تک شرما گیا -

بنارس کے بابو ہری چند اُن ہندو ارباب علم و فضل میں سے ہیں جو ہندی ادب کی نشر و اشاعت کا کام نہایت تند ہی کے ساتھہ انجام دے رہے ہیں - موصوف ہندی کلام کو کتابی شکل میں شایع کر رہے ہیں اور کبھی منتخبات کی شکل میں جو تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد رسائل کی شکل میں شایع کیے جاتے ہیں - ان رسائل کا نام "کوِی بچن سدھا" رکھا گیا ہے - موصوف از راہ عنایت جو جو نمبر چھپتے جاتے ہیں میرے پاس بھیج دیتے ہیں - اس مجموعے میں ایک نظم بعنوان "پریم رتن" میری نظر سے گزری - یہ نظم ایک ہندو دیوی رتن کنور کی لکھی ہوئی ہے - اور دوسری دلچسپ نظموں میں "دلی برنن" اور ایک "ہولی" شامل ہے - اول الذکر گلستاں کی ایک حکایت سے ماخوذ ہے اور اسے ہندی جامہ پہنا دیا گیا ہے - اس کے علاوہ کبیر داس کی سکھیاں ہیں - شودروں کی زندگی اور موسم برشکال وغیرہ جیسے موضوعوں پر بھی نظم و نثر کے نمونے دیے گئے ہیں —

بابو صاحب کا ارادہ ہے کہ سنسکرت کے مشہور ناٹکوں کو ہندی زبان میں منتقل کریں - اس کام میں پنڈت سیتل پرشاد بھی ان کی مدد کرنے کو آمادہ ہیں - موصوف

" سدھانت سنگرھا " کے مترجم ھیں - یہ کتاب " خلاصۂ سائنس " (Synopsis of Science) کا ھندی ترجمہ ھے جو فتز ایڈورڈ هال کی مدد سے پایۂ تکمیل کو پہنچا - اس ترجمے کی غایت یہ بتلائی گئی ھے کہ اس کے ذریعے سے مشرقی اور مغربی سائنس میں امتزاج پیدا کیا جاے —

بابو صاحب نے " کوی بچن سدھا " کی ایک اشاعت میں اظہار تاسف کیا ھے کہ " جانکی منگل " کا ناتک ختم ھو گیا* اگرچہ اس کے تماشے کا اعلان ھو چکا تھا یہ تماشا تمام تر دیسی لوگوں کے اهتمام سے منعقد ھوا - پہلا تماشا ۴ اپریل کو بنارس میں ھوا تھا اور مہاراجہ بنارس ، جو ایک نہایت روشن خیال اور تہذیب و ادب کے قدردان ھیں ، اس کے مربی تھے - موصوف ھندی ادب کی ترقی کے لیے بھی کوشاں ھیں - پہلے تماشے میں مہاراجہ اور ان کے فرزند ارجمند کے علاوہ ان کی ریاست کے اعلیٰ عہدہ دار و امراء ، بنارس کے ھندوستانی اور یورپین باشندے جنھیں خاص طور پر مہاراجہ

---

* جانکی سیتا جی کا نام ھے اس لیے کہ راجہ جانک نے ان کی پرورش کی تھی اور اپنی بیٹی بنایا تھا - مذکورہ ناٹک تلسی داس کی تصنیف ھے - سنہ ۱۸۶۴ ع میں میرٹھ میں طبع ھوا پھر سنہ ۱۸۶۵ ع میں آگرہ میں اس کا دوسرا ایڈیشن اور سنہ ۱۸۶۷ ع میں لاھور میں تیسرا ایڈیشن نکلا - ھمارے خیال میں یہ ناٹک " ھنومان ناٹک " یا " مھی ناٹک " کے پہلے سین پر مبنی ھے جس کے متعلق ایچ ایچ ولسن نے اپنی کتاب " ھندوؤں کے ناٹکوں کے منتخبات " میں ذکر کیا ھے - دیکھو جلد ۳ - صفحہ ۴۹ - راگ ساگر میں ھندی ترجمہ کے نسبت بھی ذکر ھے —

کی طرف سے مدعو کیا گیا تھا ، موجود تھے ۔ چند مستورات نے بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے شرکت کی تماشا شروع ہونے سے قبل اور بیچ کے وقفوں میں قومی گیت آرکسٹرا (Orchestra) پر بجائے گئے - سترد ھار ' (Director) پہلے اسٹیج پر آے اور اپنی تمہیدی تقریر پڑھی (انڈین میل ' مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع) - پھر اس کے بعد ایک عورت اسٹیج پر آئی اور ڈایرکٹر سے گفتگو کرنے لگی - یہ گفتگو سامعین کی توجہ مرکوز کرنے کے لیے کی گئی تھی - یہی طریقہ سنسکرت کے ناٹکوں میں بھی رائج تھا - اسی اثنا میں پردے کے پیچھے کچھ شور سا سنائی دیا اور ڈایرکٹر یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ رام چندر جی آے - پردہ اٹھا تو رام چندر جی ایک جنگل میں دکھائی دیے - اب گویا اصل ناٹک شروع ہوگیا -

پہلے ایکٹ میں ایک باغ دکھایا گیا جس میں پاربتی جی بیٹھی ہوئی ہیں - پاربتی جی شیوجی کی بیوی ہیں جس طرح شیوجی تخریب عالم کے دیوتا ہیں اسی طرح ان کی بیوی بھی تخریب عالم کی دیوی ہیں جنھیں درگا بھی کہتے ہیں - پھر رام اور ان کے بھائی لکشمن نے منظر پر آکر سیتاجی کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور قریب جو باغبان کھڑا ہوا تھا اس سے پھول توڑنے کی اجازت مانگی - اسی اثناء میں سیتاجی آگئیں - ان کے ساتھ ان کی سہیلیاں تھیں

سیتا جی نے دیوی جی کو سلام کیا اور باغ میں ٹہلنے لگیں۔ ایک سہیلی سیتا جی کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہا کہ میں نے ابھی اس باغ میں ایک نوجوان کو دیکھا ہے جس کے حسن جہاں افروز نے مجھے محو کر دیا تھا - نوجوان بھی اتنے میں آ موجود ہوا اور سیتا جی کے حسن کا جادو اس پر چل گیا - دوسرے اور آخری ایکٹ میں ایک کمرے کے اندر جو شاہی طریقے پر آراستہ تھا راجہ جنک سیتا جی کے پتا بیٹھے ہوئے تھے۔ مختلف ممالک کے شہزادے اپنے رنگ برنگ کے لباس میں ملبوس سیتا کی آرزو میں سامنے سے گزر رہے تھے - رام سب سے آخر میں منظر پر آئے - جب سب شہزادے بیٹھ گئے تو راجہ جنک نے خواہش ظاہر کی کہ ہر ایک اس کمان کو جھکانے کی کوشش کرے جو کمرے کے اندر رکھی ہوئی تھی - اس نے کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ جو کوئی اس کام کو انجام دے گا سیتا اسی کی ہو جائے گی - سب شہزادوں نے کوشش کی لیکن سوائے رام کے کوئی بھی اس کمان کو جھکا نہیں سکا - رام نے نہ صرف اس کو جھکا دیا بلکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے - چنانچہ سیتا جی رام کو مل گئیں ـــ

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سال ان احباب کی تعداد بہت زیادہ ہے جنھوں نے ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دیا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت نے چن چن کر

انہیں ہم میں سے اٹھا لیا جن کی ہمیں سخت ضرورت تھی -
گزشتہ سال ۲۵ نومبر کو گوکل داس تیج پال نے جو ایک نہایت معزز بھاٹیا خاندان کے چشم و چراغ تھے' جہان فانی کو خیرباد کہا - آپ نے اپنے ہم وطن لوگوں کی تعلیمی ترقی میں خاص سرگرمی کا ثبوت دیا تھا - آپ کے نام پر آج تک لڑکوں کا ایک مدرسہ بطور یادگار موجود ہے- آپ نے تعلیم اور دوسرے کاموں میں کئی لاکھ سے زائد رقم اپنے پاس سے صرف کی - غریب غربا کے لیے آپ نے ایک اسپتال بھی قایم کیا تھا - بمبئی کے اردو اخبار "راست گفتار" میں یہ اعلان شائع ہوا تھا کہ موصوف نے مرتے وقت وصیت میں اپنی کل مِلک کا تیسرا حصہ ترقی تعلیم کے لیے وقف کردیا ہے- چنانچہ یہ ثلث دس لاکھ روپے کے مساوی ہے * —

پچھلے سال ۳۰ نومبر کو میر سید محمد خاں بہادر نے لکھنؤ میں داعیء اجل کو لبیک کہا- موصوف سید عبداللہ کے والد تھے جن کی نسبت میں اپنے خطبات میں متعدد مرتبہ ذکر کرچکا ہوں - موصوف نے سنہ ۱۸۱۵ ع سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے - سنہ ۱۸۲۰ ع میں آپ دکن میں نائب مجسٹریٹ و کلکٹر مقرر کیے گئے اور سنہ ۱۸۳۶ ع میں آپ کا تبادلہ جبلپور بہ حیثیت مجسٹریٹ و کلکٹر ہوگیا - موصوف

* ٹائمز آف انڈیا (انڈین میل ۲ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع) —

نے اس خدمت کے فرائض نہایت خوبی کے ساتھہ انجام دیے - آپ اپنے ہر کام کو نہایت قابلیت 'ور جوش کے ساتھہ کیا کرتے تھے- اور عام مسلمانوں کے برخلاف ' جو مذہبی تعصب اور غلو کے باعث مغربی تعلیم کو حرام تصور کرتے ہیں ' آپ نے تمام تعصبات کو بالکل ترک کر دیا تھا - اگرچہ آپ سید اور پابند شرع مسلمان تھے لیکن با وجود اس کے آپ نے اپنے فرزند کو سنہ ۱۸۴۹ ع میں جبلپور کالج میں شریک کیا - یہ کالج کلیتاً انگریزی حکومت کے زیر انتظام تھا - آپ کے صاحبزادہ سید عبداللہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اس کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی —

سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے موقع پر سید محمد نے برطانوی حکومت کے ساتھہ اپنی وفاداری قائم رکھی - جس وقت جبلپور کے یورپین باشندے ہر طرف سے گھر گئے تھے اور خود ہندوستانی اس پس و پیش میں تھے کہ کیا کیا جاے' سید محمد نہایت استقلال کے ساتھہ اپنی وفاداری پر قایم رہے - چنانچہ شورش کے بعد حکومت نے موصوف کی خدمت کا اعتراف کیا - بہادر کا خطاب عطا کیا اور خاطر خواہ پنشن دی لیکن افسوس ہے کہ موصوف بہت زیادہ دنوں تک اس پنشن سے فائدہ نہ اٹھا سکے * —

‡ ٹائمز - ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع ؛ انڈین میل - ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ء -

میرے نوجوان دوست ایچ پامر جو ایک نہایت ہوشیار ماہر زبان ہندوستانی ہیں، آج کل قاہرہ کے قدیم قلمی نسخوں کی چھان بین میں مصروف ہیں - موصوف بھی اس تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ ہوگئے ہیں جو کوہ سینا کی باقیات کے متعلق تفتیش کر رہا ہے اور اس علاقے کی پیمائش میں مصروف ہے - پامر صاحب نے میر سید محمد خاں بہادر کی موت پر جن کے وہ نہایت محبوب شاگرد ہیں، عربی زبان میں ایک مرثیہ لکھا ہے —

اس سال ۲۴ جنوری کو مستشرقین کے سردار ڈاکٹر جے ڈی میکبرائڈ نے نوے سال کی عمر میں جہان فانی کو الوداع کہا - موصوف آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر تھے- اگرچہ موصوف نے عربی زبان میں خاص طور پر اپنی تحقیق کو محدود رکھا تھا لیکن آپ ہندوستانی سے بالکل نابلد نہیں تھے - موصوف کی آخری تصنیف مذہب اسلام پر ایک محققانہ کتاب ہے - اس میں اسلام کی ترقی پر نہایت بصیرت افروز بحثیں ہیں اور اسلامی عقائد کو بدلائل باطل قرار دیا ہے * - موصوف ہماری پیرس کی "ایشیاٹک سوسائٹی" کے سب سے قدیم اعزازی رکن تھے اور

* The Mohamedan Religion explained with an introductory sketch of its Progress and suggestions for its refutations "

اس کے سب سے پہلے صدر سلو ستردے ساسی سے موصوف کے خاص تعلقات تھے - آخرالذکر وہی صاحب ہیں جن کی بدولت اس کالج میں ہندوستانی کی چیر (Chair) قائم ہوئی اب ڈاکٹر جے ڈی میکبرائڈ بھی سلوستر دے ساسی آنجہانی سے عالم بالا پر جا کر مل گئے ' "یہ وہ عالم ہے جہاں فراق کا گزر نہیں - نیک بندے وہاں ابدی محبت میں ایک دوسرے کے ساتھہ شریک ہوتے ہیں - عقیدے کی بدولت دنیاے فانی سے جانے والے اس عالم بالا پر پہنچتے ہیں " *

بابو رام گوپال گھوش کے مرنے سے ہندو جماعت کا ایک نہایت روشن خیال فرد اُٹھہ گیا - آپ کا کلکتہ میں گزشتہ ۲۵ جون کو ۵۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا - آپ "مجلس تعلیمی" کے سنہ ۱۸۵۵ع تک برابر رکن رہے جب کہ خود یہ کونسل ختم ہوگئی † - موصوف متعدد اخبارات کے مدیر تھے اور آپ نے

* عالم بالا میں جدائی کا وجود نہیں - وہاں محبت کی ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے - جو خیر محض پر مبنی ہوتی ہے - عقیدے میں یہ قوت ہے کہ وہ دنیا ہیں مرنے والوں کو عالم پاک تک لے جاے " - مونٹگمری -

† مجھے اس وقت مس کارپنٹر کے ہم سفر بابو من موہن گھوش یاد آرہے ہیں - موصوف بیرسٹری کی تعلیم کے لیے انگلستان آے تھے - موصوف کو بت پرستی سے قطعاً احتراز تھا اگرچہ انھوں نے مسیحی مذہب نہیں قبول کیا تھا - ان کی منگنی ایک نا بالغ ہندو لڑکی کے ساتھہ ہوی تھی جسے انھوں نے کلکتہ کی رومن کیتھولک خانقاہ میں تعلیم کے لیے بھیجا تھا - اس لیے نہیں کہ وہ مسیحی مذہب قبول لے بلکہ اس واسطے کہ خانقاہ کی زندگی موصوف کو زنانے کی زندگی سے بہت کچھہ مشابہ معلوم ہوتی تھی جس میں اس لڑکی کو آیندہ زندگی بسر کرنا ہے -

بہت سی ادبی انجمنوں کی اپنی زندگی میں بنا ڈالی۔ ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ ٹونٹونیا میں قایم کیا - آپ کو عمر بھر تعلیمی مشاغل سے خاص لگاو رہا - آپ کا دستور تھا کہ ہر سال کلکتہ کے مختلف مدارس کے ان طلباء کو جنھوں نے امتحان میں امتیاز حاصل کیا ، مارشمن کی "تاریخ ہند" کے سو نسخے تقسیم کیا کرتے تھے - یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا * —

گزشتہ سال میسور کے آخری راجہ کے فرزند کا انتقال ہوگیا - یہ آخری راجہ مہاراجہ کرشن راج دیو بہادر برائے نام راجہ تھے - اس لیے کہ حیدر علی نے ، جو ایک مشہور مسلمان فاتح گزرا ہے ، ملک پر قبضہ کرلیا تھا اور اس کی حکومت چلتی تھی - سنہ ۱۷۹۹ ع میں جب انگریزوں نے ٹیپو سلطان کو شکست دے کر اپنی عملداری قایم کی تو مہاراجہ کے بیٹے کو پھر سر اقتدار کر دیا - اس وقت اس شہزادے کی صرف ۲ سال کی عمر تھی - مہاراجہ میسور کے اس فرزند کا گزشتہ ۲۷ مارچ کو بنگلور میں انتقال ہوگیا انتقال کے دوسرے روز اس کی لاش ہندو رسم کے مطابق جلائی گئی - دیسی لوگوں میں مرحوم کی ذات بہت مقبول تھی اس لیے کہ وہ نہایت سخی اور فیض رساں تھے - سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے موقع پر راجہ نے انگریزی

---

* کلکتہ ریویو - فروری سنہ ۱۸۶۸ م - صفحہ ۵۱۱ -

حکومت کے ساتھہ اپنی وفاداری قایم رکھی - اگر وہ ایسا نہ کرتے تو برطانوی حکومت کی راہ میں مزید دشواریاں پیش آجاتیں- انھوں نے شام راجندر دیار بہادر کو اپنا متبنی بنایا۔ اس لڑکے کی بھی ۶ سال کی عمر تھی جب میسور کا تخت و تاج اسے ملا - لڑکے کی نابالغی کے زمانے میں انگریزی حکومت کا ریاست پر انتظام قایم رہے گا جس طرح اس سے قبل اس کے والد ماجد کی زندگی میں رہ چکا تھا - نوعمر راجہ کا قیام بنگلور کے قلعے میں رہے گا - دس سال قبل بنگلور کی آبادی ۷۰ ہزار تھی لیکن آج ایک لاکھہ سے زیادہ ہے - یہاں اس کی تعلیم کا انتظام کیا جاے گا - بنگلور کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے - ریل کی بدولت یہ شہر مدراس سے مل گیا ہے - گویا یہ دونوں شہر دراصل ایک ہی شہر ہوگئے ہیں- (اودہ اخبار ۱۴ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع) -

پچھلے اپریل کی ۵ تاریخ کو رچرڈ ہاتن (Richard Haughton) کا ۸۹ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا - موصوف سر گریو ہاتن کے بھائی تھے - انسٹیٹیوٹ دے فرانس کی " ایکاڈمی فنون لطیفہ " کے بیرونی رکن تھے اور میرے ہم سبق تھے - ہم دونوں نے سلوستر دے ساسی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا تھا - موصوف کچھہ عرصے سے رمسگیٹ (Ramsgate) میں اپنی زندگی کے آخری ایام دنیا سے الگ تھلگ گزار رہے تھے - موصوف کو

ہندوستانی سے خاص لگاو تھا اور آپ مدت تک (Addiscombe) کے فوجی کالج میں السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر رہ چکے تھے - آخری عمر میں بینائی کے بالکل زائل ہو جانے کے باعث انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی - اس وجہ سے علمی دنیا میں جتنی شہرت ان کی ہونی چاہیے تھی نہ ہو سکی —

میرے قدیم اور عزیز دوست ڈنکن فوربس (Duncan Forbes) نے بھی جہانِ فانی کو الوداع کہا - آپ سے میرے نہایت دیرینہ تعلقات تھے آپ ایک نہایت فاضل مستشرق تھے - آپ نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں - خصوصاً ہندوستانی لغت نہایت کارآمد ثابت ہوئی - آپ کی لغت نے شیکسپیئر کی ہندوستانی لغت کی جگہ اسی طرح لے لی ہے جس طرح فرانس میں الکزنڈر کی یونانی لغت نے پلانش کی لغت کو ناکارہ بنا دیا ہے - فوربس صاحب کو میری طرح ہندوستانی سے طبعاً مناسبت تھی اور آپ نے اس زبان کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی تعلیم سے بہت مدد پہنچائی - فوربس اس اتستان کے ایک چھوٹے سے قریے میں پیدا ہوے تھے - جوں توں اپنی تعلیم ختم کر کے آپ کلکتہ چلے گئے جہاں دو سال قیام کرنے کے بعد صحت کی خرابی کے باعث سنہ ۱۸۲۶ء میں یورپ واپس ہوے - اس بار میری ان کی پہلی ملاقات ہوئی - موصوف اپنے دوست سنٹ فورڈ آرناٹ (Santford Arnot) کی طرح جن

کا جوانی میں سنہ ۱۸۳۴ ع میں انتقال ہو چکا ہے گلکرسٹ کے شاگرد تھے - فوربس اور آرنات دونوں نے مل کر لندن کے " ادارۂ مشرقیہ " (Oriental Institution) کی بنا ڈالی تھی - میں نے بھی اپنے اساتذہ سلوستر دے ساسی اور شیکسپیئر کی ہمت افزائی پر پیرس میں لندن والے ادارے کی نقل کی کوشش کی ہے - سنہ ۱۸۴۷ ع میں فوربس کو لندن یونیورسٹی کے کنگز کالج (King's College) میں السنۂ مشرقیہ کی پروفیسری دی گئی اور سنہ ۱۸۴۲ ع میں ڈاکٹر آف لا کی اعزازی سند عطا ہوئی - فوربس کے خطبات کی طرح ان کی جملہ تصانیف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہایت صاف اور ستھری زبان میں لکھی گئی ہیں - فوربس کے شاگرد بے شمار ہیں - بعض وہ ہیں جنھوں نے بلا واسطہ تحصیل علم کی اور بعض وہ ہیں جنھوں نے بالواسطہ فیض حاصل کیا - ان سب کے دلوں میں اپنے استاد کی بیحد قدر تھی - موصوف نے ایک نہایت قابل قدر قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا - تین سال ہوے بعض وجوہ کی بنا پر انھوں نے یہ کتابیں فروخت کر ڈالیں - چنانچہ میں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض نادر نسخے حاصل کر لیے جو میرے کتب خانہ کی زینت ہیں - فوربس نہایت سلیم الطبع اور منکسر مزاج شخص تھے - ان کی زندگی ایک علم دوست آدمی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی تھی - اپنے

اور دوسرے بعض احباب کی طرح جن میں شیکسپیئر، کاترمیر، گرانگرے دے لاگرانج شامل ھیں، فوربس بھی عمر بھر مجرد رھے - ان کے علمی مشاغل میں اھل و عیال کی چپقلش حارج نہیں ھوی - فوربس نے عمر بھر اپنے کاموں کو انہماک اور انتہائی جوش کے ساتھہ انجام دیا اور آخری وقت تک محنت اور کام کرتے رھے - موصوف کا گزشتہ اگست کی ۱۷ تاریخ کو لندن میں انتقال ھوا - میری دعا ھے کہ خدا موصوف کی روح کو امن نصیب کرے - ھمیں چاھیے کہ ان کے کام کو جو ان کی بہترین یادگار ھے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھیں —

اب میں دو معروف ھندوؤں کی موت کا اور ذکر کردوں جن کا پچھلے اگست میں انتقال ھوا ھے - میری مراد ان سے گجل لچھمن ارسو چٹی اور پروسونو کمار تگور سے ھے - اول الذکر مدراس کی " مجلس وضع قانون " کے رکن تھے اور موصوف نے ھندو مقاصد کو اخبار نویسی اور ادب کے ذریعے سے ترقی دی - موصوف کو تعلیمی معاملات سے خاص دلچسپی تھی اور مقامی زبانوں اور ھندوستانی کے ذریعے تعلیمی اشاعت میں عمر بھر کوشاں رھے - ثانی الذکر ایک غیر معمولی خداداد قابلیت کے شخص گزرے ھیں - آپ نے ھندو قانون پر نہایت فاضلانہ شرح لکھی ھے - یہ کتاب نہایت شستہ انگریزی زبان

میں لکھی گئی ہے - یہ اصول قانون اب متھلا (آج کل کا ترھوت) میں تسلیم کیے گئے ہیں - یہ تصنیف اصل سنسکرت پر مبنی ہے * - پرو سو نو کمار تگور کا کلکتہ میں ۶۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا - موصوف نہایت دولتمند شخص تھے لیکن ابتدا ہی سے طبیعت کو ادب اور قانون سے لگاؤ تھا - انگریزی زبان پر قدرت کا یہ عالم تھا کہ موصوف نے بیس سال کی عمر سے قبل ایک رسالہ بنام " انڈین ریفارمر " نکالا تھا - شروع میں کچھہ روپیہ تجارت میں لگایا لیکن چونکہ اس سے قدرتی مناسبت نہ تھی سب روپیہ ڈوب گیا - پھر وکالت شروع کی اور خوب شہرت حاصل کی - اصول قانون پر موصوف کی نظر نہایت وسیع تھی- اس کے بعد مجسٹریٹی کے متعدد عہدوں پر فائز رہے اور مجلس وضع قانون کے رکن مقرر ہوے - لیکن صحت کی خرابی کے باعث عرصے تک یہ خدمات انجام نہ دے سکے - آج تک تگور کی دریادلی اور حسن سلوک کا ان کے ہم مذہب ذکر کرتے ہیں - موصوف کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے اور علم و تعلیم کی ترقی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے - " آپ برٹش انڈین ایسو سیشن " کے بانیوں میں

---

* سنسکرت نام "وود چنتا منی " ہے - اصل کلکتہ میں سنہ ۱۸۶۳ ع میں شائع ہو چکی ہے - ۳۴۰ صفحات پر مشتمل ہے —

سے ایک ہیں * - لیکن موصوف نے اپنے فرزند بابو گمندر موہن ٹگور کے مسیحی مذہب قبول کرنے کے باعث اس انجمن سے علحدگی اختیار کرلی - موصوف کے فرزند بعد میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ہوے - موصوف کو ابتدا میں اصلاحی تحریکات سے لگاؤ تھا لیکن بعد میں ان امور سے کچھہ شوق نہیں رہا تھا - وہ مرتے دم تک پکے ہندو رہے ' انتقال پر آپ کی لاش گنگا کے نذر کی گئی - مرتے وقت آپ ۲۰ ہزار روپے سالانہ کی آمدنی اپنے خاندانی بت کے نام وقف کر گئے اور اپنے بیٹے کو محروم الارث قرار دیا † - ہمارے خیال میں اگر بابو گمندر موہن ٹگور کے (بیٹے) کو مسیحی دین سے مخلصانہ تعلق ہے تو وہ اپنے محروم الارث ہونے کی پروا نہیں کریں گے اور بلا غم و غصہ اپنے مالک کی خدمت کرتے رہیں گے - اہل ہند عربی کی اس مثل سے ناواقف نہیں کہ " حب الوطن من الایمان " —

———

* ابھی حال میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ تعلیمی ترقی کے لیے حکومت خاص ٹکس مقرر کرے بجاے اس کے کہ عطیات سے کام چلایا جاے - اس انجمن نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے اور ہمارے خیال میں بالکل ٹھیک کیا ہے - (ہوم ورڈ میل - مورخہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ع) —

† مرحوم نے تقریباً دس لاکھہ کی ملک چھوڑی ہے - اس میں سے خوشی کی بات ہے کہ تین لاکھہ خیراتی کاموں کے لیے وقف کیا گیا ہے -

انیسواں خطبہ

۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ع

ہر سال میرا یہ دستور رہا ہے کہ ہندوستان میں ادبیات کی ترقی کے متعلق آپ صاحبوں کے سامنے کچھ نئی باتیں پیش کروں جنھیں سن کر آپ کو اطمینان ہو کہ وہاں ترقی ہو رہی ہے - میں لانگ فیلو کے ان اشعار کو اپنے حسب حال پاتا ہوں :

نہ مسرت اور نہ غم ،
ہمارا مقصد حیات ہو سکتے ہیں ،
ہمارا مقصد حیات عمل ہے ، تاکہ ہر آنے والا کل
ہمیں آج کے مقابلے میں آگے بڑھا ہوا پائے —

اردو اور ہندی کا جھگڑا بدستور چلا جا رہا ہے - چنانچہ گزشتہ سال ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس جھگڑے میں نہایت گرم جوشی کے ساتھ حصہ لیا - بالخصوص ہندو اس معاملے میں تعصب سے کام لے رہے ہیں - وہ اپنے حب وطن کے جوش میں ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں جن سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی یاد تازہ

ہوتی ہے - چنانچہ ہندو لوگ کھلم کھلا برطانوی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت پر ترجیح دیتے ہیں- لیکن اہل اسلام کی حالت اس سے مختلف ہے - ان کی ۳ کروڑ آبادی کے لیے برطانوی حکومت دو وجوہ کی بنا پر بری ہے - اول اس لیے کہ انگریزوں نے انہیں ہندوستان کی حکومت سے محروم کیا اور دوسرے اس لیے کہ انہیں ایسی حکومت کے سامنے سر جھکانا پڑا جس کے افراد کے مذہب سے انہیں سخت نفرت ہے - مسلمانوں کو اس وقت بعض شورش پسند پھر انگریزوں کے خلاف برانگیختہ کرنا چاہتے ہیں - چنانچہ کئی دفعہ حضرت امام مہدی کی آمد کا غلغلہ بلند ہو چکا ہے - امام موصوف انہیں غیروں کے تسلط سے نجات دلائیں گے - اس باب میں مختلف پیشین گوئیوں کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہے - گزشتہ سال وہابیوں کی شورش کی یہی بنا تھی - وہابیوں کے عقائد مسلمانان ہند کی جماعت میں مقبولیت حاصل کررہے ہیں *-

یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح آج کل یورپ میں ایک تحریک اٹھی ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ پھر سے ازمنۂ وسطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان زبانوں کو زندہ کیا جائے جو اب بولیاں ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے -

* انڈین میل - ۲۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

کچھ عرصے سے یورپ میں ازمنۂ وسطیٰ کے خلاف جو نفرت پھیلائی جا رہی تھی اس کی مخالفت میں یہ تحریک ہے۔ ہندوستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ اس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے جو ہر گانو میں الگ الگ طریقے سے بولی جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے کہ اردو کی بجائے ہندی کو فروغ دیا جائے حالانکہ اردو بہ نسبت ہندی کے زیادہ شستہ ہے۔ لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندوستان کی زبان ہے اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے۔ ان کو یہ نہیں سوجھتا کہ اردو زبان میں فارسی اور عربی کی ساری خوبیاں جمع ہوگئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں (فارسی اور عربی) اسلامی مشرق کی قابل احترام السنہ ہیں اور جمیع علمائے عالم ان دونوں کو ہمیشہ سے اسی نظر سے دیکھتے آئے ہیں —

اب میں ان دور از کار اسباب کی تشریح کرتا ہوں جو ہندی کے حامی اردو کے مقابلے میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ میں ان دلائل کو بھی بیان کروں گا جو مسلمان علما نے جواب میں پیش کی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس قسم کے مباحثوں میں ہوا کرتا ہے طرفین اپنی رائے پر اڑے رہتے ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ گزشتہ صدی میں یہ قول مشہور

تھا جو اس وقت شاید حسب حال ہو۔ لیکن آج کل لوگوں نے اس کو فراموش کر دیا ہے: "بحث مباحثے سے نہ اپنے تئیں بصیرت حاصل ہوتی ہے اور نہ دوسرے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ بحث کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کو غصہ اور ضد پیدا ہو۔ غرور اور ضد جہاں ہوتے ہیں وہاں نیک نیتی نہیں باقی رہ سکتی"۔

گزشتہ سال ہندی اردو کے جھگڑے کے سلسلے میں جس کی نسبت میں نے ابھی ذکر کیا، الہ آباد انسٹیٹیوٹ کا وہ جلسہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو سال کے آخر میں منعقد ہوا تھا۔ اردو ہندی کے مسئلہ پر خوب گرم جوشی سے مباحثے ہوئے جن کا لکھنؤ کے ہندوستانی رسائل میں تفصیل کے ساتھ حال چھپا ہے *۔ اس جلسے کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان سبھوں نے جو اردو کے مخالف تھے خود اردو میں نہ کہ ہندی میں اردو کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیں —

بحث اس مسئلہ سے شروع ہوئی کہ گزشتہ جلسوں کی کارروائی کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ وہ دیسی زبان میں لکھنی چاہیے۔ اب سوال یہ اٹھا کہ دیسی زبان سے آیا اردو مراد لی جائے یا ہندی۔ ایک ہندو صاحب نے اٹھ کر تقریر کی کہ ہندی ملک کی اصلی زبان ہے۔ ہندی کی طرف سے جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے وہ قابل افسوس

---

* اودھ اخبار ۲۴ - نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

ہے - مقرر نے یہ بھی کہا کہ حکومت سے تحریک کرنی چاہیے کہ دفاتر اور عدالتوں میں اردو کی بجائے ہندی کو رائج کرے۔ اس کے ساتھ مقرر نے یہ بھی کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو صرف رسم خط میں تبدیلی کرنی ہوگی - ایک اور دوسرے ہندو صاحب نے اس تجویز کی تائید کی اور کہا کہ اگرچہ ہندی کو دفاتر اور عدالتوں کی زبان بنانے سے بہت سے ہندوستانیوں کو زحمت گوارا کرنی ہوگی کیونکہ وہ اردو رسم خط کے عادی ہو چکے ہیں، لیکن بہر نوع یہ تبدیلی گانو میں رہنے والے ہندوؤں کے لیے ہوگی جو صرف ہندی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں - چونکہ گانو والے اردو رسم خط سے ناواقف ہیں اس لیے انہیں اردو کی تحریروں سے دھوکا دیا جا سکتا ہے - اس کے علاوہ اردو کا رسم خط چینی رسم خط کی طرح بہت پیچیدہ ہے - مقرر نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سنسکرت زبان کو دیوناگری رسم خط کے ذریعے پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - ہندوؤں نے اٹھارہ صدیوں سے سنسکرت کی طرف سے بے پروائی برتی ہے، اب انہیں چاہیے کہ اس قدیم زبان میں زندگی کی نئی روح پھونکیں —

ایک تیسرے ہندو صاحب نے تجویز کی تائید مزید کرتے ہوئے کہا کہ اردو کی بجائے ہندی کو رواج دینے سے صرف رسم خط کی تبدیلی لاحق نہیں ہوگی بلکہ الفاظ اور

محاورے بھی بدل جائیں گے اس واسطے کہ اردو میں عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور ہندی خالص ہندوستانی زبان ہے —

یہ سچ ہے کہ بعض اردو مصنفین کی طرح ، اپنا علم و فضل ظاہر کرنے کی غرض سے عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ملکی زبان کے صرف افعال و حروف ان کی عبارت میں نظر آتے ہیں ، لیکن فی الحقیقت اردو ہندی میں کوئی فرق نہیں ہے - ہمارے لیے یہ امر ناممکن ہے کہ اردو اور ہندی کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی کوئی حد فاصل قائم کرسکیں - دراصل دونوں ہندوستانی کے تحت آجاتی ہیں اور صرف ان کا رسم خط ہی ان میں امتیاز پیدا کرتا ہے -

الہ آباد انسٹیٹیوٹ کے دوسرے اجلاس میں جو ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کو منعقد ہوا تھا ، اردو ہندی کا مسئلہ پھر اٹھایا گیا - اس میں یہ طے پایا کہ دیوناگری رسم خط کو رواج دینا چاہیے - ویسے اردو اور ہندی میں لسانی فرق نہیں کیا جائے گا - چاہے ہندی کو " ہندوئی " کہیے یا اردو کو " دکھنی " کہیے ، زبان ایک ہی رہے گی اور ایک ہی محاورے ان میں مستعمل رہنے چاہئیں —

برطانوی حکومت اس تحریک کے موافق معلوم ہوتی ہے - حکومت کا خیال ہے کہ ہندی کی موافقت سے ہندو لوگ

خوش ہوجائیں گے اور چونکہ ہندوستان کی آبادی کی کثرت انہیں پر مشتمل ہے اس لیے ہندی کی تائید ملکی مصالح پر مبنی ہے - اضلاع شمال مغربی ' اودھ اور پنجاب میں دفاتر اور عدالتوں میں ہندی رائج کرنے سے جو سیاسی فوائد منتج ہوں گے ان کے متعلق " انڈین ڈیلی نیوز " کے ایک مقالے میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے - اس مقالے کی نقل ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع کے " انڈین میل " میں بھی شایع ہوئی ہے - میرے خیال میں اس مقالے میں ہندی کی تائید میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اور جو دعوے پیش کیے گئے ہیں ان پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن اس جگہ میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا - اس مقالے میں اردو کے متعلق کم از کم یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس نے ہندوستان میں وہی حیثیت حاصل کرلی ہے جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے - عدالتوں اور شہروں میں اردو بولی جاتی ہے - مصنفین اپنی کتابیں اسی زبان میں تصنیف کرتے ہیں اور اس کی غزلیں گائی جاتی ہیں - اردو کے ذریعہ اہل ہند یوروپین لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں - غرض کہ ان تمام امور کو اگر پیش نظر رکھا جاے تو اردو کو ہندی پر فضیلت حاصل رہتی ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں —

علی گڑھ کے اخبار میں اس مسئلہ پر ایک مضمون میں

مفصل بحث کی گئی ہے - یہ مقالہ ۲ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع کے "اودھ اخبار" میں دوبارہ شایع کیا گیا ہے - مضمون نگار صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ رسم خط بدل دیا جائے بلکہ اس نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اردو میں جو عربی حروف مستعمل ہیں ان کا دیوناگری میں بدل ہو ہی نہیں سکتا ' اس لیے سہولت اس کی مقتضی ہے کہ تمام عربی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے اور ان کی جگہہ ہندی الفاظ استعمال کیے جائیں - اردو میں عربی فارسی کے الفاظ لینے کی بجائے سنسکرت کے الفاظ لیے جائیں اور اس طرح زبان کو وسعت دی جائے مضمون نگار کے نزدیک ہندی دراصل سنسکرت ہی کی ایک شکل ہے —

غرض کہ ہندوؤں کی عام طور پر یہ خواہش ہے کہ عربی اور فارسی کے عنصر سے قطعی احتراز کیا جائے بلکہ بعض ہندو ایسے بھی ہیں جو لاطینی رسم خط کو اردو رسم خط پر ترجیح دیتے ہیں - یہ بات ان کے دلوں میں اسلامی حکومت کی مخالفت کے باعث پیدا ہوئی ہے -

مدیر "اودھ اخبار" نے مقالہ نگار کی خواہش کے موافق مضمون چھاپ تو دیا ہے لیکن بعد میں اس کے استدلال کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور تمام دلائل کو بے معنی لفاظی سے تعبیر کیا ہے - مدیر نے اسی ضمن میں یہ بتایا ہے کہ ہندی

اردو کے جھگڑے اسی طرح لایعنی ہیں جس طرح یہ خیال کہ ایک دن آے گا جب کہ اردو ہندی کے قضیئے کا خاتمہ ہوجاے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ انگریزی زبان ان دونوں پر حاوی ہوجاے گی اس لیے کہ وہ حکام وقت کی زبان ہے اور قدرتی طور پر رعایا اسی زبان کو اختیار کرےگی۔ مدیر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اردو زبان جس کی ہندو لوگ اس وقت مخالفت کر رہے ہیں، فاتح مسلمانوں اور ہندوؤں کے خلط ملط سے بالکل اسی طرح وجود میں آئی جیسے انگلستان میں سیکسن اور فرانسیسی کا امتزاج عمل میں آیا۔ اردو میں دوسری زبانوں کے وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو کھپ جائیں۔ ان الفاظ کے انتخاب میں خاص سلیقہ برتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کو عدالتوں میں مقبولیت حاصل ہوئی اور سرکاری تحریرات میں یہ زبان استعمال کی گئی۔ اِن تمام باتوں کی تائید میں خود ہزارہا ہندوؤں کی آرا پیش کی جاسکتی ہیں۔ بھلا یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اُردو کے عوض، جو ایک نہایت شیریں اور شستہ زبان ہے اور جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے، ہندی کو فروغ دینے کی کوشش کی جاے جو ایک نہایت بھدی اور درشت زبان ہے اور جس کے حروف دیکھنے میں بھلے نہیں معلوم ہوتے —

۱۹ فروری سنہ ۱۸۶۸ع کے "اخبار" میں (مطبوعۂ علی گڑھ)

ایک اور مضمون چھپا ہے جس میں ہندی اور سنسکرت کی یکسانیت کا مغالطہ پیش کیا گیا ہے - ہندوؤں کی یہ خواہش ہے کہ سنسکرت کا رواج بڑھے لیکن انہیں اس بات پر تو غور کرنا چاہیے کہ دریا کو ماخذ کی طرف بہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا - بابو سرود پرشاد جلیور نے یہ مضمون لکھا ہے ' سنسکرت ادبیات کی تعریف میں رطب اللسان ہیں - میرے خیال میں ان کا یہ تعریف کرنا بجا ہے - لیکن اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عربی اور فارسی بھی قابل قدر زبانیں ہیں - برطانوی حکومت نے بنگالیوں کے ساتھ یہ خاص رعایت کی کہ انہیں مقامی عدالتوں میں بجائے فارسی کے اپنی زبان استعمال کرنے کی اجازت دے دی - چنانچہ اضلاع شمالی مغربی کے ہندوؤں نے بنگالیوں کی دیکھا دیکھی یہ مطالبہ شروع کیا کہ ہمارے ہاں بھی اردو کی بجائے عدالتی زبان ہندی قرار دی جائے - اس مطالبہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ بجائے مسلمانوں کی زبان کے ہندوؤں کی زبان کو فروغ حاصل ہو - بابو سرود پرشاد نے دیوناگری رسم خط کی بہت تعریف کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں میں صرف دیوناگری رسم خط ایسا ہے جس میں یہ صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے کہ صوت انسانی کے ہر نازک فرق کو واضح کر سکے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود اردو میں ایسے بیشمار

الفاظ ھیں جنہیں دیوناگری حروف سے نہیں ادا کیا جا سکتا۔ چنانچہ ح خ ص ض ط ع غ اور ق کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ مضمون نگار نے دیوناگری اور ناگری رسم خط کی تعریف کے بعد خط شکستہ کی برائیاں گنوائی ھیں اور یہ بھی لکھا ھے کہ اس خط پر پوری قدرت حاصل کرنے کے لیے سالہا سال محنت کرنے کی ضرورت ھے۔ یہ درست ھے کہ اردو کے خط شکستہ کا پڑھنا دشوار ھے اس لیے کہ سب حروف صاف نہیں ظاھر کیے جاتے۔ لیکن ناگری خط جو ساھوکارے اور تجارتی ضروریات کے لیے استعمال ھوتا ھے اور جسے "کیتھی ناگری" کہتے ھیں، اس کا پڑھنا بھی بہت دشوار ھے۔ اس کے پڑھنے میں اس وقت سہولت ھوتی ھے جب کہ پڑھنے والا پہلے سے مضمون سے واقف ھو —

علی گڑھ کے "اخبار" مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۶۸ع میں ایک مضمون اردو کی تائید میں شائع ھوا ھے۔ یہ مضمون متعدد کالموں میں شائع کیا گیا ھے۔ بعض باتیں نہایت صحیح مشاھدہ پر مبنی معلوم ھوتی ھیں۔ عربی کی مثل ھے کل حزب بما لدیھم فرحون *۔ لیکن اھل ھند کا طریقہ ھے کہ وہ ھر بات میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرنی چاھتے ھیں۔ مضمون نگار اس باب میں میرا ھم خیال ھے کہ اردو کے خلاف جو تحریک

* یہ قرآن کی آیت ھے۔ سورۂ روم رکوع ۳۔ (مترجم)

اس وقت اٹھ رہی ہے اس کا اصلی محرک نسلی اور مذہبی اختلاف ہے * - مضمون نگار نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ تحریک دراصل سیاسی ہے۔ مذہبی اعتبار سے مسلمانوں کی زبان عربی ہے اور ہندوؤں کی زبان سنسکرت ہے - اردو اور ہندی کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں - مضمون نگار نے اس کے بعد ان سب اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دیا ہے جو اردو کے خلاف پیش کیے گئے ہیں - مثلاً کہا گیا ہے کہ ہندو عوام اردو نہیں سمجھتے - لیکن دنیا کے ہر ملک میں کم و بیش یہی حالت نظر آے گی - چنانچہ برٹانی، پروانس اور السا س کے عام باشندے فرانسیسی زبان نہیں سمجھتے - کیا یہ معقول وجہ ہے کہ فرانس کے صوبوں کے دفاتر اور عدالتوں میں فرانسیسی زبان کا استعمال ترک کردیا جاے - مضمونؔ نگار نے اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ خالص سے خالص ہندی میں بھی عربی اور فارسی کے الفاظ ضرور ملتے ہیں - ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ کو رواج دینا بالکل ناممکن ہے - بہت سے ہندو راج کماروں نے جو اپنے دربار میں ہندی رائج کر سکتے تھے، اردو کو ترجیح دی ہے - چنانچہ الور، گوالیار، جے پور، اندور اور بھانہ کے راجاؤں کی درباری زبان اردو ہے - اس کے سوا یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ

* ملاحظہ ہو میرا سالانہ خطبہ سنہ ۱۸۶۶ ع -

جس وقت سنہ ۱۸۳۷ ع میں برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ فارسی کی جگہہ اردو سرکاری طور پر تسلیم کی جاے گی تو اس وقت ایک آواز بھی نہیں اٹھی کہ نہیں ' اردو کے بجاے هندی کی سرپرستی حکومت کو کرنی چاهیے - کچھہ دنوں پہلے تک اس مسئلہ کی کسی کو کانوں کان خبر تک نہ تھی- جس زمانے میں فارسی دفتری زبان تھی اس وقت اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی حالانکہ وہ اردو کے بہ نسبت هندی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی - پھر یہ کیا بات هے کہ آج هندو لوگ ایک دم سے اردو کے خلاف چیخ پکار کر رهے هیں - اس وقت اردو اور هندی کی حیثیت ایسی هے کہ هم دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر غالب نہیں تصور کر سکتے - لیکن ان دونوں میں جو ربط اور تعلق موجود هے اسے قایم رکھنے میں کوئی قباحت نہیں - اگر هندوستان کے بعض حصوں میں هندوؤں کو اکثریت حاصل هے تو بعض دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت هے - جہاں مسلمانوں کی اکثریت هے وهاں هندی کو زبردستی رواج دینا انھیں ان کے حقوق سے محروم کرنے کے هم معنی هوگا - رعایا کی حیثیت سے برطانوی حکومت کے نزدیک هندو اور مسلمان برابر هونے چاهئیں - اردو کے خلاف جو یہ دعوی کیا جاتا هے کہ وہ ایک مخلوط زبان هے درست هے - لیکن کیا عربی میں سریانی

عبرانی اور یونانی الفاظ کی آمیزش نہیں ہے؟ کیا فارسی میں عربی الفاظ مستعمل نہیں؟ اور کیا یہ صحیح نہیں کہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا میل پایا جاتا ہے؟ اگر اردو میں عربی اور فارسی الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ہوگا کہ سنسکرت اور ہندی کے بھی لاتعداد الفاظ مروج ہیں - بالکل اسی طرح جیسے انگریزی اور فرانسیسی میں لاطینی اور یونانی الفاظ گھل مل گئے ہیں اور ہر اہل زبان انہیں سمجھتا ہے - اردو دو طریقے سے لکھی جاتی ہے - ایک نستعلیق اور دوسرے شکستہ - لیکن ہندی لکھنے کے طریقے بیشمار ہیں۔ ان بولیوں کے لکھنے کے طریقوں کا ہم یہاں ذکر نہیں کرتے جو ہندی سے مشابہ ہیں اور اس کی اور ان کی اصل ایک ہی ہے - انہیں وہی شخص پڑھ سکتا ہے جس نے خاص کر ان کا مطالعہ کیا ہے - سنسکرت کے فاضل تک ان تحریروں کو نہیں سمجھ سکتے - ان بولیوں کا پڑھنا خود ہندوؤں کے لیے سخت دشوار ہوتا ہے اور ان کے لیے بھی یہ بولیاں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو کسی اجنبی زبان کی ہوتی ہے - خود دیوناگری رسم خط جسے ناگری بھی کہتے ہیں '' اور جسے اردو رسم خط کی جگہ رائج کرنے کی کوشش ہورہی ہے ' عیوب سے خالی نہیں -

اردو ہندوستان کے شہروں نیز دیہات میں جہاں بعض

دوسری بولیاں بولی جاتی ہیں سمجھی جاتی ہے۔ اضلاع شمال مغربی اور اودھ میں تو اردو ہی بولی جاتی ہے۔ ان تمام امور کے پیش نظر بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اردو کو ترک کر کے ہندی کو اختیار کیا جائے جسے عرصے سے اہل ہند چھوڑ چکے ہیں اور جس کو رائج کرنے میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا —

علیگڑھ کے "اخبار" مورخہ ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۶۸ع میں (سر) سید احمد خاں نے سرود پرشاد کے اس مضمون کا جواب دیا ہے جس کی نسبت ابھی میں حوالہ دے چکا ہوں —

سید صاحب موصوف نے اردو زبان کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ بابو صاحب کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ انہوں نے زبان اور رسم خط کے دو جداگانہ مسائل کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ اردو در اصل قدیم بھاشا اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اردو کو شہروں کی شستہ اور شائستہ ہندی کہہ سکتے ہیں۔ ہندی اور اردو دونوں لسانی حیثیت سے ایک ہیں۔ دونوں کے رسم خط جدا جدا ہیں۔ سید صاحب موصوف خود اس بات کے خلاف ہیں کہ اردو میں عربی فارسی کے مغلق الفاظ کثرت سے استعمال کیے جائیں۔ موصوف عربی فارسی الفاظ کو صرف اس وقت استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ ان کے بغیر چارہ نہ ہو۔ لیکن عربی فارسی الفاظ کو خارج

کر کے ان کی جگہ سنسکرت الفاظ ٹھونسنے کے بھی موصوف مخالف ہیں۔ اس لیے کہ خود ہندوؤں کے لیے یہ سنسکرت الفاظ عربی فارسی الفاظ کے مقابلے میں اجنبی ہوں گے۔ عربی فارسی الفاظ کو بہت عرصے سے سنتے سنتے خود ہندو بھی ان سے آشنا ہو گئے ہیں۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ سنسکرت کی بجائے بھاشا کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں اگرچہ ثانی الذکر بھی اول الذکر کی طرح مردہ ہو چکی ہے۔ لیکن مردہ زبانوں کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ ان تمام باتوں کے مد نظر یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو اور ہندی اس وقت جیسی ہیں انہیں بلا تصرف ویسا ہی رہنے دیا جائے —

یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ اردو میں حساب کتاب، رسائد اور پروانے نہیں لکھے جا سکتے۔ بلکہ اس کے برخلاف اردو میں ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کے جو اصول مقرر ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی کرنا سخت باعث زحمت ہوگا۔ دفاتر اور عدالتوں میں جہاں اردو لکھنے میں ایک دستہ کاغذ صرف ہوتا ہے وہاں ہندی میں دو دستے ہوں گے۔ اس کے سوا ہندی لکھنے میں بےحد زیادہ وقت صرف ہوتا ہے —

مظفر پور کے سید وارث علی نے بھی علیگڑھ کے "اخبار" مورخہ ۲۶ اپریل میں ایک نہایت پر جوش مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو ہی در اصل اہل

ہند کی عام زبان ہے - اردو کے سمجھنے والے عربستان تک میں ملتے ہیں - اس جگہ اردو کی ہندوستان کے باہر اشاعت کے متعلق ایک واقعہ قابل ذکر ہے - (سر) سید احمد خاں جب بمبئی میں انگلستان جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوے تو اسی جہاز پر بعض چینی اور حبشی بھی سفر کر رہے تھے - موصوف کو یہ دیکھ کر بےحد تعجب ہوا کہ وہ اردو سمجھتے تھے اور بات چیت بھی کر سکتے تھے - چنانچہ موصوف نے اردو میں ان سے گفتگو کی اور وہ آپس میں بھی اردو ھی کے ذریعے تبادلۂ خیال کرتے تھے - اس واقعہ سے اردو کی ہمہ گیری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے * —

سید وارث علی نے اپنے مضمون میں ہندوؤں کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ ان کی زبان اردو کے مقابلے میں جو آج کل مروج ہے، ترقی کی زیادہ مستحق ہے - اسی ضمن میں موصوف نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ جس بنا پر ہندی کو

---

* (سر) سید احمد خاں نے جس جہاز پر سفر کیا اس پر مس کارپنٹر بھی سفر کر رہی تھیں - موصوفہ اپنی صحت درست کرنے کی غرض سے یورپ تشریف لائیں - موصوفہ کو تعلیم نسواں سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ یورپ میں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھیریں اور بمبئی روانہ ہو چکی ہیں - (سر) سید احمد خاں نے مس موصوفہ کی اپنے سفر نامے میں بہت تعریف کی ہے اور ان کی سعی و کارش کو جو وہ ہندوستانی عورتوں کی خاطر کر رہی ہیں بہت سراہا ہے - لیکن اس کے ساتھ سید صاحب کی خواہش ہے کہ مس موصوفہ انجیل مقدس اور معجزات کے متعلق اپنے خیالات میں، منقلہ علمی تحقیق کی روشنی میں تبدیلی کر لیں تو اچھا ہے —

سرکاری زبان بنانے کی تجویز پیش کی گئی ہے بالکل اسی طرح انصاف کا مقتضی یہ ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں جو بولیاں بولی جاتی ہیں انہیں بھی سرکاری زبان کیوں نہ بنایا جائے ایک ہندو صاحب نےجو یہ ادعا کیا تھا کہ ہندی الفاظ کا اردو کے رسم خط میں اظہار نہیں ہو سکتا، اس کا موصوف نے یہ جواب دیا ہے کہ عربی فارسی کے بہت سے ایسے الفاظ ہندی میں مستعمل ہیں جن کا ناگری رسم خط سے اظہار ناممکن ہے۔ مثال کے طورپر "ضلع فیض آباد اور زمان" کی قبیل کے بہت سے الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ناگری رسم خط میں مذکورہ الفاظ کا املا "جلا، پھیج آباد اور جمان" ہو گا۔ ناگری میں گ اور غ، پ اور ف، ک اور ق، ج اور ز ذ ض ظ کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا —

علی گڑھ کے "اخبار" مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع میں "جلوۂ طور" سے جو میرٹھ سے شائع ہوتا ہے، ایک مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہندوستانی کی ایک کہاوت "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ہے۔ اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ ہندو لوگ ہندوستان میں اکثریت میں ہیں اس لیے وہ اپنے حسب خواہش تبدیلیاں کرنے کے مجاز ہیں۔ لیکن "اخبار" کی اشاعت میں مولوی فدا حسین کا لکھا ہوا سپاس نامہ شائع ہوا جو اضلاع شمال

مغربی کے لفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا - اس سپاس نامے میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ اردو ہندی کی جو موجودہ حالت ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے —

الہ آباد انسٹیٹیوٹ نے یہ قرارداد منظور کی ہے کہ " کمپنی ایکٹ " کا ہندی میں ترجمہ شائع کیا جائے - اس کے سوا یہ تجویز منظور ہوئی ہے کہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم خط کو فروغ دینے کی تدابیر پر ایک کتاب لکھی جائے اور مصنف کو معقول معاوضہ دیا جائے - ایک یہ تجویز منظور ہوئی ہے کہ ہندی میں ایک " انشا " لکھی جائے * جو عدالتی قواعد ، کاروباری خطوط اور پروانوں کے نمونوں پر مشتمل ہو - نیز عورتوں کے لیے بھی ہندی میں کتابیں تحریر کرائی جائیں † —

" اودھ اخبار " میں اس مسئلہ پر موافقت اور مخالفت میں جو مضمون شائع ہوئے ہیں ان میں ہندی کی حمایت میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا - اس میں لکھا تھا کہ ہندوؤں کو اس میں بڑی دشواری ہوتی ہے کہ اپنے گھروں میں

---

* جس طرح اسٹورٹ نے فارسی انشاء لکھی تھی جس وقت فارسی ہندوستان کے دفاتر اور عدالتوں کی زبان تھی —

† اودھ اخبار - ۱۸ مئی ، سنہ ۱۸۶۹ ع -

ہندی اور گھر سے باہر اردو بولیں - اگر ایسی کوئی دشواری فی الواقع ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہر اس قدیم زبان بولنے والے کو پیش آتی ہے جس کی زبان بولی ہوکر رہ گئی ہو - چنانچہ جنیوا اور وینس کے اکثر باشندے اپنے گھروں میں اپنی مقامی بولیوں میں گفتگو کرتے ہیں اور گھروں سے باہر اطالوی زبان میں بات چیت کرتے ہیں جو اٹلی کی مشترک اور عام زبان ہے --

" اودہ اخبار " مورخہ ۱۲ جولائی سنہ ۱۸۶۹ع میں ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے جس میں مخالفوں کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں- اس مضمون میں مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ اردو ہی وہ زبان ہے جو ہندوستان بھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے - اس ضمن میں اردو کو ایک ایسے دریا سے تشبیہ دی ہے جس میں ندیاں آکر شامل ہوتی ہیں * - موصوف نے ثابت کیا ہے کہ اردو کے رسم خط کی بجائے دیوناگری رسم خط اختیار کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف تحریر کا طریقہ بدل گیا بلکہ اس کا

---

* ان ندیوں سے ہماری مراد سنسکرت ' عربی ' فارسی اور ترکی ہیں - یہ عجب اتفاق ہے کہ میں نے بھی چالیس سال قبل اردو کے لیے یہی تشبیہ استعمال کی تھی جس پر میرے ہم عصر علما میں سے ایک نے جو تنقید میں تنگ نظری سے کام لیتے تھے ' مجھ پر اعتراضوں کی بوچھاڑ شروع کر دی تھی -

لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ایک مکمل اور وسیع زبان کو ترک کرکے ایک کم مایہ اور ناقص زبان کو اختیار کر رہے ہیں - ہندی کو اردو پر فوقیت دینے سے جو اور دوسری خرابیاں پیدا ہوں گی ' جن کے متعلق بارہا ذکر ہو چکا ہے ' اس کی بھی وضاحت کی ہے -اب رہا رسم خط کا سوال تو اس باب میں بھی اردو رسم خط کو ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے سے سنسکرت کے ان تمام الفاظ کا پوری طرح اظہار کیا جا سکتا ہے جو ہندی میں مستعمل ہیں سنسکرت میں تالو سے ادا ہونے والے حروف کو عربی کے حروف موکدہ سے ادا کیا جا سکتا ہے- اگر ثانی الذکر کو سنی حروف (Dental) میں ضم کر دیا جائے —

سنسکرت میں جو علحدہ علحدہ چار " ن " آتے ہیں ان کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور ان سبھوں کے اظہار کے لیے عربی " ن " کافی ہے - چونکہ اردو مختلف زبانوں کے میل سے بنی ہے اس لیے اس کے بولنے والوں کو غیر زبانیں بولنے میں بہت سہولت ہوتی ہے- اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا - ہندوستانی زبان کا خزانہ مالا مال ہے حالانکہ ہندوستان کی دوسری زبانیں بالکل بے مایہ ہیں - مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کے لیے کوشش کرنی چاہیے اس لیے کہ اس کے ساتھ

ہماری ملی زندگی وابستہ ہے * —

ہندوستانی زبان کی اہمیت روز بروز تسلیم کی جارہی ہے - ابھی حال میں نیپلز میں چینی کالج کی بجاے ایک مشرقی کالج قایم کرنے کا سوال اٹھا تھا - چنانچہ سب سے پہلے لوگوں کا ہندوستانی کی طرف خیال گیا - پروفیسر این - لاسیسیلیا (N. La Cecilia) نے جو اس کالج کے معتمد ہیں ' ہندوستانی کی تعلیم کا نصاب † تیار کیا ہے - اس میں ایک جگہہ یہ فقرہ ہے " ہندوستانی جسے اردو بھی کہتے ہیں ' برطانوی ہند کی عالم گیر زبان ہے - اس میں عربی ' فارسی ' مغلی (ترکی) اور تاتاری کے عناصر شامل ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہےکہ برطانوی اثر کے تحت ہندوستان میں جو نیا تمدن قایم ہو رہا ہے ' اس کی زبان ہندوستانی ہے —

جدید تصانیف اور اخبارات کی اشاعت سے معلوم ہوتا

(*) مضمون نگار نے اس سلسلے میں برطانوی حکومت پر سخت حملے کیے ہیں جس نے اہل ہند کو مطابع کی آزادی دے رکھی ہے - موصوف کا خیال ہے کہ اردو کے خلاف جو تحریک اٹھی ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے - حکومت چاہتی ہے کہ ہندوستان کی مشترک زبان کو فنا کردے تاکہ اہل ہند پھر کبھی سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کی طرح یک جہتی کے ساتھہ کوئی کام نہ کر سکیں - یہ مضمون سعدی کے اس شعر پر ختم ہوتا ہے —

ہرکہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

† نصاب اطالوی زبان میں ہے - صفحہ ۱۱ -

ہے کہ اردو کے خلاف جو تحریک اٹھی ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوا - اگرچہ ہندو بہت چیخ پکار کر رہے ہیں لیکن اردو کی ترقی بدستور جاری ہے - گزشتہ سال سے جو نئے اخبارات شائع ہونا شروع ہوے ہیں ان میں سے بیشتر اردو میں ہیں نہ کہ ہندی میں - "اودھ اخبار" میں خصوصیت کے ساتھ اس قسم کے مضامین نکلتے رہتے ہیں جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ نوجوان انشا پرداز اور شاعر اس تحریک سے مطلق متاثر نہیں ہوے اور نہ ان کے حوصلے پست ہوے - ہندوان کی زبان پر، جو دراصل ایک مخلوط زبان ہے، حملے کیے جائیں لیکن وہ اپنا کام برابر کر رہے ہیں - ان واقعات کو دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سواے چند شورش پسند ہندوؤں کے جو رجعت پسندی کے حامی ہیں، باقی سب اہل ہند اردو زبان کو ترجیح دیتے ہیں - اس لیے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل سے بنی ہے - ان کے نزدیک نہ قدیم بھاشا اور نہ وہ زبان جو سنسکرت کی بگڑی ہوئی شکل رکھتی ہے، اردو کا مقابلہ کر سکتی ہے - اردو کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ گزشتہ سال کلکتہ یونیورسٹی کے میٹریکیولیشن کے امتحان میں ۲۵۲ طلبہ نے اردو لی اور صرف ۲۸ نے ہندی لی —

مسٹر کیمپسن (Kempson) ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی

کی رپورٹ میں جو ۱۹ فروری سنہ ۱۸۶۹ع کو شائع ہوئی یہ مندرج ہے کہ ان کے صوبے میں صرف ۲۴ ہندوستانی اخبارات ہیں - ان میں سے سولہ اردو میں' پانچ ہندی میں اور تین اردو ہندی دونوں میں ہوتے ہیں یعنی ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی- اِن اخبارات میں ۱۳ ہفتہ وار ہیں' پانچ مہینے میں دو دفعہ شائع ہوتے ہیں' اور چھہ ماہوار رسالے ہیں - آگرہ سے ۲' الہ آباد سے ۴' کانپور سے ۲' بنارس سے ۱' مراد آباد سے ایک ہفتہ وار اور ایک ماہوار' بریلی سے ۲' جونپور' علی گڈھ شاہ جہاں پور اور فرخ آباد سے ایک ایک شائع ہوتے ہیں —

اب میں اردو اور ہندی کے جدید اخبارات و رسائل کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست پیش کرتا ہوں - مجھے جہاں تک علم ہے یہ سب میرے گزشتہ خطبے کے بعد وجود میں آے ہیں —

(۱) آئینۂ علم - یہ ایک ماہوار ادبی رسالہ ہے اور الہ آباد سے شائع ہوتا ہے - ۸ جزو پر مشتمل ہوتا ہے - ہندی میں بر تانت درپن کے نام سے اسی کے مضامین شائع ہوتے ہیں-

(۲) آئینۂ طبابت - یہ ماہوار طبی رسالہ اردو میں شائع ہوتا ہے —

(۳) اخبار سررشتۂ تعلیم- گزشتہ سال ماہ فروری سے یہ ماہوار

رسالہ لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ صوبۂ اودھ کے ناظم تعلیمات مسٹر ڈبلو ھڈ فورڈ کے زیر سرپرستی شائع ہو رہا ہے۔ حجم ۱۶ جزو ہے اور کبھی کبھی ضمیمہ بھی ساتھہ ہوتا ہے۔ اس کے نظم و نثر کے مضامین کا معیار اچھا خاصا بلند ہے۔ اس کی چند اشاعتیں، جو از راہ کرم مجھے بھیجی گئی تھیں، میرے پیش نظر ہیں۔ اس کے بعض مضامین نہ صرف اہل ہند بلکہ یورپین لوگوں کے لیے سبق آموز ہیں۔ اس کے مدیر خصوصی اور دیگر کارپرداز ہندوستان بھر میں اپنی ادبی قابلیت کے لیے مشہور ہیں —

(۴) اخبار الاخبار۔ مرزا پور (بہار) سے اردو میں شائع ہوتا ہے۔

(۵) اتالیق پنجاب۔ یہ اخبار "سرکاری اخبار" کے بند ہونے کے بعد اس کی جگہہ شائع ہوتا ہے۔ لیکن اول الذکر کے مقابلے میں اس میں ادبی رنگ زیادہ غالب ہے۔ میں نے یہ راے اس کی چند اشاعتوں کو دیکھہ کر قایم کی ہے جو مسٹر ہولرائڈ ناظم تعلیمات صوبۂ پنجاب نے از راہ لطف مجھے بھجوائی ہیں —

(۶) بدیا درش۔ یہ ہندی میں مہینے میں دو مرتبہ میرٹھہ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ در اصل اردو کے نجم الاخبار کا ہندی ایڈیشن ہے —

(۷) برهم گیان پرکاش - اس ماهوار رسالے کے بانی بابو کیشب چندر هیں جو برهمو سماج کے بانی هیں —

(۸) برتنت درپن- یه اردو کے " آئینهٔ علم" کا هندی ایڈیشن هے اور اله آباد سے ماهانه شایع هوتا هے -

(۹) چشمهٔ عام - یه پٹنه سے اردو میں مهینے میں دو دفعه نکلتا هے - اس سے پہلے اس شهر میں کوئی اخبار نه تها- اس کی پہلی اشاعت یکم جنوری سنه ۱۸۶۹ ع کو شایع هوئی - یه چهوٹی تقطیع پر هے اور هر صفحے پر دو کالم هوتے هیں - میرے ایک مهربان نے اس کی ایک اشاعت مجهے بهیجی هے- اس کا ایک مضمون مجهے پسند آیا جس کا موضوع بنی نوع انسان کے اتحاد سے متعلق تها —

(۱۰) دبدبهٔ سکندری یه سکندره سے شایع هوتا هے- " علی گڑه گزٹ " مورخه ۷ مئی سنه ۱۸۶۱ ع میں اس اخبار کے چند اقتباس میری نظر سے گزرے -

(۱۱) ڈهاکه پرکاش - اس کی ایک اشاعت میں " برٹش انڈین ایسوسیشن " کو مشوره دیا هے که نئی منتخب شده پارلیمنٹ سے تین باتوں کی درخواست کرے (۱) سول سروس کا امتحان اهل هند کے لیے هندوستان میں منعقد کیا جائے - (۲) اهل هند کو ارکان بلدیه منتخب کرنے کا حق حاصل هو - (۳) پولس والوں کی

تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ پبلک سے رشوت لینا چھوڑ دیں —

(۱۲) دھرم پرکاش - یہ آگرہ سے شایع ہوتا ہے - دراصل یہ ہندی کے "پاپ موچن" کا اردو ایڈیشن ہے جس کے مدیر جوالا پرشاد ہیں جو بابو کیشب چندر کی طرح وسیع المشرب شخص ہیں —

(۱۳) غالب الاخبار - یہ ہفتہ وار اخبار اردو میں سیتا پور سے نکلتا ہے -

یکم مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع سے اس کی اشاعت شروع ہوئی۔ ہر دوشنبہ کے روز شایع ہوتا ہے * —

(۱۴) گنجینۂ علوم - یہ ماہوار رسالہ مرادآباد سے شایع ہوتا ہے - گنگا پرشاد اس کے مدیر ہیں † —

(۱۵) گنجینۂ احکام - یہ ماہوار قانونی رسالہ ہے - یہ بھی مرادآباد سے شایع ہوتا ہے —

(۱۶) جگت سماچار - یہ ہفتہ وار اخبار ہندی میں ہر سہ شنبہ کو شایع ہوتا ہے - مطبع "دارالعلوم" میں طبع ہوتا ہے —

---

* "اخبار" علیگڑھ - مورخہ ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع —

† موصوف ہندوستانی کے نامور انشاپردازوں میں سے ہیں - میں نے اپنی کتاب "تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی" میں ان کے متعلق ذکر کیا ہے - دوسرا ایڈیشن - پہلی جلد' صفحہ ۴۸۷ —

(۱۷) جلوۂ طور - یہ ہفتہ وار اردو اخبار میرٹھہ سے شایع اور مطبع "سلطان المطابع" میں طبع ہوتا ہے - باوجود اس نام کے اس کے مدیر ایک ہندو راے گنیشی لال ہیں - یہ بڑی تقطیع پر شایع ہوتا ہے اور ۸ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحے پر ۲ کالم ہیں - سر ورق پر بطور عنوان چار اشعار لکھے ہوے ہیں - دو فارسی کے اور دو اردو کے - ان اشعار کا مضمون یہ ہے کہ اس اخبار کے ذریعے کوہ سینا کی سی تجلی پیدا ہوگی جس نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی آنکھیں خیرہ کردی تھیں —

(۱۸) کوکب عیسوی - میرٹھہ کے "اخبار عالم" مورخہ ۲۶ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں اس کے متعلق اعلان میری نظر سے گزرا —

(۱۹) خیرالمواعظ - یہ ہفتہ وار اخبار اردو میں دھلی سے ۸ صفحے پر شایع ہوتا ہے - اس کے پیش نظر یہ مقصد ہے کہ اصول اسلام کی نشر و اشاعت اور مسیحی تعلیمات کا رد کرے -

(۲۰) مخزن العلوم - یہ ماہوار رسالہ بریلی سے شایع ہوتا ہے - اس کے مدیر کا نام کالی چرن ہے - اس کی پہلی اشاعت دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع میں ہوئی اسی کو "بریلی

مخزن " بھی کہتے ھیں - یہ روھیلکھنڈ کی مجلس ادبی کی طرف سے شایع ھوتا ھے جس کا مرکز مراد آباد میں ھے -

(۲۱) مفید عام - یہ جدید اردو اخبار مہینے میں دو دفعہ نکلتا ھے - ۲۰ صفحات پر مشتمل ھوتا ھے اور ھر صفحے پر دو کالم ھوتے ھیں - اس کی تقطیع چھوٹی ھے مسٹر کمپسن ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی نے جو نمبر نمونتاً میرے پاس بھیجا ھے اس کو دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ اس پر ادبی رنگ غالب ھے - اس اشاعت میں صوبۂ شمال مغربی کی تعلیمی رپورٹ ' تعلیم نسواں ' کلکتہ یونیورسٹی ' سیہور اور جے پور کی تعلیمی حالت ' ھندوستان کے مختلف حصوں کی زرعی پیداوار ' قدیم فلاسفہ اور مورخین ' سبکتگین اور محمود ' مہر ' ذوق ' گویا اور وزیر کے دیوانوں کے انتخاب ' اور اسی قسم کے دوسرے موضوعوں پر مضامین درج ھیں - میرے خیال میں اُردو میں پہلی مرتبہ سکوّں پر مضمون اس اخبار میں شایع ھوا ھے - مضمون کا عنوان " عہد جہانگیر کے سکے " ھے - ان کے ۲۰ نمونے بھی پیش کیے گئے ھیں جو نہایت واضح ھیں -

(۲۲) مفید الانام - یہ ھفتہ وار اخبار فتح گڑھ سے اردو میں نکلتا ھے - اس کے مدیر ایک ھندو شنکر سروپ ھیں -

اس اخبار میں عورتوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے سے باز رکھنے کی تجاویز پیش کی گئی ھیں اور اس غرض سے ایک انجمن قایم کرنے کا اعلان کیا گیا ھے - چنانچہ ۴۰ ھزار روپیہ انجمن کے لیے جمع بھی ھوگیا ھے -

(۲۳) میور گزٹ - میرٹھ کا ماھوار اردو رسالہ ھے - اسے "جلوۂ طور" کا ضمیمہ تصور کرنا چاھیے جس کی نسبت میں ذکر کر چکا ھوں - سر ولیم میور کے زیر سرپرستی یہ رسالہ گزشتہ سال سے شائع ھو رھا ھے - رسالے کا نام موصوف کے نام پر رکھا گیا ھے - یہ چھوٹی تقطیع کا ۸ صفحات پر ھوتا ھے اور ھر صفحے پر دو کالم ھیں - رسالہ کے سر ورق پر عربی کا یہ مقولہ بطور عنوان مندرج ھے "کل جدید لذیذ" —

(۲۴) نیر اکبر - یہ اردو اخبار بجنور سے نکلتا اور "زین المطابع" میں طبع ھوتا ھے ھر ھفتے جمعرات کے روز شائع ھوتا ھے - جمعرات کا روز مسلمانوں میں حدیث نبوی کے مطابق متبرک مانا جاتا ھے - حدیث یہ ھے : خدا نے ساتویں دن (یعنی ھفتہ) اور پانچویں دن (یعنی جمعرات) کو متبرک قرار دیا ھے —

(۲۵) پاپ موچن - یہ "دھرم پرکاش" کا ھندی ایڈیشن ھے جس کے متعلق میں ابھی ذکر کر چکا ھوں —

(۲۶) راجپوتانہ گزٹ - اس اردو اخبار کے بانی کرنل کیٹنگ (Keating) ہیں - اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے انگریزی حکومت کے احکام و قواعد کی صوبے میں نشر و اشاعت کی جائے *—

(۲۷) روھیلکھنڈ اخبار - یہ ہفتہ وار اردو اخبار مراد آباد سے شائع ہوتا ہے —

(۲۸) سمے بنود - نینی تال کا ہندی اخبار ہے جو مہینے میں دو دفعہ شائع ہوتا ہے —

(۲۹) تذکرۂ بال گوبند - یہ ماہوار اردو رسالہ آگرہ سے شائع ہوتا ہے —

(۳۰) اودیپور گزٹ - ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۶۸ع کے اودھ اخبار میں اس ہندی اخبار کی اطلاع مندرج تھی - اخبار مذکور نے افسوس ظاہر کیا ہے کہ " اودیپور گزٹ " کو دیوناگری رسم خط میں چھپنے کے باعث کامیابی نہیں حاصل ہوئی - بر خلاف اس کے اگر وہ اردو رسم خط میں چھپتا تو زیادہ مقبولیت حاصل ہوتی —

(۳۱) عمدۃ الاخبار - اسی نام کا ایک اخبار بریلی سے نکلتا ہے لیکن یہ گزشتہ سال سے مدراس سے شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس کا پورا نام " عمدۃ الاخبار ، اعظم الانوار"

---

* علی گڑھ کا " اخبار " مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ع —

ہے - یہ مہینے میں تین بار چھوٹی تقطیع پر نکلتا ہے - ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں - میرے پرانے شاگرد مسٹر ای سیسے (E. Sice) نے ' جو آج کل پانڈی چری میں ہیں ' اس کی ایک اشاعت کا نمونہ مجھے بھیجا ہے - اس میں نواب کرناٹک کی تصویر بھی ہے جن کا خطاب عمدۃ الدولہ تھا - نواب صاحب موصوف کے نام پر اخبار کا نام رکھا گیا ہے —

میں اس وقت ادب اردو سے تعلق رکھنے والی تصانیف کا نہایت اختصار سے ذکر کروں گا - میری کتاب " تاریخ ادب ھندی و ھندوستانی " کا دوسرا ایڈیشن تیار ہو رہا ہے اور عنقریب شائع ہوجائے گا - اس کے متعلق میں اس موقع پر کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا —

ڈبلو آر ہولر ائڈ ' ناظم تعلیمات پنجاب کی رپورٹ بابتہ سنہ ۱۸۶۷ - ۱۸۶۸ ع کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ پنجاب میں زیر تبصرہ سالوں میں ھندوستانی میں ۱۵۲ کتابیں شائع ہوئیں - ان میں سے ۱۱۹ اردو کی ہیں اور ۳۳ ھندی کی - اسی تعداد میں ۱۴ وہ بھی شامل ہیں جو اردو اور ھندی دونوں میں ہیں ایک اردو کی کتاب رومن رسم خط میں ہے اور دو اردو اور انگریزی میں ہیں - ان میں سے بیشتر لاہور دہلی اور لدھیانہ سے شائع ہوئی ہیں —

مسٹر کومپسن، ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی کی گزشتہ رپورٹ میں، جو ۲۰ فروری سنہ ۱۸۶۹ع کو شائع ہوئی، ان مطبوعات کا تذکرہ ہے جو سنہ ۱۸۶۸ع میں رجسٹر کرائی گئی ہیں۔ ان کی تعداد ۴۶۸ ہے۔ ان میں سے ۲۵۳ ہندوستانی کی ہیں یعنی ۱۴۶ اردو کی اور ۱۰۷ ہندی کی۔ جن میں سے گیارہ ایسی ہیں جو اردو اور ہندی دونوں میں ہیں اور صرف چھہ اردو کی کتابیں رومن رسم خط میں ہیں۔ ۱۸ کتابیں ہندی اور سنسکرت کی ہیں۔ ۵ اردو اور انگریزی کی جن میں سے دو رومن رسم خط میں ہیں۔ ۲ اردو اور فارسی کی ہیں۔ ایک اردو، عربی اور انگریزی کی ہے اور ایک اردو، ہندی اور انگریزی کی ہے۔ اسے ہم سہ زبانی لغت تصور کر سکتے ہیں جس کے مصنف کا نام مسٹر ایچ ایس ریڈ (Read) ہے۔

مذہبی کتب کی مقبولیت بدستور قایم ہے۔ گزشتہ سال بیس کتابیں ہندوؤں میں تبلیغ کرنے کی غرض سے ہندی میں شائع ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اردو میں سترہ کتابیں شائع ہوئیں۔ یہ تعداد اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں بہ نسبت ہندوؤں کے بہت کم ہے۔ مدارس کی نصابی کتب میں ۱۳ اردو میں اور ۱۳ ہندی میں شائع ہوئیں۔ تعلیم کے متعلق حکومت کی طرف سے جس قدر کتابیں شائع ہوی ہیں ان کی تعداد وہی ہے جو

پبلک کی شائع کردہ کتب کی ہے - لیکن آخرالذکر کم تعداد میں طبع ہوتی ہیں ہندی میں بہ مقابلہ اردو کے قصے کہانیوں کی کتابیں زیادہ مقبول ہیں - اس بات پر مسٹر کمپسن ناظم تعلیمات صوبہ شمال مغربی نے تعجب ظاہر کیا ہے - خوشی کی بات ہے کہ موصوف بھی میری طرح اس رجعت پسندانہ تحریک کے خلاف ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اردو کی جگہہ ہندی کو ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے —

صوبۂ شمال مغربی کے لفٹننٹ گورنر نے بہترین ادبی مضامین پر انعام دینے کا جو اعلان کیا تھا اس کا نتیجہ حسب دلخواہ نکلا - چنانچہ ۸۰ مضامین (قلمی اور مطبوعہ) اس کمیٹی کے روبرو پیش ہوے ہیں جو ان کی جانچ کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

(سر) سید احمد خاں کی اردو لغت کے چار صفحات نمونتاً مجھے بھیجے گئے ہیں- موصوف نے ایس ہاول (Howell) اور میری راے کے مطابق اس لغت کا نام ' پرانا یورپین نام ترک کر کے ' " لغت زبان اردو" رکھا ہے - مسٹر ہاول نے میری راے بھی سید صاحب موصوف کو پہنچا دی ہے - اس لغت میں وہی عربی ٹائپ استعمال کیا گیا ہے جو سید صاحب کے مطبع میں ہے اور جس میں موصوف نے " انجیل مقدس کی تفسیر " شائع کی ہے - اس ٹائپ کا بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے حروف بہت چھوٹے ہیں - مسٹر ولیم ہنڈ فورڈ (Hand ford)

نے افسوس ظاہر کیا ہے، اور میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں، کہ اس لغت میں الفاظ کی اصل نہیں بتائی گئی - اگرچہ اس سے انکار نہیں کہ الفاظ کے معنی اور مطلب صاف زبان میں بیان کیے گئے ہیں اور ہر لفظ کے بعد اس کے مشتقات لکھے گئے ہیں- لیکن علیگڑھ کے " اخبار "، مورخہ ۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ء میں اس لغت پر جو تنقید شائع ہوئی ہے میں اس سے متفق نہیں - مثلاً یہ اعتراض معقولیت پر مبنی نہیں کہ چونکہ اردو زبان سنسکرت ' عربی اور فارسی سے بنی ہے اس لیے دیسی لوگوں کے لیے ان زبانوں کی علحدہ علحدہ لغتیں تیار کرنی چاہئیں - رہے خالص ہندوستانی الفاظ، تو ان کے لیے لغت کی کیا ضرورت ہے؛ اس لیے کہ ہر کس و ناکس انہیں سمجھتا ہے اور روزمرہ میں استعمال کرتا ہے - یہ بات ایسی ہوئی کہ کوئی یہ کہے کہ بھلا فرانسیسی زبان کی لغت کی کیا ضرورت ہے، لاطینی کی لغت کافی ہے، اس لیے کہ فرانسیسی زبان اسی سے نکلی ہے - ان الفاظ کے لیے جو عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور جن کے معنی ہر شخص جانتا ہے علحدہ لغت کی کیا ضرورت ہے - اسی طرح انگریزی کی لغت کی بھی ضرورت نہیں- اس کے لیے سیکسن زبان اور فرانسیسی کی لغت سے کام نکل سکتا ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے مفید کام پر اس طرح غیر ذمہ داری کے ساتھ تنقید کی

جائے - لوگوں کی عادت ہے کہ وہ "دوسروں کی آنکھ کے تنکے کو دیکھ لیتے ہیں لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر انہیں نظر نہیں آتا"- بوالو (Boileau) نے ٹھیک کہا ہے : "تنقید آسان ہے لیکن صناعی (Art) مشکل ہے"- سید صاحب جیسے جلیل القدر مسلمان کے حوصلے کو پست کرنے کی کوشش کرنا، جو تعلیم و تمدن کے سچے دل سے حامی اور قدر دان ہیں، کہاں کی انسانیت ہے - موصوف کے نکتہ چیں جو خود علم و فضل میں زیادہ ممتاز درجہ نہیں رکھتے، انہیں سبق دینے چلے ہیں۔ سچے محققوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایسی تصنیف کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہیں جو مجموعی طور پر اطمینان بخش ہو اور جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہو —

کچھ عرصے سے یورپ اور ہندوستان، دونوں جگہ، سنسکرت کی تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے - بہت سی سنسکرت کی قدیم کتابیں ایسی ہیں جن پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا تھا اور سوائے چند پنڈتوں کے ان تک کسی کی رسائی نہیں تھی، اب شائع ہو رہی ہیں - عام طور پر تو ہندو لوگ سنسکرت مطلق نہیں سمجھ سکتے - ان محققوں کو بھی جو سنسکرت زبان کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں بعض اوقات سمجھنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں- انہیں بھی خارجی مدد کی ضرورت رہتی ہے - چنانچہ آج کل بنارس میں سنسکرت کی جس قدر

کتب شائع ہو رہی ہیں، ان کے ساتھ شرح ضرور شامل ہوتی ہے - یہ شرح ہندی میں ہوتی ہے - مثال کے طور پر ہم ان ناموں کو پیش کرتے ہیں - "رام چندر نام سہسرا" جو "پدم پران" میں شامل ہے اور "رام گیتا" جو اتار کانڈ ادھیا تما رامائن" میں شامل ہے، "سیو پنچ ارتھا" جو سیوا کی منظوم تعریف ہے، ویدیا امرت، ویدانت تریا (یعنی تتوا بودھا، آتما بودھا اور مکشا سدھی) —

ہندوستان میں آج کل جو جدید اخبارات اور کتب شایع ہورہی ہیں ان میں عمرانی زندگی کی اصلاح پر زور دیا جا رہا ہے - اس اصلاحی تحریک کا کام بعض انجمنیں کررہی ہیں جن کے متعلق میں ذکر کر چکا ہوں - ان انجمنوں کی بدولت اصلاحی کام نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہورہا ہے - ان سب انجمنوں کا نصب العین یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اہل ہند کو جہالت اور تعصب کے جوے سے نجات دلائی جائے اور ان کی فلاح کی راہیں تلاش کی جائیں - انہیں تعصبات کی وجہ سے آج ان میں ایسی رسوم رائج ہو گئی ہیں جنھیں ساری مہذب دنیا برا کہتی ہے - اس کے سوا ان انجمنوں کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ اہل ہند میں حب وطن کا جذبہ پیدا کیا جائے، ان میں مفاد عامہ کا احساس پیدا ہو، اور اس غفلت کو دور کیا جائے جو آج عام طور پر سارے ملک پر چھائی

ہوئی ہے —

انہیں مقاصد کے مد نظر بمبئی میں ایک نئی انجمن قایم ہوئی ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔ اس انجمن کا نام "معراج پنتھہ" ہے۔ دیدہ و دانستہ اس کے نام میں ایک عربی اور دوسرا ہندی لفظ شامل کیا گیا ہے * —

اس تبصرے کو ہم " برھموسماج " کے ذکر سے شروع کرتے ہیں اس لیےکہ یہ انجمن اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ عملی کام کر رہی ہے - یہ وحدانیت باری کے عقیدے کو ماننے والوں کی انجمن ہے اس انجمن کی بدولت ترقی یافتہ لوگوں کی ایک جماعت قائم ہوگئی ہے جو اپنی اصلاحی تحریک کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے - اس جماعت کی وجہ سے جو اصلاحات ہو رہی ہیں انہیں دیکھہ کر خوشی ہوتی ہے۔ ہماری خواہش ہےکہ کیا اچھا ہو اگر یہ اصلاحات ہندوستان کے طول وعرض میں جاری و ساری ہو جائیں - یہ انجمن چالیس سال سے کام کررہی ہے اور آہستہ آہستہ تنظیم میں منہمک ہے۔ اب اس نے یہ بات محسوس کرلی ہےکہ جب تک ایک کلیسا کےمثل وہ اپنی تنظیم نہ کرےگی اپنے ارکان پر قابو رکھنا دشوار ہے۔ چنانچہ اس جماعت کےسر گروہ بابوکیشب چندر کا خیال †

---

* " میوتھہ گزٹ " مورخہ ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ ع —

† برھمو سماج کے ارکان اپنے پیشوا کو " آقا اور گنہگاروں کی تھارس " کہتے ہیں اور جب کبھی اس کا سامنا ہو جاتا ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں۔

ہے کہ کلکتہ میں مچھوا بازار روڈ پر ایک مندر قائم کیا جائے جہاں پابندی کے ساتھہ عبادت کا انتظام کیا جائے گا * —

بنارس میں بعض وسیع المشرب اشخاص کا ارادہ ہے کہ ایک عبادت خانہ قایم کریں جس کے ایک حصے میں عیسائی، ایک میں مسلمان اور ایک میں ہنود کے لیے عبادت کا انتظام کیا جائے † —

کلکتہ میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں جو رسومات قبیحہ داخل ہوگئی ہیں انہیں خارج کیا جائے۔ راجہ کرشن بہادر اس انجمن کے صدر ہیں موصوف وہی ہیں جنھوں نے ہندوستانی کی متعدد کتب تصنیف کی ہیں اور "گے کی کہانیوں" (Fables de Gay) کا ہندوستانی ترجمہ کیا ہے۔ (اودھ اخبار مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع) —

لکھنو کی انجمن تہذیب کو روز بروز ترقی ہو رہی ہے اور اس کی تنظیم بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ یہ انجمن اس قدر بنیادی اصلاحات نہیں چاہتی جیسے کہ برہمو سماج چاہتی ہے لیکن بہر حال عملی اعتبار سے وہ اصلاح کا کام کر رہی ہے۔ اس کے قواعد میں ایک یہ ہے کہ اس انجمن میں ہر شخص

---

* انڈین میل، مورخۂ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ ع –

† Saint Sepulcre کے کلیسا کی طرح جہاں مختلف مسیحی فرقوں کے عبادت کے لیے کمرے مقرر ہیں –

بلا قید مذہب و ملت شریک ہوسکتا ہے ‡ - اس کے زیر اہتمام ہر ماہ لکچر ہوتے ہیں جو بعد میں " رسالہ " کے نام سے شایع ہو جاتے ہیں - میں ارباب انجمن کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کا ایک نمونہ بھیجا ہے- میں نے اسے نہایت شوق اور دلچسپی کے ساتھہ پڑھا- اس ماہوار رسالے کے سرورق پر انجمن کے قیام کی تاریخ دو اشعار میں بیان کی گئی ہے * —

گزشتہ مارچ کے مہینے میں جے پور کی" راج پوتانہ سوشل سائنس کانگریس کا " اجلاس منعقد ہوا - یہ انجمن اس ریاست کے مہاراجہ کے زیر سرپرستی قایم ہوئی ہے- اس کا نصب العین یہ ہے کہ مدارس قایم کیے جائیں اور نصابی کتب کی اشاعت بڑھائی جاے- اس کے ساتھہ انجمن زراعت اور صفائی کو بھی ترقی دینا چاہتی ہے - لکھنو کی " انجمن تہذیب " کی طرح یہ انجمن بھی ایک رسالہ شایع کرتی ہے- اس رسالے کی پہلی اشاعت میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ طبقۂ امرا کے بچوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قایم کیا جاے اور اس کالج میں ایسی تربیت کا انتظام کیا جاے جو امرا کے بچوں کو ملنی چاہیے - جہاں ریاضی، کیمیا، علوم فطری، معاشیات، اردو

‡ اودھ اخبار مورخہ یکم جون سنہ ۱۸۶۹ ء -

* یہاں اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے - (مترجم) -

هندی ' هندوستان کی قدیم السنه اور انگریزی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی ورزش اور شناوری وغیرہ کا پورا انتظام کیا جائے —

آگرہ کی " انجمن رفاہ خلائق " کا اجلاس گزشته جون کے مہینے میں منعقد ہوا تھا - اس موقع پر انجمن کے تمام کاموں کا جائزہ لیا گیا - میرٹھ کی ' انجمن مباحثه " بھی بنارس کی " انجمن ادبی " کی طرح مضامین شائع کرتی رهتی ہے - معلوم ہوتا ہے یہ مضامین قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اس لیے که انگریزی حکومت مضامین کے مجموعے کو مستقل طور پر خریدتی ہے اور ان کے بعض حصوں کو دوبارہ طبع کراتی ہے —

" اودھ اخبار " مورخه ۸ مئی سنه ۱۸۶۹ ع میں چنار کی ایک انجمن کے قیام کا ذکر تھا جس کے ماہوار جلسے منعقد ہوا کرتے ہیں —

ایست انڈیا ایسوسیشن (East India Association) جس کا مرکز علی گڈھ ہے ' اس غرض سے قایم کی گئی ہے که اهل هند کے حقوق کی تمام جائز طریقوں سے نگہداشت کی جائے ' ان کی فلاح و تعلیم کے لیے کوشش کی جائے ' اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن ہونے میں مدد دی جائے - اس انجمن میں سنه ۱۸۶۸ ع کے اواخر میں ۵۴ ارکان شریک تھے - انجمن

ایک ماہوار اردو رسالہ شائع کرتی ہے جس میں انجمن کی رودادوں کے سوا لکچروں اور ان مباحثوں کا حال درج ہوتا ہے جو انجمن کے زیر اہتمام ہوتے ہیں * —

گزشتہ سال سر ولیم میور (W. Muir) کے زیر سر پرستی مراد آباد میں اس انجمن کی ایک شاخ قایم ہوئی - سال کے آخر میں اس انجمن کے جلسے میں منشی گنگا پرشاد نے انجمن کی خدمت گزاری کے مقاصد پر تقریر کی اور کہا کہ ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی ایک صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ مغربی علوم کو رائج کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جا رہی ہے - موصوف نے کہا کہ وہ خود علم ہیئت ، کیمیا ، فلسفہ اور تاریخ پر کام کر رہے ہیں - موصوف نے یہ بھی کہا کہ انجمن کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ سیاسی مسائل معرض بحث میں لائے جائیں اور بالخصوص ان قوانین کے متعلق پوری بحث و تمحیص ہو جو اہل ہند کے لیے وضع کیے جاتے ہیں —

اس انجمن کی یہ بھی کوشش ہے کہ اہل ہند اپنی تہذیب و تمدن کی ترقی کی خاطر یورپ کا سفر کریں اور دنیا دیکھیں - اب بعض مشہور پنڈتوں نے بھی یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ یورپ کا سفر کرنا شاستروں کی تعلیم کے خلاف

* علی گڑھ کا "اخبار" مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۸۶۸ ع -

نہیں ہے - چنانچہ انجمن چندے کے ذریعہ ایک رقم جمع کر رہی ہے تاکہ یورپ جانے والوں کو مالی امداد بہم پہنچائے اور اپنا ایک پروگرام تیار کرے جس کے مطابق یورپ جانے والے عمل کریں —

انگریزی حکومت بھی حتی المقدور ان لوگوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے جو تعلیم کی تکمیل کی غرض سے انگلستان جانا چاہتے ہیں - اس کے لیے خاص وظائف مقرر کیے گیے ہیں جو سالانہ عطا کیے جاتے ہیں - چنانچہ بنگال، مدراس اور بمبئی کے صوبوں کے لیے ایک ایک وظیفہ منظور ہوا ہے اور تین وظائف صوبۂ شمال مغربی، پنجاب، اودھ اور صوبۂ متوسط کے لیے مقرر ہوے ہیں - آخر الذکر درنوں صوبوں کو باری باری سے ایک ایک سال کے بعد ایک وظیفہ ملے گا * —

نواب بنگال نے اپنے ہم وطنوں کے لیے بہت اچھی مثال قایم کر دی ہے کہ موصوف چند ماہ کے لیے یورپ تشریف لاے † -

---

* (سر) سید احمد خاں کے صاحبزادے سید محمد محمود کو صوبۂ شمال مغربی سے وظیفہ ملا ہے - موصوف اپنے والد محترم کے ساتھ انگلستان پہنچ چکے ہیں -

† انہیں نواب مرشد آباد بھی کہتے ہیں - اسلامی حکومت کے زمانے میں مرشد آباد بنگال کا دارالسلطنت تھا - نواب صاحب کے خطابات یہ ہیں جنھیں اخبارات نے عجب عجب طرح لکھا ہے، منتظم الملک، محسن الدولہ، فرید و ں جاہ، نواب سید منصور علی خاں بہادر نصرت جنگ نواب ناظم بنگال، بہار و اڑیسہ -

آپ کے همراہ آپ کے دونوں صاحبزادے، ایک ڈاکٹر اور میر وزیر علی کاظمی اور کرنل لیارڈ (Layard) تھے - میر وزیر علی کاظمی نہایت بذلہ سنج شخص هیں - کرنل لیارڈ کے بھائی برطانوی هند کے اعلی عہدہ دار اور فاضل شخص گزرے هیں - نواب صاحب مع اپنے ساتھیوں کے جب پیرس ٹھیرے تھے تو اس وقت مجھے ان سے ملاقات کا موقع ملا * - نواب صاحب اور ان کے ساتھی سب شیعہ هیں - مذهبی پابندی میں شیعہ سنیوں سے زیادہ کٹر اور کھانے پینے کے معاملے میں محتاط هوتے هیں † - چنانچہ نواب صاحب اور ان کے ساتھیوں کو فرانس اور انگلستان میں بعض اوقات دعوتوں میں جانے سے انکار کرنا پڑا - بہر حال اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یورپ کے سفر کی بدولت نواب صاحب اور ان کے صاحبزادوں کے خیالات میں وسعت پیدا هوئی

---

* اس سال مجھے دیوان متھرا داس سے بھی ملنے کا اتفاق هوا جب کہ وہ لندن جاتے هوے پیرس میں ٹھیرے تھے - موصوف مہاراجہ کپور تھلہ رندھیر سنگھہ کے وزیر هیں اور نہایت فاضل اور علم دوست شخص هیں - نواب سلطان علی خاں سے بھی ملاقات هوئی - میں موصوف کے ساتھہ هندوستانی زبان میں گفتگو نہیں کر سکا اس لیے کہ وہ نہایت شستہ فرانسیسی بولتے هیں - موصوف نے اپنی تعلیم کی تکمیل روس میں کی هے -

† انھیں هم مسلمانوں کے پروٹسٹنٹ کہہ سکتے هیں - دیکھو میری کتاب "مسلمانان هند کا مذهب" (Memoire Sur la Religion Musulmane dans l'Inde) —

ہوگی اور ان کے ساتھیوں اور ملازمین کی معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا ۔

اس سال ہندوستان کا ایک اور نہایت معزز شخص یورپ آیا ہے۔ ہماری مراد (سر) سید احمد خاں سے ہے۔ مرصوف کو علمی اور ادبی دنیا میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ سید عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ مسلمانان ہند میں (سر) سید احمد خاں کا سا عالم اس وقت کوئی اور موجود نہیں۔ نواب مرشد آباد کی طرح سید صاحب موصوف بھی اپنے صاحبزادوں کو اپنے ہمراہ یورپ لائے ہیں۔ آپ کا ارادہ ہے کہ دونوں صاحبزادوں کو بہترین تعلیم دلائیں۔ سید صاحب کی آزاد خیالی اور وسیع مشربی کا ثبوت آپ کی اس تصنیف میں موجود ہے جو اِنجیل مقدس پر لکھی ہے۔ آپ کا سفر کی غرض سے یورپ آنا بھی اسی وسیع مشربی پر مبنی ہے۔ سید صاحب موصوف نے علی گڑھ کے "اخبار" میں اپنے سفر یورپ کے تجربات شایع کیے ہیں اور اپنے قیام انگلستان کے حالات نہایت دلچسپ طریقے پر بیان کیے ہیں * ۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ ان حالات کو پڑھ کر

---

* سید صاحب موصوف کی میرے نو جوان دوست ایچ پامر سے خوب ملاقاتیں رہیں، جو آج کل کیمبرج میں ہیں ۔ کوہ سینا کے کتبوں کی تحقیق میں ایچ پامر نے خاص نام پیدا کرلیا ہے اور ان کا علم و فضل آج مسلم ہوچکا ہے ۔ موصوف نے

بہت سے ہندوستانیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ تعلیم کی غرض سے انگلستان آئیں اور سفر سے فائدہ اٹھائیں - میری نظر سے یہ خبر گزری ہے کہ آئندہ سال بابو کیشب چندر بھی یورپ تشریف لا رہے ہیں —

(سر) سید احمد خاں کے قیام انگلستان کے دوران میں ہندوستان کے ایک اور مشہور مسلمان عالم سید اولاد علی اپنے وطن واپس گئے ہیں تاکہ وہاں لوگوں کو تمدن جدید کی برکات سے آگاہ کریں اور اخبار بینی کا شوق پیدا کرائیں جس کے ذریعے یورپ کی ترقیات کا حال اہل ہند کو معلوم ہو اور ہندوستان میں ترقی کی جو مساعی ہو رہی ہیں ان کے متعلق لوگوں کو واقفیت حاصل ہو - سید اولاد علی آئرلینڈ کی جامعۂ ڈبلن میں اردو پڑھاتے ہیں اور کئی برس سے ڈبلن میں مقیم تھے —

ہندوستان میں اب تک اصلاحی اور علمی انجمنوں میں زیادہ فرق نہیں کیا جاتا - شاہ جہاں پور میں جو انجمن سنہ ۱۸۶۲ع میں قایم ہوئی ہے اس کے پیش نظر علمی اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کوہ سینا کے متعلق کئی ہزار کتبے جمع کیے ہیں اور ان کی عبارتوں کو حل کیا ہے جن پر بہت کچھ بحث مباحثے ہوچکے ہیں - موصوف نے ان کتبوں کی مدد سے یہ تحقیق کیا ہے کہ کوہ سینا کے علاقے میں پہلی صدی عیسوی میں ایک مستقل بستی آباد تھی -

ادبی کام ہے - دراصل صوبۂ شمال مغربی میں یہ پہلی علمی انجمن ہے - ارکان انجمن کی مستقل مزاجی کی بدولت یہ انجمن ترقی کر رہی ہے - اب اس وقت جلال آباد اور دوسری تحصیلوں میں اس کی پانچ شاخیں موجود ہیں - اہل ہند کا تعلق جن جن مسائل سے ہے ان سب پر اس کے جلسوں میں بحث ہوتی ہے اور کتابوں کے ذریعے خیالات کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے - چنانچہ انجمن بلدیات کے صدر اور اعلی عہدہ داروں کے ساتھ تعلقات رکھتی ہے اور متعلقہ مسائل ان کے گوش گزار کرتی رہتی ہے - چنانچہ بعض اوقات انہیں اپنا ہم خیال بناکر ضروری اصلاحات رائج کراتی ہے - ابھی حال میں اس انجمن کی مساعی کی بدولت برہمنوں اور کھتریوں نے اپنی شادی کی بعض رسوم قبیحہ ترک کردی ہیں - انجمن کی طرف سے ایک محتاج خانہ، ایک مدرسہ سنسکرت اور عربی کی تعلیم کے لیے اور تین لڑکیوں کے مدارس قایم کیے گئے ہیں - انجمن زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کرنا چاہتی ہے - چنانچہ اردو شاعری میں جس میں عشق و محبت کے اظہار کے سوا کچھ نہیں، انجمن تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتی ہے - انجمن کے نزدیک ہندی زبان کی ترقی ضروری ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں سنسکرت الفاظ رائج کیے جائیں - انجمن کی طرف سے ایک ہندوستانی

رسالہ " رفاہ خلائق " شایع ہوتا ہے * - اس رسالے کے ساتھ تبادلہ کر کے انجمن میں نو دوسرے اخبارات آتے ہیں - ان میں پانچ اردو، ایک بنگالی، اور تین انگریزی کے ہیں - انجمن کے کتب خانہ میں اس وقت ۰ وہزار کتابیں موجود ہیں † —

اس انجمن سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے علی گڑھ، لاہور، اٹاوہ، بنارس ‡، بدایوں، مرادآباد اور الہ آباد میں انجمنیں قایم ہوئیں - مرادآباد اور الہ آباد کی انجمنوں کی روداد اردو میں شایع ہوتی ہے - الہ آباد کی انجمن کی روداد "کارروائی جلسۂ عام ماہوار" کے نام سے شایع ہوتی ہے - اس کے سوا کالی چرن " مخزن العلوم " کے نام سے الہ آباد سے ایک ماہوار ادبی رسالہ نکال رہے ہیں - مرادآباد کی انجمن کے رسالے کا نام " گنج العلوم " ہے —

(سر) سید احمد خاں نے جو " علی گڑھ انسٹیٹیوٹ " قایم کیا تھا وہ وزیر ہند ڈیوک آف ارگائل (Duke of Argyle) کے زیر پرستی خوب فروغ پا رہا ہے - مسٹر گرانٹ ڈف بھی جو نائب وزیر ہند ہیں، اس کے حامی ہیں - سید صاحب موصوف

---

* اس کے متعلق آگے ذکر آے گا -

† علی گڑہ کا " اخبار " مورخہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع -

‡ بنارس کی انجمن کا نام " انجمن ہند " ہے - بنارس چونکہ مرکزی جگہہ ہے اس واسطے وہاں کی انجمن بھی سارے ہندوستان کے لیے ہے - [illegible]

ہندستونی انسٹیٹیوٹ کے معتمد اعزازی ہیں - اس انجمن نے
بعض اہم انگریزی تصانیف کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے
اس کے علاوہ ہفتہ وار "اخبار" نہایت پابندی سے شایع
ہوتا ہے جس میں نہایت مفید معلومات ہوتی ہیں- چنانچہ
مجھے اپنے اس خطبے کی تیاری میں "اخبار" سے بہت کچھ
مسالا ملا ہے - انسٹیٹیوٹ کی طرف سے ایک مدرسہ قایم کرنے
کی تجویز پیش کی گئی ہے جہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا
جاے گا - اس مدرسہ کا نام "مدرسۂ مفید خلائق" ہوگا -
یہ بھی تجویز ہے کہ اس مدرسے میں ایک پنڈت سنسکرت
اور ہندی کی تعلیم دینے کی غرض سے ملازم رکھا جاے * —

علی گڑہ کی انجمن کی طرح لاہور کی "انجمن پنجاب" بھی
انگریزی تصانیف کا اردو ترجمہ کرا رہی ہے - مجھے اندیشہ
ہے کہ کہیں اس انجمن کے بانی اور صدر ڈاکٹر لیٹنر کی غیر
موجودگی سے یہ کام غیر مکمل نہ رہ جاے - ڈاکٹر لیٹنر
(Leitner) عرصے سے ہندوستان میں مقیم تھے لیکن فی الوقت
وہ انگلستان میں ہیں - موصوف نے سب سے پہلے یہ خیال پیش
کیا تھا کہ لاہور میں ہندوستان کی قدیم السنہ (سنسکرت
عربی اور فارسی) کی تعلیم کے لیے ایک علحدہ جامعہ قایم
کی جاے - مجھے افسوس کے ساتھہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ موصوف

* "اخبار" مورخہ ۳۰ اپریل اور ۹ مئی سنہ ۱۸۶۹ ع -

کی اس تجویز کو حکومت نے منظور نہیں کیا حالانکہ پنجاب کے امراء و معززین نے اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں دینے کا وعدہ کیا تھا - اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو یقیناً هندوستانی ادبیات میں نئی جان پڑ جاتی - حکومت لاهور میں صرف ایک "مشرقی کالج" (Oriental College) قایم رکھنا چاهتی هے - حکومت کے پیش نظر یہ بات هے کہ اگر لاهور میں مشرقی یونیورسٹی قایم کی گئی تو وہ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کی یونیورسٹیوں سے بالکل مختلف نوعیت کی هوگی —

بہار کی "سائنٹفک سوسائٹی" کا صدر مقام مظفر پور هے - اس انجمن کے معتمد ایک فاضل مسلمان هیں - اس وقت انجمن میں (۳۱۸) ارکان هیں - اس تعداد میں ۱۲۸ مسلمان هیں، ۱۶۲ هندو هیں اور ۲۰ یوروپین هیں - انجمن کی طرف سے "اخبار الاخبار" شائع هوتا هے - تجویز هے کہ انجمن مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قایم کرے اور اس کے ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دے * -

دهلی انسٹیٹیوٹ کی عمارت یوروپین وضع کی اب تیار هو چکی هے - عمارت میں ایک کتب خانہ اور ایک عجائب

(*) اردو اخبار - مورخہ ۱۰ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع، اخبار عالم مورخہ ۶ مئی و ۸ جولائی سنہ ۱۸۶۹ ع -

گھر بھی شامل ہے (*) —

امسال جو نئی انجمنیں قایم ہوئی ہیں ان میں "نیولی تال انسٹیٹیوٹ" قابل ذکر ہے - دوسری انجمنوں کی طرح اس کے بانی بھی چند متمول امرا ہیں جو قوم میں روشن خیالی پھیلانا چاہتے ہیں —

مشاعروں کا سلسلہ بدستور جاری ہے - ایک بڑا مشاعرہ آگرہ میں ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ع کو ہونے والا تھا - اودھ اخبار مورخہ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ع میں ان شعرا کے لیے ہدایات کا اعلان شائع ہوا، جو اس مشاعرہ میں شرکت کرنا چاہتے ہیں - ان ہدایات میں ہے کہ شعرا پہلے سے اپنے نام، تخلص، مذہب، عمر، استاد کا نام اور یہ کہ آیا استاد زندہ ہے یا فوت ہوگیا، مطبوعہ دوانین کے نام اور دوسرے حالات کے متعلق اطلاع کردیں —

ان انجمنوں کے قیام سے اہل ہند کا یورپ کے ساتھ ربط قایم ہو رہا ہے - اس ربط ضبط کی بدولت ہندوستان میں ایک نئی تہذیب قایم ہونے والی ہے - اس وقت ہندوستان میں جس قدر جامعات، مدرسے اور کالج قایم ہیں وہ سب کے سب مغربی اصول پر ہیں - آہستہ آہستہ اہل ہند مغربی

(*) ملاحظہ ہو بھولا ناتھ چاندر کی کتاب "ایک ہندو کا سفر" جلد ۲ - صفحہ ۳۸۰ -

علوم سے آشنا ہوتے جا رہے ہیں - جس طرح انہوں نے قدیم علوم کی تحصیل میں کمال پیدا کیا تھا، اب وہ مغربی اثر سے جدید طریق تعلیم میں بھی کمال پیدا کرنے لگیں گے * —

اس وقت تقریباً ۳۰ لاکھ ہندو اور ۹۰ ہزار مسلمان سرکاری مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں - اس کے سوا ۳۳ ہزار لڑکے اور ۸ ہزار لڑکیاں مشن کے مدرسوں میں پڑھ رہی ہیں - اب تک جو بات سننے میں نہیں آئی تھی اس کی عملی صورتیں ہمارے سامنے ظاہر ہو رہی ہیں - ہندو، مسلمان اور پارسی اپنے خرچ سے مدارس قایم کر رہے ہیں جہاں نہ صرف لڑکوں بلکہ لڑکیوں کی بھی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے - یہ مدارس مغربی اصول پر چلائے جاتے ہیں - پورنیا کے ایک باشندے نے آٹھ سو روپے سالانہ کی رقم اپنے گانوں میں مدرسہ قایم کرنے کے لیے وقف کر دی ہے † - ہندوؤں نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ مدراس میں دیسی عورتوں کو نارمل کی تعلیم دینے کے لیے ایک مدرسہ قایم کیا جائے - راجہ وزیا نگرم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ پانچ طالبات کا خرچ خود برداشت کریں گے - ملکی تعصبات کو تسلیم کرتے ہوئے ارباب مدرسہ نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ شروع شروع میں صرف اونچی

(*) بنارس میں بعض اہل ہند لاطینی زبان سیکھ رہے ہیں -

(†) "اخبار" - مورخہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۶۹ ع -

ذات کی لڑکیاں مدرسے میں شریک ہو سکیں گی * —

مراد آباد میں مدرسۂ فوقانیہ کے جلسۂ افتتاحی کے موقع پر سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر صوبہ شمال مغربی نے تقریر کے دوران میں کہا کہ یہ مدرسہ ایک مسلماں خاتون کے وقف کی بدولت قایم ہورہا ہے - اس وقف کا انتظام حکومت کے ہاتھہ میں ہے - دراصل اس شہر میں پہلے سے امریکن مشن اسکول موجود تھا لیکن چونکہ اہل ہند نے کثیر تعداد میں مسیحی مذہب نہیں قبول کیا ہے اس لیے حکومت نے بظاہر اس معاملے میں غیر جانبداری کا اظہار کیا ہے - اگرچہ حکومت مشنریوں کے جوش عمل کی قدردان ہے لیکن وہ ہندوستانی طلبہ کو ان کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتی —

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن اسکولوں بلکہ سرکاری مدارس میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں - مسلمانوں کو خاص کر اس بات کا احساس ہے اور وہ اپنے بچوں کو ان مدارس میں بھیجنے سے احتراز کرتے ہیں - اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ

(*) هوم ورڈ میل - مورخہ ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع -

مذہب اسلام کے علاوہ نجات کا کوئی دوسرا رستہ نہیں لیکن ہندو لوگ اس باب میں زیادہ سخت نہیں - چنانچہ انھیں کی جماعت کے افراد مسیحی تبلیغ سے متاثر ہورہے ہیں- کیتھولک اور پروتسٹنٹ مشنری بھی غافل نہیں ہیں- وہ بھی اپنا کام انہماک سے کیے جاتے ہیں اور اپنی مساعی کا پھل پاتے ہیں - مسیحی جماعتوں کی تصانیف، رسائل اور اخبارات کی بدولت دیسی لوگوں میں مسیحی خیالات کا چرچا بڑھ رہا ہے اور وہ مسیحی دین کی طرف مائل ہورہے ہیں - کپتان ایکمان (Aikman) کی کتاب "ثلاثۃ الکتب" جس سے ان کی مراد عہد نامۂ جدید، عہد نامۂ عتیق اور قرآن سے ہے، بہت مقبول ہوئی † - یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے - مدراس کے اسقف نے از راہ عنایت اس کا ایک نسخہ مجھے بھیجا ہے- اس کتاب سے مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی ہے - ہر جگہہ مولویوں نے جلسے کرکے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے- اس کتاب میں مسئلۂ نجات اُخروی کے متعلق* جو عیسائیوں اور مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے، بحث

---

* حیدرآباد سندھ میں ایک مسلمان کے عیسائی ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ دو سو مسلمان طالب علم جو مشن اسکولوں میں تعلیم پا رہے تھے اپنے نام خارج کرا کے علحدہ ہو گئے -

† یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۲۳۲ صفحات پر حاوی ہے - اصل کتاب اردو میں ہے لیکن یورپین پبلک کے لیے مصنف نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کردیا ہے -

کی گئی ھے - چنانچہ انجیل اور قرآن کی رو سے مسلمانوں کے بہت سے عقاید کو غلط ثابت کیا گیا ھے —

کلکتہ کے مشہور معروف اسقف نے گزشتہ سال اپنے پورے علاقے کا دورہ کیا - موصوف کشمیر اور پشاور بھی گئے - ہر جگہہ خوب شاندار استقبال کیا گیا - موصوف اردو بلا تکلف بولتے ھیں جس کے باعث انھیں دیسی لوگوں سے میل ملاقات میں بیحد سہولت ہوتی ھے * - پنجاب میں ۳۰ مرکزوں کا معائنہ کیا - چار نئے کلیساؤں کی افتتاحی رسم ادا کی - آٹھ قبرستانوں کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا ' ۳۱ جلسوں کے موقعوں پر ۳۶۵ اشخاص کا کنفرمیشن (Confirmation) کیا جن میں سے ۷۳ دیسی لوگ تھے† - موصوف نے " انجمن اشاعت انجیل " کے روبرو کہا کہ چھوٹا ناگپور میں سات ہزار دیسی مسیحی زمرے میں داخل ہوگئے ھیں - چنانچہ اس علاقے کے لیے چار لیوتھری مسلک کے پادری مقرر کردیے گئے ھیں اور انھیں حق تبلیغ عطا کیا گیا ھے ‡ —

مسیحی مبلغین نے اس خیال سے کہ ہندوستانی رواج کی خلاف ورزی نہ ہو ' یہ فیصلہ کیا ھے کہ جو عورتیں عیسائی

سب اخباروں میں میری نظر سے یہی گزرا کہ موصوف اردو بولتے ھیں نہ کہ ھندی —

کولونیل چرچ کرانیکل - ۲ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع -

انڈین میل - ۲۴ جولائی سنہ ۱۸۶۹ ء

مذہب قبول کریں اور جو پہلے سے پردے کی زندگی کی عادی ہوں ، وہ اپنے مکان میں ہی بپتسمے کی رسوم پوری کرسکتی ہیں - لیکن عشاے ربانی کے لیے انہیں اجازت ہوگی کہ برقع پہن کر کلیسا اور لوح مقدس کے قریب جائیں ان کے لیے علحدہ جگہہ مقرر کردی جاتی ہے جہاں انہیں کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھہ سکتا - بالکل اسی طرح جیسے Carmelites اور Clarisses کے کلیساؤں میں انتظام کیا گیا ہے - ریورنڈ آر کلارک نے امرتسر کے انگلی کن مشن کی سنہ ۱۸۶۸ ع کی رپورٹ میں یہ باتیں بیان کی ہیں —

جو لوگ ابھی حال میں مسیحی زمرے میں شامل ہوے ہیں ان میں مولوی سراج الدین پانی پتی قابل ذکر ہیں - ان کی عمر اس وقت سو سال ہے - وہ عمادالدین کے والد ہیں جن کے متعلق میں گزشتہ سال تذکرہ کرچکا ہوں اور تفصیلی حالات بیان کرچکا ہوں - وہ اس وقت انگریزی کلیسا میں پادری ہیں - ان کے بھائی خیرالدین اور ان کی بیوی اور خود عمادالدین کی بیوی کے سوا اس خاندان کے سب افراد نے عیسائی مذہب قبول کرلیا ہے - کریم الدین اب تک اسلام کے نام لیوا ہیں —

ایک دن آنے والا ہے جب پورا ہندوستان مسیحی جھنڈے تلے ہوگا - ہمیں پوری توقع ہے کہ ' خداے تعالیٰ نے جو دن

اس کام کے لیے مقرر کیا ہے وہ قریب آ رہا ہے جب کہ زمین پر آسمان کی جانب سے ایک روشنی نازل ہوگی جس سے دنیا چمکا اٹھے گی- اسی روز کا دنیا اتنے عرصے سے انتظار کررہی ہے"*-

"صلیب کے علم" ایک دن دنیا پر چھا جائیں گے، اور خدائے حی و قیوم کا کلام مقدس دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گا ... . هندوستان کے جنوبی ساحلوں پر جہاں شیطان پوجا جاتا تھا، آج وہاں ہمارے آقا یسوع مسیح کے کلمات پاک کا غلغلہ بلند ہے اور مسیحی تعلیم لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہی ہے †—

اس صدی میں اعداد و شمار کو بہت اهمیت دی جاتی ہے- علیگڑھ کے "اخبار" میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں انہیں میں اس جگہ درج کرتا ہوں- ان کے دیکھنے سے آپ کو سنہ ۱۸۶۸ - ۱۸۶۷ ع کی هندوستان کی مذہبی زندگی کا حال معلوم ہو جائے گا- یہ اعداد و شمار "هندوستانی نظم و نسق کے سالنامے" سے نقل کیے گئے ہیں- حکومت برطانیہ کے تحت اس وقت ۱۵ کروڑ نفوس زندگی بسر کر رہے ہیں ان میں سے دس لاکھ ترانوے ہزار عیسائی ہیں، جن میں

---

* یہ "دعائے پیرس" کے ابتدائی اشعار ہیں - یہ دعا "دعائے لیون" میں شامل کرلی گئی ہے جو بہت قدیم ہے - لیکن ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع کے احکام کی رو سے نئی دعا یا جسے Romano - lyonnaise کہتے ہیں رائج ہوئی ہے -

† ورق زورقہہ - "هولی ایئر" Holy-Year مناجات ۱۲ -

۹۴۰۰۰۰ کیتھولک ہیں ۴۵۳۰۰۰ پروٹسٹنٹ وغیرہ ہیں *۔ گیارہ کروڑ ہندو ہیں۔ تیس لاکھ بدھ مت کے متبعین ہیں۔ دو کروڑ پچاس لاکھ مسلمان ہیں۔ ایک کروڑ بیس لاکھ قدیم باشندے ہیں جو نیم وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ستر لاکھ پارسی یہودی وغیرہ ہیں۔

یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ہندو لوگ زمرۂ اسلام میں شامل ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض عیسائی لوگ نہ معلوم کیوں اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی مثالیں کم ہیں لیکن ہیں ضرور۔ امسال بعض تنگ دست یورپین مسلمان ہو گئے۔ اردو کے ایک اخبار "چشمۂ علم" میں ان غریب یورپینوں کے اسلام قبول کرنے کے متعلق حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ محتاج لوگ مدراس کی ایک مسجد میں جمع ہوئے اور شریک اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اور نماز میں اس کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی۔ اس مذکورۂ بالا اخبار کے مدیر نے یہ لکھا ہے کہ اور بعض دوسرے یورپینوں کا

---

* ہندوستان کے قدیم عیسائیوں کو "سینٹ طوماس کے عیسائی" کہتے تھے۔ ان کی مناجاتیں سریانی میں ہیں یہی حضرت مسیح کی زبان تھی یہ لوگ رومن کیتھولک یا دوسرے کلیساء میں ضم ہونا نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ اپنے تئیں یونانی کلیساء سے وابستہ ٹھہراتے ہیں اس لیے کہ آخرالذکر قدیمی مسیحیت سے قریب ترین ہے جس کی وہ نمائندگی کے دعویدار ہیں۔

بھی یہی ارادہ تھا کہ اسلام قبول کر لیں، مکہ حج کے لیے جائیں اور اس طرح اپنا "پیٹ بھریں" —

ایک سوئٹزرلینڈ کے باشندے نے کمال کر دیا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے اسلام قبول کر لیا بلکہ اب وہ مشرقی لباس زیب تن کیے ہوئے بلند پایہ ہند میں تبلیغ کرتا پھرتا ہے۔ مجمعوں میں تقریریں کرتا ہے اور قرآن کے مطالب اردو میں بیان کرتا ہے حالانکہ اردو پر اسے قدرت حاصل نہیں * —

اب ہم ان ہمدردوں کا حال بیان کرتے ہیں جنھوں نے گزشتہ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ میں سب سے پہلے ایک مشہور و معروف انگریز سر ہربرٹ ایڈورڈز کا ذکر کرتا ہوں جن کا گزشتہ دسمبر میں ۲۳ تاریخ کو انتقال ہوا۔ ان کی عمر صرف ۴۹ سال تھی۔ موصوف ایک حوصلہ مند فوجی آدمی تھے اور علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ میں خاص کر سب سے پہلے موصوف کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ کو ہندوستانی زبان سے خاص لگاؤ تھا۔ شملہ سے جو اردو اخبار نکلتا ہے وہ موصوف ہی کی سرپرستی میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اس اخبار کی زبان اردو ہے لیکن چونکہ چندہ دینے والوں میں کثرت ہندو لوگوں کی ہے اس لیے انھیں خوش کرنے کے لیے اس کی طباعت دیوناگری رسم خط میں ہوتی

* اودھ اخبار، مورخہ ۵ جنوری ۱۸۶۹ء

ہے - موصوف نے ایک نہایت عمدہ کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام " پنجاب میں ایک سال " (A Year in the Punjab) ہے- میں نے یہ اعلان دیکھا تھا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ عنقریب لاہور سے شائع ہونے والا ہے- موصوف نے "دہلی گزٹ" میں متعدد مضامین بھی تحریر کیے جو نہایت دلچسپ تھے- آپ نہایت پابند مذہب عیسائی تھے اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ سب ہندوستانیوں کو مشرف بہ مسیحیت کریں - آپ نے حکومت کی مذہبی غیر جانبداری کے خلاف متعدد بار صداے احتجاج بلند کی اور حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اسے مسیحی مبلغین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے- موصوف ہی کی تحریک پر ان مدارس میں جہاں برطانوی نظم و نسق کی تعلیم دی جاتی ہے' انجیل کی تعلیم لازمی قرار دی گئی اِس لیے کہ اِس کی حیثیت مستند ادب کی ہے - آج موصوف وہاں ہیں "جہاں بادل اور سایے کا وجود نہیں' اور جہاں آفتاب عدل کی قربت کے باعث ہم سر چشمۂ حقیقت کے دو بدو آجا سکتے ہیں " * -

پچھلے سال دو مشہور ہندوستانی اہل قلم نے دعوت اجل کو لبیک کہا - ایک رجب علی بیگ سرور ہیں جن کے انتقال کی خبر میں نے علی گڑہ کے " اخبار " مورخہ ۱۴ مئی میں

* مناجات پیرس -

پڑھی - موصوف نثر نگار کی حیثیت سے اپنے ہم عصروں میں امتیاز رکھتے تھے اور عام روش کے خلاف اپنی خیالی تصانیف کو نثر کے ذریعہ ظاہر کیا - موصوف کا شاہکار "فسانۂ عجائب" ہے جسے اہل ہند فرصت کے اوقات میں پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں - اس کے سوا اور تصانیف بھی موصوف نے یادگار چھوڑی ہیں - آپ راجہ صاحب بنارس کے ہاں اعلیٰ خدمت پر مامور تھے اور راجہ صاحب آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے - دوسرے مشہور شخص اسداللہ خان غالب ہیں - آپ اسد بھی تخلص کرتے تھے - آپ کا سرور سے دو ماہ قبل ۷۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا - موصوف اپنے زمانے کے بہترین انشاپرداز اور شاعر تصور کیے جاتے ہیں - اہل ہند کا خیال ہے کہ موصوف کی تصانیف ابدالاباد تک زندہ اور باقی رہیں گی —

علمی اور ادبی دنیا کی ان دو ممتاز شخصیتوں کے علاوہ دو اور ہیں جن کا گزشتہ سال انتقال ہوا اور جنہیں سیاسی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے - نواب کریم شاہ برادر ٹیپو سلطان کی بیوہ کا ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۶۹ ع کو انتقال ہوگیا - حیدر علی شاہ کے زمانہ میں موصوفہ کی شادی ہوئی تھی - انتقال کے وقت بیگم صاحبہ کی عمر ۱۱۴ سال تھی - اور آخر وقت تک ہوش و حواس برقرار رہے - فروری سنہ ۱۸۶۹ ع

میں افضل الدولہ نظام الملک والیء حیدرآباد (دکن) نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - آپ پابند مذہب مسلمان تھے - آپ کے ہاں چار سو حافظ قران کی تلاوت میں مصروف رہتے اور ۳۴۰ علما اسلامی علوم اور مسئلے مسائل کی تحقیق میں مشغول رہتے تھے - میر محبوب علی خان بہادر جو اس وقت بہت کم عمر ہیں، آپ کے تخت و تاج کے وارث ہیں - انگریزی حکومت کی سرپرستی میں (سر) سالار جنگ وزیر اعظم ریاست حیدرآباد انصرام مملکت کے فرائض بحیثیت ولی انجام دے رہے ہیں - اگرچہ نظام کو اپنی ریاست میں جو رقبے میں انگلستان سے بڑی ہے' پوری آزادی حاصل ہے لیکن وہ انگریزی اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں - اس ریاست کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے - اس ریاست کے باشندوں کی زبان دکنی اردو ہے - گولکنڈہ کسی زمانے میں اس ریاست کا پایۂ تخت تھا اور ہیرے کی کانوں کے لیے تمام عالم میں مشہور تھا - اب یہاں ہیرے نہیں نکلتے - سندباد جہازی نے وادیء گولکنڈہ کے دلفریب حالات کہانی کے طور پر بیان کیے ہیں لیکن دوسرے مشہور سیاحوں نے جو یہاں کا ذکر کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے - چنانچہ مارکوپولو نے اپنے سفر نامے میں یہاں کے جو حالات بیان کیے ہیں انہیں ہم بطور مثال پیش کر سکتے ہیں —

بادشاہ ہو یا کوئی عامی' موت ہر ایک کے لیے بر حق ہے - عربوں کا مقولہ ہے "حاصلِ زندگی موت ہے" —